اَلفوائدُ الجیلانیۃ مِن الآیاتِ القرآنیۃ

تفسیری اِفادات

از

مفکرِ اسلام ڈاکٹر پیر سید عبدالقادر شاہ جیلانی

مُرتّب
قاضی عبدالغفور قادری
یُوکے

بحُسنِ اہتمام
قاری عزیز حیدر قادری
پی۔ایچ۔ڈی سکالر

قادریہ جیلانیہ پبلی کیشنز راولپنڈی پاکستان

الفوائد الجیلانیۃ من الآیات القرآنیۃ

(تفسیری افادات)

از

مفکر اسلام ڈاکٹر پیر سید عبد القادر جیلانی مدظلہ العالی

{مرتب}

قاضی عبد الغفور قادری۔ یو کے

{بحسن اہتمام}

قاری عزیز حیدر قادری (پی ایچ ڈی سکالر)

قادریہ جیلانیہ پبلی کیشنز راولپنڈی۔ پاکستان

جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں

☆☆☆☆☆

نام کتاب: الفوائد الجیلانیۃ من الآیات القرآنیۃ

(تفسیری افادات)

مرتب: قاضی عبدالغفور قادری

تعداد: گیارہ سو۔

اشاعت: ربیع الثانی 1442 ہجری (نومبر 2021ء)

ہدیہ: ----------

نظر ثانی: علامہ سید عظمت شاہ گیلانی، علامہ سید مصباح الحسن گیلانی، علامہ ڈاکٹر وحید ارشد قادری مرحوم

علامہ ڈاکٹر محمد آصف القادری (اسلامک موومنٹ ریسرچ سنٹر پاکستان)

کمپوزنگ عبدالرحمن۔عبدالحبیب

(بحسنِ اہتمام)

قادریہ جیلانیہ پبلی کیشنز

0331-5112339

ملنے کا پتہ: احمد بک کارپوریشن

عالم بزنس سنٹر، اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

051-5551167

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شرفِ انتساب

ہم اپنی اس کاوش کو **سباقة الخلق الی الاسلام ملیکة العرب**
اُم المومنین حضرت سیدہ طیبہ طاہرہ **خدیجۃ الکبری** سلام اللہ علیہا
کے اسم گرامی سے منسوب کرتے ہیں۔
یہی وہ ذات پاک ہے جن کے سامنے اللہ تعالیٰ کے
آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
سب سے پہلی قرآنی وحی کا اظہار فرمایا

حُسن ترتیب

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۔	**پہلا درس قرآن: قرآن وتصوف (۲۲ دسمبر ۲۰۰۳ء)**	30
	☆.....تصوف کا تصور غیر مسلموں کے نزدیک	
	☆.....اصطلاحاتِ تصوف	
	☆.....اسلامی تصوف کا امتیاز۔ صحیح منزل کی طرف رہنمائی	
	☆.....دوسرے مذاہب کی تلاش حق میں ناکامی	
	☆.....فلسفہ مشائیہ اور فلسفہ اشراقیہ	
	☆.....دنیوی علوم	
	☆.....معرفت الٰہی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں	
	☆.....اہلِ حق کی کرامات	
	☆.....اسلامی تصوف اور قرآنی آیات۔ مقام اور حال	
	☆.....مباحات سے بچنا	
	☆.....اللہ کا فضل اور اللہ کی طرف سے جزا	
	☆.....فضل الٰہی احکام تبلیغیہ یا نیک اعمال کے نتیجے میں حاصل نہیں ہوتا	
	☆..... پانچ نمازیں۔ ثواب پچاس نمازوں کا	
	☆.....بعد از وفات اولیاء اللہ کا امداد کرنا	
	☆.....اولاد فاطمہ علیہا السلام اور آیۃ تطہیر	
	☆.....رواج کا دباؤ	
	☆.....نعمتوں کا حصول حقانیت کی دلیل نہیں	
	☆.....حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فقر واستغناء	
	☆.....چلہ کشی۔ یاد خدا میں محویت کے لئے گوشہ تنہائی	

☆.....پہلی اُمتوں کے نیک امور کا اُمت مسلمہ میں جواز

☆.....اسلام میں پردے کی اہمیت

☆.....حضرت ام المؤمنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

۲۔ دوسرا درس قرآن: مسائل تصوف حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ کی روشنی میں (۲۶ جنوری ۲۰۰۴ء)

☆.....ترجمہ آیات 54

☆.....نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم غیب

☆.....روحانی علوم ومعارف میں شیخ طریقت کی پیروی

☆.....شیخ کی بلا تامل پیروی

☆.....بلند درجے والے کا اپنے سے کم درجے والے سے وصول فیضان

☆.....مرشد کی منزلیں کبھی مرید کے ذریعے سے طے ہوتی ہیں

☆.....علم غیب، فضل جزئی اور فضل کلی

☆.....موسیٰ علیہ السلام کا مواخذہ لینے کا جواز

☆.....حضرت خضر علیہ السلام کا جواب

☆.....حضرت خضر علیہ السلام نے لڑکے کو قتل کر دیا

☆.....یتیم بچوں کی دیوار کی تعمیر

☆.....واقعات کی حکمتیں

☆.....کشتی کے نقصان کا قانونی پہلو

☆.....علوم غیبیہ حواس خمسہ اور عقل کی پہلی توجہ

☆.....نسب کی اہمیت اور فائدہ

☆.....سادات اطہار کی عظمت۔ خاتون جنت کی عظمت کے تین پہلو

☆.....مولیٰ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی شجاعت

۳۔ تیسرا درس قرآن: روحانی مدارج کے لیے وسیلہ۔ شیخ کامل کی ضرورت (۲۴ فروری ۲۰۰۴ء)

☆.....ترجمہ آیات

☆.....ایمان۔عقیدہ صحیحہ

☆.....تقویٰ بمعنی ڈرنا یا بچنا

☆.....فقہ اسلامی۔احکام شریعہ

☆.....تہذیب الاخلاق۔تدبیر منزل اور سیاست مدن

☆.....وابتغوا الیہ الوسیلۃ

☆.....مرد خدا کی تلاش

☆.....سراج الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

☆.....امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

☆.....امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

☆.....امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔آپ کو شہید کرنے کی اصل وجہ

☆.....حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر نسبت کی تعظیم

☆.....حسنین پاک کے ساتھ لاڈ و پیار

☆.....فضائل اہلِ بیت اطہار۔قاسم الولایت

☆.....شیخ ابوالحسن شاذلی اور علامہ عزالدین عبدالسلام رحمہما اللہ تعالیٰ

☆.....باب مدینۃ العلم۔باطنی علوم و معارف

☆.....حضرت شیخ ابوالعباس مرسی رحمۃ اللہ علیہ

☆.....نماز میں مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور

☆.....روحانی لطائف

۴۔ چوتھا درس قرآن: ولایت۔فنائے قلب (۱۹ اپریل ۲۰۰۴ء)

☆.....ترجمہ آیات

☆.....قرب خداوندی کی دعوت

☆.....ولی کے معنیٰ اور قربِ خداوندی کا مفہوم

☆.....رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت مرکز ایمان ہے۔

☆.....مزاج محبت

☆.....حدیث قدس۔ بارگاہ الٰہی میں محبوبیت

☆.....نصیحت کی باتیں

☆.....فنائے قلب قرآن حکیم کی روشنی میں

☆.....ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ۔عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم

☆.....مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ۔ مدینہ شریف میں معلم اول۔سورۂ یوسف اور درس محبت

☆.....حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ایمانی حرارت

☆.....محبت کی دکان

☆.....حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔فتنہ خلق قرآن کا شدید رد

☆.....توبہ

☆.....نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربارِ عالی میں حاضری کی کیفیات

۵۔ پانچواں درس قرآن: کمالات ولایت اور فیضان نبوت (۲۴ مئی ۲۰۰۴ء)

☆.....ترجمہ آیات

☆.....انبیاء مظہر صفات الٰہی ہوتے ہیں

☆.....کمالات ولایت نبوت کے کمالات کا انعکاس ہوتے ہیں

☆.....حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت اور بادشاہت کی حدود

☆.....عدل اور ظلم۔احتساب کا احساس۔فکر آخرت

☆.....علم نبوت

☆.....امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کمالات کے قاسم ہیں

☆.....تحدیث نعمت

☆.....نسب کی اہمیت

☆.....نسبتوں کی تعظیم

☆.....منطق الطیر

☆.....ولایت اور متاع دنیا

۶۔ چھٹا درس قرآن: مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا (۳ جولائی ۲۰۰۴ء)

☆.....ایمان۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا جملہ محبتوں پر غالب آ جانے کا نام ہے

☆.....ولایت کی پہلی بنیاد عقیدہ صحیحہ ہے۔

☆.....ذکر محبوب محبت کی علامت ہے

☆.....محبت کی ابتداء محبوب کی طرف سے ہوتی ہے

☆.....صفات ایجابیہ یا ثبوتیہ اور صفات سلبیہ

☆.....ذکر اور فکر

☆.....اچھے اور برے، دوست اور دشمن کی پہچان کا معیار

☆.....اہل محبت کے نزدیک محبوب کی بستی کا مقام و مرتبہ

☆.....صحبت شیخ

☆.....ہر معاملے کا انحصار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی پر ہے

☆.....محبت کا مزاج

☆.....محبت کو محبوب کا عیب دیکھنے سننے کی عادت نہیں

☆.....محبت کہاں سے ملتی ہے

☆.....حضرت حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم کی بے مثال شجاعت

☆.....بدن اور روح کا تعلق

۷۔ ساتواں درس قرآن: رابطہ شیخ (۱۴ اگست ۲۰۰۴ء)

☆.....بارگاہ رسالت سے روحانی معارف میں فیض یاب شخصیات

☆.....اللہ سے ملنے کے تین طریقے

☆.....غارِ ثور کا واقعہ۔صدیق اکبر کے رابطہ شیخ کی کیفیات

☆.....مرید باصفا کے لیے قابلِ تقلید نمونہ

☆.....سانپ کا واقعہ

☆.....تصورِ شیخ میں کسی شدت کا احساس نہیں ہوتا

☆.....حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے قراری۔سوال مقدر کا جواب

☆.....حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ''اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ '' کیوں کہا؟

☆.....فنافی الرسول فنافی الشیخ

☆.....غیبی امداد

☆.....حضرت مولیٰ مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رابطہ شیخ

☆.....سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ادا قانون ہے

☆.....بحالتِ نماز رابطہ شیخ

☆.....سرزمین مدینہ شریف کا تقدس اور یزید پلید کا ناپاک کردار

۸۔ آٹھواں درس قرآن: تزکیہ قلب۔اسباب اور ثمرات (۱۲ اکتوبر ۲۰۰۴ء)

☆.....قیامت۔آخرت میں جزا و سزا کا یقین

☆.....معتوب قوموں کے احوال بیان کرنے کا مقصد

☆.....کتاب مبین ۔ علوم نبوت اور علم غیب

☆.....اہل کتاب سے کیا مراد ہے

☆.....قرآن کا نزول قلب مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوا

☆.....قلب کی اصلاح عالمگیر اصلاح کا پیش خیمہ ہے

☆.....انوار و تجلیات کا مرکز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لطیفہ قلب ہے

☆.....اولیاء اللہ غیب پر مطلع ہوتے ہیں

☆.....عظمت قرآن

☆.....دل کی طہارت

☆.....قرآن اور بنی اسرائیل

☆.....قرآن ہدایت اور رحمت ہے

☆.....اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

☆.....حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسلی خاطر

☆.....کافر مردہ دل ہیں

☆.....اہلِ قبر سنتے ہیں۔مردہ کفار بھی سنتے ہیں

☆.....کافروں والی آیات مسلمانوں پر چسپاں کرنا بدترین اقدام ہے

☆.....اہلِ ایمان کو ہی ہدایت کی بات سنائی دیتی ہے

☆.....اللہ کے نبی صورت انسانی میں آتے رہے

☆.....قیامت کا ظہور۔اس کی علامات

☆.....شب معراج راستے میں موسیٰ علیہ السلام کا کھڑے ہونا

☆.....دنیا سے چلے جانے کے بعد اللہ والے مدد کر سکتے ہیں

☆.....موسیٰ علیہ السلام کی راستے میں کھڑا ہونے کی اصل وجہ

☆.....مَنْ رَأَنِی فَقَدْ رَأَی الْحَقَّ

☆.....حروف مقطعات

۹۔ نواں درس قرآن: عقیدہ صحیحہ۔وحدت کی بنیاد (۱۱دسمبر ۲۰۰۴ء)

☆.....حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی داستان زندگی ۔ بنیادی حقائق

☆.....دعائے خلیل اللہ اور واقعہ قربانی

☆.....عقیدہ صحیحہ کا بدلہ

☆.....قرآن میں واقعات بیان کرنے کا انداز

☆.....قرآن حکیم کی تفسیر

☆.....اللہ کے نبی انسانیت کی ہدایت کے لیے انسان کامل بن کر آتے ہیں

☆.....شجرہ طریقت کی اہمیت

☆.....حالات وواقعات کا نتیجہ منطقیہ

☆.....بعد از وفات ایصالِ ثواب

☆.....فیضانِ ولایت

☆.....بارگاہ الٰہی سے سچا تعلق

☆.....دشمنوں کے خلاف خفیہ تدبیر

☆.....نفس کی پوجا

☆.....حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ کون تھا؟

۱۰۔ دسواں درس قرآن: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے واقعات کوہ طور پر تجلی الٰہی کا ظہور (۳ مارچ ۲۰۰۵ء)

☆.....پند ونصائح کا اثر

☆.....حقوق زوجین

☆.....شبانی سے کلیمی تک

☆.....وصول فیضان کم درجے والے سے ہوسکتا ہے

☆.....اہل اللہ کی جگہوں کی برکات

☆.....بندہ حق کا بولنا رب کا بولنا ہے

☆.....پاک جگہوں کا ادب

☆.....رب کی معرفت

۱۱۔ گیارہواں درس قرآن: عورت کی امامت (۱۴ اپریل ۲۰۰۵ء)

☆.....امامت کے لیے اہلیت

☆.....نابالغ کی امامت

☆.....دین کے مسائل کی مکمل تحقیق

☆.....شارع بخاری امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ

☆.....حضرت ام ورقہ شہیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

☆.....موذن مرد ہونا چاہیے

☆.....عورت کا تقدس پردے میں ہے

☆.....عورت کی امامت کبھی بھی منسوخ نہیں ہوئی

☆.....حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مناظرہ

☆.....بوقت ضرورت عورت نماز جنازہ پڑھا سکتی ہے

☆.....امام کا خلیفہ ہونا

۱۲۔ بارہواں درس قرآن: تلاوت کردہ آیات قرآنی کی روشنی میں ایمان، استقامت انفاق فی سبیل اللہ اور نیکی کی اشاعت کی تعلیم (۱۱ مئی ۲۰۰۵ء)

☆.....کفار کے بہانے۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات دیکھ کر بھی ایمان لانے میں حیل وحجت

☆.....ہدایت انسانی کے لیے انبیاء کرام کی بعثت ہوتی رہی

☆.....شاہ نجاشی کے ایمان اور کعبۃ اللہ کی حفاظت کا واقعہ

☆.....کعبہ جھکا اور اُس کے اندر بت گرے

☆.....کتاب اللہ پر ایمان لانے والوں کا دوہرا اجر

☆.....اللہ کا قرب ۔ نفلی عبادت کا فائدہ

☆.....بدی کا تدارک نیکیوں کے ذریعے

☆.....صحابیہ رضی اللہ عنہا کا جذبہ ایثار

☆.....سلام متارکت

☆.....ہدایت دینا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری نہیں

☆.....حرم کے پاس بسنے والوں کی بزرگی

۱۳۔ تیرھواں درس قرآن: متاع دنیا کی حیثیت۔ قیامت کے دِن کفار ومشرکین کا حال ہوائے نفس کی غلامی (۶ جون ۲۰۰۵ء)

☆.....متاع دنیا عارضی ہے

☆.....کفر وشرک کا رد۔ روز قیامت کفار ومشرکین کا حال

☆.....نفسانی خواہشات کی غلامی

☆.....اسلام میں زُہد کی اہمیت

☆.....قیامت کے دِن نافرمانوں کی حسرت ویاس

☆.....حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

۱۴۔ چودھواں درس قرآن: رضائے حق میں مصائب ومشکلات کا درجہ (۱۵ نومبر ۲۰۰۵ء)

☆.....سورۂ عنکبوت کا نزول۔ مضمون کا ربط

☆.....راہ حق میں آزمائشیں

☆.....اولاد فاطمہ سلام اللہ علیہا کی قربانیاں

☆.....حضرت عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ

☆.....حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ

☆.....حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ

☆.....حضرت حبیب ابن عدی رضی اللہ عنہ

☆.....بے موسم پھل

☆.....صوفیائے کرام کی تعلیمات۔ اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈالنا

☆.....صحبت صالحین

۱۵۔ پندرھواں درس قرآن: دنیا کی زندگی۔ ایمان کی حفاظت۔ جائے امن (۱۹ اپریل ۲۰۰۶ء)

☆.....حفاظت ایمان کے لیے ہجرت

☆.....خواہشات نفسانیہ کو چھوڑنا

☆.....ناپائیدار دنیا

☆.....مشرکین کا مصیبت کے وقت اللہ کو پکارنا

☆.....اہل ذکر کی فضیلت

☆.....رزاق حقیقی اللہ ہے

☆.....سرزمین حرم جائے امن ہے

☆.....مدینہ طیبہ کی عزت وحرمت

☆.....ناموس رسالت کا تحفظ

☆.....ہجرت نہ کرنے کے لیے بہانے

☆.....اہل ایمان کی کوششوں کا ثمر

☆.....ہدایت میں ارتقاء۔ تطہیر اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۶۔ سولہواں درس قرآن: حقانیت اسلام کی ظاہری شہادت (۳ مئی ۲۰۰۶ء)

☆.....جہد پیہم کا ثمرہ

☆.....زندگی کے ہر شعبے میں مشکلات

☆.....امتحانات کے بعد کامیابی کی عملی نظیر

☆.....سلطنت کسریٰ Persian Empire

☆.....سلطنت روم Roman Empire

☆.....قرآن کی پیشین گوئی ۔ روم کا دوبارہ غلبہ

☆..... پانسا پلٹ گیا

☆.....اسلام کی صداقت

☆.....وعدہ حق تعالیٰ

۱۷۔ سترھواں درس قرآن: قیام قیامت۔ حیات بعد از موت (۶ جون ۲۰۰۶ء)

☆.....عقیدہ آخرت

☆.....مشرکین مکہ قیامت کے منکر تھے

☆.....روز قیامت گناہ کا انکار ناممکن ہے

☆.....ایجاد عالم

☆.....گمراہ نا اُمید ہوں گے

☆.....شفاعت۔ مفہوم مخالف

☆.....وکیل اور شفیع میں فرق

☆.....یوم قیامت مومنین اور کفار کی علیحدگی

☆.....الحب للہ

☆.....اہل اللہ کی صحبت

☆.....مومنین وصالحین کو بشارت ۔ جنت میں روحانی ذوق

☆.....عذاب آخرت

☆.....نفس کی مخالفت

☆.....جزو کہہ کر کل مراد لینا

☆.....قدرت خداوندی ۔ زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ

۱۸۔ اُٹھارہواں درس قرآن: مغضوب اقوام کے انجام سے سبق۔ فکر آخرت (۲۶ جون ۲۰۰۶ء)

☆.....قوم عاد اور ثمود کا برا انجام

☆.....مغضوب قوموں کے انجام سے عبرت

☆.....دین قیم

☆.....رحمۃ اللعالمین۔ ہمیشہ کے لیے رحمت

☆.....بندگان خدا کی برکات سے عذاب ٹلنا

☆.....یوم قیامت۔احساس جرم

☆.....نیک کام کے آغاز کا ثواب

☆.....برائی کو روکنا

۱۹۔ اُنیسواں درس قرآن: لہو ولعب دین سے دوری کا باعث ہیں (۱۸ اگست ۲۰۰۶ء)

☆.....کھیل تماشے کی باتیں دین سے دوری کا سبب ہیں

☆.....حضرت لقمان علیہ السلام۔آپ کا وعظ

☆.....انسانی ضمیر میں خدا کی پہچان کا داعیہ

☆.....جن کے پاس کوئی ہادی نہیں آیا اُن کا انجام

☆.....کتاب حکمت وہدایت

☆.....صلوٰۃ ۔ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور

☆.....زمان ومکاں میں برکت

۲۰۔ بیسواں درس قرآن: حقوق والدین۔معاشرے کا تحفظ (۵ ستمبر ۲۰۰۶ء)

☆.....والدین کی رضا میں اللہ کی رضا ہے

☆.....حضرت علقمہ صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

☆.....وقت آخر کلمہ شریف کی برکت

☆.....والدین کی ناراضگی آخرت میں موجب عذاب ہے

☆.....والد کی دعا

☆.....تصوف سنی اور تصوف سلفی

☆.....اصح الاسانید ۔ اجماع اُمت

☆.....حضرت لقمان علیہ السلام اور حکمت

☆.....مومن کا خواب

☆.....اصلاح احوال کے لیے نصیحت

☆.....اولاد کے ساتھ شفقت اور نرم رویہ

☆.....قیام نماز ۔ بارگاہ الٰہی میں عجز و نیاز

☆.....امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

۲۱۔ اکیسواں درس قرآن: غزوہ احزاب۔ توکل علی اللہ۔ کامیابی کا راز (یکم نومبر ۲۰۰۶ء)

☆.....سورۂ احزاب ۔ وجہ تسمیہ

☆.....شان نزول

☆.....غزوہ احد

☆.....مدینہ پاک میں یہود کی مالی حیثیت

☆.....غزوہ احد کا اصل محرک یہود تھے

☆.....سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کامیابی کی ضمانت ہے

☆.....غزوہ احزاب (غزوہ خندق بھی کہتے ہیں)

☆.....حیدر کرار کرم اللہ وجہہ کی ایک ضرب

☆.....خواتین اسلام کا مجاہدانہ کردار

☆.....شجاعت کی مثالیں

☆.....جنگ میں خفیہ تدبیر

☆.....ابوسفیان کی سیاسی چال

☆.....حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سے اُمت کو تنبیہہ

☆.....صلح کلی کی ترکیب

☆.....ایمانی جرات و استقامت کا ایک واقعہ

☆.....اسلام کی تبلیغ میں جبر نہیں ہے

☆.....سرزمین حرم (مکہ اور مدینہ شریف) میں رہنے والوں کی عزت

☆.....منافقت

۲۲۔ بائیسواں درس قرآن: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔

اولاد کی حقیقی باپ کے ساتھ نسبت کا حکم متبنیٰ بنانے کی ممانعت (۵ دسمبر ۲۰۰۶ء)

☆..... زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ

☆.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بااختیار ہستی ہے

☆.....آقا کی مرضی جدھر چلائے

☆.....سرکار دو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت

☆.....جبراً شادی کا نقصان

☆.....محض اپنی مرضی سے شادی کرنے کا نقصان

☆.....نسلی توارث

☆.....متبنیٰ بنانے کی رسم کا خاتمہ

☆.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب

☆.....محدث کون ہے

☆.....نعرہ حیدری

☆.....موافقات عمر رضی اللہ عنہ

۲۳۔ تیئسواں درس قرآن: تصور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رابطہ شیخ (۲۸ دسمبر ۲۰۰۶ء)

☆.....درس قرآن کریم کی فضیلت واہمیت

☆.....تلاوت اور تعلیم قرآن کریم

☆.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین کے قریب ہیں

☆.....ندائے یارسول صلی اللہ علیک والک وسلم

☆.....تصور شیخ

☆.....محدث کی تعریف

☆.....حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی کرامت

☆.....رابطہ شیخ کے لیے خلوت

☆.....شیخ کی تلقین

۲۴۔ چوبیسواں درس قرآن: غزوہ احزاب (خندق) کے حوالے سے منافقین کا گھناؤنا کردار (۲۶ فروری ۲۰۰۷ء)

☆.....مدینہ شریف کا دفاع

☆.....خندق کی تیاری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیبی خبر

☆.....بیٹا باپ کی ملکیت ہے

☆.....اس دور میں منافقین کا ورثہ

☆.....زبانِ مصطفی سے نکلی جو بات پوری ہو کر رہی

☆.....اہل حق کی جرات و مردانگی

☆.....خوئے بدرا بہانہ بسیار

۲۵۔ پچیسواں درس قرآن: ذکر میلاد شریف۔ نورانیتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (۴، اپریل ۲۰۰۷ء)

☆.....آیات قرآنی کی تفسیر کا اہم اصول

☆.....نور سے کون مراد ہے؟

☆.....مَثَلُ نورہ میں اضافت کا مطلب

☆.....تمثیل نور کتب سابقہ کی روشنی میں

☆.....کلام کے ساتھ تاکید کا وارد ہونا

☆.....نبوت کا اولیں تعارف۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

☆.....حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک نور ہے

☆.....ذات کا وجود صفت سے پہلے ہے

اولین گذارش

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے۔اس کی تعریف اہل علم نے یوں بیان کی ہے:

كلام الله المعجز المنزل على خاتم الانبيآء والمرسلين بواسطة الامين جبرئيل عليه السلام المكتوب فى المصاحف المنقول الينابالتواتر المتعبد بتلاوته المبدوء بسورة الفاتحة المختم بسورة الناس۔ (التبیان فی علوم القرآن، محمد علی صابونی، صفحہ ۸، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور)

(قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو معجزہ ہے خاتم الانبیآء والرسل حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جبرائیل امین کے واسطے نازل ہوا ہے مصاحف میں اس کے حروف لکھے ہوئے ہیں اور ہم تک تواتر سے نقل چلا آرہا ہے اس کی تلاوت عبادت اور باعث ثواب ہے اس کی ابتداء سورۃ الفاتحہ سے اور اختتام سورۃ الناس پر ہوتا ہے)

قرآن کریم کائنات کی وہ واحد کتاب ہے کہ دنیا میں کوئی کتاب اتنی کثرت اور تواتر کے ساتھ نہ ماضی میں پڑھی گئی نہ حال میں پڑھی جارہی ہے اور نہ ہی آئندہ پڑھے جانے کا کوئی امکان ہے اور یہ ایک مکمل کتاب ہدایت ہے اور انسانی زندگی کے ہر مشکل معاملے کا حل اس میں موجود ہے لہٰذا تلاوت قرآن کریم کے ساتھ ساتھ اس میں غور وفکر بھی کیا جائے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا (النسآء:82)

(کیا یہ لوگ قرآن کریم میں غور وفکر سے کام نہیں لیتے اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بکثرت اختلاف پاتے)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (ص:29)

(یہ کتاب جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے ایک مبارک کتاب ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور عقل ودانش والے نصیحت حاصل کریں)

ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کے ساتھ اس میں تدبر وفکر بھی کرنا چاہئے تاکہ قرآن کریم کا اصل مقصد نزول سمجھ آجائے یہاں یہ بات بھی مدنظر رکھنی چاہئے کہ یہ تدبر وفکر مفسر اول نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کے بغیر سمجھ نہیں آسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے ارشاد فرمایا ہے:

وَ اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ (النحل:44)

(یہ کتاب ہم نے اتاری ہے تا کہ جو ارشادات لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو اور تا کہ وہ غور کریں)

اور دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالی ہے:

وَ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (النحل:64)

(اور ہم نے جو تم پر کتاب نازل کی ہے تو اس کے لیے جس امر میں ان لوگوں کو اختلاف ہے تم اس کا فیصلہ کر دو اور یہ مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے)

ان دونوں آیات میں اللہ تعالی نے واضح فرما دیا ہے کہ قرآن کریم کے مفسر اول رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام ہیں اور اللہ تعالی کی طرف سے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ آپ اپنی امت کے سامنے قرآن کریم کے احکام ومسائل کھول کھول کر بیان کر دیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول وفعل مبارک سے قرآن کریم کے احکام ومسائل بیان کرنے کی ذمہ داری بحسن خوبی انجام دی آپ علیہ الصلوۃ والسلام سے آپ کی اہل بیت اطہار وصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے احادیث نبویہ سے قرآن کریم کی تفسیر اگلی نسل یعنی تابعین تک پہنچائی اسی طرح ہر دور کے مفسرین کے ذریعہ تفسیر قرآن کریم مختلف طریقوں سے ہم تک پہنچی۔

تفسیر قرآن کریم

لغوی معنی:

التفسیر لغة علی وزن تفعیل من الفسر (المعجم مقاییس اللغۃ ،المولف :احمد بن فارس بن زکریاء الرازی ابوالحسنین ج4 ص/147 المحقق عبدالسلام محمد ھارون ناشر: دارالفکر عام النشر :1399ھ 1979م)

لفظ تفسیر "فسر یفسر 'ثلاثی مزید فیہ باب تفعیل سے مصدر ہے

ویقال فسرت الشیء افسره ومنه قوله تعالی "ولا یاتونک بمثل الا جئناک بالحق واحسن تفسیراً "(سورہ الفرقان آیت 33)

ارشاد باری تعالی ہے: (اور نہیں لاتے تیرے پاس کوئی مثال کہ ہم نہیں پہنچا دیتے تجھ کو ٹھیک بات اور اس سے بہتر کھول کر)

أو أنه مقلوب من لفظه السفر ومعناه ایضاً الکشف والابانة تقول العرب: سفرت المراة سفورا اذا القت خمارها عن وجهها وهی سافرة (بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز لفیروز آبادی ج1 ص/78 (البرھان فی علوم القرآن ج2 ص147)

یا یہ لفظ ''سفر'' کا الٹ ہے اور جس کے معنی کھولنا، واضح کرنا ہے جیسا کہ عرب کہتے ہیں: اگر ایک عورت سفر کے دوران اپنے چہرہ کا پردہ اتارتی ہے تو وہ کھلے عام سفر کرتی ہے اور وہ مسافر ہے۔

تفسیر (ف س ر) سے نکلا ہے جس کے معنی ظاہر کرنا، کھول کر بیان کرنا اور بے حجاب کرنا ہیں۔

ڈاکٹر مساعد بن سلیمان الطیار اپنی کتاب التحریر فی اصول التفسیر کے صفحہ ۱۴ پر لکھتے ہیں:

التفسیر من مادۃ (فسر) و معانیھا تدور حول الکشف و الایضاح و البیان

کہ تفسیر جس کا مادہ فسر ہے۔ اس کے معنی ہیں واضح کرنا، کھول کر بیان کرنا، وضاحت کرنا ہیں۔

اسلامی اصطلاح میں مسلمان قرآن کی تشریح و وضاحت کے علم کو تفسیر کہتے ہیں اور تفسیر کرنے والے کو مفسر کہتے ہیں۔

اصطلاحی معنی: تفسیر سے مراد قرآن مجید کے معانی کو واضح کرنا ہے۔ تفسیر کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں متعدد تعریفات منقول ہیں جس میں سے چند مشہور پیش کی جاتی ہیں۔

مفسر قرآن ابوحیان اندلسیؒ علم تفسیر کی یہ تعریف بیان کرتے ہیں:

التفسیر علم یبحث فیہ عن کیفیۃ النطق بالفاظ القران و مدلولاتھا و احکامھا الافرادیۃ و التر کیبیۃ و معانیھا التی تحمل علیھا حالۃ التر کیب و تتمات لذلک

(البحر المحیط ابوحیان محمد ابن یوسف ابن حیان الاندلسی ج 1 ص 26)

تفسیر ایسا علم ہے جس میں قرآن مجید کے الفاظ کے تلفظ، ان کے مفہوم، ان کے احکام اور ان معانی سے بحث کی جاتی ہے جن کے وہ حامل ہوتے ہیں۔

2: امام بدرالدین زرکشیؒ نے علم تفسیر کی تعریف البرھان میں یوں بیان کی ہے:

''التفسیر علم یعرف بہ کتاب اللہ المنزل علی نبیہ محمد و بیان معانیہ و استخراج احکامہ و حکمہ و استمداد ذلک من علم اللغۃ و النحو و التصریف و علم البیان و اصول الفقہ و القرأت ویحتاج لمعرفۃ اسباب النزول و الناسخ و المنسوخ''

(البرھان فی علوم القرآن ابوعبداللہ بدرالدین محمد بن عبداللہ بن بہادر الزرکشی ج 1 ص 13)

تفسیر ایسا علم ہے جس کی مدد سے اللہ کی کتاب جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی کا فہم حاصل ہو، اس کے معانی سے واقفیت ہو، اس کے احکام نکالے جائیں اور حکمتیں بیان کی جائیں۔

3: الاتقان میں علامہ جلال الدین السیوطیؒ نے علم تفسیر کی حسب ذیل تعریف بیان کی ہے:

التفسیر فی الاصطلاح علم نزول الآیات وشؤونها واقاصیصها والاسباب النازلة فیها ثم ترتیب مکیها ومدنیها ومحکمها ومتشابهاو ناسخها ومنسوخها وخاصها وعامها ومطلقها ومقیدها ومجملها ومفسرها وحلالها وحرامها وعدها وعیدها وامرها ونهیها وعبرها وامثالها

(الاتقان فی علوم القرآن، امام جلال الدین سیوطی ج2 ص 491 مکتبہ المعارف الریاض)

(تفسیر ایسا علم ہے جس میں قرآنی آیات کے نزول، اسباب النزول، آیات مکی ومدنی، محکم ومتشابہ، ناسخ ومنسوخ، خاص وعام، مطلق ومقید، مجمل ومفصل، حلال وحرام، وعد وعید، امر ونہی، عبرت وامثال وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے)۔

مختصراً تفسیر ایسا علم ہے جس کی مدد سے انسانی استطاعت کی حد تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل شدہ کلام الٰہی یعنی قرآن مجید کے معانی، مطالب، احکام، مسائل کو واضح کرنے کی اور مراد الٰہی تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

4: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

"اَلتَّفْسِیْرُ عِلْمٌ یُبْحَثُ فِیْهِ عَنِ الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ مِنْ حَیْثُ دَلَالَتُهٗ عَلٰی مُرَادِ اللّٰهِ تَعَالٰی بِقَدْرِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِیَّةِ"

(الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص13)

فن تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں قرآن کریم سے اس حیثیت سے بحث کی جاتی ہے کہ اللہ کی مراد کس آیت سے کیا ہے، انسانی طاقت کے بقدر اس کا پتہ لگایا جائے۔

اس تعریف میں دو باتوں کو ملحوظ رکھا گیا ہے: (۱) موضوع (۲) غرض وغایت

موضوع تو قرآن کریم ہے اور غرض وغایت صحیح مراد تک پہنچ کر اس پر عمل ہے۔

مفسر کے لئے ضروری باتیں:

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مفسر کے لیے فرمایا ہے کہ وہ ان 15 علوم کا جامع ہو جن میں "علم لغت، علم نحو، علم صرف، علم اشتقاق، علم معانی، علم بیان اور علم بدیع، علم قرات، علم اصول دین، علم اصول فقہ، علم ناسخ ومنسوخ، علم فقہ، ان احادیث مبارکہ کا علم جو کہ تفسیر، مجمل اور مبہم کی مبیّن ہیں اور وہبی علم" شامل ہیں (الاتقان فی علوم القرآن النوع الثامن والسبعون)

باعتبار تفسیر بعض مفسرین نے علم تفسیر کی دو قسمیں بیان کیں ہیں

1: تفسیر نقلی یعنی تفسیر بالروایہ یا تفسیر بالماثور

2:تفسیر عقلی: یعنی تفسیر بالدرایہ یا تفسیر بالرائے ''اجتہاد''، ''لغت''، ''اشاری''

ا: تفسیر بالماثور: Interpretation with Masoor

معنی: ماثور کا لفظ اثر سے ماخوذ ہے جس کا مطلب اسلاف کا وہ تفسیری منہج ہے جو آثار یعنی آیات، احادیث اور اقوال صحابہ سے لیا گیا ہو۔ اسے تفسیر بالروایہ یا تفسیر منقول بھی کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ وہ تفسیر جس میں صحت اور قبولیت کے بکثرت دلائل ہوں۔

۲۔ وہ تفسیر جس میں صحت اور قبولیت کے دلائل بکثرت نہ ہوں۔ اس کا سبب مذاہب باطلہ کا وضعی اور انحرافی کردار، نیز اصحاب رسول کے اقوال کا بلاسند روایت ہونا جس سے روایت خلط ملط ہوگئی اور صحیح وغیر صحیح میں تمیز کرنا مفسر کے لئے مشکل ہوگیا۔ اس لئے ایسی تفسیر کو قبول نہیں کیا جاتا۔ اور نہ ہی کوئی پایہ کا مفسر اسے سوائے تحقیق کرنے یا اس کی ضلالت سے آگاہ کرنے کے بیان کرے گا۔

تعریف:

تفسیر بالماثور سے مراد وہ تفسیر ہے جو قرآن، احادیث نبویہ علیہ الصلوۃ والسلام یا اقوال صحابہ وتابعین سے منقول ہو ان مأخذ کے ساتھ تفسیر کرنا تفسیر بالماثور کہلاتا ہے۔ ان کے علاوہ کسی تفسیر کو تفسیر بالماثور نہیں کہہ سکتے۔ احادیث اور اقوال صحابہ وتابعین سے منقول تفسیر کے بارے میں سندی حیثیت کو جاننا اور تحقیق کرنا انتہائی ضروری ہے اگر وہ صحیح سند سے ثابت ہو تو مقبول ہوگی ورنہ نہیں۔ علامہ مناع القطان اپنی کتاب مباحث فی علوم القرآن کے صفحہ 318 پر تفسیر بالماثور کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: **هو الذی یعتمد علی صحیح المنقول بالمراتب التی ذکرت سابقاً فی شروط المفسر، من تفسیر القرآن بالقرآن، أو بالسنة لأنها جاءت مبینة لکتاب اللّٰہ أو بما روی عن الصحابة لأنهم أعلم الناس بکتاب اللّٰہ، أو بما قاله کبار التابعین لأنهم تلقوا ذلک غالباً عن الصحابة۔**

تفسیر بالماثور وہ ہے جس کا مدار ان صحیح ومنقول مراتب پر ہے جن کا ذکر شروط تفسیر (جو اس کتاب میں صفحہ 301 پر گزر چکے ہیں) میں ہو چکا ہے یعنی تفسیر القرآن بالقرآن، تفسیر القرآن بالحدیث کیونکہ حدیث کتاب اللہ کی توضیح وتبیین کے لیے آئی ہے صحابہ کرام سے مروی اقوال کیونکہ وہ قرآن کریم کے سب لوگوں سے بڑھ کر عالم تھے کبار تابعین کے اقوال کیونکہ انہوں نے غالباً یہ علم صحابہ کرام سے حاصل کیا تھا۔

اس کے بنیادی مصادر مندرجہ ذیل ہیں:

1:تفسیر قرآن بالقرآن 2:تفسیر قرآن بالسنۃ 3:تفسیر قرآن بالصحابۃ 4:تفسیر قرآن بالتابعین

(2)تفسیر بالرائے: Interpretation of Opinion (Hypothesis)

تفسیری اسالیب میں سے دوسرا بڑا اسلوب '' تفسیر بالرائے '' ہے تفسیر بالرائے سے مراد قرآن کی اجتہاد سے تفسیر بیان کرنا ہے۔رائے اجتہاد کے معنی میں ہے۔رائے کا لفظ قیاس کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔بعض نے تفسیر بالرائے سے مراد ایسی تفسیر لی ہے جس میں مفسر قرآن معنی کے بیان میں اپنے فہم خاص اور مجرد رائے سے استنباط کرتا ہے۔ان دونوں طریقوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رائے اور قیاس کو اگر شریعت کے تابع رکھا جائے تو اس سے شریعت کی روح متاثر نہیں ہوتی۔ بلکہ فائدہ ہوتا ہے۔لیکن اگر رائے اور اجتہاد کو غلط استعمال کیا جائے تو یہ شریعت کی روح کے منافی ہے۔اس کو اہل علم نے تفسیر بالرائے المحمود اور تفسیر بالرائے المذموم قرار دیا ہے۔

تفسیر بالرائے کا مفہوم:

لفظ ''الرائے'' کا اطلاق اعتقاد، اجتہاد اور قیاس پر کیا جاتا ہے۔اسی قیاس کے قائلین کو اصحاب الرائے بھی کہا جاتا ہے۔لیکن علم تفسیر کی اصطلاح میں تفسیر بالرائے سے مراد قرآن مجید کی وہ تفسیر ہے جو صرف نقلی روایات کی مدد ہی سے نہیں بلکہ نئے تقاضوں کے مطابق اجتہاد کی مدد سے کی جائے۔ یہ اسی صورت ممکن ہے جب تفسیر کرنے والا عربوں کے اسلوب کلام، عربی الفاظ اور ان کے وجوہ دلالت سے بخوبی آگاہ ہو۔اس کے ساتھ ساتھ وہ زمانہ جاہلیت کے اشعار، اسباب نزول، ناسخ و منسوخ اور ان امور سے نابلد نہ ہو جو مفسر کے لئے بہت ضروری ہیں۔

دوسرے الفاظ میں تفسیر بالرائے جسے تفسیر بالدرایت، یا تفسیر بالعقل، یا تفسیر بالاجتہاد بھی کہتے ہیں، کا اطلاق قرآن مجید کی اس تفسیر پر ہوتا ہے جس میں مفسر کے ذاتی اجتہاد کا عمل دخل ہو۔تفسیر کے اس رجحان کو اجتہادی یا عقلی یا درایتی رجحان بھی کہتے ہیں۔

تفسیر بالرائے کی اقسام: تفسیر بالرائے کی دو قسمیں ہیں: تفسیر بالرائے المحمود اور تفسیر بالرائے المذموم۔

تفسیر بالرائے المحمود:

تفسیر میں قرآن، حدیث، اقوال صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ سے استفادہ کیا جائے لیکن اس کے ساتھ ساتھ نئے پیش آمدہ مسائل اور نئے انداز فکر کے مطابق نصوص دینیہ کی روشنی میں اجتہاد کیا جائے، رائے کو کام میں لایا جائے۔تو ایسی تفسیر کو تفسیر بالرائے المحمود کہا جاتا ہے۔تفسیر بالرائے المحمود کے لئے ضروری ہے کہ رائے کو محض جدید مسائل کے حل کے لئے اور اسلامی احکام کو منطبق کرنے کے لئے ہی کام میں لایا جائے۔ دینی نصوص کی اہمیت اور بالادستی قائم رہے اور تفسیر کرنے والا قرآن و حدیث اور آثار صحابہ سے آگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ عربی شاعری، عربی زبان، اسباب نزول، ناسخ و

منسوخ اور قرآن مجید کی زبان کی فصاحت و بلاغت کو سمجھنے کی صلاحیت سے بھی بہرہ ور ہو۔تفسیر بالرائے المحمود کو ممدوح، جائز، صحیح اور مقبول بھی کہتے ہیں۔اس کے لئے علماء نے کچھ شروط متعین کی ہیں (التفسیر والمفسرون تصنیف ڈاکٹر محمد حسین ذھبی دار الکتب الحدیثیہ قاہرہ مصر ج 1 ص 255)

تفسیر بالرائے المذموم:

تفسیر میں رائے کو استعمال کرنے کا ایک دوسرا انداز یہ ہے کہ رائے استعمال کرتے ہوئے نصوص دینیہ کی بالادستی اور کتاب وسنت کی حقیقی روح کا لحاظ کیے بغیر تفسیر کی جائے۔نصوص کی بجائے عربی لغت وشاعری وغیرہ پر زیادہ دارومدار ہو اور اس تفسیر کو نصوص دینیہ کی تائید حاصل نہ ہو۔اس تفسیر کو تفسیر بالرائے المذموم کہا جاتا ہے۔تفسیر بالرائے المحمود کی اجازت ہے اور بالرائے المذموم کی بنیاد پر کی گئی تفسیر کو معتبر و پسندیدہ قرار نہیں دیا گیا ہے۔

تفسیر کی اس قسم کو غیر ممدوح، غیر محمود، ناجائز، غیر صحیح اور غیر مقبول کہتے ہیں کیونکہ اس میں تفسیر کے لئے علماء کی متعین کردہ شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔

مختصر یہ کہ ایک طرز تفسیر کا نام ''تفسیر بالرائے'' ہے۔اس کے بارے میں لوگوں کے مختلف خیالات پائے جاتے ہیں۔اس کی ایک قسم ممدوح اور دوسری مذموم ہے۔اگر یہ تفسیر قرآنی ہدایت کے قریب ہو تو ممدوح اور اگر بعید ہو تو مذموم ہے (علوم القرآن، ڈاکٹر صبحی صالح (اردو ترجمہ غلام احمد حریری) ص 514)

جب تفسیر بالرائے کا رجحان پختہ ہو گیا کہ ان شرائط کے مطابق اختیار کی جانے والی رائے اور اجتہاد کی بنیاد پر تفسیر لکھی جاسکتی ہے تو اس طرح بہت سے تفسیری رجحانات معرض وجود میں آئے جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱:تفسیر احکام القرآن ۲:تفسیر کلامی ۳:تفسیر اشاری ۴:تفسیر لغوی یا مفرداتی

تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے کی ان تمام اقسام کی تفصیلات مطالعہ کرنے کے لیے میری کتب ''اصول تفسیر اور پیر سید مہر علی شاہ گیلانی گولڑوی'' اور قبلہ عالم مفکر اسلام ڈاکٹر پیر سید عبدالقادر جیلانی کے خطبات قواعد واصول تفسیر جو زیر طبع ہیں مطالعہ کیے جاسکتے ہیں۔چونکہ اس کتاب میں درس قرآن کریم میں قبلہ پیر صاحب نے آیات قرانی کی تفسیر اشاری بھی فرمائی ہے اس لیے یہاں صرف تفسیر اشاری کی تعریف بیان کی جاتی ہے۔

تفسیر اشاری (تفسیر صوفی):

قرآنی آیات ظاہری و باطنی دونوں معانی کی حامل ہیں، اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے۔بنیادی طور سے قرآن کریم کی تفسیر دو طرح کی ہوتی ہے جیسا پہلے بیان کیا گیا ہے۔

1:تفسیر ماثوری

2:تفسیر اشاری

تفسیر اشاری کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک نظری یا معقولی اور دوسری صوفیانہ۔

اگر اشارہ علمائے راسخین اور فقہا و متکلمین کا ہو تو اُسے تفسیر نظری یا معقولی کہیں گے اور اگر اشارہ صوفیاء اور عارفین باللہ کا ہو تو اُسے صوفیا کی اصطلاح میں تفسیر اشاری کہیں گے، تفسیر معقولی کا تعلق ظاہری مسائل شرعیہ اور عقلی توجیہات کے ساتھ ہوتا ہے، جب کہ تفسیر اشاری کا تعلق مسائل طریقت وسلوک اور وجدانی حقائق سے ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ کی تعریف کرتے ہوئے امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

عِبَارَۃ عَنْ تَاوِیْلِ الْاٰیَاتِ الْقُرْاٰنِیَۃِ الْکَرِیْمَۃِ عَلٰی خِلَافِ مَا یَظْھَرُ مِنْھَا بِمُقْتَضٰی اِشَارَاتٍ خَفِیَّۃٍ تَظْھَرُ لِاَرْبَابِ السُّلُوْکِ وَیُمْکِنُ التَّطْبِیْقُ بَیْنَھَا وَبَیْنَ الظَّوَاھِرِ الْمُرَادَۃِ (الاتقان فی علوم القرآن ج2 ص198)

ترجمہ: آیات قرآنی کی ایسی تاویل، جو اُس کے ظاہری معنی کے علاوہ کسی ایسے معنی پر محمول ہو جو سالکین پر منکشف ہونے وا لے پوشیدہ اشارات کے مطابق ہو، ساتھ ہی ظاہری معنی اور اشاری معنی کے درمیان جمع و تطبیق بھی ممکن ہو (دونوں میں کوئی حقیقی تعارض واختلاف نہ ہو)

تفسیر اشاری کی کتب:

1: ''تفسیر القرآن العظیم للتستری'' ابو محمد سہل بن عبداللہ متوفی 383ھ

2: حقائق التفسیر لابی عبدالرحمٰن محمد بن الحسین بن موسیٰ الازدی السلمی متوفی 412ھ

3: ''لطائف الاشارات المعروف تفسیر قشیری'' ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری متوفی 465ھ

4: ''درر ملتقط'' سید محمد بن سید یوسف گیسو دراز چشتی متوفی 825ھ

5: ''تفسیر مجمع البحرین'' طاہر بن یوسف سندھی متوفی 1004ھ

6: ''تفسیر روح البیان'' علامہ اسماعیل حقی آفندی متوفی 1127ھ

7: ''تفسیر مظہری'' قاضی ثناء اللہ پانی پتی متوفی 1225ھ

8: ''تفسیر روح المعانی'' علامہ محمود آلوسی بغدادی متوفی 1270ھ

حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ اور تفسیر اشاری (صوفی):

حضرت اعلیٰ مجدد گولڑہ پیر سید مہر علی شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ خود ایک عظیم صوفی تھے سلسلہ عالیہ قادریہ اور چشتیہ سے

منسلک تھے اس لیے آپ نے اپنی کتب میں متعدد مقامات پر قرآنی آیات کے باطنی معانی کی طرف اشارات فرمائے ہیں جس میں سے چند مثالوں سے پہلے آپ کے نزدیک تفسیر اشاری کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔

حضرت شیخ اکبر اور تفسیر اشاری:

قبلہ عالم حضرت پیر صاحب سے عرض کیا گیا کہ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''فتوحات مکیہ'' میں ایسی روش اختیار کی ہے جو باقی تفاسیر سے بالکل مختلف ہے وہ اکثر تاویل کے درپے ہوئے ہیں قبلہ عالم پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمہ نے فرمایا شیخ کی تفسیر اشارات دقیقہ اور اسرار حقیقت کی تفسیر ہے ورنہ تفسیر تو وہی ہے جو قرون اولی اور زمانہ مجتہدین واکابر مفسرین میں کی گئی ہے جس سے احکام اور خطابات شرعیہ ثابت ہوئے ہیں شیخ نے اشارات بیان کئے ہیں حضرت شیخ نے خود بھی تصریح کی ہے کہ تفسیر وہی ہے جس کے ساتھ ظاہر آیات سے امر و نہی ثابت ہوئے ہیں اور میرا کلام اشارات پر مشتمل ہے قبلہ عالم آگے فرماتے ہیں کہ معترض اسی وجہ سے غلطی میں پڑتے ہیں کہ وہ مشائخ کے احوال سے آگاہ نہیں (مقالات مرضیہ المعروف ملفوظات مہریہ ص 64)

علم فقر و تصوف اور شریعت اسلامی:

ایک اور مقام پر آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا علم فقر و تصوف قرآن کریم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر موجود ہے؟

حضرت قبلہ عالم مجدد گولڑہ جواب میں فرماتے ہیں کہ علم و تصوف قرآن و حدیث سے باہر نہیں ہے مگر حسب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کے لئے ظہور اور بطون دونوں ہیں اور بطون کے سات مراتب بیان فرمائے ہیں بیان ظہور کو تفسیر کہا جاتا ہے جس کا منکر خارج از اسلام اور ملحد ہے اور بطون کا منکر صرف اندھا یا پوری سمجھ سے عاری ہے۔

منہج حضرت مفکر اسلام ڈاکٹر پیر سید عبد القادر جیلانی مدظلہ العالی

اس کتاب ''الفوائد الجیلانیۃ من الآیات القرآنیۃ'' تفسیری افادات از مفکر اسلام میں قبلہ عالم حضرت مفکر اسلام نے مختلف فنون کا استعمال کیا ہے کسی مقام پر فقہی تفسیر فرمائی ہے تو کہیں لغوی بحث کے ساتھ قرآن کریم کی تفسیر فرماتے ہیں اور کسی مقام پر سائنسی توجیہات سے تفسیر کی ہے اور کسی مقام پر تاریخی حالات و واقعات سے تفسیر فرماتے ہیں اصول تفسیر و طرق تفسیر سے بھی آپ اس کو مزین فرماتے ہیں کہیں قرآن بالقرآن کہیں قرآن بالحدیث اور کہیں اہل بیت اطہار و صحابہ کرام کی تفاسیری روایات سے بھی مدد لیتے ہیں اور دور حاضر کے مسائل کا حل بھی پیش کرتے ہیں۔

ان تفسیری نکات میں قبلہ عالم مفکر اسلام ڈاکٹر پیر سید عبد القادر جیلانی مدظلہ العالی نے قرآن کریم کی چند آیات کی تفسیر

اشاری (تصوف) کے متعلق علمی وتحقیقی تفسیر فرمائی ہے۔ یہ پچیس درس قرآن کریم علامہ قاضی عبدالغفور قادری صاحب کے گھر (شیفیلڈ۔یوکے) میں قبلہ عالم مفکر اسلام نے دیے جن کو قاضی صاحب نے بڑے خوبصورت انداز میں مرتب کیا ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں جن احباب نے مختلف مراحل میں علمی تعاون اور مشاورت میں حصہ لیا اللہ تبارک وتعالی پنجتن پاک علیہم السلام کے صدقے ان کو دونوں جہان کی سعادتیں نصیب فرمائے۔

اس موقع پر حضرت قبلہ عالم مفکر اسلام کے برادر اصغر پیر سید صابر حسین شاہ گیلانی علیہ الرحمہ کا ذکر ضرور کرنا چاہوں گا کہ جنہوں نے ہمیشہ تمام ''خطبات مفکر اسلام'' کی طباعت میں بھرپور تعاون کیا اور حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔ کچھ عرصہ قبل آپ خالق حقیقی سے جا ملے۔

ایک اور علمی وروحانی شخصیت کا ذکر کرنا چاہوں گا جو اکثر اپنی زندگی میں کہا کرتے تھے کہ قبلہ عالم مفکر اسلام کی تفسیر پر کام ہونا چاہیے آج ان کی روح بھی قبر میں خوش ہو رہی ہوگی۔ جو ہمارے قبلہ عالم مفکر اسلام کے خلیفہ بھی تھے جناب استاذ العلماء مناظر اسلام پیر سید زبیر احمد شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ۔ ایک اور شخصیت جن کا ذکر کرنا چاہوں گا ان کا انتقال اس سال رمضان المبارک میں ہوا ڈاکٹر وحید ارشد قادری رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ کی۔ علامہ ظہور احمد چشتی حیدری گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ بھی قبلہ عالم مفکر اسلام کے جانثار احباب میں سے تھے جواب اس جہان فانی سے دار بقاء کی طرف کوچ کر چکے۔ اللہ رب العزت ان تمام شخصیات کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

قادریہ جیلانیہ اسلامک موومنٹ کے احباب اور قبلہ عالم کی منتظمہ کمیٹی اور خاص طور پر ان تمام احباب کا شکریہ جو یوکے میں ان دروس قرآن کریم اور باقی قبلہ حضرت صاحب کے خطبات ودروس کا اہتمام کرتے ہیں اور کیمرے کی آنکھ سے ان کو محفوظ کرتے ہیں۔

اس کتاب کی تیاری میں حتی المقدور کوشش کی گئی کہ کسی قسم کی کوئی غلطی نہ ہو تاہم بتقاضائے بشریت اگر کوئی سہو رہ گیا ہو تو ادارے کو مطلع فرمائیں ان شاء اللہ اگلی طباعت میں درستگی کر لی جائے گی۔

قاری عزیز حیدر قادری

ایم ایس اصول الدین (تفسیر وعلوم القرآن) بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

پی ایچ ڈی سکالر جی سی یونیورسٹی فیصل آباد

ادارہ اسلامک موومنٹ ریسرچ سینٹر دار العلوم قادریہ جیلانیہ ٹینچ بھاٹہ راولپنڈی

پہلا درس قرآن: ۲۲ دسمبر ۲۰۰۳ء

قرآن اور تصوف

☆.....تصوف کا تصور غیر مسلموں کے نزدیک

☆.....اصطلاحاتِ تصوف

☆.....اسلامی تصوف کا امتیاز۔صحیح منزل کی طرف رہنمائی

☆.....دوسرے مذاہب کی تلاش حق میں ناکامی

☆.....فلسفہ مشائیہ اور فلسفہ اشراقیہ

☆.....دنیوی علوم

☆.....معرفت الٰہی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

☆.....اہلِ حق کی کرامات

☆.....اسلامی تصوف اور قرآنی آیات۔مقام اور حال

☆.....مباحات سے بچنا

☆.....اللہ کا فضل اور اللہ کی طرف سے جزاَ

☆.....فضل الٰہی احکام تبلیغیہ یا نیک اعمال کے نتیجے میں حاصل نہیں ہوتا

☆.....پانچ نمازیں۔ثواب پچاس نمازوں کا

☆.....بعد از وفات اولیاء اللہ کا امداد کرنا

☆.....اولاد فاطمہ علیہا السلام اور آیۃ تطہیر

☆.....رواج کا دباؤ

☆.....نعمتوں کا حصول حقانیت کی دلیل نہیں

☆.....حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فقر واستغناء

☆.....چلہ کشی۔یاد خدا میں محویت کے لئے گوشہ تنہائی

☆.....پہلی اُمتوں کے نیک امور کا اُمت مسلمہ میں جواز

☆.....اسلام میں پردے کی اہمیت

☆.....حضرت ام المؤمنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

قرآن اور تصوف

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

{وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ وَبِالآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ۔ أُوْلَـئِكَ عَلَى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ} (البقرہ: ۴۔۵)

ترجمہ: (اور جو لوگ (اس کلام) پر ایمان لاتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا اور یہی لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی (کامل متقی) اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں)۔

{وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّهِ وَبِالْيَوْمِ الآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ۔ يُخَادِعُونَ اللّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلاَّ أَنفُسَهُم وَمَا يَشْعُرُونَ۔ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّهُ مَرَضاً وَلَهُم عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ} (البقرۃ: ۸۔۱۰)

(اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔ وہ (بہ زعم خویش) اللہ کو اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور (درحقیقت) وہ صرف اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری کو زیادہ کر دیا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولتے ہیں)۔

قرآن اور تصوف۔ تصوف کا تصور غیر مسلموں کے نزدیک

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ قرآن مجید میں کوئی ایک خاص سورت، خاص پارہ کوئی ایک خاص رکوع تصوف کے بارے میں نازل نہیں ہوا۔

تصوف ایک ایسا مضمون ہے جو اسلام کے آنے سے پہلے یہودیوں اور عیسائیوں میں موجود تھا۔ تصوف کا تصور یہودیت اور نصرانیت سے بھی بہت پہلے قدیم فلاسفروں میں بھی موجود تھا۔ تصوف کو فلسفہ یہودیت اور نصرانیت سے ممتاز کرنا دین کی اہم ضرورت ہے۔ اس لئے قرآن مجید کی وہ آیات جو بالواسطہ یا بلاواسطہ تصوف کو deal کرتی ہیں (بیان کرتی، وضاحت کرتی ہیں) اُن کو سمجھنے کے لئے ۱۴ علوم (۱) کی ذہن میں حاضری ناگزیر ہے۔

تصوف کی اصطلاحات

اصولی طور پر کسی مضمون پر گفتگو کرتے ہوئے اُس مضمون کی اصطلاحات (Terminologies) کو بیچ میں سے نکال کر گفتگو نہیں ہوسکتی۔ جب تصوف پر گفتگو کرنی ہے تو جاننا چاہیے کہ تصوف کے لئے خاص الفاظ استعمال ہوتے ہیں مثلاً Sufi order, Mystification, Mysticism وغیرہ۔

اسلامی تصوف کا امتیاز۔ صحیح منزل کی طرف راہنمائی

دوسرے مذاہب میں پائے جانے والے تصورات کی تلاشِ حق میں ناکامی

اسلام کے آنے سے قبل پورے حجاز، شرق الاوسط اور آسمانی کتابوں کے حاملین میں اللہ تعالیٰ کی تلاش کے لئے دو طرح کے ذرائع پائے جاتے تھے۔

۱۔ دلائل وشواہد سے اللہ تعالیٰ کو تلاش کرنا۔ اسے فلسفہ مشائیہ (Premitative Philosophy) کہا جاتا ہے۔

۲۔ باطنی اور روحانی ذریعے سے خداوند تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا۔ اِسے فلسفہ اشراقیہ (Illuminestic Phitosophy) کا نام دیا جاتا ہے۔

اول الذکر فلسفہ مشائیہ کا بانی ارسطو تھا۔ اِسے شعرو شاعری، علم ہیئت، علم نجوم، منطق، فلسفہ اور ریاضی (Mathematics, Philosophy, Logic, Astrology, Astronomy) اور دیگر کئی علوم میں بڑا امتیاز حاصل تھا یہ مقدونیہ میں سکندر کا وزیر اعظم تھا۔ اس نے اپنے دور اقتدار میں بڑی من مانی کی تھی۔ سکندر کی موت واقع ہو جانے کے بعد اس کے اقتدار کو زوال آ گیا۔ اس زوال کے بعد وہ انتہائی خوف زدہ تھا کہ معلوم نہیں لوگ اُس کا کیا حشر کریں گے۔ اِس خوف سے وہ مقدونیہ سے بھاگ کر ایتھنز (Athens) چلا گیا تھا۔ ایتھنز میں اُس کا ایک شاگرد تھا جس کا نام اکیڈیمیس (Academus) تھا۔

آج کل کئی تعلیمی اداروں کو اکیڈیمی (Academy) کہا جاتا ہے۔ دراصل Aristotle کے شاگرد اکیڈیمیس کے نام پر یہ نام اکیڈیمی استعمال ہونے لگ گیا۔ حالانکہ اکیڈیمی کا معنیٰ علم نہیں ہے۔

اکیڈیمیس نے اپنے استاد ارسطو کو ایک بہت بڑا Hall بنا کر دیا جس کا نام (Lyceum) لاءزیم رکھا گیا تھا۔ Christianity اور Judaism (یہودیت اور عیسائیت) کے عقیدے کے مطابق لاءزیم برزخ کو کہتے ہیں۔

جہاں مرنے کے بعد اور قیامت میں اُٹھنے سے پہلے انسانوں کی روحیں رہتی ہیں۔

ارسطو کے لئے ایک اُبھرتی ہوئی چٹان کو درمیان میں سے کاٹ کر ایک بڑی غار بنائی گئی اسے لاءزیم کا نام دیا گیا۔جس میں ارسطو روپوش ہوگیا تھا وہاں اُسے ایک کلاس فراہم کی گئی جسے ارسطو پڑھاتا تھا۔ پڑھاتے ہوئے وہ چلتا رہتا تھا۔اُسے قرار نہیں آتا تھا۔انسانی فطرت ہے کہ مشکل وقت میں بندے کو خدا یاد آتا ہے۔ارسطو بھی اپنے غار میں عالم بے قراری میں چلتا رہتا تھا اور سمجھتا تھا کہ میں خدا کی تلاش میں ہوں۔اُس کے پاس جو دلائل تھے خدا کی تلاش کے لئے ان کو ترتیب دیا اور اس کا نام Premitative Philosopy رکھا اسے عربی میں فلسفہ مشائیہ کہا جاتا ہے۔

فلسفہ اشراقیہ (Illuminstic Philosophy)

اسی دور میں ایک اور طبقہ پیدا ہوا جنہوں نے ارسطو کے اس طرز تلاش کو ہدف تنقید بنایا۔اُن کے نزدیک یہ طریقہ درست نہیں تھا۔ بلکہ اُنہوں نے عبادات، ریاضات اور مجاہدات کے ذریعے سے تلاشِ حق کو ضروری سمجھا۔یعنی راتوں کو جاگ کر مراقبے کر کے (اسے انگریزی میں Meditation کہتے ہیں) سانس روک کر اور ہونٹ بند کر کے سانسوں کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ سو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کبھی قلب و روح پر غور و فکر کر کے اللہ کو تلاش کیا جائے۔

ذکر کردہ دونوں طبقات (فلسفہ مشائیہ اور فلسفہ اشراقیہ) نے خدا تعالیٰ کی تلاش میں آسمانی وحی سے رہنمائی حاصل نہیں کی۔اللہ کے نبی اور رسول کے واسطے سے جو پروردگار عالم کی اطلاعات آئی ہیں معرفتِ ربانی کے لئے اُن اطلاعات کا استعمال ضروری ہے۔اصولی طور پر کسی چیز کی خبر وہ دے سکتا ہے جو خود خبر رکھتا ہو خدا کی خبر سب سے پہلے انبیاء و مرسلین کو ہوتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رسولوں اور نبیوں کو مبعوث فرمایا کیونکہ ان کے وسیلے کے بغیر حق تک رسائی ناممکن ہے۔

دنیوی علوم

سائنسی تعلیم Scientific Education، فلسفہ Philosophy، منطق علم استدلال Logic، ریاضی Maths، علم ہیئت Astronomy، علم نجوم Astrology اسی طرح کئی دیگر علوم ہیں۔یہ کسی نبی کے ذریعے وحی ہو کر کسی قوم کی ہدایت کے لئے نہیں آئے۔اگرچہ ان سارے علوم کے موجد اللہ کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھے جاتے ہیں جو کاروبار حیات چلانے کے لیے تھے۔

فیثاغورث (Pythagoras) حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاگردوں میں پہلا آدمی تھا جس نے ان علوم پر کام کیا۔یہ علوم دنیا میں استعمال کے لئے دیئے گئے تھے۔رفتہ رفتہ لوگوں کا رشتہ اللہ سے ٹوٹا تو انہوں نے خدا شناسی کے

لئے ان ہی علوم سے استفادہ کرنا چاہا۔لیکن یہ علوم خدا کو تلاش کرنے کے لئے نہیں دیئے گئے تھے۔اگر جوتا سینے کے لئے کسی کے پاس علم ہے اور وہ اُسے پگڑی سینے کے لئے اُسی طرح استعمال کرنا شروع کردے تو یہ اُس علم کا Misuse (غلط استعمال) ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ جنہوں نے دلائل کے ذریعے سے خدا کو تلاش کرنا چاہا وہ اپنے مقصد کے حصول میں ناکام رہے اور جنہوں نے آسمانی وحی سے رہنمائی کے بغیر عبادات، ریاضات اور مراقبے کے ذریعے سے تلاشِ حق کرنا چاہی وہ بھی اصل منزل نہ پاسکے۔

معرفتِ الٰہی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

اسلام نے بتایا کہ دلائل اور وسائل کے ذریعے سے خدا کو تلاش کریں گے اور یہ ثابت کریں گے کہ خدا ہے اور خدا اپنی ہستی میں ایک ہے۔اُس کی صفات، اُس کے ناموں، اُس کے کاموں میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہے لیکن اس کو ہم اپنے عقلی دلائل کے ذریعے سے ثابت نہیں کریں گے بلکہ حضور نبی کریم رؤف الرحیم جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آسمانی وحی کے ذریعے سے جو خدا کا پتہ بتایا ہے اُسے (یعنی وحی الٰہی کو) اپنی رہنمائی کے لئے استعمال کریں گے اور اُن دلائل کی روشنی میں خدا کو تلاش کریں گے۔عربی زبان میں اسے علم الکلام اور انگریزی میں Dilectical Theology کہا جاتا ہے۔اور اس علم کے ماہرین کو متکلمین (Dilectual Theologian) کہتے ہیں۔

دوسرا طبقہ جو مراقبے، عبادات اور ریاضات کے ذریعے سے، رب رب کرنے، چلّے کاٹنے کے ذریعے سے خدا کی تلاش کرتا ہے اُن کا نام صوفیاء رکھا گیا ہے۔اِن حضرات کا کہنا ہے کہ ہمیں عبادات و ریاضات کرنی ہیں، غاروں اور جنگلوں کی تنہائیوں میں بیٹھنا ہے گھروں میں پردہ کرکے چلّہ کشی کرنی ہے مگر ان سب کاموں میں اُس وحی کو استعمال کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرمائی ہے۔

اسلام میں یہ دو طبقے معرضِ وجود میں آئے۔ان میں سے ایک کا نام متکلمین ہے اور دوسرے کا نام متصوفین ہے۔ان دونوں کا کام شانہ بشانہ، دوش بدوش اُسی طرح چلا جس طرح اس سے پہلے غیر مسلموں کا چلا تھا جس کا ذکر تفصیلاً پہلے ہو چکا ہے۔غیر مسلموں کے پاس اُس کا صحیح فارمولا نہیں تھا اور مسلمانوں کے پاس مکمل اور صحیح فارمولا تھا جس کی بنیاد وحی الٰہی اور نبوی اطلاعات تھیں۔

اہلِ حق کی کرامات

غیر مسلموں میں کوئی ایسا آدمی پیدا نہ ہوسکا جس نے دنیا میں ایسی کرامات دکھائی ہوں جس سے یہ متحقق (Establish) ہو جائے کہ واقعی خدا اسے پسند کرتا ہے۔مثال کے طور پر کوئی آدمی مریض ہے اُسے کوئی دم کرتا ہے اور

اُس کا کچھ نتیجہ نہیں نکلتا یہی مریض کبھی صرف اپنی جماعت کی حمایت میں کہتا ہے کہ اچھے کے دم سے مجھے فائدہ نہیں ہوا جبکہ برے آدمی نے دم کیا تو فائدہ ہوا ہے۔لیکن جب کسی مردے کو زندہ کرنے کی بحث ہوئی تو اہل باطل میں سے کوئی بھی مردے کو زندہ نہ کرسکا۔لیکن اہل حق میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے مردے زندہ کر کے دکھلائے نتیجۃً سب کو ماننا پڑا کہ اِن کا تصوف صحیح ہے۔

اسلامی تصوف اور قرآنی آیات

اسلامی تصوف کی بحث میں چیدہ چیدہ آیات آئی ہیں۔آیات قرآنی کی تفسیر جو تصوف کی رو سے ہوتی ہے اُسے تفسیر اشاری کہتے ہیں۔

صوفیاء کے ہاں دو موضوعات بڑے مشہور مانے جاتے ہیں اُن میں سے ایک کا نام ''مقام'' ہے اور ایک کا نام ''حال'' ہے۔

مقام}: اُس کشمکش جدوجہد اور سعی وعمل کو مقام کہتے ہیں جہاں اللہ کا بندہ اللہ کی ملاقات اور وصل کے لئے شب و روز مجاہدات کرتا ہے عبادات وریاضات کرتا ہے۔اپنے علم کا استعمال کرتا ہے۔روزے رکھتا اور فاقے کاٹتا ہے۔ہر بری بات سے باز رہتا ہے اس جدوجہد کی آخری سرحد کا نام مقام ہے۔

حال}: بندے کی محنت ومشقت کے صلہ میں پروردگار عالم اپنے فضل وکرم سے جو جزا عطا فرماتا ہے یا اپنے فضل سے اُس پر مزید مہربانی فرماتا ہے۔اس کا نام حال ہے۔

بیان کے شروع میں سورہ البقرہ کی ابتدائی آیات میں سے جو آیت تلاوت کی گئی ہے اُس میں بتایا گیا ہے کہ وہ (ایمان والے اور متقین) اُس پر ایمان لاتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا اور اُس پر بھی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے نازل ہوا۔اور قیامت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔اس آیت سے صوفیاء کے اس مسئلے پر اہل علم نے تحقیق کی ہے کہ اس سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کو یہ سبق ملتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام قرآن پر اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر ہونے والی حدیث پر کامل یقین رکھتا ہے۔لیکن ساتھ ساتھ کسی بھی دوسرے نبی کے بارے میں وہ ہلکی رائے نہیں رکھتا۔ہر نبی کو نبی ہر رسول کو رسول مانتا ہے اور ہر نبی کے معجزے اور کمالات کو تسلیم کرتا ہے۔اس تعلیم سے یہ مسئلہ مستنبط (Infer) ہوتا ہے کہ ایک آدمی اپنے سلسلہء طریقت میں اپنے پیشوا اور مرشد کی تعلیمات کو برحق مانتا ہے اپنے سلسلے کے پیرانِ طریقت جن کے ذریعے سے اُسے فیضان حاصل ہو رہا ہے اُن پر کامل یقین رکھتا ہے لیکن اس

کے ساتھ ساتھ دوسرے سلسلے کے جو درویش اللہ والے تسلیم ہوئے ہیں اور مسلمانوں کی غالب اکثریت نے انہیں اللہ والا تسلیم کیا ہے اُن کی بھی ہتک نہیں کرتا اُن کی شخصیت پر انگلی نہیں اُٹھاتا اُن کو ذہنی اور اعتقادی طور پر اللہ والا مانتا ہے۔ یہ مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ اپنے طریقے پر چلنا اور دوسرے سلسلہ ہائے تعلیمات جو اللہ والوں کے ہیں اُن کو کامل یقین کے ساتھ مقدس تسلیم کرنا یہ اُن کا مقام ہے۔

حال اُن کا کیا ہے؟ {أُولَـٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَـٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ}

خدا کی طرف سے فیضان کا یہ سرٹیفکیٹ انہیں ملا ہے کہ یہ ہدایت پر ہیں۔ یہ بتانا مراد ہے کہ اگر چلنا ہے تو ان کے پیچھے چلو جو منزل پر پہنچنے والے لوگ ہیں۔ جو خود منزل پر نہیں پہنچتے اُن کے پیچھے چلنے کا حاصل کچھ نہیں۔ آج چلتے وقت جو سیدھے راستے پر چل رہے ہیں اُن کے انجام کی اللہ گارنٹی (ضمانت) دیتا ہے کہ یہ کامیاب ہونے والے لوگ ہیں۔

آگے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ}

جو منافقین ہیں وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو دھوکا دیتے ہیں۔

کس ذریعے سے ساتھ کھڑے ہو کے نمازیں پڑھتے ہیں۔ اللہ اللہ کرتے ہیں، روزے رکھتے ہیں۔ اذانیں اور اقامتیں کہتے ہیں، حج پر جاتے ہیں۔ صرف دل سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کو تسلیم نہیں کیا۔ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت کے تقدس کو وہ تسلیم نہیں کرتے۔ رب فرماتا ہے کہ یہ جو اُن کی غلط نمائی ہے اپنے خیال کے مطابق وہ اللہ کو دھوکا دے رہے ہیں۔

اس جگہ تفسیر اشاری کے ماہرین کہتے ہیں کہ جب اللہ سے اُن کی ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ اللہ سے ملاقات ممکن ہی نہیں تو اللہ کو وہ دھوکا کس طرح دیتے ہیں؟ وہ اللہ کو بایں معنیٰ دھوکا دیتے ہیں کہ وہ اللہ والوں کو دھوکا دینے کی کوشش لاحاصل کر رہے ہیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو بزعم خود دھوکا دے رہے ہیں۔ اگرچہ دھوکا دے تو نہیں سکتے مگر کوشش کرتے ہیں۔

اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے جو صوفیاء کہتے ہیں کہ اہل اللہ کے ساتھ جو خالص تعلق بنایا جائے وہ تعلق رب سے بن جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی اللہ والے کے ساتھ بیعت کرتا ہے تو وہ بیعت اللہ سے بیعت تسلیم ہوتی ہے۔

دست اُو را حق چوں دست خویش خواند

تا یداللہ فوق ایدھم براند

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ولی کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ کہا ہے حالانکہ اس جگہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام لیا ہے۔ Direct (براہ راست) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں لیکن Indirectly (بالواسطہ) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام مراد ہیں۔ جو اُن کے Representative (ترجمان) ہیں۔ اُن کے ساتھ محبت اللہ کے ساتھ محبت تسلیم ہوتی ہے اور اُن کے ساتھ بغض اللہ کے ساتھ بغض تسلیم ہوتا ہے۔ اگر اُن کو دھوکا دینے کی کوشش کی جائے تو یہ اللہ کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جو میرے (اللہ کے) پیارے دوستوں کے ساتھ دوستی رکھیں تو یہ دوستی میری دوستی ہے۔ اُن کے ساتھ دشمنی میرے ساتھ دشمنی ہے۔ اُن سے پیار مجھ سے پیار ہے۔ جو اُن کے قریب ہو جائے تو وہ میرے قریب ہو جاتا ہے۔ اُن (اللہ والوں) کی مجلس میں بیٹھنا میری مجلس میں بیٹھنا ہے۔ جیسا کہ صوفیاء کا قول ہے:

(من سرہ ان یجلس مع اللّٰہ فلیجلس مع اھل التصوف)

(جو اللہ کے ساتھ بیٹھنا پسند کرتا ہے وہ اہل تصوف کے ساتھ بیٹھے)

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا اونشیند در حضور اولیاء (مثنوی شریف)

جو آدمی اللہ کی مجلس میں بیٹھنا چاہے اُس کو چاہیے کہ ولیوں کی مجلس میں بیٹھے کیونکہ ولی کی مجلس اللہ کی مجلس ہے۔ تفسیر اشاری (وہ تفسیر جو تصوف کو بیان کرتی ہے) کی رو سے یہ آیت اس کا ثبوت بنتی ہے کہ اللہ والوں کے ساتھ جو معاملہ کیا جائے وہ اللہ والوں کے ساتھ تسلیم نہیں ہوتا بلکہ اللہ کے ساتھ تسلیم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: {فی قلوبھم مرض} (اُن کے دلوں میں بیماری ہے)۔

حالانکہ جسمانی طور پر (Physically) وہ تندرست اور (Fit) ہیں۔ پھر یہ کیوں کہا کہ اُن کے دلوں میں بیماری ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ اُن کے دلوں میں نفاق (Hypocrisy) ہے۔ اس جگہ صوفیاء یہ کہتے ہیں کہ فلاں کا دل مریض ہے۔ دل کے مرض سے صوفیاء گناہ مراد لیتے ہیں۔ اس جگہ صوفیاء کی یہ Terminology (اصطلاح) Establish (متحقق) ہوتی ہے کہ واقعی گناہ کو قرآن مجید نے اپنی بولی میں مرض کہا ہے۔ مرض موت اور زندگی کے درمیان ایک کیفیت کا نام ہے۔ چونکہ وہ منافق تھے وہ کفار میں بھی اپنا شمار نہیں کراتے تھے اور اللہ کی بارگاہ میں مومنوں میں بھی اُن کا

شمار نہیں تھا۔اس لئے وہ مومنوں اور کافروں کی درمیان کی حالت کے لوگ تسلیم ہوتے تھے۔جس طرح مرض موت اور حیات کی درمیانی حالت کا نام ہے اسی طرح منافقت بظاہر کفر اور ایمان کی درمیانی حالت کا نام ہے۔یہ دنیا کا حال ہے۔قیامت میں جو اُن کا حال ہوگا وہ قرآن مجید نے بیان فرمایا:

{إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ} (النساء۔۱۴۵)

(جہنم میں جو سب سے نیچے والا حصہ ہے اُس میں منافقین ہوں گے)۔

یہ سزا اس لئے ہے کہ ایک کفر کرنا اور دوسرا نبی کو دھوکا دینے کی کوشش کرنا۔اس سے وہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے جو صوفیاء کی بول چال میں ہے کہ گناہ اصل میں بیماری ہیں اور اس بیماری سے بچنے کے لئے معالج تلاش کرنے چاہئیں اور یہ معالج اللہ والے ہوتے ہیں۔اُن کی مجلس میں جو بیٹھے اللہ اُن کی برکت سے بیماریاں دور فرما دیتا ہے۔اس لئے موقع بہ موقع قرآن میں اس طرح کی آیات آئی ہیں۔لیکن Subjectwise (مضمون وار) آئی ہیں لگا تار نہیں آئیں۔

مباحات سے بچنا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: {وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِين}۔(البقرہ:۳۵)

یہ آیت بھی تصوف کے مضمون کو deal کرتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی اہلیہ سے کہا گیا کہ تم جنت میں رہو،کھلم کھلے کھاؤ اور جہاں چاہو آؤ جاؤ کوئی پابندی نہیں۔لیکن اُس درخت کے قریب بھی مت جانا وگرنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔اس جگہ مفسرین اور بالخصوص تفسیر اشاری کے ماہرین کہتے ہیں کہ اصل میں گندم کا دانہ کھانا منع کیا تھا قریب جانا تو منع نہیں تھا۔اس سے صوفیاء اور اہل اللہ یہ مسئلہ استنباط کرتے ہیں کہ کبھی کسی مباح کام (ایسا کام جس کی ممانعت نہ ہو) کو منع کر دینا ضروری ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک مارکیٹ ہے اُس میں سے عام لوگ گزر رہے ہیں اور وہاں سے گزرنے میں یوں تو کوئی حرج نہیں لیکن ایک ماں اپنی بچی کو مارکیٹ کی گزرگاہ میں جانے سے روک دے کہ وہاں جانے سے اُس بچی کی زندگی یا شہرت متاثر ہو سکتی ہے تو یہ روکنا درست ہے۔صوفیاء کی تحقیق یہ ہے کہ اصل میں گندم کا دانہ کھانا منع تھا لیکن اُس درخت کے قریب جانے سے بھی منع فرما دیا یہ Permissible Matter (مباح عمل) تھا۔اسی طرح شیوخ، پیرانِ طریقت، صوفیا، اساتذہ اور والدین کو اس بات کا حق ہے کہ کسی مباح کام سے منع کر دیں۔کسی حرام کام سے بچانے کے لئے مباح کام سے روک دینا اس آیت سے ثابت ہے۔کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ کوئی مباح کام حرام کام کرنے کا باعث ہو جائے۔

اللہ کا فضل اور جزاء

رب تعالیٰ فرماتا ہے: {وَإِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلَائِکَةِ إِنِّی جَاعِلٌ فِی الْأَرْضِ خَلِیفَةً} (البقرہ۔۳۰)

اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ وقت یاد کریں جب آپ کے رب نے فرشتوں سے یہ بات فرمائی کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔تو اُنہوں نے کہا اے پروردگار عالم تو زمین میں اُسے خلیفہ بنانے والا ہے جو اُس پہ خون بہائے گا اور فساد کرے گا اور ہم تیری تسبیحیں بیان کرتے ہیں تیری حمد کے ساتھ اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں ہماری موجودگی میں وہ کیسے خلافت کا حق دار ہوسکتا ہے۔رب نے فرمایا جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

اس کی تفسیر میں صوفیاء یہ مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ بعض اوقات کم درجہ مرید ایک شیخ کی ارادت اور غلامی کا حق ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے شیخ فیضان تقسیم کرنے پر آتا ہے تو جونیئر کو پکڑ کے اُسے روحانی عظمت اور برکت عطا کر دیتا ہے۔ اُس وقت دوسرے ارادتمند کہتے ہیں کہ ہماری موجودگی میں یہ شان اور فضیلت اُسے کیسے مل سکتی ہے؟اس کا جواب یہ ہے کہ وہ اپنی محنت کی بقدر معاوضہ Demand کر سکتے ہیں۔جیسا کہ چار مزدور کام کرتے ہیں مزدوری کا Contract (معاہدہ) یہ ہے کہ گھنٹوں کے حساب سے اُنہیں اتنی مزدوری ادا کی جائے گی اور اتنی مزدوری دے دی گئی ہے۔لیکن ایک کو دیکھ کر ویسے پیار آ گیا تو اُسے دس روپے فالتو دے دیئے۔اگر دوسرے مزدور اعتراض کریں کہ اُسے دس روپے زیادہ کیوں دیئے ہیں؟ اُنہیں کہا جائے گا تمہیں Contract کے مطابق Wages (معاوضہ) دے دیا گیا ہے۔تمہارا حق تمہیں مل گیا ہے اب اگر ہم نے اپنی مرضی سے کسی کو زائد دے دیا ہے تو یہ فضل کا معاملہ ہے اس میں تم دخل اندازی نہیں کر سکتے۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے اُن کی خلافت کا ذکر چھڑا۔خلیفہ ایک Rank ایک Title ایک شان اور اختیار ہے اور بارگاہ خداوندی میں خلیفہ کی ایک امتیازی حیثیت ہے۔

فرشتوں نے کہا پروردگار! ہم عمل میں اُس سے بدرجہ بہتر ہیں۔تیری تسبیح تہلیل اور تقدیس ہمارا مشن اور کام ہے ہماری موجودگی میں آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانا درست نہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہاری عبادت، تسبیح وتقدیس اور حمد وثناء بیان کرنے کا بدلہ مقرر ہے۔Contract کے مطابق تمہیں درجے، فضیلت اور سہولتیں دی ہوئی ہیں۔لیکن تمہارے بجائے انسان کو خلیفہ بنانے لگا ہوں تو یہ میرے فضل کا معاملہ ہے اور میرا فضل کسی کے عمل کا محتاج نہیں ہے۔

یہاں یہ مسئلہ بھی حل ہوتا ہے کہ نماز ہم بھی پڑھتے ہیں اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی نماز پڑھتے تھے لیکن ہماری عبادات، نمازیں، روزے اور حج وغیرہ صحابی کی عبادت اور نیک اعمال کے برابر نہیں ہیں۔قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

{لَا یَسْتَوِیْ مِنکُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ أُوْلَئِکَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَ قَاتَلُوا}

(الحدید۔۱۰)

جن لوگوں نے مکہ فتح ہونے سے پہلے جانیں اور مال خرچ کئے قیامت تک آنے والے مسلمین اُن کے برابر کبھی نہیں ہوسکتے۔ نیک اعمال میں اُن سے کتنے آگے بھی نکل جائیں یہ اُن جیسے نہیں ہوسکتے۔ دراصل یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اجر کا ہے۔ فضل الٰہی پر کوئی پابندی نہیں لگی ہوئی ہے۔ وہ جسے چاہے جب چاہے جتنا چاہے جو چاہے عنایت فرمادے۔

ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے ''احکام القرآن'' میں فضل الٰہی پر ایک مضمون باندھا ہے۔ آپ ایک بڑے بزرگ بلند پایہ اہل علم گزرے ہیں۔ آپ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تیسرے درجے پر شاگرد ہیں۔(۲)

فضل الٰہی احکام تبلیغیہ یا نیک اعمال کا نتیجہ نہیں ہوتا

حضرت آدم علیہ السلام کے وجود میں آنے سے پہلے اُن کی خلافت کا اظہار کردیا گیا بے شک اُس وقت فرشتے موجود تھے۔ فرشتے معصوم اور پاک ہیں۔ سچے ہیں عبادت گزار ہیں۔ تسبیح وتہلیل کرنے والے ہیں مگر اُنہیں خلافت نہیں ملی۔ کیونکہ خلافت اللہ کا فضل ہے اور فضل کسی کے عمل کا محتاج نہیں ہوتا۔

جب خلافت الٰہیہ کی بات ہوئی تو اُس وقت دو طاقتیں موجود تھیں ایک فرشتے اور دوسرا ابلیس۔ ابلیس (شیطان) کے ملعون ہونے کی بات بعد میں ہوئی۔ پہلے تو وہ فرشتوں کی آسمانی درسگاہ کا بڑا اُستاد (Voice Chancollor of the University) تھا۔ اس موقع پر عزازیل (شیطان کا پہلا نام) کی شخصیت بے داغ تھی۔ ان مذکورہ دو طاقتوں کے مقابلے میں حضرت انسان کو خلافت کا حقدار بنایا جارہا ہے۔

مثال کے طور پر دو جماعتیں پیش ہوں۔ ایک زید کی اور دوسری بکر کی۔ زید بکر کے خلاف الزامات (Allegation& Charges) عائد کرتا ہے اور بکر اُن کا انکار (Contradict & Deny) نہیں کرتا تو الزامات متحقق (Establish) ہوجائیں گے۔

جس وقت فرشتوں نے بنی نوع انسان پر یہ الزامات لگائے کہ وہ زمین پر فساد پھیلائے گا اور خون ریزیاں کرے گا۔ تو رب کریم نے اُن الزامات کو رد نہیں فرمایا۔ اس سے یہ تسلیم ہوگیا کہ نوع انسانی میں ایسے لوگ ہوں گے جو یہ برائیاں کریں گے۔ اگر اس کے باوجود بھی خلافتِ ارضی انسان کو دے دی جائے تو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ایک گنہگار کو بھی خلافت دی جاسکتی ہے۔

رب العزت نے خلافت عطا کرنے کی ایک وجہ یہ بیان کی:

{وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا}۔(البقرہ۔۳۱)(اور سکھا دیے اللہ تعالیٰ نے آدم کو سب کے نام)

حضرت آدم علیہ السلام کو علم سے عزت بخشی، اُنہیں سارے نام سکھا دیئے۔ تو انا بود ھر کہ دانا بود (Knowledge is Power)۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے: {هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ}۔(الزمر۔۹)

(بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟)

علم والے اور جاہل کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ فرشتوں کو بتایا کہ آدم کو اس لئے خلیفہ بنایا جا رہا ہے کہ وہ تم پر علم میں برتر (Senior) ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمل کی خرابی کے ہوتے ہوئے علمی بہتری اور برتری حاصل ہو سکتی ہے اور مدار خلافت علم ہے بمطابق قرآن کریم کے۔

بات علم کی ہوئی تو شیطان کے علم سے کسے انکار ہے؟ اُس کا علم کم نہیں اور رہی بات عمل کی زمین و آسمان میں کوئی چپہ ایسا نہیں جہاں اُس نے اللہ کے حضور سجدے نہ کیے ہوں۔ شیطان کا علم اور عمل دونوں درست تھے پھر بھی اُسے چھوڑ کر حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنا دیا۔ اسے کہتے ہیں قابل غور معاملہ (Clinch of Case)۔ معاملے کا دار و مدار خلافت کی آزمائش پر ہے۔

خلافت کا مستحق وہ ہے جس کا علم، عمل اور عقیدہ سب درست ہوں شیطان کا علم اور عمل تو درست تھے مگر عقیدہ برا تھا۔ بدعقیدہ ہرگز خلافت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے شیطان خلافت کے لئے نااہل (Disqualify) ہو گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطلاع میں تھا کہ یہ اللہ کے بندے کے سامنے جھکنے سے انکار کر دے گا۔ اُس کی بزرگی تسلیم کرنے کی بجائے اپنے جیسا بھی نہیں سمجھے گا۔ ثابت ہوا کہ بدعقیدہ شخص نہ خلافت کا مستحق ہے اور نہ ہی وہ شیخ طریقت ہو سکتا ہے۔ دور حاضر میں کئی لوگ ہیں جو پیروں اور بزرگوں کا روپ دھارے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ قرآن و حدیث کا ذکر کرتے ہیں اپنے کشف اور صوفیت کا اظہار کرتے ہیں لیکن اُن کے آباء و اجداد اور استادوں کی کتابیں چھان بین کر کے دیکھو تو بدعقیدگی سے بھری ہوئی ہیں۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:۔

۱۔ شیطان کا علم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم سے بہتر ہے۔ کل روئے زمین کا علم شیطان بیک وقت رکھتا ہے مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیک وقت زمین کا علم نہیں رکھتے (براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، ص

55، دارلاشاعت اردو بازار کراچی اشاعت اول مارچ 1987ء)

۲۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مٹی میں مل کر مٹی ہو گئے (تقویۃ الایمان از مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی)

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ پتہ نہیں کہ میرا اور میری اُمت کا کیا حشر ہوگا (براہین قاطعہ)۔

استغفر اللہ العظیم۔ نعوذ باللہ من ذالک جن لوگوں کے یہ عقائد ہیں وہ یقیناً بدعقیدہ ہیں اور ہدایت سے محروم ہیں ایسے لوگ کیونکر خلیفہ اور شیخ ہو سکتے ہیں۔

بات فضل الٰہی کی چلی آ رہی ہے۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ اے نبی کی بیبیو! اگر تم کوئی نیکی کرو گی تو تمہیں دُگنا اجر ملے گا۔ عالم اسلام کی خواتین کو ایک نیکی کا اجر ایک ہی ملتا ہے۔ تمام مسلمانوں کے لئے ایک حج کا ایک ہی ثواب ہے اسی طرح ایک نماز کا ثواب ایک ہی کے برابر ہے لیکن اہلِ بیت رسول کو ایک نیکی کا ثواب دو کے برابر ملتا ہے۔ یہ معاملہ اللہ کے فضل کا ہے وہ اپنی مرضی سے جس پر فضل فرما دے کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیامت تک آنے والی اُمت ساری اُمتوں میں سے بہترین اُمت ہے: {كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ}۔ (آل عمران۔ ۱۱۰)

(مومنو جتنی امتیں لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو۔)

اس میں تمام صحابہ، صحابیات، خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین مخاطب ہیں۔ ہم سب بھی اس فضیلت میں شامل ہیں اور قیامت تک آنے والی ساری اُمت شامل ہے۔ تو اس اُمت کو ساری اُمتوں میں بہترین قرار دیا گیا۔ یہ درجہ کسی نیک عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ محض فضل الٰہی ہے۔

علامہ اقبال مرحوم کا ایک شعر عموماً پڑھا جاتا ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نوری ہے نہ ناری ہے

مندرجہ بالا شعر علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کی زندگی کے ابتدائی ایام کا ہے۔ اپنے آخری وقت میں جو اُنہوں نے نظم کہی ہے اُس کے اس شعر پر غور کریں۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است (۳)

اس میں علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچاؤ تو تم نے دین کو پہچان لیا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہیں پہنچ سکے تو پھر کچھ بھی عمل کرو اُس کا کوئی نتیجہ نہیں ہوگا۔

پانچ نمازیں۔ثواب پچاس نمازوں کا

معراج شریف کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ کی اُمت کے لئے پچاس نمازوں کا تحفہ عنایت فرمایا گیا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی تو اُنہوں نے کہا کہ آپ کی اُمت پچاس نمازیں نہیں ادا کرسکتی۔ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوکر ان کو کم کرائیے۔ مسلمان، عیسائی اور یہودی سب یہ مانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام معراج کے موقع پر قبر میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات آسمان پر ہوئی۔ ظاہر ہے کہ آن کی آن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر سے نکل کر آسمانوں پر پہنچ گئے۔

اس سے صوفیا کا یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ والے جو اس دنیا میں ساری زندگی اللہ کی رضا میں گزارتے ہیں اور اس کی اطاعت و بندگی اُن کی ڈیوٹی ہوتی ہے تو مرنے کے بعد قبر سے آسمانوں کی طرف پرواز کرنا اور اس طرح کے کمالات کا ظہور اُن کے حق میں اللہ تعالیٰ کے فضل وانعام کا اظہار ہوتا ہے۔

بعد از وفات اولیاء اللہ کی امداد

پچاس نمازوں سے کم ہوکر اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پانچ نمازوں کا فرض ہونا یہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت محمدیہ کے لیے امداد تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ دوبارہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر نمازیں کم کرائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس تجویز کو قبول فرماتے ہوئے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور نمازیں کم کرنے کی درخواست کی اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کردیں۔ واپسی پر پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ پینتالیس نمازیں بھی بہت زیادہ ہیں مزید کم کرائیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر تشریف لے گئے۔ رب تعالیٰ نے پانچ اور کم کردیں۔ اس طرح چالیس نمازیں رہ گئیں۔ لیکن راستے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بیٹھے تھے کہنے لگے اتنی نمازیں بھی آپ کی اُمت کے لئے زیادہ ہیں اور کم کرانے کے لئے واپس تشریف لے جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کہنے پر یکے بعد دیگرے نو مرتبہ دربار الٰہی میں حاضر ہوتے رہے اور پانچ پانچ نمازیں کم ہوتی رہیں یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ نمازوں کی تخفیف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد سے ہوئی۔ اگر پچاس ہی نمازیں رہتیں تو مسلمانوں کے لئے یہ فریضہ ادا کرنا مشکل ہوتا۔ اس مشکل سے نکالنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدد فرمائی۔ جب پانچ نمازیں رہ گئیں تو

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مشورہ دیا کہ اس سے بھی کم کرائیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اب نہیں جاؤں گا۔ بار بار جا کر نمازیں معاف کرانے سے شرم محسوس ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا آپ کا اُمتی پانچ نمازیں پڑھے گا مگر میں اُسے ثواب پچاس نمازوں کا عطا کروں گا۔ یہ عطا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

جو لوگ اہل اللہ کی بعد از وفات امداد کے عقیدے کو شرک بتاتے ہیں اُنہیں چاہیے کہ پچاس نمازیں پڑھا کریں۔ ہم اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ قبر میں جا کر بھی باذن الٰہی مخلوق خدا کی مدد فرماتے ہیں۔

پچاس نمازوں کی تخفیف کا یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (م 854 ہجری) نے بخاری شریف کی شرح ''عمدۃ القاری'' شرح صحیح بخاری میں بیان کیا ہے۔ اپنے دور کے امام ابوحنیفہ مانے جاتے تھے۔

اولادِ فاطمہ سلام اللہ علیہا اور آیت تطہیر

حضرت سیّدہ خاتون جنت سلام اللہ علیہا کی اولادِ پاک جنہیں قرآن پاک میں اہل بیت اطہار فرمایا ہے اور اُن کی طہارت کا خصوصاً ذکر کیا ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ (۴) جنہیں تصوف کا بادشاہ تسلیم کیا گیا ہے اُنہوں نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ شریف میں لکھا ہے کہ جس طرح حسن و حسین علیہما السلام کو پاکیزگی حاصل ہے قیامت تک آنے والی ساری اولادِ فاطمہ علیہا السلام اس تطہیر میں برابر شریک ہے۔ ابھی پیدا نہیں ہوئے تو اُن کی تطہیر کا تذکرہ ہوا۔ ثابت ہوا یہ خصوصی فضیلت سادات اطہار کو احکام تبلیغیہ پر عمل کے نتیجے میں نہیں مل رہی بلکہ یہ فضل الٰہی سے ملی ہے جو کہ فضل اختصاصی ہے۔ (فتوحات مکیہ، جلد اول، باب 29، صفحہ 298)

رواج کا دباؤ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: {وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَى كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ} (البقرہ۔ ۵۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکلے اور صحرائے سینا میں پہنچے تو وہاں آپ کی قوم نے یہ تقاضا کیا کہ ہمیں ایک خدا بنا دیجئے کیونکہ اس زمانے میں لوگوں نے کئی خدا بنا رکھے تھے۔ ہمارے پاس بھی ظاہری صورت میں کوئی خدا ہونا چاہیے۔

اللہ کے نبی کو بھی لوگوں کے رواج (Fashoin) کی خرابی کا سامنا کرنا پڑا۔ اللہ کے نبی کا مشن ہی یہ ہے کہ ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کو منوانا ہے۔ بت پرستی کی لعنت کو ختم کرنا ہے اور انسانیت کو ایک خدائے واحد کے آگے سربسجود کرانا ہے۔ مگر

قوم رواج کے جنون میں ہے اور بت کی صورت میں خدا چاہتی ہے۔ ہر دور میں رواج کے زور سے ایسے کام ہوتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ آج کے دور میں فیشن نے تو انسانوں کو پورے لباس سے عاری کر دیا۔ جسم کی نمائش کو باعث فخر سمجھا جاتا ہے۔

نعمتوں کا حصول حقانیت کی دلیل نہیں

جو آیتِ مبارکہ پہلے بیان ہوئی اُس میں بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا تذکرہ ہے کہ بادلوں کو اُن پر سائبان بنایا اور من وسلویٰ (پکا پکایا کھانا) آسمان سے اُن پر اُتارا۔ یہ بہت بڑا لنگر تھا جس میں آسمانوں سے نازل ہونے والا لذیذ کھانا تھا۔ ہم مسلمانوں کے ریکارڈ کے مطابق چھ لاکھ اور یہود کے ریکارڈ کے مطابق بیس لاکھ افراد یہ لنگر کھاتے تھے اس سے پتہ چلا کہ بدعقیدگی، بدعملی اور بداخلاقی کے ہوتے ہوئے بھی ظاہری سہولتیں میسر ہوسکتی ہیں اور ہوتی ہیں۔

آج کل بعض لوگوں کی بزرگی کا چرچا ہوتا ہے کہ اُن کا بہت بڑا لنگر خانہ ہے۔ آنے والوں کی بڑی تواضع ہوتی ہے۔ بہت بڑا مدرسہ ہے۔ یونیورسٹی ہے۔ بہت سارے طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ پیری مریدی کا وسیع سلسلہ ہے۔ مریدین کے قیام کے لئے عمارتیں ہیں۔ لیکن یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ سب کچھ کسی کے اہلِ حق ہونے کا مدار نہیں ہے۔ یہ نعمتیں کسی کے علمی، روحانی اور عرفانی مرتبے کا معیار نہیں ہوسکتیں۔ اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اس Standrad (ظاہری شان) کے ہوتے ہوئے کوئی مقربِ بارگاہ الٰہی ہوسکتا ہے۔

اللہ کی طرف سے ضابطہ ہدایت جو کتاب کی صورت میں نازل ہوتا ہے اور حامل کتاب یعنی رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ و السلام کا وجود قوم کی ہدایت کی بنیاد ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول کی مبارک حیات، اُن کا قول وعمل اُس کتاب الٰہی کی تعلیمات کی شرح ہوتی ہے اور یہ مکمل ہدایت کا معیار اور ثبوت ہوتی ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فقر واستغنا

ایک دِن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر تھے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام حاضر ہوئے دیکھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ٹاٹ کا کرتا پہن رکھا ہے۔ اور کرتے میں بٹنوں کی جگہ ببول کے کانٹے لگائے ہوئے ہیں۔ آپ کا بدن مبارک اُس میں سے نظر آ رہا ہے۔ اسلام کی خاطر تکلیفیں سہہ سہہ کر جسم نحیف ونزار ہوگیا ہے کولہوں پہ گوشت نہیں ہے کمر بہت پتلی ہے۔ آپ کے چہرے پر گوشت کم ہے۔ آنکھیں گہری ہیں۔ پیشانی مبارک ابھری ہوئی ہے۔ وقت سے پہلے بڑھاپا آ گیا ہوا ہے۔ یہ سب حق کی خاطر فاقے کاٹ کر، سفروں میں رہ کر، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کے لئے رو رو کر یہ حال کرلیا ہے۔ دنیا کا کوئی اثاثہ آپ کے پاس نہیں ہے جبرائیل امین نے پوچھا۔

یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کیا یہ صدیق اکبر ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جی ہاں یہ ابوبکر صدیق ہے۔

ایک وقت میں شہر کی اتنی مالیت کے مالک شخصیت تھے کہ صرف ان کی ساٹھ ہزار دینار کی کرنسی سے شہر کے لوگ تجارت کرتے تھے۔ (اُس وقت ایک دینار میں ساڑھے پندرہ درہم ہوتے تھے اور تین درہم میں گائے خریدی جاتی تھی)

اب یہ وقت ہے کہ ٹاٹ کا پھٹا ہوا کرتا پہن رکھا ہے۔ ایک پائی بھی پاس نہیں آخر سب مال و جائیداد کدھر گئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس نے سارا مال مجھ پر خرچ کر دیا۔ دین حق کی اشاعت و سربلندی میں خرچ کر دیا۔

جبرائیل امین واپس چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور سارا ماجرا عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمہیں اس موقع پر بھیجا اسی لئے تھا کہ تمہیں عشق و محبت کی دنیا دکھا دوں۔ تم فرشتے بھی عشق کے دعویدار ہو۔ لیکن یہ سب کچھ دیکھ کر تمہیں عشق سے آشنائی ہوگئی ہوگی تم عبادت تو کر سکتے ہو۔ طاعت و بندگی بجالاتے ہو لیکن عشق کے نام سے واقف نہیں ہو، جاؤ جا کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھو کہ وہ اسی حال میں راضی برضا ہے اگر نہیں تو جتنا سرمایہ اُس نے اسلام پر خرچ کیا ہے سارے کا سارا اُسے واپس دیتے ہیں یوں سمجھئے کہ جبرائیل امین علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں عرض کر رہے ہوں کہ عشق و محبت کے متوالے اپنے محبوب پر سب کچھ قربان کر کے خوش رہتے ہیں۔ یہ کیوں کر ممکن ہے صدیق اکبر اپنے محبوب رب کی خوشنودی میں سب کچھ لٹا کر اُسے واپس لے۔

حضرت جبرائیل امین واپس دربار مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے تو اُنہوں نے ٹاٹ کا کرتا پہن رکھا تھا اور اُس پر ببول کے کانٹے لگا رکھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ صدیق اکبر نے تو مجبوری سے یہ لباس پہنا ہے تمہیں کیا ہوا کہ تم بھی اُسی حالت میں آ گئے۔ عرض کیا اے اللہ کے رسول آسمانوں پر منادی کی گئی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق صادق نے جو لباس پہن رکھا ہے اللہ کو اُس پر پیار آ گیا ہے لہٰذا آسمانوں کے سارے قدسی اس یونیفارم (وردی) کو پہن لیں (تاریخ الخلفاء از امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، صفحہ 39)

بندگان خدا فاقہ مستی، تہی دستی اور غربت و افلاس کی منزلوں سے گزرتے ہیں۔ اور کبھی نافرمانوں کو نعمتیں ملتی ہیں اور وہ ہر طرح کی آسائشات سے لطف اندوز ہوتے ہیں قوم بنی اسرائیل کو من وسلویٰ کھانے کو ملتا تھا۔ (من حلوے کی قسم کی چیز ہے انگریزی زبان میں اسے من ہی کہتے ہیں۔ سلویٰ بٹیر کی قسم کا پرندہ تھا اسے انگریزی میں Quail کہا جاتا ہے)۔

اس بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی کی بڑی گدی، مکانات، کھانے پینے کے لنگر دیکھ کر دھوکے میں نہیں آنا چاہیے

بلکہ اُن کے عقیدے، عمل اور اخلاق کو دیکھنا چاہیے کہ کیا وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہیں۔ اس سے صوفیاء کا مسلک عیاں ہے کہ کبھی مال و دولت کے ذریعے رب تعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کی عزت افزائی فرماتا ہے اور کبھی نعمتوں سے محروم کر کے مشکلات سے اُنہیں گزارتا ہے اور آزماتا ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ سب سے اعلیٰ عبادت وہ ہوتی ہے جو زیادہ مشکل حالات میں ہو۔ جیسے جیسے مشکلات بڑھتی ہیں اُسی قدر درجہ بڑھتا جاتا ہے تو اس Principle (اصول) کے تحت حضرت سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا درجہ پوری اُمت میں سب سے افضل ہے۔ (۵)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمر اتنی پتلی ہوگئی تھی تہبند پاؤں تک لٹکتا تھا۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بخاری شریف، جلد اول، کتاب المناقب، صفحہ 517 اور مسلم شریف میں حدیث ہے کہ کسی مرد کو اپنا ازار یعنی شلوار یا اسی طرح کی کوئی اور چیز اس طرح باندھنی چاہیے کہ وہ ٹخنوں سے نیچے نہ لٹکے۔ ٹخنوں سے زیادہ لٹکنے والی ازار جہنم میں جائے گی۔ لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ازار کمزوری اور مجبوری کی وجہ سے لٹکتی تھی۔ حدیث میں بیان کردہ سزا اُن لوگوں کے لیے ہے جو بغیر کسی مجبوری کے اور تکبر سے ازار ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں۔

چلہ کشی۔ یادِ خدا میں محویت کے لیے گوشہ تنہائی

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: {وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً}۔ (البقرہ:۵۱) (اے پیارے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ لیا)۔

صوفیائے کرام طریقت اور سلوک کی منازل میں دنیا سے الگ تھلگ ہو کر عموماً چالیس چالیس دن کے چلے کاٹتے ہیں۔ تنہائی میں یادِ حق میں محو رہتے ہیں۔ اس کا ثبوت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ ہے۔

پہلی اُمتوں کے نیک امور کا اُمت مسلمہ میں جواز

اصول تفسیر (قرآن مجید کی تشریح و تفسیر کے اصول) اصول حدیث اور اصول فقہ کو اصولیات ثلاثہ (Three Principles of Islamic Jurisprudence) کہتے ہیں۔ ان میں یہ بات موجود ہے کہ قرآن و حدیث میں اگر سابقہ ملتوں میں کسی نیک اور جائز عمل کا ذکر ہوا ہے اور قرآن و حدیث نے اُس کا رد نہیں کیا یا ملتِ اسلامیہ کے لیے ممانعت نہیں کی تو جس طرح پہلے ادیان میں وہ نیک عمل تھا اُسی طرح دین کامل اسلام میں وہ جائز اور نیک عمل مانا جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چلہ کشی کا ذکر ہوا اور اسے شریعت اسلامیہ نے منسوخ نہیں کیا اس لیے یہ اسلام میں

چالیس دن کے چلے کی بنیاد تسلیم ہوگا۔ حضور امام الانبیاء محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پہلی وحی آنے سے پہلے غار حرا میں تنہا بیٹھا کرتے تھے۔

ہے رسم عاشقی میں الگ سب سے بیٹھنا

حسن میاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے:

دِل میں ہو یاد تیری اور گوشہ تنہائی ہو
پھر تو خلوت میں بھی عجب انجمن آرائی ہو

لیکن کبھی ایسا وقت بھی آتا ہے کہ بندہ صف کارزار میں کھڑا ہے۔ بازار میں خرید وفروخت میں لگا ہوا ہے۔ دوستوں کی بزم سجی ہے اُس میں موجود ہے۔ دنیا کا کاروبار بھی چل رہا ہے۔ اپنے گھر میں اہل وعیال کے حقوق بھی پورے ہو رہے ہیں مگر اس کے باوجود اللہ کے کاملین بندوں کا اپنے رب سے تعلق ایک لمحے کے لیے بھی Suspend (ملتوی) نہیں ہوتا۔ رب سے جو تعلق ہے وہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔

سارا عالم ہو مگر دیدۂ دِل دیکھے تجھے گرم ہو انجمن اور لذت تنہائی ہو

(صدر الافاضل سیّد نعیم الدین مراد آبادی)

یہ مقام بڑے عشّاق اور اعلیٰ ہستیوں کو حاصل ہوتا ہے۔

اسلام میں پردے کی اہمیت

عورت کا نام لیتے وقت مرد یہ سمجھنے لگتا ہے کہ بس عورت صرف وہ ہے جس کے ساتھ اُس کا نکاح ہوتا ہے اور اُس کے ساتھ مرد کی جوڑے کی زندگی گزرتی ہے یہ ایک غلط فہمی ہے یاد رہے کہ جوڑے کا تعلق تو صرف ایک عورت کے ساتھ ہے۔ عورت میں سب سے پہلے ماں آتی ہے، دادی، نانی، بہن اور بیٹی آتی ہے۔ برابر کا تعلق تو صرف اُس کا بیوی کے ساتھ ہے۔ ماں کے درجے پر غور کرو، ماں کے جوتے کے برابر بھی اُسے عزت مل جائے تو وہ خوش نصیب انسان ہے۔ (۶)

عورت کو تقدس اور بزرگی حاصل ہے۔ پردہ عورت کے تقدس کے لیے ہے۔ جدت پسند (Modern) لوگ جو مغرب کے تہذیب وتمدن (Western Culture) سے متاثر ہیں وہ اس سوچ کے حامل ہیں کہ جدید تہذیب کے دلدادہ لوگوں سے بھی ہمارا تعلق ہو اور اُن کو بھی خوش رکھیں اور اسلام کا نام بھی ہم اپنے حق میں استعمال کریں۔ اس لیے اُنہوں نے یہ تاویل گھڑلی کہ عورت کا چہرہ ننگا رہے اور باقی جسم پر لباس ہو اور وہ ڈھانپا ہوا ہو۔ لیکن اصل تو چہرہ ہے۔ چہرے پر نظر پڑے

تو Attraction (توجہ) ہوتی ہے۔اس لیے اسلام نے چہرے کا پردہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک زوجہ مطہرہ تھیں۔جن کا نام حضرت سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا تھا۔ یہ ہاشمی خاندان میں سے تھیں۔ام المؤمنین حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یارسول اللہ! آپ کی ازواج مطہرات ہم اہل ایمان کی مائیں ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل میں مشرکین منافقین اور کفار بھی آتے ہیں۔ مجھے غیرت آتی ہے کہ یہ ہماری ماؤں کی طرف دیکھتے ہیں۔کیا ہی اچھا ہو کہ ان کے لیے پردے کا حکم ہو جائے۔ازواج مطہرات کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی یہ بات اچھی نہ لگی۔اُنہوں نے کہا عمر (رضی اللہ عنہ) کون ہوتا ہے کہ ہمارے معاملات میں دخل اندازی کرے۔

لیکن بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تجویز کے مطابق اللہ تعالیٰ نے آیات قرآنی نازل فرمادیں جن میں مسلمان عورتوں کو پردے کا حکم دے دیا۔اِن آیات کو موفقاتِ عمر کہا جاتا ہے۔

اس حکم کے بعد ام المؤمنین حضرت سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا چہرے پر نقاب ڈالتی تھیں لیکن باقی جسم پر جو لباس ہوتا تھا اُس سے صحیح طریقے سے پردہ نہیں ہوتا تھا بعض جسمانی اعضاء نظر آتے تھے اور معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ حضرت سودا رضی اللہ عنہا ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شکایت کی گئی کہ یارسول اللہ! آپ توجہ فرمائیں کہ صرف چہرے کو ڈھانپ لینا تو پردہ نہیں ہوگا بلکہ مسلمان عورت کو اپنے پورے بدن (Body) کو اس طرح ڈھانپنا چاہیے کہ سارے جسم کا پردہ ہو۔قرآن کریم میں عورت کو اپنے چہرے سمیت پورے بدن کو ڈھانپنا ضروری ہے۔

بعض لوگ اسے مذہبی پیشواؤں کی تنگ نظری قرار دیتے ہیں حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے اسلام میں پردہ عورت کے تقدس اور اُس کی عزت کی حفاظت کے لیے ہے۔

ام المؤمنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ ؓ کی فضیلت

حضرت سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب سے پہلی زوجہ تھیں۔ہم اُن کی اولاد ہیں۔جب تک وہ زندہ رہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری شادی نہیں کی۔حضرت سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ سب سے پہلی مسلمہ ہیں۔سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول کیا۔سب (مردوں اور عورتوں) سے پہلے سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلمہ حضرت سیّدہ خدیجہ نے پڑھا ہے۔اگر یہ سوال ہو کہ اسلام میں سب سے پہلا مسلمان کون ہے؟ تو اُس کا

جواب ہے کہ ایک عورت سب سے پہلی مسلمان ہے اور وہ خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا ہیں۔ ایک عورت بیوی ہو کر اپنے شوہر کو بہادر، خیر خواہ، محب، سخی اور بے شمار Qualities (وصف) کا حامل مان لیتی ہے لیکن بزرگ ماننے سے بیوی کا دل گھبراتا ہے کیونکہ جس کے ساتھ جوڑے کا تعلق ہے اُسے بزرگ کس طرح مانا جائے۔ لیکن حضرت سیّدہ کی ذہانت کا اندازہ کریں کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاح کرتے وقت یہ Idea (نظریہ) بنالیا تھا کہ اس ہستی میں پیغمبرانہ آثار نظر آرہے ہیں۔ اسی اُمنگ سے شادی کی تھی۔ جوں ہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غارِ حرا سے تشریف لائے اور وحی کے واقعے کا ذکر کیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے حضرت سیّدہ نے آپ کو نبی تسلیم کرلیا۔

حواشی

۱۔ ۱۴ علوم (صرف، نحو، بلاغت، لغت، فقہ، اصول فقہ، علوم القرآن، تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، علوم حدیث، تاریخ، منطق، مناظرہ)

۲۔ امام ابوبکر جصاص: ولادت 305 ہجری، وفات 370 ہجری، امام ابوبکر احمد بن علی رازی کا حنفیہ کے اکابرین میں شمار ہوتا ہے۔ بیس سال کی عمر میں بغداد منتقل ہوئے امام ابوالحسن کرخی، امام ابوسہل الزجاجی ابوالعباس الاصم نیشاپوری سے علوم حاصل کیے۔ آپ کو دو بار قاضی القضاء کا عہدہ پیش کیا گیا مگر قبول نہ کیا تصنیفات میں شرح جامع الکبیر، جامع الصغیر، شرح مختصر الفقہ الطحاوی اور الفصول فی الاصول شامل ہیں۔ تفسیر احکام القرآن آپ کی مشہور زمانہ تصنیف ہے۔

۳۔ یہ کلام ''ارمغان حجاز'' میں ہے۔ یہ کتاب کبھی ایم اے کے نصاب میں تھی۔ حضرت قبلہ عالم مفکر اسلام مدظلہ العالی نے یہ کتاب دو درجن سے زیادہ مرتبہ پڑھائی ہے۔

۴۔ شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی الحاتمی الطائی الاندلسی 1240، دنیائے اسلام کے ممتاز صوفی، عارف، محقق، قدوہ علماء اور علوم کا بحر بیکنار رہیں۔ تصوف میں آپ کو شیخ اکبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور تمام مشائخ آپ کے اس مقام پر تمکین کے قائل ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد پانچ سو کے قریب ہے۔ جن میں فصوص الحکم اور الفتوحات المکیۃ بہت مشہور ہیں۔ الفتوحات المکیۃ 560 ابواب پر مشتمل ہے اور کتب تصوف میں اس کا درجہ بہت بلند ہے۔

۵۔ جیسا کہ جمہور اہل سنت کا مذہب ہے اس پر اجماع نہیں اس موضوع پر حضرت قبلہ عالم مفکر اسلام کی کتاب (زبدۃ التحقیق) کا مطالعہ فرمائیں۔

۶۔ درس کے اختتام پر قبلہ عالم حضرت مفکر اسلام شاہ صاحب دامت برکاتہم العالی کی خدمت میں مسلمان عورت کے پردہ کرنے سے متعلق سوال عرض کیا گیا۔ حضرت قبلہ عالم نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا۔

دوسرا درس قرآن ۲۶ جنوری ۲۰۰۴ء

مسائل تصوف: حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی روشنی میں

☆.....ترجمہ آیات

☆.....نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم غیب

☆.....روحانی علوم ومعارف میں شیخ طریقت کی پیروی

☆.....شیخ کی بلا تامل پیروی

☆.....بلند درجے والے کا اپنے سے کم درجے والے سے وصول فیضان

☆.....مرشد کی منزلیں کبھی مرید کے ذریعے سے طے ہوتی ہیں

☆.....علم غیب، فضل جزئی اور فضل کلی

☆.....موسیٰ علیہ السلام کا مواخذہ لینے کا جواز

☆.....حضرت خضر علیہ السلام کا جواب

☆.....حضرت خضر علیہ السلام نے لڑکے کو قتل کر دیا

☆.....یتیم بچوں کی دیوار کی تعمیر

☆.....واقعات کی حکمتیں

☆.....کشتی کے نقصان کا قانونی پہلو

☆.....علوم غیبیہ حواس خمسہ اور عقل کی پہلی توجہ

☆.....نسب کی اہمیت اور فائدہ

☆.....سادات اطہار کی عظمت۔ خاتون جنت کی عظمت کے تین پہلو

☆.....مولیٰ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی شجاعت

مسائل تصوف حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ کی روشنی میں

حضرت حق جل وعلیٰ شانہٗ وعزاسمہ، وتم برھانہ، ارشاد فرماتے ہیں:

{قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْداً ○قَالَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْراً ○وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَى مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْراً ○قَالَ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَاءَ اللَّهُ صَابِراً وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْراً ○قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَن شَيْءٍ حَتَّى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْراً ○فَانطَلَقَا حَتَّى إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئاً إِمْراً ○قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْراً ○قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْراً ○فَانطَلَقَا حَتَّى إِذَا لَقِيَا غُلَاماً فَقَتَلَهُ قَالَ أَقَتَلْتَ نَفْساً زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَّقَدْ جِئْتَ شَيْئاً نُّكْراً ○قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكَ إِنَّكَ لَن تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْراً ○قَالَ إِن سَأَلْتُكَ عَن شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِن لَّدُنِّي عُذْراً ○فَانطَلَقَا حَتَّى إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَن يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَاراً يُرِيدُ أَن يَنقَضَّ فَأَقَامَهُ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْراً ○قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِع عَّلَيْهِ صَبْراً ○أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْباً ○وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَن يُرْهِقَهُمَا طُغْيَاناً وَكُفْراً ○فَأَرَدْنَا أَن يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْراً مِّنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْماً ○وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحاً فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْراً} ۔(الکہف:۶۶۔۸۲)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُن (خضر علیہ السلام) سے کہا، کیا اس شرط پر میں آپ کی پیروی کروں کہ آپ مجھے اُس میں سے کچھ رہنمائی فراہم کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے۔ حضرت خضر علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تو ہرگز صبر نہیں کر سکے گا اور تو اُس پر کیسے صبر کر سکتا ہے جس کے بارے میں تمہیں صحیح طور پر علم ہی نہیں ہے۔ اُنہوں (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا کہ اگر اللہ ہی کو منظور ہے تو آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔ اور کسی معاملے میں آپ کی میں نافرمانی نہیں کروں گا۔ اُنہوں نے کہا اگر تم میری پیروی کرو تو کسی بارے میں مجھ سے سوال مت کیجئے گا۔ جب تک کہ میں خود اُس کے بارے میں آپ کو بتا نہ دوں۔ وہ دونوں چل دیئے حتیٰ کہ جب وہ دونوں کشتی پر سوار ہوئے تو حضرت خضر علیہ

السلام نے اُس کشتی کو توڑ ڈالا۔ اُنہوں (موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام) نے فرمایا کہ تم نے اُس (کشتی) کو اس لیے توڑ دیا ہے کہ اُس کے اندر بیٹھنے والوں کو ہلاک کر ڈالے۔ آپ نے بڑا انوکھا کام کیا ہے۔ (یہ کام آپ کو کرنا نہیں چاہیے تھا) اُنہوں نے کہا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ اُنہوں نے کہا میں جو فراموش کر بیٹھا ہوں اُس سلسلے میں مجھ سے مواخذہ مت کیجئے گا۔ اور میرے معاملے میں مجھ سے زیادہ مزاحمت نہ فرمائیے گا۔ دونوں چل دیئے حتیٰ کہ وہ دونوں ایک غلام (لڑکے) سے جا ملے اُس (حضرت خضر علیہ السلام) نے اُس لڑکے کو قتل کر ڈالا۔ اُنہوں نے کہا کہ بغیر قصاص کے تم نے ایک بے گناہ جان کو مار ڈالا ہے۔ آپ نے بہت ہی نامناسب کام کیا ہے۔ اُنہوں نے پھر کہا کہ میں نے آپ سے یہ بات نہیں کہی تھی کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے۔ اُنہوں نے کہا اس کے بعد میں آپ سے کوئی سوال کروں تو پھر آپ مجھے اپنے ساتھ مت رکھیئے گا۔ اور تم میری طرف سے اپنے پورے عذر کو پہنچ گئے ہو گے۔ دونوں چل دیئے حتیٰ کہ وہ ایک بستی کے رہنے والوں کے پاس جا پہنچے۔ وہاں کے باشندوں سے کہا کہ ہمیں کھانا کھلاؤ۔ اُنہوں (گاؤں والوں) نے اس بات سے انکار کیا کہ وہ ان دونوں کی مہمانی کریں۔ وہاں اُنہوں نے ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی۔ اُنہوں نے اُس کو دوبارہ بحال کر دیا۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اِن سے اجر لے سکتے تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا یہ میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا وقت ہے۔ میں آپ کو وہ ساری باتیں بتا دوں گا جس کے بارے میں آپ صبر نہ کر سکے۔

وہ کشتی مسکینوں کی تھی۔ وہ سمندر میں کام کر رہے تھے۔ میں نے چاہا کہ اُسے عیب دار کر دوں۔ کشتیوں کے پیچھے ایک بادشاہ تھا وہ تمام کشتیوں کو (بیگار میں) ضبط کر رہا تھا۔ میں نے اُن کی کشتی کو Damage (نقصان) کر کے بیگار سے بچایا ہے۔ اور جہاں تک اُس لڑکے کا سوال ہے اُس کے والدین مؤمن مخلص تھے۔ اور ہم لوگ ڈر گئے کہ یہ اُن کے ساتھ سرکشی کرے گا اور کفر کرے گا۔ ہم نے یہ چاہا کہ پروردگار اُن کے لیے اُس سے بہتر متبادل دے دے جو طہارت اور رحم کے زیادہ قریب ہو۔ اور جہاں تک سوال دیوار کا ہے اُس شہر میں بسنے والے دو یتیم لڑکوں کی دیوار تھی اور اُس کے نیچے اُن دونوں کا خزانہ تھا۔ اور اُن کا باپ نیک آدمی تھا۔ پروردگار عالم نے یہ چاہا کہ یہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور وہ اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ فیصلہ تیرے پروردگار کی رحمت کے راستے سے ہوا ہے۔ میں نے اپنی طرف سے نہیں کیا ہے یہ تمام معاملات کی تفسیر ہے جس پر آپ صبر نہیں کر سکے۔

یہ اِن آیات طیبات کا تحت اللفظ ترجمہ ہے جو اس وقت آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم غیب

سورۂ کہف مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ اس کا شانِ نزول یہ ہے کہ کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی نبوت کے معاملے میں جھوٹا ثابت کرنے کے لیے ایک منصوبہ تیار کیا۔ جب وہ اپنے طور پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں عہدہ برانہ ہو سکے تو اُنہوں نے علماء یہود و نصاریٰ سے معاونت حاصل کرنا چاہی تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روکنے میں کامیاب ہو جائیں۔ یہ اُن کو اچھی طرح معلوم تھا کہ سکندر (ذوالقرنین) اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعات اور روح کا معاملہ سب علم غیب سے تعلق رکھتے تھے۔ اور اِن واقعات کا علم کسی دوسرے مذہب کے حامل کو ہرگز نہ تھا۔ طے یہ پایا کہ علمائے یہود کی مدد سے تین سوال نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیے جائیں گے۔ جن کے جوابات سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی صحت کو پرکھا جائے گا۔ علمائے یہود نے کفار مکہ کو (۱) روح (۲) ذوالقرنین اور (۳) اصحاب کہف کے متعلق تین سوالات تیار کروائے اور کہا کہ اگر تینوں کا جواب دے دیں تو اللہ کے نبی نہیں۔ اگر تینوں کا جواب نہ دیں تو بھی اللہ کے نبی نہیں۔ دو کا جواب دیں اور ایک کا نہ دیں تو بھی اللہ کے نبی نہیں۔ دو کا جواب دیں اور ایک کے جواب کے لیے تاریخ دے دیں۔ یہ اُن کے اللہ کا رسول ہونے کی علامت ہوگی۔ اُس وقت کی بول چال کے اعتبار سے یہ امور غیبیہ تھے۔ امور غیبیہ اللہ کے نبی کو پرکھنے کا ایک معیار تھا کہ نبی کے اندر اگر علم غیب پایا جائے تو نبی ہوتا ہے اور اگر علم غیب نہ پایا جائے تو نبی نہیں ہوتا۔

قرآن شریف اور حدیث شریف کی تحقیق سے قطع نظر کفار کا امور غیب سے متعلق سوال کرنا اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وہ اِس بات کا یقین رکھتے تھے کہ نبی ہوتا ہی وہ ہے جو غیب کا علم رکھے۔ سابقہ آسمانی کتابوں کے حوالے سے امور غیبیہ سے متعلق سوال کیا جانا اس امر کی واضح تائید کرتا ہے کہ اللہ اپنے نبیوں کو غیب کا علم عطاء فرماتا ہے۔ اگر یہ عقیدہ شرک ہوتا تو انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں بھی شرک ہی ہوتا۔ انسانیت کی پہلی تاریخ سے لے کر کے اس وقت تک شرک اور کفر کو عقیدے کا حصہ بنا کر جائز قرار نہیں دیا گیا۔ شرک ہر زمانے میں شرک تھا اور ہر زمانے میں ممنوع تھا۔

ذاتی علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ کائنات میں کوئی جن، فرشتہ، پیغمبر، درویش، قلندر اور کوئی بھی شخص ذاتی طور پر غیب نہیں جانتا۔ جس کو بھی غیب کی اِطلاع ہے وہ اللہ کی عطا سے ہے۔ سب مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پاس اپنی شانوں کے مطابق غیب کا علم ہوتا ہے۔ اور یہ اللہ کا دیا ہوا ہے۔ جیسا کہ آپ کی اور میری آنکھیں ہیں ہم ان سے دیکھتے ہیں مگر ان آنکھوں میں جو نور ہے یہ ہمارا ذاتی نہیں بلکہ اللہ کا دیا ہوا ہے مگر جب ہم چاہتے ہیں دیکھ لیتے

ہیں۔اسی طریقے سے انبیاء علیہم السلام کے پاس جو غیب کی دانش ہوتی ہے وہ اُس کے ذریعے سے علوم غیبیہ میں خدا کے فضل سے تصرف کر سکتے ہیں۔

جب مذکورہ سوالات ہوئے تو اُس وقت سورۂ کہف کا نزول ہوا۔تصوف کے مسائل سے متعلق گفتگو کرنی ہے اس لیے سورۂ کہف کا ایک سیکشن (حصہ) آپ کی معلومات کے لیے اس میں سے پیش کیا ہے۔

روحانی علوم ومعارف میں شیخ طریقت کی پیروی

رب تعالیٰ فرماتا ہے:{قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا}

(موسیٰ علیہ السلام نے جناب خضر علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ کی پیروی اس شرط پر کروں کہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم سکھایا ہے اُس میں سے مجھے بھی آپ رہنمائی فراہم فرمائیں گے)۔

یہ واقعہ دلالت کرتا ہے اس بات کی کہ تصوف میں جہاں اتباع شیخ کو ضروری سمجھا جاتا ہے۔روحانی علوم ومعارف حاصل کرنے کے لیے شیخ کو تلاش کرنا بھی ضروری ہے۔کوئی کتنا ہی صاحبِ استعداد ہو اور کتنی بڑی قابلیت اور اہلیت کا اِنسان ہو اُسے سلسلہ طریقت میں کسی نہ کسی جگہ منسلک ہونا پڑتا ہے۔تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ سے آنے والا فیضان جن کڑیوں سے آتا ہے اُس کے ساتھ اُس کی بھی کڑی ملی ہوئی ہو تاکہ پیچھے سے جو کرنٹ کی سپلائی ہو رہی ہے اُس کو بھی ضابطے کے مطابق حاصل ہو۔مثال کے طور پر بجلی کی تار کتنی اچھی ہو۔کتنا ہی اچھا اُس کا Material (مواد) ہو جب تک Grid Station (بجلی کی فراہمی کا مرکز) سے اُس تار کا کنکشن (تعلق) نہ ہو اور بجلی کی رو (Electric Power) اُس میں نہ آئے تو وہ تار بیکار ہے۔روحانی فیوض وبرکات کے لیے جب تک کسی سلسلہ طریقت سے منسلک نہ ہو اور شیخ کامل سے صحیح تعلق نہ ہو تو پھر فیضان ولایت اور روحانی کیفیات اُس پر وارد نہیں ہوتیں۔

شیخ کی بلا تامل پیروی

اس آیت سے تصوف کا یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شیخ کی تعلیمات کی پیروی کامل طور پر مرید کو کرنی ہوتی ہے۔شیخ کی پیروی میں اپنے شعور اور اپنی صلاحیتوں کو بالا دست تسلیم نہ کرے۔اگر کبھی شعور شیخ کی تعلیمات سے ٹکرا جائے تو اُس وقت اپنے شعور کو نیچا کر لے اور بلا حیل وحجت اپنے شیخ کی پوری پوری اتباع کرے۔

بلند درجہ والے کا اپنے سے کم درجہ والے سے وصولِ فیضان

اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے سب سے پہلا اور اُونچا درجہ سرکار دو جہاں جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اور دوسرا درجہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے اور تیسرا درجہ کل کائنات میں بشمول ملائکہ بمعہ انبیاء و رسل علیہم السلام بمعہ ساری انسانیت اور جنات اور دیگر مخلوقات کے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا ہے۔ کسی کا بھی عقیدہ نہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے برابر کے آدمی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا مرتبہ حضرت خضر علیہ السلام کے مرتبے سے بہت بلند ہے۔ ایک دن حضرت موسیٰ السلام کو یہ خیال آیا میرے برابر بھی دنیا میں کوئی علم رکھنے والا ہے؟ پروردگار نے کہا کہ تجھ سے بھی بہتر جاننے والا دنیا میں ہے اور اُس سے آپ کو ملاتے ہیں۔ پھر ایک پروگرام بنا جس کا ذکر سورہ کہف میں کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے پہلے خلیفہ جن کا نام یوشع بن نون ہے، وہ آپ کے ساتھ اس سفر میں ہو لیے۔ مچھلی ڈھونڈتے ہوئے کہاں سے کہاں پہنچے۔ بالآخر وہ (خضر علیہ السلام) ایک مقام پر مل گئے۔ اب درجہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بڑا ہے لیکن علم حاصل کرنے جا رہے ہیں خواجہ خضر کے پاس

اے ہمنشیں وہ کوچہ عشقِ حجاز ہے
محمود جس گلی میں غلامِ ایاز ہے

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرید اپنے مرتبے کے اعتبار سے اپنے شیخ کے مرتبے سے بلند ہوتا ہے لیکن اصلاح حاصل کرنے کے لیے اور تعلیمات کے لیے اپنے سے کم پایہ آدمی سے اُسے رابطہ قائم کرنا پڑتا ہے۔ جیسا کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے بارے میں تمام اہلِ طریقت کا اتفاق ہے کہ تمام سلاسل اولیاء اللہ (قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی، شاذلی، بدوی، زنجانی، خلوتی، شطاریہ، رقاویہ، دندراویہ، خضرویہ، قدرویہ اور اویسیہ) حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک جتنے اولیاء اللہ بنے ہیں وہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے فیضان سے بنے ہیں۔ اُس وقت کا کوئی بھی ولی اُن کے برابر کا آدمی نہیں تھا۔ لیکن بیعت تو آخر کرنی تھی۔ حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی۔ اُس وقت تک کوئی نہیں جانتا تھا کہ ابوسعید مخزومی رحمۃ اللہ علیہ کون ہیں؟ حالانکہ آپ بغداد میں ہی تشریف فرما تھے۔

مرشد کی منازل مرید کے ذریعے سے طے ہوتی ہیں؟

حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوسعید مخزومی کے دستِ مبارک پر بیعت فرمائی ہاتھ میں ہاتھ دیا تو شیخ

کے مراتب بلند ہونے لگے۔ جب بیعت کے ضروری کلمات کہہ چکے تو آپ نے اپنا ہاتھ کھینچنا چاہا حضرت ابوسعید ابوالخیر مخزومی رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے اے غوث الثقلین جو آپ کا سلسلہ طریقت تھا اُس کی ایک شرط آپ نے پوری کر لی ہے لیکن اب میرے مراتب طے ہو رہے ہیں اس لیے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں کچھ دیر رہنے دیجئے۔ (حضرت ابوسعید ابوالخیر مخزومی رضی اللہ عنہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مرشد پاک ہیں۔ آپ کا مزار بغداد شریف میں ہے)۔

معلوم ہوا کہ کبھی مرید کے واسطے سے پیر کی منزلیں طے ہوتی ہیں۔ اور بڑے مرتبے والا اپنے سے کم درجہ کو پیر بنا سکتا ہے اور اُس سے فیضان وصول کرتا ہے۔

علم غیب۔ فضل کلی اور فضل جزئی

حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ آپ میرے ساتھ بے شک چلیں لیکن آپ کو یہ کہہ دیتا ہوں {إِنَّکَ لَن تَسْتَطِیعَ مَعِیَ صَبْرا} (آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے)۔

یہ مستقبل کی بات ہے۔ جناب خضر علیہ السلام کو وقت سے پہلے یہ معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام صبر نہیں کر سکیں گے۔ حالانکہ بظاہر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے پہلے حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات نہیں ہوئی اور نہ ہی اُن کے مزاج سے آشنائی ہے اور نہ ہی کبھی اُس سے سابقہ پڑا ہے پھر آپ دیکھتے ہی یہ فیصلہ کس طرح کر لیتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام آپ کے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے؟ یقیناً اس کا جواب یہی ہے کہ جو غیب جانتا ہے وہ ہی اس طرح غیب کی یقینی خبر دیتا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اہل اللہ ایسے ہوتے ہیں کہ علم میں اُن کے درجات کسی بلند درجہ شخصیت سے بلند ہو سکتے ہیں جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ گواہ ہے۔ اس کو کہتے ہیں فضل جزئی۔ جیسا کہ بہت سارے صحابہ کرام جن کا مرتبہ خلفائے راشدین سے بہت نیچے ہے۔ لیکن بہت ساری چیزوں میں اُن کو اوّلیت حاصل ہے۔ مثال کے طور پر منافقین کے نفاق کا علم از قسم علوم غیبیہ ہے۔ یہ علم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ میں سے صرف حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا تھا۔ اس لیے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کہتے تھے جب کوئی آدمی فوت ہو جاتا تو میں دیکھتا تھا کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ اُس کے جنازے میں موجود ہیں اگر وہ پائے جائیں تو میں بے دھڑک اُس کا جنازہ پڑھ لیتا تھا۔ چونکہ منافقین مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہتے تھے لہٰذا یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہوتا تھا یہ منافق ہے یا مخلص ہے۔ تو ہم اس سلسلے میں حضرت حذیفہ ابن الیمان کو دیکھتے تھے کہ اگر وہ نماز جنازہ پڑھنے

کے لیے آ جائیں تو اس بات کی تصدیق ہو جاتی تھی کہ واقعی یہ آدمی مخلص مسلمان تھا۔ حالانکہ مرتبے میں خلفائے راشدین بڑے ہیں، مگر اِس مخصوص غیبی علم میں حضرت حذیفہ بن الیمانؓ Senior (برتر) تھے۔ یہ فضل جزئی ہے جو فضل کلی کو مانع نہیں ہے۔ اس کی مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا یہی واقعہ ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا مرتبہ زیادہ ہے مگر بعض علوم میں فوقیت حضرت خضر علیہ السلام کو حاصل ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے ساتھ چلنے کی شرط مقرر کی۔ {فَلَا تَسْأَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ} کہ آپ (موسیٰ علیہ السلام) مجھ سے کسی معاملے کے بارے میں سوال نہیں کریں گے۔ جب تک میں خود آپ کے سامنے ذکر نہ کروں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی کو پیر پکڑ لیا ہے اور اُسے اپنا روحانی پیشوا تسلیم کر لیا ہے تو پھر مرید دِل وجان سے اُس کی پیروی کرے۔

صوفیاء کی تعلیم ہے کہ مشائخ کے اعمال پر معترض نہیں ہونا چاہیے اور یہ تعلیم اسی واقعے سے ثابت ہے۔

رب العالمین ارشاد فرماتا ہے: {فَانطَلَقَا حَتَّی إِذَا رَکِبَا فِیْ السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا} (جب دونوں (موسیٰ وخضر علیہما السلام) کشتی پر سوار ہوئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے اُس کشتی کو توڑ دیا)۔

صورتِ حال یہ تھی کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جناب خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں کی صورتیں سہانی تھیں اُن کو دیکھ کے پیار آتا تھا اُن کی بزرگی اور تقدس کی چمک اُن کے چہروں سے عیاں تھی۔ جب وہ کشتی سے اُترنے لگے اور اپنے سفر کا کرایہ دینا چاہا تو کشتی والوں نے اُن سے کرایہ نہیں لیا۔ اُنہوں نے کہا آپ مقدس بزرگ ہیں ہم آپ سے کرایہ نہیں لیتے، آپ ہمارے حق میں دعا کریں۔ چلتے وقت حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی کے ایک پھٹے پر کوئی چیز مار کے توڑ دیا۔

اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام خاموش نہ رہ سکے اور کہا: {لَقَدْ جِئْتَ شَیْئاً إِمْراً}۔ آپ (خضر علیہ السلام) نے بہت انوکھا کام کیا ہے۔ آپ نے اِن کو غرق کرنے کی ٹھان لی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مواخذہ لینے کا جواز تھا

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب کتاب نبی ہیں اور یہ اُن کی Jurisdiction (حدود اختیار) میں ہے کہ اگر کوئی خلاف قانون کام کرے تو اُس کا نوٹس (مواخذہ) لیں۔ اگر مواخذہ نہ کریں تو آپ کی Legislative Counsel (مقننہ ایوانِ قانون سازی) جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے اور جس کے تحت آپ کا Law (قانون) Legislate (مرتب) ہوا ہے، اُس کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کا قانونی حق تھا کہ وہ سوال کریں۔

اُنہوں نے پوچھا کہ جن لوگوں نے ہماری بزرگی کی عزت کی اور ہم سے معاوضہ نہیں لیا اور جاتے ہوئے آپ نے اُن کی کشتی توڑ دی۔ یہ انصاف کا کام نہیں کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی jurisdiction (حدود اختیارات) کو ضابطے کے مطابق استعمال کیا۔

حضرت خضر علیہ السلام کا جواب

حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے جواب میں کہا: {إِنَّکَ لَن تَسْتَطِیعَ مَعِیَ صَبْراً} تو میرے ساتھ صبر کر ہی نہیں سکتا۔ یہ بات آپ کے ساتھ پہلے طے ہوئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں بھول گیا ہوں۔ مہربانی کر کے میرا مواخذہ نہ کریں۔

حضرت خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کو قتل کر دیا

دونوں حضرات جا رہے تھے کہ آگے ایک لڑکا کھیلتا دیکھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اُسے قتل کر ڈالا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر سوال کر دیا کہ آپ نے ایک بے گناہ کو قتل کیوں کیا؟

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قلمرو (Prescribed Area) تھا۔ اُن کی Jurisdiction (حدود اختیار) کی بات تھی کہ اِس جگہ کوئی Occurance (واقعہ۔ واردات) ہو جائے تو اُس کو کسی طرح Handle (نبٹانا) کرنا ہے۔ آپ نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا یہ میرا علاقہ (Area) ہے اور یہاں آپ نے ایک بے گناہ کو مار ڈالا ہے۔ میں حق رکھتا ہوں کہ آپ سے پوچھوں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر وہی بات آ گئی کہ آپ صبر نہیں کر سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آئندہ میں سوال نہیں کروں گا۔

یتیم بچوں کی دیوار کی تعمیر

اپنا سفر جاری رکھتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خضر علیہ السلام ایک شہر میں داخل ہوئے اُنہوں نے اُس بستی والوں سے کہا ہم مسافر ہیں اور ہمیں بھوک لگی ہوئی ہے ہمیں کھانا کھلاؤ لیکن اُن لوگوں نے کھانا دینے سے انکار کر دیا اور بڑی بے مروتی کا ثبوت دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طبیعت بڑی جلالی تھی۔ طبیعت میں جلال تو آیا لیکن چونکہ وعدہ کر چکے ہوئے تھے اس لیے اس پر آپ معترض نہیں ہوئے اور خاموشی اختیار کی۔ وہاں قریب ہی ایک دیوار گری جا رہی تھی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا یہ دیوار گر رہی ہے اس کو تعمیر کر کے صحیح حالت میں کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اس شہر کے لوگوں نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ انہوں نے حق مہمان نوازی ادا نہیں کیا اور ہم

ان کی دیوار تعمیر کر دیں اور وہ بھی بغیر معاوضے کے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا اس وقت آپ میری مدد کریں۔ اینٹیں پتھر اور گارا مجھ تک پہنچائیں اور میں اینٹیں اور پتھر لگا کر اس دیوار کو مضبوط حالت میں بنا دیتا ہوں۔ باقی بات میں آپ کو بعد میں بتاؤں گا۔ جب دیوار تیار ہو چکی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا سوال دہرایا کہ ایسے بے مروت لوگوں پر اتنی بڑی عنایت کیوں کی؟ ایک پیغمبر مزدور بن کر اینٹیں اور گارا مہیا کر رہا ہے اور دوسرا پیغمبر (بقول بعض علماء حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے جبکہ بعض علماء آپ کو ولی تسلیم کرتے ہیں) معمار بنا ہوا ہے یہ غیر ضروری فیاضی آخر کس لیے ہے؟

حضرت خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں نے آپ کو کہا تھا کہ آپ میری باتوں پر صبر نہیں کر سکیں گے اور آپ وہی بات کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ مجھے معاف فرما دیں اور مجھے بتائیں یہ قصہ کیا ہے؟

تینوں واقعات کی حکمتیں

رب تعالیٰ فرماتا ہے: {سَأُنَبِّئُکَ بِتَأْوِیلِ مَا لَمْ تَسْتَطِع عَّلَیْهِ صَبْراً} میں (حضرت خضر علیہ السلام) آپ (موسیٰ علیہ السلام) کو وہ ساری باتیں بتاتا ہوں جس کے بارے میں آپ صبر نہ کر سکے۔ کشتی کیوں توڑی؟ حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اصل بات یہ ہے کہ اس علاقے میں عنقریب بادشاہ کی ایک مہم چلنے والی ہے جس میں تمام کشتیاں شاہی کام انجام دینے کے لیے چلتی رہیں گی اور کشتی والوں کو کچھ نہیں ملے گا۔ اس لیے میں نے چاہا کہ اس کشتی کو عیب دار کر دوں۔ ان لوگوں نے ہم پر احسان کیا ہے ہماری خدمت کی ہے ہم سے کرایہ نہیں لیا اور ہماری عزت کی ہے وقت آئے گا ہماری بزرگی کا راز ان پر کھل جائے گا۔ اس وقت ہمارا عمل اُنہیں گراں گزرا ہوگا لیکن وہ بعد میں جان جائیں کہ ہم اُن کے بہی خواہ تھے۔ ہم نے اُن سے ہمدردی کی ہے۔

بادشاہ کے حکم پر جو کشتیاں بیگار میں پکڑی جائیں گی وہ بے عیب اور صاف ستھری ہونی چاہئیں کیونکہ باہر سے جو مہمان آ رہے ہیں اُن کے ساتھ ملازمین اور سرکاری ہرکارے میں اُنہیں شکار کھیلنے سیر کرنے کے لیے نہایت ہی اچھی کشتیاں مہیا کی جائیں گی جن میں وہ بیٹھ کر مطمئن ہوں۔ اس کشتی کو ٹوٹا ہوا اور عیب دار دیکھ کر اسے لینے کا ارادہ نہیں کریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری کام کرنے والی کشتیاں تو بیگار میں زبردستی شاہی کام کے لیے پکڑ لی جائیں گی اور اُس کے بعد عام لوگوں کی Communication (آمدورفت) کے لیے کشتیاں چاہئیں۔ لیکن کوئی کشتی اُن کے لیے نہیں ہوگی۔ اب یہ ٹوٹی ہوئی کشتی میسر ہوگی جسے وہ کثرت کے ساتھ استعمال کریں گے اور پورے ایک سال کی کمائی اس ایک مہینے میں کر لیں گے۔ کشتی کے پیسے بھی نکل آئیں گے اور ان کی غربت بھی دور ہو جائے گی۔ یہ کام بظاہر نقصان کا تھا لیکن اندرونی طور پر اُن کے لیے

فائدہ مند ہے۔صوفیا نے اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ کبھی کسی شخص کو ایک بڑے نقصان سے محفوظ رکھنے کے لیے اُس کا چھوٹا نقصان کر دیتے ہیں جو اُس شخص کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔

کشتی کے نقصان کا قانونی پہلو

آج بھی قانون میں ایک قانونی Section (شق) موجود ہے۔ پاکستان پینل کورٹ اور اس سے پہلے انڈین پینل کورٹ میں یہ شق ہے Voluntarily Causing of Death (اپنی مرضی سے جان بوجھ کر موت واقع کرنا)۔ مثال کے طور پر دو کشتیاں آمنے سامنے سے آ رہی ہیں۔ ایک پر دو سو آدمی سوار ہیں اور ایک پر چار سو ہیں ایک موقع پر دونوں کشتیوں کو خطرناک صورت حال پیش آ گئی۔ اب کوشش تو یہ ہوگی کہ دونوں کشتیاں خطرے سے محفوظ ہو جائیں لیکن جب دونوں کشتیاں اس طرح خطرے میں گھر جائیں کہ دونوں ٹکرا جائیں گی۔ اور دونوں ہی سمندر میں غرق ہو جائیں گی تو ایسی صورت میں ایک کشتی کو دوسری کشتی بچانے کے لیے قربانی دینا پڑے گی۔ لہٰذا جس کشتی میں مسافر کم ہیں اُسے توڑ کر ڈبو دینا چاہیے۔ اس طرح ایک طرف تو نقصان ہوگا مگر زیادہ آدمیوں کی جانیں بچ جائیں گی اس طریقے کو قانون نے مباح قرار دیا ہے۔ کیونکہ دو سو کا ضیاع کر کے چار سو کو بچا لیا جائے گا۔

حضرت خضر علیہ السلام کے فعل کی حیثیت نتیجہ کے طور پر محفوظ تھی بظاہر Criminal Law کے تحت ایک جرم (Offence) بنتا تھا۔ مگر باطنی غیبی علم کی بنا پر نتیجہ کے طور پر وہ جرم نہیں تھا۔

لڑکے کے قتل کی وجہ

حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دراصل قصہ یہ ہے کہ اس لڑکے کے والدین صالح تھے اور اپنے زمانے میں لوگوں کی دینی راہنمائی کرتے رہے اور معرفتِ الٰہیہ کا فیض بانٹتے رہے۔ اُنہوں نے لوگوں کے اندر آگاہی کا ذوق پیدا کیا۔ تقویٰ، پرہیزگاری، صبر و استقامت کی تعلیم قوم کو دی ہے۔ یہ لڑکا آگے چل کر ایک بدکار انسان بننے والا تھا جس سے اُس کے والدین کی شہرت خراب ہوتی۔ جن لوگوں نے پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی مدح وثنا میں گزاری۔ عبادت و ریاضت اور اطاعت میں گزاری۔ وہ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے اُن لوگوں کی عزت وعظمت بچانے کے لیے رب تعالیٰ نے اس لڑکے کا خون مباح کر دیا۔ یہ کام میں نے رب کی وحی سے کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب کو تسلیم کر کے زبانِ حال سے کہا کہ آپ نے وحی الٰہی سے یہ کام کیا تو بالکل ٹھیک کیا ہے اسی طرح رب کے حکم سے جہاد لڑے جاتے ہیں اور

ہزاروں لوگ مارے جاتے ہیں تو یہ اس لیے جائز ہے کہ رب تعالیٰ نے کہا ہوا ہے۔

دیوار کی از سر نو تعمیر

حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا:

{وَ كَانَ أَبُوهُمَا صَالِحاً}۔ اِن کا باپ ایک نیک شخص تھا۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ وہ باپ نہیں تھا بلکہ ان کے آباؤ اجداد میں اوپر چل کر ساتویں پشتوں میں اُن کا دادا لگتا تھا (تفسیر مدارک، جلد دوئم) اس دیوار کے نیچے خزانہ ہے جو اِن یتیم لڑکوں کے لیے بحفاظت دبا کر رکھا گیا ہے۔ اگر یہ دیوار مکمل طور پر گر جاتی تو وہ خزانہ نظر آ جاتا اور لوگ لوٹ کر لے گئے ہوتے۔ اس لیے ہم نے دیوار دوبارہ تعمیر کر کے اُن کے خزانے کو محفوظ کر دیا ہے۔ جب یہ جوان ہو جائیں گے تو اپنی امانت (خزانہ) حاصل کر لیں گے۔

علوم غیبیہ، حواس خمسہ اور عقل کی پہلی توجہ

حضرت خضر علیہ السلام کا یہ بتانا کہ اس دیوار کی بنیادوں میں خزانہ دفن ہے۔ تو یہ علم، علم غیب ہے۔ اگر زمین کے نیچے یقینی طور پر کوئی شئے جان لے تو یہ جاننا علم غیب ہے۔ اس لیے اہل علم کے نزدیک علمِ غیب کی تعریف یہ ہے: **مالا یدرکه الحس و لا تقتضیه بدیهة العقل** (تفسیر بیضاوی، سورہ بقرہ، آیت نمبر ۳)

غیب جاننا اُس علم کو کہتے ہیں جو حواس خمسہ اور عقل کی پہلی توجہ سے معلوم نہ ہو سکے۔

حواس خمسہ ظاہری پانچ حسیں ہیں۔ دیکھنے، سننے، سونگھنے، چکھنے اور چھونے کی قوتیں ہیں عقل کی پہلی توجہ اس بات کا نام ہے کہ ظاہری آثار دیکھ کر کسی نتیجے پر پہنچ جائیں یا حقیقت کو سمجھ جائیں۔ خزانہ زمین میں دفن ہے اور چھپا ہوا ہے۔ آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا کانوں سے سنا نہیں جا سکتا کیونکہ وہ کوئی ساز کی قسم کی چیز نہیں کہ بجے اور کان سن لیں۔ نہ سونگھا جا سکتا ہے۔ نہ زمین کو چھو کر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہاں خزانہ دفن ہے۔ اس طرح Senses (حواس) سے زیر زمین چیز کا پتہ نہیں لگ سکتا۔

اگر آپ کسی کو دیکھیں کہ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا ہے۔ ناک بہہ رہی ہے آنکھوں سے پانی آ رہا ہے تو فوراً آپ کی عقل فیصلہ دے گی کہ اسے بخار ہو گیا ہے۔ اسی طرح اگر کہیں سے دھواں اُٹھتا ہوا دیکھیں تو یہ سمجھ میں آ جائے گا فلاں جگہ آگ لگی ہے۔ اسے بہار کی نشانی تو کوئی بھی نہیں کہے گا۔ یہ سب عقل کی پہلی توجہ کہلاتی ہے۔ اور عقل کی پہلی توجہ بھی زیر زمین خزانے تک نہیں پہنچ سکتی۔

زیر زمین خزانے کا معلوم کرنا یہ علوم ظاہریہ کا کام نہیں بلکہ علوم باطنیہ کا کام ہے معلوم ہوا کہ غیب کی تمام Conditions (شرائط اور عوامل) اسی بات کو Comply with (تسلیم) کرتی ہیں کہ یہ باطنی علم سے جانا جاتا ہے۔

حضرت خضر علیہ السلام کو بعطا الٰہی معلوم ہے کہ زمین میں دیوار کے نیچے خزانہ ہے۔

یہ معلوم ہے کہ کشتیاں کچھ عرصہ بعد پکڑی جانے والی ہیں۔

یہ یقینی خبر ہے کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر ماں باپ کا نام بدنام کرے گا۔ اُن کی شہرت کی تباہی کا باعث ہوگا حضرت خضر علیہ السلام کی ان غیبی خبروں پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوئی اعتراض نہیں کیا کہ یہ سب کچھ آپ کو کیسے معلوم ہے؟ اللہ کے نبی کو یقین کامل حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو غیب پر مطلع فرماتا ہے۔

نسب کی اہمیت اور فائدہ

{وَ كَانَ أَبُوهُمَا صَالِحاً}۔

یتیم لڑکوں کے خزانے کی حفاظت کے لیے دو نبیوں کو حکم ہوا کہ دیوار تعمیر کریں۔ یقیناً یہ بہت بڑی فضیلت اور عزت ہے۔ یہ عزت اُن کو کیوں ملی؟ کسب کی وجہ سے یا نسب کی وجہ سے؟ قرآن پاک نے اُن لڑکوں کے کسب، نیک اعمال، تعلیمی قابلیت، صوم وصلوٰۃ، تقویٰ معاشرہ کے لیے کوئی نفع بخش کام کا ذکر نہیں کیا۔ اُن کی اپنی کوئی ذاتی Qualities (اوصاف) بیان نہیں کیے۔ بس ایک ہی وصف ہے کہ اچھے گھرانے میں پیدا ہوئے۔ اسی بات کا نام ہے نسب۔ یعنی وہ اچھے نسب سے تعلق رکھتے تھے۔ کسی کے گھر پیدا ہو جانے کی وجہ سے کسی کو عزت ملے اور کسی کی ہتک ہو کسی کی تعظیم ہو اور کسی کی توہین ہو تو اس کو نسب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے قرآن مجید کے متن سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اُن کو نسب کی وجہ سے یہ عزت ملی کہ اللہ کے نبیوں نے اُن کے خزانے کی حفاظت کا بندوبست کیا۔ اسی طرح اولیاء اللہ کی نسلوں کو اُن کی ولایت کا فائدہ پہنچتا ہے۔

سادات اطہار کی عظمت۔ خاتون جنت کی عظمت کے تین پہلو

آل رسول (سادات اطہار) حضرت خاتون جنت سیّدہ زہراء فاطمہ سلام علیہا کی اولاد ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے فرمایا کہ اے علی! حسن وحسین میرے بیٹے ہیں۔ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی Speciality (خصوصیت) ہے۔ ہر بیٹے کی نسبت اُس کے باپ کی طرف ہوتی ہے لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے علی! حسن وحسین کا شجرہ نسب تم سے نہیں مجھ سے شروع ہوتا ہے۔ (۱) یہی وجہ ہے کہ سیّدنا

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی باقی اولاد سیّد نہیں ہے۔ وہ قریشی، ہاشمی اور علوی کہلا سکتے ہیں لیکن سیّد نہیں کہلا سکتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غیر فاطمی اولاد میں سترہ بیٹیاں اور چودہ بیٹے تھے۔ یہ کل اکتیس بنتے ہیں۔

آج کے دور میں بعض دانشوروں نے یہ مشہور کر رکھا ہے کہ نسب کوئی چیز نہیں ہے اپنے موقف کی تائید میں ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم کا یہ شعر پڑھتے ہیں

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی

یہ علامہ اقبال مرحوم کے پہلے دور کا کلام ہے اُنہوں نے خود حرف اقبال میں یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ میرا اُس وقت کا کلام ہے جب میں اسلام کے بارے میں پوری اطلاعات نہیں رکھتا تھا۔ لیکن جب دین سے شغف بیدار ہوا۔ ایمانی حمیت اور جذبہ اُبھرا تو پھر یہی علامہ اقبال علیہ الرحمہ کہتے ہیں۔

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز
از سہ نسبت حضرت زہراء عزیز
نور چشم آں رحمۃ للعالمین
آں امام اولیں و آخریں
بانوئے آں تاجدارِ ہل اَتیٰ
مرتضیٰ مشکل کشاء شیر خدا
مادر آں مرکز پرکار عشق
مادر آں قافلہ سالار عشق

حضرت سیّدہ مریم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں اس وجہ سے آپ کی نسبت سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کہا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جناب ابراہیم علیہ السلام کے درمیان کئی ہزار برس کی مدت حائل ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت سیّدہ مریم علیہا السلام کی وجہ سے اولاد ابراہیم ہو سکتے ہیں تو پھر حضرات حسنین کریمین علیہما السلام حضرت خاتون جنت سلام اللہ علیہا کے واسطے سے اولادِ رسول کیوں نہیں ہو سکتے؟

علامہ اقبال کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کے شرف کا ایک پہلو ہے جبکہ حضرت سیّدہ خاتون جنت علیہا السلام

کی عظمتوں کے تین پہلو ہیں۔ وہ بیٹی اُس ہستی کی ہیں جو سارے نبیوں کا سردار ہے اور بیوی اُس کی ہیں کہ جس وقت بھی اسلام پر کڑا وقت آیا تو سب سے آگے بڑھ کر اُس نے تلوار کا وار کیا۔ یعنی حضرت علی مرتضیٰ مشکل کشا کی بیوی ہیں اور مادر محترمہ جناب حسنین کریمین کی ہیں جو سید الشہداء بھی ہیں اور جنت کے جوانوں کے سردار بھی ہیں۔

مولیٰ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی شجاعت

حضرت سیّدنا علی علیہ السلام وہ ذات ہیں جن کی جوانمردی، جرات وشجاعت کو ساری کائنات نے سلام پیش کیا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے داد تحسین دی ہے علی رضی اللہ عنہ وہ ہیں کہ جس کے ساتھ بھی اُن کا واسطہ پڑا ہے اُس کو نیچا ہی دکھایا ہے کسی میدان سے فتح حاصل کیے بغیر نہیں آیا۔ جس کو ضرب ماری ہے تو ایسی کاری ماری ہے کہ پھر وہ اُٹھ نہیں سکا۔ کوئی ایسا ماں کا لال دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں نے علی کو مارا ہے۔

میدان جہاد ہے۔ گھمسان کا رن ہے۔ دشمن نے للکارا ہماری ٹکر کا آدمی نکالو۔ اس موقع پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اَینَ علی'' علی کہاں ہے؟ حضرت علی میدان میں اُترے۔ ذوالفقار حیدری فضا میں لہرائی اور مد مقابل کو ایک ہی ضرب لگائی اور وہ دس گز کے فاصلے پر جا گرا۔ سر ادھر پھڑکنے لگا اور دھڑ اُدھر پھڑکنے لگا۔ ایک شور مچ گیا۔ یہ مرنے والا کون ہے؟ جواب آیا یہ رستم عرب ہے۔

یہ مارنے والا کون ہے؟ کہا!

اہل نظر کی آنکھ کا تارا علی علی
اہل وفا کے دِل کا سہارا علی علی

سیّدنا علی وہ ہیں جو ہر میدان میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جھنڈا اُٹھانے والے ہیں اُحد کی جنگ میں بھی محاذ پر ڈٹے رہے۔ خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کرتا رہے۔ اللہ نے ایک برگزیدہ بندے خاندان نقشبندیہ کے عظیم بزرگ عارف باللہ حضرت ملا عبدالرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

بجنگ اُحد چوں نبی ماند تنہا
خدائش فرستادہ نادِ علی را

جب جنگ اُحد میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تنہا رہ گئے تو پروردگار عالم نے اُس وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا کہ علی کو کیوں نہیں بلاتے؟ علی کو بلاؤ۔

خیبر کی جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے میدان جہاد کے جتنے رستم تھے یکے بعد دیگرے جا کر نبرد آزما ہوتے رہے مگر نتیجہ کچھ نہ نکل سکا۔ آخر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رات کے وقت فرمانے لگے:

(لاعطین الرایہ غدا رجلا یفتح اللّٰہ علی یدیہ)۔

دوسری حدیث میں الفاظ ہیں: (لیاخذن الرایہ غدا رجلا یحبہ اللّٰہ و رسولہ او قال یحب اللّٰہ و رسولہ)۔ (بخاری شریف، کتاب المغازی، باب غزوۃ خیبر، جلد دوم، صفحہ 605 / کتاب المناقب، باب مناقب علی ابن ابی طالب ابوالحسن القرشی الہاشمی، صفحہ 525)

میں کل صبح جھنڈا ایسے آدمی کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ اور اُس کے رسول سے سچا پیار کرتا ہے اور اللہ اور رسول بھی اُس سے پیار کرتے ہیں اور وہ صبح میدان مارے گا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ساری رات سوچ بچار میں گزر گئی ہر آدمی یہ توقع رکھتا تھا صبح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جھنڈا اُسے دیں گے۔

یاد رکھیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اہلِ حق کے نزدیک اہلِ حق ہیں کسی بھی مسلمان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گھٹیا رائے قائم کرنے کی اجازت نہیں۔ سب صحابہ مخلصین ہیں اور اہلِ حق ہیں۔

صبح ہوئی تو تمام صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: این علی؟۔ علی کہاں ہے؟ عرض کیا گیا اُن کی آنکھیں آ رہی ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بلایا۔ علی حاضر ہوئے۔ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میری آنکھیں آ رہی ہیں۔ فرمایا پٹی کھول دو۔ دیکھا آنکھیں سوجی ہوئی ہیں۔ سرخ ہیں اور درد ہے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پھونک ماری درد جاتا رہا۔ دوسری پھونک ماری ورم جاتا رہا۔ تیسری پھونک ماری سرخی جاتی رہی۔ آنکھیں Normal (صحیح حالت) میں ہوگئیں فرمایا یہ لو جھنڈا اور اللہ کا نام لے کے چلو۔ حضرت مولیٰ مرتضیٰ میدان میں گئے دشمن سے جم کر مقابلہ کیا اور میدان مار لیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اب جس میدان میں، میں اور علی جائیں گے جھنڈا ہمیشہ علی کے ہاتھ میں ہوگا۔ اُس وقت صحابہ نے سوال کیا یارسول اللہ۔ قیامت کے میدان میں لواء حمد جو آپ کی شفاعت کا Centre (مرکز) ہونے کی جگہ ہوگی وہ جھنڈا کس کے ہاتھ میں ہوگا

فرمایا آج کا جھنڈا علی کے پاس ہے اور قیامت والا جھنڈا بھی علی کے ہاتھ میں ہوگا۔ آج بھی یہ علمبردار ہے قیامت میں بھی یہی علمبردار ہوگا۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، علامہ بدرالدین عینی)

اہلِ نظر کی آنکھ کا تارہ علی علی
اہلِ وفا کے دِل کا سہارا علی علی

حضرت سیّدہ خاتونِ جنت سلام اللہ علیہا کی یہ عظمت ہے کہ وہ بیوی ہیں علی کی جو دُلدُل کے شہسوار ہیں۔ اور ماں کن کی ہیں۔

مادر آں مرکز پرکار عشق
مادر آں قافلہ سالار عشق

عشق کی پرکار کے مرکز اور قافلہ عشق کے سالار حسنین کریمین علیہما السلام کی ماں ہیں عشق کا اگر دائرہ بنایا جائے تو اُس کا مرکزی کردار امام حسین علیہ السلام ہیں۔

آں امام عاشقاں پورِ بتول
سرو آزادے زبستانِ رسول

علامہ اقبال

قیامت کے میدان میں جب عاشقوں کا قافلہ نکلے گا تو اُس قافلہ عشق کی قیادت کا جھنڈا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوگا۔

بات قرآن مجید کے ارشاد پاک سے چلی تھی: {وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحاً}۔

ایک بزرگ اور صالح شخص کی صالحیت آور بزرگی کا فائدہ سات پشتوں تک ہوا۔ یہ نسب کا فائدہ ہے سادات اطہار کی جو تعظیم ہے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب کی وجہ سے ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برابر مخلوق میں کوئی ذات نہیں اور نہ آپ کے مبارک نسب کے برابر کا کوئی نسب ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد صدیقی کہلاتی ہے وہ لائق تعظیم ہیں کیونکہ اُن کے دادا حضرت صدیق اکبر ہیں۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے بزرگان دین۔ اہل اللہ، علماء ربانی، پیرومرشد اور اساتذہ کی اولادوں کا احترام کیا جائے اور یہ عقیدہ قرآن مجید کے اندرونی متن سے ثابت ہے۔

حواشی

۱۔ عَنْ فاطِمَةَ اَنَّ النَّبِیَ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم قَالَ: کُلُّ بَنِي اُنْثَی یَنتَمُونَ اِلَی عَصبتِهِم اِلَّا وُلدَ فَاطِمة فَاِنِّي أنا وَلِیُّهُمْ وَاَنَا عَصبَتُهُمْ وَاَنَا أَبُوهُم (بحوالہ طبرانی)

تیسرا درس قرآن: ۲۴ فروری ۲۰۰۴ء

روحانی مدارج کے لیے وسیلہ۔ شیخ کامل کی ضرورت

☆.....ایمان۔عقیدہ صحیحہ

☆.....تقویٰ بمعنی ڈرنا یا بچنا

☆.....فقہ اسلامی۔احکام شریعہ

☆.....تہذیب الاخلاق۔تدبیر منزل اور سیاست مدن

☆.....**وابتغوا الیہ الوسیلۃ**

☆.....مرد خدا کی تلاش

☆.....سراج الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

☆.....امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

☆.....امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

☆.....امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔آپ کو شہید کرنے کی اصل وجہ

☆.....حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر نسبت کی تعظیم

☆.....حضرات حسنین کریمین کے ساتھ لاڈ و پیار

☆.....فضائل اہلِ بیت اطہار۔قاسم الولایت

☆.....شیخ ابوالحسن شاذلی اور علامہ عزالدین عبدالسلام رحمہما اللہ تعالیٰ

☆.....باب مدینۃ العلم۔باطنی علوم و معارف

☆.....حضرت شیخ ابوالعباس مرسی رحمۃ اللہ علیہ

☆.....نماز میں مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور

☆.....روحانی لطائف

وسیلہ ۔ شیخ کامل کی ضرورت

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۔ {یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَیْهِ الْوَسِیلَةَ وَجَاهِدُوا فِیْ سَبِیْلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ}۔ (المائدہ۔۳۵)

۲۔ {یَا أَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِیْنَ}۔(التوبہ:۱۱۹)

۳۔ {قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْداً}۔(الکہف:۶۶)

حضرت حق جل وعلیٰ وشانہ وعز اسمہ واتم برہانہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

(ترجمہ آیات)

۱۔ اے ایمان رکھنے والے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اُس کی بارگاہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ اُس کے راستے میں جہاد کرو۔ کوشش اور محنت کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

۲۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اچھے نیک اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو۔

۳۔ موسیٰ علیہ السلام نے جناب خضر علیہ السلام سے کہا کیا اس شرط پر میں آپ کے پیچھے پیچھے چلوں کہ آپ اُس میں سے مجھے ہدایت فراہم فرمائیں گے جو اللہ نے آپ کو تعلیم فرمائی ہے۔

آیات قرآنیہ جن کا ترجمہ بیان ہوا جو تصوف کے بے شمار مسائل کو Address کرتی ہیں۔

ایمان ۔ عقیدہ صحیحہ

قرآن مجید کا پہلا Point (نقطہ) یہ ہے کہ قرآن ایمان والوں سے خطاب کرتا ہے:

یا ایُّھا الذین اٰمَنُوْا۔ ایمان عقیدہ صحیحہ کا نام ہے۔ ایمان اور عقیدہ صحیح کی تشریح یہ ہو سکتی ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات کے ساتھ عشق ومحبت ہو اور اسی محبت کے تقاضے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل تعظیم اور ادب اختیار کیا جائے اور اتباع کی جائے۔ لہٰذا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کے بارے میں عقیدہ صحیحہ کاملہ رکھنے کا نام ایمان ہے۔ اس کے بغیر ایمان کا کوئی تصور ہے ہی نہیں۔

تقویٰ۔ بمعنیٰ ڈرنا اور بچنا

ا۔اپنے پیارے آقا رحمت عالم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کمال درجہ محبت رکھنے والو! اللہ سے ڈرو۔

جہاں تقویٰ کا لفظ اللہ کے ساتھ آئے جیسے اِتقُوا اللہ۔ تو یہاں تقویٰ کے معنیٰ ڈرنا ہوں گے جہاں غیر اللہ کے ساتھ آئے تو وہاں معنیٰ ہوں گے بچنا، ہر اُس شئے سے بچنا جو قیامت میں انسان کے لیے ضرر رساں ہو۔ جتنے گناہ کے کام ہیں اور ایسے کام جن کا نتیجہ سوائے رسوائی کے کچھ بھی نہیں بلکہ اُن سے نقصان ہے تو ان سب کاموں سے بچنا ضروری ہے۔

تعمیل اوامر اور اجتناب نواہی سب تقویٰ کے ضمن میں آتے ہیں جن کاموں کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اُن کا کرنا اور جن کاموں کو چھوڑنے کا اللہ نے حکم دیا اُن کو چھوڑ دینا تقویٰ ہے۔ اعمال کی دو ہی صورتیں ہیں Action (عملاً کرنا) اور Omission (چھوڑنا) قانون کی بھی یہی تعریف ہے:

Law can be devided in two parts: Action and Omission.

فقہ اسلامی

احکام شریعہ میں اس کو فقہ کہتے ہیں۔ اسلامی قانون کے دو بنیادی ماخذ ہیں۔

ا۔قرآن مجید کا قانونی پہلو Legal Aspect of the Holy Quran

۲۔حدیث رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا قانونی پہلو

Legal Aspect of the Holy Prophet's Traditions

قرآن مجید میں پانچ سو آیات ہیں جو احکام یا قانون کے متعلق ہیں۔ یہ احکام کو deal کرتی ہیں جن کے مطابق کچھ کام ضرور کرنا ہوتے ہیں اور کچھ کام ہر حالت میں چھوڑنا ہوتے ہیں۔ بعض احکام ایسے ہیں جن کو دو دو تین تین چار چار مرتبہ قرآن مجید میں Repeat (تکرار) کیا گیا ہے اگر اس تکرار (Repetition) کو حذف کیا جائے تو پھر گنتی میں احکام سے متعلق کل تین سو آیات رہ جاتی ہیں۔ یہ آیات احکام، اعمال اور قانونی پہلو (Legal Aspects) سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسی طرح احادیث نبوی پر غور کریں تو پانچ ہزار احادیث نبویہ ہیں جو احکام اور قانونی پہلوؤں کو بیان کرتی ہیں۔ آیات قرآن کی طرح احادیث مبارکہ میں بھی تکرار پائی جاتی ہے اگر اس تکرار کو حذف کیا جائے تو تین ہزار احادیث رہ جاتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ تین سو آیتیں اور تین ہزار احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جو انسان کی روزمرہ زندگی کے احوال اور معاملات سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور امور زندگی میں احکام صادر کرتی ہیں۔

تہذیب الاخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدن

اس دنیا میں انسان کا زندگی گزارنا، جینا مرنا کھانا پینا علاج معالجہ، تعلیم کا حصول محنت ومشقت، ملازمت، آمدن کے قانون، Law of Wages (مزدوری کے معاوضے کا قانون)، ملازمت سے متعلق قواعد وضوابط، عائلی زندگی، سلسلہ ازدواج، میاں بیوی کے حقوق، ایک دوسرے کے ساتھ نیک سلوک۔ اپنے خانگی حالات کو درست سمت پر رکھنے کے لیے اپنے اندر تبدیلی لانا، ساس سسر کے ساتھ کس طرح تعلق رکھنا چاہیے۔ بچوں کی پرورش، تعلیم وتربیت، اُن کے عقائد کی درستگی اخلاق وآداب کی تعلیم۔ بدن انسانی میں اللہ نے قوتیں ودیعت کی ہیں اُن قوتوں کو کس طرح سنوار کر استعمال کیا جائے۔ مثلاً

اللہ نے علم دیا ہے علم کو کہاں اور کس طرح استعمال کیا جائے کہ وہ حسن بن جائے انسان میں غضب کی قوت ہے کہاں استعمال کرے کہ وہ بہادری کہلائے۔ اور جہاں سے اس قوت کو روکنا ضروری ہے وہاں سے روکا جائے اور اگر روکا نہ جائے تو درندگی کہلائے گی۔

انسان میں شہوی قوت ہے۔ کھانے پینے، پہننے، جوڑے، روپے پیسے اور تعلیم کا انسان کو شوق ہے یعنی اپنی طرف کھینچنے والی طاقت کا نام قوتِ شہوی ہے۔ اسے کس طرح استعمال کرے؟ اگر جوڑے کی طرف متوجہ ہو تو اُس کا نام تقویٰ ہو۔ اسی طرح انسان کا ہر عمل جو وہ کرے تو حکمت ہی حکمت کہلائے۔ کسی کام میں حدود سے تجاوز نہ کرے اور عدل پر قائم رہے۔ اس Set of Principles (اصولوں کا مجموعہ) کا نام تہذیب الاخلاق ہے۔ ایک گھر میں زندگی گزارنے کے طور اور طریقے ہیں اُن کو صحیح انداز میں اختیار کرنا اس طریقہ کا نام تدبیر منزل ہے۔

اسی طرح گاؤں اور بستیوں میں کیسے تعلقات استوار کرنے چاہئیں۔ ایک بستی کا دوسری بستی سے کیسا رابطہ ہونا چاہیے۔ اس سارے سلسلے کا نام سیاست مدن ہے۔

مختصر الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ آدمی کو سنوارنے کا علم تہذیب الاخلاق ہے کنبے قبیلے کو منظم رکھنے کا علم تدبیر منزل ہے۔ پوری قوم کو آپس میں ترتیب دینے اور اُن کو سنوارنے کا نام سیاستِ مدن ہے۔

اس ساری بات کا ماحصل یہ ہے کہ اہل ایمان (جن کا عقیدہ ٹھیک ہے) وہ تقویٰ اختیار کریں۔ مطلب یہ ہے کہ اعمال کے تمام شعبے صحیح طریقے سے ترتیب دیئے جائیں تاکہ انسانی زندگی میں حسین توازن پیدا ہو جائے جو ایک اچھے مسلمان کی زندگی میں ضروری ہے۔

وَ ابْتَغُوا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ

ایمان اور تقویٰ کے بعد اللہ کی بارگاہ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ جب بندہ اپنا عقیدہ، اعمال و اخلاق ٹھیک کر لے اور روزانہ کی زندگی بھی درست ہو جائے تو اس سے وہ اللہ کی بارگاہ کی طرف سفر کرنے کے قابل ہوا ہے۔ اب اُسے ایسے نظریات کی روحانی ٹرانسپورٹ چاہیے جس پر سوار ہو کر وہ اس سفر پر روانہ ہو۔ اُسے کوئی ایسا ڈرائیور چاہیے جو اس روحانی ٹرانسپورٹ کو Drive کر سکے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کو مدنظر رکھے جو دنیائے روح میں پروردگار عالم نے سفر کے لیے دیئے ہیں۔ یعنی ایک ایسا Practical (عملی) آدمی چاہیے جو کتابوں کے علاوہ عملی طور پر اس روحانی میدان سے گزرا ہوا ہو۔

مثال کے طور پر ایک Student (طالب علم) سکول، کالج اور یونیورسٹی میں ایک خاص کورس میں تعلیم حاصل کرتا ہے کیمسٹری Chemistery، (علم کیمیا)، Medicine (ادویات)، Pathalogy (بیماریوں کی پرکھ)، Diagnosis (امراض کی تشخیص)، اس سے متعلق اُس نے تمام علوم پڑھ لیے ہیں۔ اُس نے Theory (نظریاتی اور شعوری) کو پڑھ لیا ہے لیکن عملی طور پر ہسپتالوں میں، تجربہ گاہوں (Laboratries) میں جا کر ماہر اساتذہ کی نگرانی میں پڑھی ہوئی Theory پر عملی تجربات نہیں کریگا تو ماہر نہیں مانا جائے گا۔ Medical (علم طب) کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد طب کے اس خاص شعبے میں اُسے ڈگری ملتی ہے اس امتحان کو (Bachelor of Medicine) MBBS کہا جاتا ہے۔ یہ امتحان پاس کر لینے کے بعد وہ کسی تجربہ کار ڈاکٹر کی زیر نگرانی امراض کی تشخیص کر کے اُن کا علاج کرتا ہے۔ طب کے ایک شعبے میں کئی مراحل سے گزر کر وہ کامیاب ڈاکٹر بنتا ہے۔

مرد خدا کی تلاش

قرآن کریم نے بتایا کہ اے صحیح عقیدہ رکھنے والے لوگو! تم نیک بن جانے کے بعد اور بدیوں سے بچ جانے کے بعد کوئی ایسا مرد خدا تلاش کرو جو اِن سب چیزوں کو صحیح استعمال کرنا جانتا ہو کہ جس کی بدولت معلوم ہو کہ رب کی طرف سفر کیسے شروع ہوتا ہے۔

علماء ربانی تحصیل علوم کے بعد اپنی روحانی ترقی کے لیے اہل اللہ یعنی صوفیا اور درویشوں کی طرف رخ کرتے رہے ہیں اور اللہ والوں سے اکتساب فیض کرتے ہیں اور یہی راہ منزل ہے۔

جلیل القدر آئمہ دین نے اللہ کے کامل بندوں کو اپنا روحانی پیشوا تسلیم کیا اور منازل سلوک میں اُن کی مکمل پیروی

کی۔بعض اعلام اُمت کا اس ضمن میں ہم تذکرہ کرتے ہیں اور یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ علوم ومعارف میں دستگاہ رکھنے والے اِن پاک بندوں کو اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس قدر عقیدت ومحبت تھی اور اُن (اہل بیت پاک) سے عقیدت و محبت کا علمبردار ہونے کی حیثیت سے کیسی کیسی قربانیاں پیش کیں۔

سراج الائمہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

یہ دنیا کے دانشوروں میں مسلمہ حقیقت ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اُن غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک انسان ہیں کہ مشرق ومغرب اُن کی علمی صدائے بازگشت سے گونج رہے ہیں۔اُنہیں علوم ظاہریہ میں دستگاہ کامل حاصل ہے۔فنی علوم میں مہارت تامہ رکھنے والے انسان ہیں۔قرآن وحدیث،علم شریعت اور علم الاحکام کے اندر آپ کو یکتائے روزگار تسلیم کیا جاتا ہے۔وہ ایک ایسی شخصیت ہیں کہ اگر وہ ایک لکڑی کے ستون کو سونے کا ستون کہہ دیں تو اُس کو دلائل سے سونے کا ستون ثابت کردینے کی پوزیشن میں ہیں۔امام ابوحنیفہ جیسا انسان یہ سمجھتا ہے کہ میری اتنی محنت اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے کافی نہیں ہے جس مقصد کے لیے خدا تعالیٰ نے مجھے تیار کرنا چاہا ہے۔اسی کمی کو پورا کرنے اور مقصد کو پانے کے لیے حضرت امام ابوحنیفہ نے وابتغوا الیہ الوسیلہ پر عمل کیا تاکہ منزل مقصود تک پہنچ جاؤں۔

آل رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعظیم

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اولاد نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے مثال اور والہانہ محبت تھی آپ نے حضرت زید بن علی علیہ السلام کے دست حق پرست پر ایسے وقت بیعت کی اور اُن کے مرید بنے جو کہ انتہائی ابتلاء کا زمانہ تھا۔

حضرت زید علیہ السلام حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے تھے۔علامہ مؤمن مصری شبلنجی رحمۃ اللہ علیہ (گیارہویں صدی ہجری کے مشہور عالم تھے) نے اپنی کتاب ''نورالابصار فی مناقب اہل بیت نبی المختار'' میں دور عباسیہ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔حضرت زید بن علی علیہ السلام نے خلافت عباسیہ کے ناروا اور ظالمانہ اقدامات کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور اِن کی حکومت کے خلاف بھرپور تحریک شروع کی۔اس موقع پر امراء عباسیہ نے حضرت امام ابوحنیفہ کو زور دے کر ایک فتویٰ حضرت زید علیہ السلام کے خلاف جاری کرانا چاہا جس میں حضرت امام ابوحنیفہ انہیں باغی قرار دیں۔ حضرت امام نے جواباً فرمایا تم (عباسی) باغی ہو جنہوں نے اہل بیت پاک کے اقتدار پر بے جا قبضہ کیا ہوا ہے اور تم نے یہ Mispresentation (غلط نمائی) کی ہے۔پہلے تم نے یہ بتایا تھا کہ تم اہل بیت کی خاطر جنگ لڑ رہے ہو لیکن جب جنگ جیت لی گئی تو تم نے اہل بیت کو پہلے سے زیادہ محروم کیا۔میں تمہیں باغی قرار دیتا ہوں۔اہل بیت اطہار کو میں کس طرح باغی کہہ

سکتا ہوں میں تو ان کا مرید ہوں (اَنَا من شیعتہ) میں حضرت زید کی جماعت کا آدمی ہوں اور میں نے تیس ہزار درہم بطور نذرانہ اُنہیں پیش کیے ہیں (یہ وہ وقت تھا جب تین درہموں کی گائے خریدی جاسکتی تھی)۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اولاد رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ مؤدت کا اظہار کیا اور تادم آخر اُسے نبھایا اور سلوک ومعرفت کی منازل طے کرنے کے لیے حضرت زید بن علی علیہ السلام کو اپنا روحانی پیشواء اور مرشد تسلیم کیا اور امام باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام سے بھی اکتساب فیض حاصل کیا۔

یہی برکات تھیں جن کی بدولت ابوحنیفہ امام اعظم تسلیم کیے گئے۔ کروڑوں مسلمان اس دنیا میں گزر چکے ہیں جو اُن کے سلسلہ تعلیمات کے مقلد تھے۔ آج بھی میں اور آپ ہمیشہ آپ کے مقلدین رہیں گے۔ عام انسانوں کے علاوہ بڑے بڑے شیوخ اور علماء نے آپ کی تقلید کی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری جیسا آدمی حضرت امام ابوحنیفہ کا مقلد ہے۔ یہ وہ ہستی پاک ہے جس نے نوے لاکھ کافروں کو کلمہ حق پڑھا کر حلقہ بگوش اسلام کیا۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری جیسی مبارک شخصیت جن کی درگاہ پر چلہ کشی کرنے کی وجہ سے حضرت خواجہ اجمیری کو یہ شان ملی وہ بھی فقہ اسلامی میں حضرت امام ابوحنیفہ کے مقلد تھے۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ بذات خود امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے لیکن آپ کی ساری اولاد فقہ حنفی کی تقلید کرتی ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ان احوال سے ثابت ہوا کہ خواہ کوئی کتنا بڑا عالم اور مفکر ہو کتنا عظیم محدث، مفسر اور فقیہ ہو۔ روحانی معارف اور روحانی سفر کے لیے کوئی اللہ والا بندہ تلاش کرنا پڑتا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے تقویٰ وطہارت اور ادب وتعظیم کا یہ عالم تھا کہ کبھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بے وضو نہیں لیتے تھے۔ اگر کسی وقت وضو کی حالت نہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک لینا پڑے تو حاضرین سے فرماتے ذرا انتظار کرو میں وضو کرلوں۔ وضو کرنے کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر پاک کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک آدمی حاضر خدمت ہوا اور اُس نے حدیث شریف پوچھنا چاہی۔ اُس وقت آپ باوضو تھے لیکن اس کے باوجود فرمایا بیٹھ جاؤ مجھے غسل کرنے دو۔ آپ نے غسل کیا۔ صاف ستھرا لباس پہنا، خوش بو لگائی اور مخصوص جگہ جو درس حدیث کے لیے بنائی ہوئی تھی وہاں بیٹھ کر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ سنائی۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے ''**کتاب الشفا فی تعریف حقوق المصطفیٰ**'' کے اندر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے تقویٰ اور طہارت کا واقعہ بیان کیا ہے۔ایک دن آپ حدیث مبارک سنا رہے تھے تب حاضرین نے دیکھا کہ حدیث شریف سناتے ہوئے سولہ مرتبہ آپ کے چہرے کا رنگ فق ہوا۔جب حدیث پاک بیان کر چکے تو آپ نے سر سے اپنی پگڑی اُتاری، دیکھا اُس میں بچھو تھا جس نے سولہ بار آپ کو ڈسا تھا۔بچھو کے سولہ ڈنگ آپ نے برداشت کیے لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بات پورے آداب کے ساتھ سنائی جو کہ تقویٰ کی معراج کہلا سکتی ہے۔

حضرت امام مالک گھوڑوں کے تاجر تھے اور آپ کے اصطبل میں اٹھارہ گھوڑے تھے۔ایک دفعہ مدینہ طیبہ کی زمین پر گھوڑے پر سوار ہو کر آپ جا رہے تھے۔خیال آیا کہ جہاں میں گھوڑے پر سوار ہو کر گزر رہا ہوں ممکن ہے کبھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہاں سے گزر ہوا ہو اور آپ پا پیادہ ہوں۔یہ سوچ کر آپ فوراً گھوڑے کی پیٹھ سے اتر کر بارگاہ الٰہی میں توبہ کرنے لگے۔یا مولیٰ تعالیٰ تیرا عاجز و مسکین بندہ ہوں اور سرکار تاجدار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ و جلیلہ سے تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں۔آپ نے اپنے اصطبل کے سارے گھوڑے اللہ کے لیے صدقہ کر دیئے۔اور آئندہ کبھی بھی مدینہ شریف کی سرزمین میں گھوڑے پر سوار نہیں ہوئے۔

ایک مرتبہ مدینہ طیبہ میں کسی کھیت میں قضائے حاجت کرنے لگے تو اچانک خیال آیا کہ ہوسکتا ہے اس جگہ سے کبھی سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام گزرے ہوں اور میں اس جگہ کو ناپاک کرنے لگا ہوں فوراً کھڑے ہو گئے اور عرض کیا اے مولا کریم اس سے پیشتر جو تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے شہر میں ایسا کام کر چکا ہوں معاف فرما دے آئندہ مدینہ پاک کی حدود میں ایسا کام کبھی نہیں کروں گا۔اس کے بعد مدینہ طیبہ کی حدود میں کبھی قضائے حاجت نہیں کی۔

ایک مرتبہ آپ راستے میں جوتے پہنے جا رہے تھے۔خیال آیا کبھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس راستے سے گزرے ہوں گے اور جوتے سمیت میرے پاؤں اُس جگہ لگ رہے ہوں جہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک قدم پڑے ہوں گے۔یہ تو ادب کے خلاف ہے آپ نے اُسی وقت اپنے جوتے اُتارے اور ننگے پاؤں چلنا شروع کر دیا۔اللہ کی بارگاہ میں توبہ کی کہ مولیٰ تعالیٰ معافی چاہتا ہوں اس کے بعد تیرے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شہر میں جوتا پہن کر نہیں پھروں گا۔

امام مالک وہ شخصیت ہیں جن کے استقامت، ایمان، تقویٰ اور دربار رسالت کے ادب کا یہ عالم ہے لیکن وہ سمجھتے تھے کہ ابھی تک میرے دین کی تکمیل نہیں ہوئی اور روحانی منازل میں ترقی کے لیے اولا درسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار

میں حاضر ہوئے۔حضرت سیّدنفس ذکیہ علیہ السلام کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی تا کہ قرآن کی تعلیم وَ ابتغُوْ اِالَیْہِ الوَسِیْلَۃ کے مطابق تعمیل ہوجائے اور عمل مکمل ہوجائے۔

حکومت وقت نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے زبردستی حضرت سیّدنفس ذکیہ علیہ السلام کے خلاف فتویٰ طلب کیا کہ وہ ان کے باغی ہونے کا فتویٰ دیں اور حکومت کی حمایت کریں۔حضرت امام مالک نے انتہائی جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسا فتویٰ دینے سے انکار فرمادیا اور امراء وقت سے کہا کہ تم جبراً بیعت لے رہے ہو اس لیے یہ بیعت منعقد ہی نہیں ہوتی اور میں آل رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے باغی ہونے کا فتویٰ دوں یہ کیسے ہوسکتا ہے ایسا فتویٰ دینا قطعاً حرام ہے۔ میں اُن کا مرید ہوں شاگرد وغلام ہوں اور اُن کا حمایتی اور اُن کے مشن کا علمبردار ہوں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

جو مرد کامل خدا کے آسمان کے نیچے سب سے عظیم محدث اور علم حدیث کا سب سے پہلا ڈاکٹر (ماہر علوم حدیث) مانا گیا ہے اُس کا نام امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ یہ مشہور ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث ہیں یہ بات اپنی جگہ درست سہی لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔امام شافعی کے بہت سارے شاگرد تھے اُن میں سے ایک حضرت امام ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ یہ امام بخاری کے فائنل (آخری) اُستاد تھے۔امام احمد بن حنبل اپنے وقت کا وہ عظیم المرتبت امام ہے کہ اگر ایک لاکھ امام بخاری بھی اکھٹے ہوجائیں تو ایک امام احمد بن حنبل کے برابر نہیں ہوسکتے۔امام شافعی ان کے اُستاد ہیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسی دینی اور علمی شخصیت نے حصولِ معارفِ ربانی کے لیے وسیلہ اختیار کیا اور اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیدت ومحبت اور اُن کی تعظیم کو اپنے ایمان کا مرکز جانا۔آپ نے آل رسول کے ساتھ حد درجہ مؤدت کا اظہار فرمایا اسی وجہ سے آپ متہم ہوئے آپ کو شیعہ (رافضی) کہا گیا۔آپ بھری دنیا کے سامنے برملا یہ کہتے ہیں:

اِنْ کَانَ رِفْضًا حُبَّ آلِ مُحَمَّد

فَلْیشْھَد الثَّقَلٰنِ اَنِیّ رَافِضِ

ترجمہ: اگر اہل بیت سے محبت کرنے کا نام رافضی ہونا ہے تو دونوں جہاں اس بات کے گواہ رہو میں رافضی ہوں۔

یَااَھْلَ بَیْتِ رَسُوْلِ اللہ حُبُّکُمْ

فَرضٌ مِّنَ اللہِ فِی القُرْآنِ اَنْزَلَہ‘

ترجمہ: اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! تمہاری شان کی اس سے بڑھ کر کیا شہادت ہوسکتی ہے کہ تمہاری محبت قرآن مجید کے اندر فرض کی گئی ہے۔ (کتاب الصواعق المحرقہ، علامہ ابن حجر مکی، صفحہ 133)

اس طرح حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پورا قصیدہ آل رسول کی شان میں لکھا ہے۔ آپ نے راہ سلوک ومعرفت کے لیے حضرت سیّد ادریس علیہ السلام سے بیعت کی۔ حضرت سیّد ادریس علیہ السلام وہ پہلے سیّد ہیں جو افریقہ میں جا کر آباد ہوئے۔ افریقہ میں اس وقت کوئی تیرہ کے قریب States (ریاستیں) ہیں جو حسنی سادات کی ہیں اور یہاں جتنے حسنی سادات ہیں وہ حضرت سیّد ادریس علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ حضرت امام شافعی ان کے مرید تھے۔

حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو اُمت مسلمہ نے علم حدیث کا دوسرا ڈاکٹر (علوم حدیث کا اُستاد) مانا ہے۔ آپ بلند پایہ محدث تھے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا بھر کے محدثین سے تعلیم حاصل کی اور علم حدیث میں آخری سند حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ اس قدر نابغہ روزگار عالم، محدث اور فقیہ ہوتے ہوئے آپ نے روحانیت کی روشنی حاصل کرنے کے لیے شیخ طریقت سے رابطہ کیا۔ اُس وقت کے ایک اہل اللہ شخص حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی۔ حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ حافی عالم نہیں تھے معمولی تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن تصوف وطریقت میں صاحب کمال بزرگ تھے۔ حضرت بشر حافی کا سن وفات 227 ہجری ہے۔ حضرت امام احمد ابن حنبل جو ان کے مرید تھے اُن کا وصال ۱۲ ربیع الاوّل کو ہوا لیکن سن وفات 241 ہجری ہے۔ آپ کو درے مار مار کر بغداد شریف کے قید خانے میں بیدردی کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔

حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کرنے کی اصل وجہ

حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اہل بیت رسول علیہ الصلوۃ والسلام سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے دل و جان سے آل رسول کی عظمت ورفعت کو تسلیم کرتے تھے۔ حضرت امام سے یزید کے بارے میں پوچھا گیا کہ کیا یزید پر لعنت کرنی درست ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ یزید لعین کی لعنت کے بارے میں جو شک کرے میرے نزدیک اُس کا ایمان مشکوک ہے۔ جس آدمی نے دوشِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہسوار کی ہتک کو مباح قرار دیا وہ تو لاکھوں کروڑوں لعنتوں کا حقدار ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر نسبت کی تعظیم

تمام عالم اسلام کا اتفاق ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نعلین پاک (پاپوش مبارک) کے ٹوٹے ہوئے تسمے کی اگر کوئی بے ادبی کرے تو وہ کافر ہے اور ملعون ہے۔ تسمے کا تعلق نعل پاک سے ہے اور نعل شریف کا سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاؤں مبارک سے ہے لیکن ظاہری بدن مبارک (Body) کو عمومی حالت میں تسمہ مس (Touch) نہیں کرتا۔ جہاں تک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک کو چھونے کا سوال ہے تو کئی حضرات کو یہ سعادت حاصل ہوئی مثلاً حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ چومے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک چومے ہیں۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے مہر نبوت چومی ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہونٹ مبارک چومے ہیں۔ سب ہی خوش نصیب ہیں لیکن امام حسن اور امام حسین سلام اللہ علیہما نے اپنے نانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس چومی ہے۔ اس بات کو حضرت امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جو دسویں صدی ہجری کے مشہور عالم ہیں۔ آپ کے سن وفات کے بارے میں خاصا اختلاف ہے 974 ہجری میں وفات ہوئی۔ آپ نے اپنی مشہور تصنیف ''الصواعق المحرقہ'' میں لکھا ہے۔

حضرات حسنین کریمین کے ساتھ لاڈ و پیار

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اپنے موقع پر چمنستان زہراء کے پھولوں حضرات حسن و حسین سے پیار فرماتے تھے اور شفقت فرماتے ہوئے اپنے نونہالوں کو اپنے ساتھ کھیلنے کا موقع دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں صاحبزادوں کو اپنی گود میں بٹھا کر پیار فرما رہے تھے۔ دونوں نونہال اپنے نانا پاک کے ساتھ مچل کر کھیل رہے تھے۔ اسی لاڈ و پیار میں دونوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ریش مبارک کے بالوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ حضرت سیّدہ فاطمہ زہرہ سلام اللہ علیہا نے دیکھا تو اپنے بچوں کو سختی سے کچھ کہنے لگیں۔ کیسے عجیب ہیں کہ اپنے نانا پاک کی ڈاڑھی مبارک کو پکڑ کر کھیل رہے ہیں۔ حضرت سیّدہ سلام اللہ علیہا نے دونوں کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیّدہ سے فرمایا اے فاطمہ! اپنی جگہ ٹھہری رہو۔ تم ہمارے درمیان دخل نہ دو۔ میں جانوں، میرے

پیارے بیٹوں کے ہاتھ جانیں اور میری داڑھی جانے۔ میں خود ان سے داڑھی کے بال چھڑا لیتا ہوں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں شہزادوں سے ریش مبارک چھڑا لیتے ہیں۔ لیکن زور سے اُن کی انگلیاں مروڑ کر ایسا نہیں کرتے۔ بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ تدبیر فرماتے ہیں کہ اپنی زبان مبارک باہر نکالتے ہیں اور باری باری اُن کے منہ میں ڈالتے ہیں زبان اقدس کو دیکھ کر دونوں شہزادے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی مبارک کو چھوڑ دیتے ہیں اور زبان رسالت مآب کو چوستے ہیں۔ حضور سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک چومنے کی عزت حسن و حسین علیہما السلام کو حاصل ہوئی۔

شہد خوار لعاب زبان نبی
چاشنی گیر عصمت پہ لاکھوں سلام

(اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

یہ فطری تقاضا ہے کہ دادا، دادی، نانا، نانی جو ہوتے ہیں اُنہیں اپنے بیٹے یا بیٹی کے مقابلے میں اپنے پوتے، پوتی، نواسے، نواسی سے زیادہ پیار ہوتا ہے۔ یہی وہ فطری اصول ہے کہ محبوب خدا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی صاحبزادی حضرت سیّدہ خاتون جنت سلام اللہ علیہا سے پیار ہے اور اُن کے شہزادوں سے سب سے بڑھ کر پیار ہے۔

بات حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کی ہو رہی تھی کہ یزید لعین پر لعنت کرنا درست ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں بیان ہو رہا تھا کہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نعلین پاک کے ٹوٹے ہوئے تسمے کی بے ادبی کرنے والا کافر ہے۔ آل رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تو وہ معظم ہستیاں ہیں جن کی رگوں میں رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خون ہے اور حسین علیہ السلام جنہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان چومی ہے۔ کہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعلین کا ٹوٹا ہوا تسمہ اور کہاں عظمت حسین۔ ٹوٹے ہوئے تسمے کی بے ادبی کرنے والا ملعون اور کافر ہے تو امام حسین جیسی مکرم مقدس، محترم ہستی جو اولاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور خون رسول ہے اُن کی لاش پر گھوڑا دوڑا کر اُن کی بے حرمتی کرنے والا کیسے ممکن ہے کہ وہ مسلمان رہ جائے۔ حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں یزید کو ملعون سمجھتا ہوں۔ یزید اور اُس کا ساتھ دینے والوں پر اُمت میں سب سے پہلے کھلم کھلا لعنت بھیجنے والے اور اسے ملعون کہنے والے حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

دور عباسیہ میں خلق قرآن کریم کا مسئلہ اُٹھا اُس وقت عباسی امراء نے مسئلہ خلق قرآن کی حمایت کی۔ حضرت امام

احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فتنہ خلق قرآن کے خلاف آواز حق بلند کی۔ حضرت امام احمد ابن حنبل کو عباسیوں نے قید میں ڈال دیا اور آپ کو شہید کر دیا گیا۔ بظاہر مسئلہ خلق قرآن کی وجہ سے آپ کو شہید کیا گیا لیکن اس کے پس پردہ حقیقت یہ تھی کہ حضرت امام احمد ابن حنبل نے آل رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ اپنی محبت وعقیدت کا حق ادا کیا اور آل پاک کے دشمنوں پر لعنت بھیجی اور یزید کو کھلے عام کافر اور ملعون قرار دیا اس لیے عباسیوں نے خلق قرآن کا بہانہ بنا کر آپ کو ختم کرنا چاہا۔

یزید کے صریحاً کافر ہونے کے بارے میں حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے تاثرات بھی بتاتے چلیں۔ علامہ تفتازانی اپنے وقت میں پوری روئے زمین پر ایک لاجواب اور بے مثل عالم تھے۔ آپ کی تصنیف **''شرح عقائد نسفیہ''** اہلِ سنت والجماعت کے عقیدے کی مشہور اور جامع کتاب ہے۔

حضرت علامہ تفتازانی سے پوچھا گیا کہ آپ یزید پر لعنت کرنے کے بارے میں کیا رائے رکھتے تو آپ نے جواباً فرمایا کہ جس نے امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا وہ کافر ہے۔ جس نے قتل میں امداد کی وہ کافر ہے اور جو اُن کے قتل پر راضی ہوا وہ کافر ہے۔ جس نے قتل کے لیے آمادہ کیا وہ کافر ہے اور آج اگر کوئی یہ کہے کہ سیّدنا حسین علیہ السلام کا قتل ہوا یہ صحیح ہوا تھا تو ایسا کہنے والا کافر ہے۔

و اتفقوا علی جواز اللعن علی من قتلہ او امر بہ او اجازہ و رضی بہ

کہتے ہیں کہ اس پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ جس آدمی نے امام حسین کو قتل (شہید) کیا اس پر لعنت اور لعنت کا معنی یہ ہے کہ سوائے کافر کے نام لے کر کسی کو لعنت بھیجنا درست نہیں یہ کافر کی خصوصیات میں سے ہے یہاں کبری بیان کرتے ہیں کہ جس آدمی نے امام حسین کو شہید کیا وہ کافر ہے اب آپ تلاش کریں کہ کس کس نے شہید کیا شمر ذالجوشن ہے خولی بن یزید ہے سنان ہے یہ براہ راست Involve ہوئے اور اعانت مجرمانہ Criminel Abrdment یں وہ تمام آرمی قتل (شہادت امام حسین) کے لیے بھاگ دوڑ کرتی رہی تو جو اعانت کسی فعل بد کے لیے ہو وہ کسی بھی فعل بد میں شریک مانی جاتی ہے، اب کہتے ہیں کہ جس نے قتل کیا وہ بھی لعنتی ہے جس نے اس کا حکم دیا وہ بھی لعنتی ہے و اجازہ اور جس نے بعد میں سن کر اس کو جائز قرار دیا وہ بھی لعنتی ہے **و رضی بہ** جو بعد میں سن کر اس پر راضی ہو گیا وہ بھی لعنتی ہے: **و الحق ان رضا یزید بقتل الحسین و اسبشارہ بذلک و اھانۃ اھل بیت النبی علیہ السلام مما تواتر معناہ** کہتے ہیں کہ یہ بات شک سے بالاتر ہے کہ یزید امام حسین کے قتل سے راضی ہوا خوش ہوا اور اس نے خوشی منائی اور اہل بیت رسول علیہ الصلوۃ والسلام کی ہتک اور

اہانت پر وہ خوش ہوا یہ ان متواترات میں سے ہے جن پر دنیا میں کوئی منکر گزرا ہی نہیں ہے یہ متواتر معنی ہے حدیث متواتر کا منکر کافر کیوں مانا جاتا ہے کہ اس کی اطلاع اٹل تسلیم ہوتی ہے حدیث کی کسی بھی فرد کا منکر مبتدع مانا جاتا ہے گنہگار اور فاسق مانا جاتا ہے کافر نہیں مانا جاتا حدیث کے ہر فرد کا منکر کافر نہیں ہوتا حدیث متواتر کا منکر کافر ہوتا ہے کہا جس طرح حدیث متواتر کا معنی مضبوط ہے اسی طرح امام حسین کے قتل کا حکم دینا اس پر راضی ہونا خوشی منانا اور جنھوں نے قتل کیا ان پر انعام کرنا یہ ان متواترات میں سے ہے جس کا اسلام میں منکر گزرا ہی کوئی نہیں ہے جس کسی نے اگر انکار کیا ہے تو اسنے اپنی کسی سیاسی سوچ کی وجہ سے کیا ہے کسی کی جیب گرم ہونے کی وجہ سے ایسا ہوا ہے کسی کے سیاسی دباو کی وجہ سے ایسا ہوا ہے اگر اس کا ضمیر آزاد ہوتا تو کبھی ایسا نہ کرتا و ان کان تفاصیلہ احادا اگرچہ ایک ایک بات الگ الگ کر کے کی جائے تو اس میں سو سو اختلاف ہیں لیکن یہ کہ یزید نے قتل کروایا ہے اس پر وہ خوش ہوا ہے اور قتل کرنے والوں کو انعام دیا ہے یہ ان متواترات میں سے ہے کہ جس کا انکار کیا ہی نہیں جا سکتا (شرح العقائد النسفیۃ علامہ تفتازانی ص 161/162 مکتبہ خیر کثیر آرام باغ کراچی) یزید پلید کے بارے میں یہ ساری باتیں ثابت ہیں اس لیے یزید ہزار مرتبہ کافر ہے اور لعنتوں کا مستحق ہے۔

سیّد عبداللہ محض، سیّد نفس ذکیہ سیّد موسیٰ الجون (علیہم السلام)

حضرت سیّدنا امام حسن علیہ السلام کے صاحبزادے سیّد حسن مثنیٰ علیہ السلام تھے ان کی شادی حضرت سیّدنا امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی حضرت فاطمہ کبریٰ سلام اللہ علیہا سے ہوئی۔ (حضرت قبلہ عالم سیّدی مفکر اسلام شاہ صاحب دامت برکاتہم العالی اور آپ کا خاندان) ان (حضرت حسن مثنیٰ اور سیّد فاطمہ کبری) کی اولاد میں سے ہیں اس طرح حضرت امام حسن علیہ السلام مفکر اسلام کے دادا لگتے ہیں اور حضرت امام حسین نانا لگتے ہیں سیّد حسن مثنیٰ اور سیّدہ فاطمہ کبری کے صاحبزادے جن کا نام سیّد عبداللہ محض ہے محض کہتے ہیں خالص کو۔ یہ پہلا سیّد ہے جس کا باپ بھی سیّد ہے اور ماں بھی سیّدہ ہے۔ اس لیے ان کو عبداللہ محض کہا جاتا ہے۔ سیّد عبداللہ محض علیہ السلام کے بہت سارے بیٹے ہیں۔ اُن میں سے ایک کا نام سیّد محمد ہے جو سیّد نفس ذکیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ سیّد عبداللہ محض کے دوسرے صاحبزادے کا نام سیّد موسیٰ الجون ہے۔ الجون کہتے ہیں ''گندمی رنگت'' والے کو۔ خاندان نبوت میں پہلا گندمی رنگت رکھنے والا جوان یہی سیّد موسیٰ الجون ہے۔ حضرت مفکر اسلام حضرت موسیٰ الجون علیہ اسلام کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کے دوسرے بھائی سیّد محمد (سیّد نفس ذکیہ) کے بائیں کندھے کے قریب ایک موٹے سائز کا تل تھا اور قریب ہی کچھ کلمات لکھے ہوئے تھے۔ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ اُن کی مہر اُمامت ہے۔

اُس تل کو مہر اُمامت کہتے تھے اور اُن کلمات کو کلمات مہر کہتے تھے۔

فضائل اہلِ بیت اطہار علیہم السلام۔ قاسم الولایت

قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے:

{قُل لَّآ أَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ أَجۡرًا إِلَّا ٱلۡمَوَدَّةَ فِي ٱلۡقُرۡبَىٰ}۔(الشوریٰ:۲۳)

ترجمہ: (اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیجئے کہ تم سے اپنی نبوت پر کچھ اجر نہیں مانگتا مگر اپنے اہل بیت اور اپنے قرابت داروں کی محبت تم سے مانگتا ہوں)۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت ہے کہ بارگاہ رسالت مآب میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ مَنْ قَرَابَتُکَ هَؤُلَآءِ الَّذِيْنَ وَجَبَتْ عَلَيْنَا مُؤَدَّتِهِمْ؟

اے اللہ کے حبیب کیا آپ ہمیں بتا سکتے ہیں کہ وہ آپ کے رشتے دار کون سے ہیں جن کی محبت ہم پر واجب کر دی گئی ہے۔

تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (عَلیٌ و فاطمہ و الحسن و الحسین و ابناھما)۔

جن کی محبت فرض کی گئی ہے وہ ایک حسن ہے ایک حسین ہے ایک اُن کی ماں ہے اور ایک اُن کا باپ ہے۔ یہ روایت امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تفسیر مدارک، جلد 3، صفحہ 582'' میں بیان کی ہے۔ امام نسفی کا سن وفات ۷۱۰ ہجری ہے اور یہ نسف کے رہنے والے تھے۔ خوارزم کے مشرقی جانب جو علاقہ ہے اُسے نسف کہا جاتا ہے۔

تقسیم ولایت کا منصب ہمیشہ آل رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رہا ہے اور رہے گا تمام مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہلی اُمتوں میں جتنے ولی بنے ہیں اُن کو ولی حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے بنایا ہے۔ اُن کے بعد کسی کو درجہ ولایت پر فائز کرنے کا فریضہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو تفویض ہوا اُس کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام قاسم ولایت مقرر ہوئے۔ اُن کے بعد یک بعد دیگرے حضرات امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم، امام علی رضا، امام تقی، امام نقی اور امام حسن عسکری (آئمہ اہل بیت علیہم السلام) قاسمِ ولایت کے منصب پر فائز ہوتے رہے اور مرتبہ ولایت سے سرفراز فرماتے رہے۔ پھر یہ منصب حضور غوث الثقلین پیرانِ پیر دستگیر محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد ہوا۔ اب قیامت تک جتنے اولیاء اللہ آئیں گے سوائے حضرت سیّد امام مہدی آخر الزمان علیہ السلام کے، اُن سب کو حضرت غوث الاعظم درجہ ولایت عطا کرتے چلے آرہے

ہیں اور عطا کرتے رہیں گے۔ (مکتوبات، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوب نمبر 123)

شیخ ابوالحسن شاذلی اور علامہ عزالدین عبدالسلام رحمہما اللہ تعالیٰ

ولایت میں اولیت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کو حاصل ہے۔ دنیائے روحانیت، تصوف وطریقت کے لیے وسیلہ کا موضوع بیان ہورہا ہے۔ اپنے اپنے وقت کے عظیم دینی پیشواؤں (آئمہ اسلام) کا ذکر خیر ہوا کہ علم وعمل میں اپنا بلند مقام رکھنے والے روحانی سفر میں وسیلے کی احتیاج رکھتے تھے اور شیخ کامل کے متلاشی رہے ہیں۔ اللہ کے کامل بندے کی تلاش اور وسیلہ اختیار کرنے سے متعلق ایک یادگاری بات بیان کی جاتی ہے۔ حضرت عزالدین بن عبدالسلام ایک بڑے مشہور بزرگ ہوگزرے ہیں۔ اُن کا سن وفات 660 ہجری ہے اُس آدمی نے اصول فقہ پر اتنا کام کیا ہے کہ دنیا نے مانا ہے کہ ہم نے لاکھوں انسان دیکھے ہیں مگر عزالدین عبدالسلام جیسا بیٹا ماں روزانہ نہیں جنا کرے گی۔ تاریخ نے ثابت کردیا کہ پھر ایسا کوئی آدمی پیدا نہیں ہوا۔

جناب عزالدین بن عبدالسلام علیہ الرحمہ پیری مریدی اور تصوف وطریقت کو نہیں مانتے تھے وہ اسے غیر ضروری سمجھتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ اس سے روحانیت کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اُن کی ملاقات حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوگئی۔ حضرت ابوالحسن شاذلی ''حزب البحر'' کے مصنف تھے۔ تمام سلاسل طریقت قادری چشتی نقشبندی سہروردی میں حزب البحر پڑھی جاتی ہے۔ خاص طور پر قادریہ کے ہاں بہت زیادہ پڑھی جاتی ہے۔ حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ ساتویں صدی ہجری کے عظیم بزرگ تھے۔ علامہ عزالدین بن عبدالسلام نے ان کا دور پایا۔ اُنہوں نے حضرت ابوالحسن شاذلی سے سوال کیا کہ یہ جو آپ کام کرتے ہیں جس کے ذریعے آپ کے نزدیک روحانی مدارج میں ترقی ہوتی ہے اور بارگاہ خداوندی میں رسائی حاصل ہوتی ہے کیا کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے سوا بھی خدا سے ملنے کا کوئی اور راستہ ہوسکتا ہے؟ حضرت شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے سوا نہیں ہے بلکہ اس کے اندر ایک راز کا علم ہے اور وہ راز دار ہی جانتے ہیں جیسا کہ سمندر میں عام پانی ہے جو چرند و پرند پیتے ہیں اور اس پانی کی سطح پر کشتیاں بھی چلتی ہیں اس پانی میں سے ماہی گیر مچھلیاں بھی پکڑتے ہیں۔ لیکن سمندر کی تہہ میں چھپے موتی ملاحوں، سیاحوں اور مچھروں کی اطلاع میں نہیں ہوتے۔ وہ سمندر میں غوطہ لگانے والے غوطہ خوروں کے علم میں ہوتے ہیں۔ اسی طریقے سے وہ جواہر پارے جن کو طریقت اور صوفیت کہتے ہیں وہ قرآن ہی کے اندر ہے لیکن یہ اُن کو ملتے ہیں جو علوم قرآن کے غواص ہوتے ہیں۔ حضرت ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے عزالدین عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولائے کائنات حیدر کرار رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی چند کرامات اور باطنی کمالات سنائے۔

باب مدینۃ العلم ۔ باطنی علوم ومعارف

حضرت مولیٰ مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی شخص نے پوچھا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

{لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ}۔(الانعام:۵۹)۔

ہر چیز کا علم قرآن میں ہے۔

کوئی چیز ایسی نہیں کہ علم کا مضمون (Subject) تو ہو لیکن قرآن میں نہ ہو۔ اگر واقعی ایسا ہی ہے تو پھر یہ بتائیں کہ میری اس داڑھی (داڑھی کے بال پکڑ کر) کا ذکر قرآن پاک میں ہے؟ آپ نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھا اُس کی داڑھی کے چند ہی بال تھے۔ ایسی داڑھی والے کو چھدرا کہتے ہیں پنجابی میں اُسے بُچا کہتے ہیں عربی زبان میں اُسے اشقر کہتے ہیں۔ یہ شخص منافقین میں سے تھا۔ حضرت حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس سے فرمایا ہاں تیری داڑھی کا ذکر قرآن میں ہے۔ اُس نے پوچھا کہاں ہے؟ میں نے بار بار قرآن پڑھا ہے مجھے میری داڑھی کا ذکر کہیں نہیں ملا۔ آپ نے فرمایا قرآن مجید کی اپنی زبان ہے، قرآن فرماتا ہے:

{وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا}۔(الاعراف:۵۸)

اگر زمین گھٹیا ہو تو اُس کے پودے گھنے نہیں ہوتے۔ اکا دُکا ہی پودا اُگتا ہے۔

اُسے یہ بتا دیا کہ تیری باطنی زمین گھٹیا ہے اس لیے تیری داڑھی چھدری ہے۔ مولیٰ مرتضیٰ نے ایسی تفسیر فرمائی کہ اُس منافق کا اندرونی حاصل واضح کر دیا۔

یہ علوم باطنیہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔ قرآن کے علوم ظاہری سب نے پڑھے ہوتے ہیں مگر اس کے باطنی اسرار ہر کسی کو حاصل نہیں ہوتے۔ علوم ظاہریہ کے پیچھے ایک ایسا باطنی علم ہے جو اللہ والوں سے سینہ بہ سینہ چلتا ہے۔ اُس کی شہادت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث پاک ہے: (اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا)۔(میں علم کا شہر ہوں اور علی اُس کا دروازہ ہے)(۱)

ملی نہ دولت عرفان بجز نگاہ علی
امین راز نبوت ہے بارگاہ علی

سورۂ کہف کی آیت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے:

{اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِیْمِ كَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا}۔(الکہف:۹)۔

اس کے تحت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حیدر کرار کی کرامات ذکر کی ہیں۔فرماتے ہیں کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علم کا موقع بہ موقع اظہار ہوتا تھا اور ظاہری و باطنی کمالات ظہور میں آتے رہتے تھے۔اس کی ایک مثال یہ بیان کی کہ ایک مرتبہ حضرت امیر المؤمنین مولا مرتضیٰ نے ایک چور کے ہاتھ کاٹ دیئے۔راستے میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ملے انہوں نے پوچھا: مَنْ قَطَعَ یَدَکَ تیرا ہاتھ کس نے کاٹا ہے اُسے نے کہا خَتَنُ الرَّسُوْلِ رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے داماد نے۔ زَوْجِ الْبَتُوْلِ حضرت سیّدہ خاتون جنت کے سرتاج نے اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ مسلمان کے سردار نے یعسوب المسلمین مسلمانوں کے بادشاہ نے عَلِیِّ اِبْنِ اَبِیْ طَالِبٍ جن کا نام علی ابن ابی طالب ہے۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ اُنہوں نے تیرا ہاتھ کاٹا ہے اور تو اُن کے قصیدے پڑھ رہا ہے۔

اس نے کہا مَاقَطَعَ یَدِیْ بَلْ خَلَصَنِیْ مِنَ النَّارِ۔ اُنہوں نے میرا ہاتھ نہیں کاٹا میں جہنم کی طرف جا رہا تھا اُنہوں نے میرا ہاتھ کاٹ کے مجھے جہنم سے بچالیا ہے۔ یہ اُن کا احسان ہے۔ میں اُن کے خلاف کوئی رائے نہیں رکھتا۔ یہ بات حضرت مولیٰ مرتضیٰ کو پتہ چلی تو اُسی وقت اُنہیں بلایا کٹا ہوا ہاتھ اُن کے بازو کے ساتھ جوڑ کے اوپر رومال سے باندھ دیا اور چند کلمات پڑھے۔فرمایا رومال کھول دو۔جب کھولا تو دیکھا کہ ہاتھ صحیح حالت میں بازو سے جڑا ہوا ہے۔اور اُس پر خون اور چوٹ کا کوئی نشان نہیں ہے(تفسیر کبیر،جلد 21،صفحہ 434)

بات ہو رہی تھی علامہ عزالدین عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ کی۔ جب شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے باطنی علوم کا تذکرہ کیا تو عزالدین ابن عبدالسلام کہنے لگے کہ یہ تو مولیٰ مرتضیٰ کی باتیں تھیں آپ خود کچھ کر کے دکھائیں تاکہ مجھے کامل یقین حاصل ہو جائے۔آپ سمندر کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔آپ نے کچھ کلمات پڑھ کر سمندر پر پھونک دیا اور عزالدین سے کہا کہ یہاں سے پانی نکال کے پیو۔اُنہوں نے پانی نکال کے پیا پانی لذیذ اور میٹھا تھا۔حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی علیہ الرحمہ نے فرمایا جہاں تک میں نے پھونکا ہوا ہے وہاں تک سمندر میٹھا ہے۔ حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عزالدین! اب تم نے جتنے علوم پڑھے ہوئے ہیں وہ سب پڑھ دو تو پھر بھی سمندر کا پانی میٹھا نہیں ہوگا۔اُس وقت علامہ عزالدین بن عبدالسلام نے کہا کہ آج میں تسلیم کرتا ہوں کہ واقعی جو بات اللہ

والوں سے ملتی ہے وہ کتابوں سے نہیں ملتی۔اس کے بعد وہ باقاعدگی سے حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی کی مجالس میں آنے لگے اور اُن کے ساتھ بیعت اختیار کی حالانکہ اُن کا علمی مقام اتنا بلند ہے کہ شاید ہی اُن کے وقت میں اس زمین پر اُن کے ہم پلہ کوئی عالم ہوا ہو۔

حضرت شیخ ابوالعباس مُرسی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی اور علامہ عزالدین ابن عبدالسلام کے ساتھ حضرت شیخ ابوالعباس مرسی کا ذکر آتا ہے۔علامہ عزالدین ابن عبدالسلام کی حضرت شیخ ابوالعباس مُرسی سے بھی ملاقاتیں ہوئیں اور ایسی بزرگ ہستیوں سے متاثر ہو کر وہ تصوف کی طرف مائل ہوئے۔عطاء اللہ سکندری ایک عالم ہوئے ہیں جو شیخ ابوالعباس مُرسی کے مرید تھے اُنہوں نے اپنے پیر کی حیات مبارکہ کے بارے میں کتاب لکھی ہے جس کا نام ''لطائف المنن'' ہے۔اس میں اُن کا ایک ایمان افروز واقعہ بیان کیا ہے۔

ایک دن حضرت شیخ ابوالعباس مُرسی نے نماز میں تشہد پڑھا (اَلتَّحِیَاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰۃُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ) اتنا پڑھ کر دوبارہ پڑھنا شروع کر دیا اتنا پڑھ کر پھر پڑھنا شروع کر دیا اس طرح بار بار یہی کلمات پڑھتے رہے یہاں تک کہ پانچ سو بار آپ نے متواتر اسے دہرایا۔پانچ سو بار یہی کلمات پڑھنے کے بعد پھر التحیات میں آگے جو پڑھنا تھا پڑھا اور سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہو گئے۔آپ کے ساتھ ہی ایک دوسرا نمازی تھا وہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ یہ بابا بار بار یہ کلمے پڑھتا رہا ہے اور اتنی دیر اس نے نماز پوری کرنے میں لگا دی۔وہ شخص حضرت شیخ سے کہنے لگا محترم آپ کی نماز نہیں ہوئی ہے کیونکہ آپ بار بار التحیات سے وبرکاتہٗ تک پڑھتے رہے ہیں میری گنتی کے مطابق آپ نے پانچ سو مرتبہ پڑھا ہے۔شیخ ابوالعباس مُرسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نماز تیری نہیں ہوئی جو دوسروں کی گنتا رہا ہے میری نماز بالکل صحیح ہوئی ہے۔اُس شخص نے پوچھا آپ بار بار پڑھتے کیوں رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا خدا کے عزت وجلال کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں جتنی مرتبہ تشہد میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے سلام پیش کرتا ہوں (اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ) تو نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے سلام کے جواب سے نوازتے ہیں۔آج جب میں تشہد میں آپ کی بارگاہ اقدس میں سلام عرض کیا تو جواب نہ آیا کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کام میں مصروف تھے اور آپ نے توجہ نہ فرمائی۔اس لیے میں آپ پر سلام پڑھتا رہا اور پڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فارغ ہوئے اور میری طرف نظر کرم فرمائی اور سلام کا جواب ارشاد فرمایا اور پھر باقی آگے پڑھ کر نماز مکمل کی۔اگر سرکار دو عالم

صلی علیہ الصلوٰۃ والسلام آج جواب نہ دیتے تو میں اپنی موت تک اسی طرح پڑھتا رہتا اور بارگاہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام پڑھتے پڑھتے جان جانِ آفرین کے سپرد کر دیتا (لطائف المنن، عطا اللہ سکندری، دار المعارف قاہرہ)

نماز میں مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور

حضرت شیخ ابو العباس مُرسی رحمۃ اللہ علیہ کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کی نماز حضور مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد اور تصور میں ہوتی ہے۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب (احیاء العلوم، جلد اول، صفحہ 314، دار الکتاب العربی، بیروت) میں لکھتے ہیں:

واحضر فی قلبک النبی علیہ الصلوۃ والسلام وشخصہ الکریم وقل "السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" ولیصدق املک فی انہ یبلغہ ویرد علیک ماھو اوفی منہ۔

جب تو تشہد میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ کلمے کہی **السّلام عَلَیکَ ایُّھَا النَّبِیُّ** تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فوٹو (تصویر) دل میں حاضر کیا کر۔ (یہ فوٹو دل کی تختی پر بنانی ہے کاغذ یا پتھر پر نہیں کیونکہ دل پر تصویر کا نقش قائم کرنا منع نہیں جبکہ کاغذ یا پتھر پر تصویر بنانا، ناجائز ہے)

اس لیے تصویر جاناں ہم نے کھینچوائی نہیں
کہ بت گری دین محمد میں کبھی آئی نہیں
دل کے آئینے میں ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی
بے مروت بے رخی سے شیشہ دل کو نہ توڑ
یہ وہی آئینہ ہے جس میں تیری تصویر ہے
(بیدم وارثی)

تشہد میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے سلام عرض کرتے وقت مؤمن کا یہ عقیدہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ میری یہ آواز (میرا اسلام) نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بگوش خود سماعت فرما رہے ہیں ممکن ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سلام کے جواب میں یہ فرماتے ہوں **السَّلَامُ عَلَیکَ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہ' وَمَغْفِرَتُہ' وَعِنَایَتہ'** ہمارے مقابلے میں سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام زیادہ الفاظ کے ساتھ سلام کا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔ {

كُوْنُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ}۔جس طرح عقیدہ صحیح اور سچا ہو اور اعمال بھی اچھے ہوں تو قرآن مجید کے حکم کے مطابق صالحین و صادقین (سچے بندوں) کی سنگت اختیار کرو اور کسی اللہ والے کی بیعت کرو۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پاک ہے: **کما تعیشون تموتون و کما تموتون تبعثون، و کما تبعثون تحشرون** (السیرۃ الحلبیہ، 272/1۔تفسیر روح البیان، جلد دوم، صفحہ 125، بیروت لبنان)

جس طرح زندگی گزارو گے اُسی طرح سے تمہاری موت آئے گی۔جس طرح سے تمہاری موت آئے گی۔اُسی طرح سے قیامت کے دن تمہیں اُٹھایا جائے گا۔جس طرح تمہیں قیامت کے دن اٹھایا جائے گا اسی طرح تمہارا حشر ہوگا۔

اس مجلس میں ہماری بیٹیاں آئی ہیں۔اُنہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں میری نگاہ میں اس دینی محفل میں حاضری کا آپ کا ایک مقصد ہے اور وہ صرف اللہ کی رضا ہے اور اللہ کے اس حکم کی تعمیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔اُمید ہے اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں اس کی کامل جزا مرحمت فرمائے گا۔اللہ میرا اور آپ کا خاتمہ سچے دین پر کرے اور قیامت کے میدان میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جھنڈے کا سایہ نصیب فرمائے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب فرمائے۔آمین ثم آمین۔**بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ و علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔**

روحانی لطائف

اتنی بات یاد رکھیں کہ انسان کا سینہ پسلیوں کے نیچے جہاں سے پیٹ شروع ہوتا ہے وہاں ایک سیدھی لائن ہے اُس لائن پر پانچ ایسی جگہیں ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے انوار وارد ہوتے ہیں۔بعد میں اس کی Theory (اصول مسئلہ، نظریہ) بتائیں گے کہ کہاں یہ کیوں رکھا گیا ہے باقی جگہوں میں کیوں نہیں رکھا گیا؟۔اس جگہ لطیفہ قلب ہے (دل میں) اس جگہ لطیفہ روح ہے۔(دایاں سینہ دائیں پستان سے دو انگشت نیچے) اس جگہ لطیفہ سر ہے (لطیفہ قلب و روح کے درمیان وسط سینہ) اس جگہ لطیفہ خفی ہے۔(وسط پیشانی ہے) ان دونوں کے درمیان لطیفہ اخفی ہے۔یہ ایک بیلٹ (بند) ہے۔بعض بزرگوں نے کہا یہ اوپر کی طرف مائل ہیں (اُم الدماغ ہے یعنی سر کی چوٹی) یہ نیچے کی طرف مائل میں۔جب کوئی بندہ اللہ اللہ کرے تو وہ حرکت کرتے ہیں یہ پتہ چل جاتا ہے کہ وہ کہاں ہیں۔وہ جگہ حرکت کرتی ہے اور اللہ اللہ کرتی ہے ذکر ترتیب سے کرتے ہیں۔جس سے شروع کرتے ہیں وہ قلب ہے پھر جس سے کرتے ہیں وہ روح ہے اس کے بعد سر ہے پھر خفی ہے پھر اخفیٰ ہے۔دل اس لطیفے کا محل ہے یہ نہیں سمجھنا کہ یہ خود لطیفہ ہے یہ اُس لطیفہ کا محل ہے۔سحری کے وقت باوضو ہو کر قبلہ رخ بیٹھ جائیں جس

پیر سے بیعت ہیں اُس کا تصور کریں اور اپنے قلب کو آمنے سامنے رکھ کر اللہ اللہ اللہ کریں۔ زبان تالو سے لگا کر ہونٹ بند کر کے قلب کی زبان سے قلب پر ضربیں لگائیں اور ایسا کرتے جائیں پینتالیس منٹ ہر روز کریں تو اُس کا منشا پورا ہو جاتا ہے۔ ساٹھ دن تک متواتر کریں۔ ساٹھ دن سے پہلے یہ لطیفہ حرکت کرنے لگے گا۔ جتنا زیادہ کریں گے اُتنا جلدی اُس کا اثر ظاہر ہوگا۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ

حواشی

ا۔ حضرت عبداللہ ابن عاص، حضرت علی ابن ابی طالب، حضرت جابر بن عبداللہ انصاری، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے یہ حدیث مرفوعاً مروی ہے (الطبرانی الکبیر، تھذیب الآثار للطبری، مستدرک للحاکم، ابن عساکر، الترمذی، ابن حبان، البخاری)

چوتھا درس قرآن: ۱۹، اپریل ۲۰۰۴ء

ولایت ۔ فنائے قلب

☆.....ترجمہ آیات

☆.....قرب خداوندی کی دعوت

☆.....ولی کے معنی اور قرب خداوندی کا مفہوم

☆.....رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت مرکز ایمان ہے۔

☆.....مزاج محبت

☆.....حدیث قدس۔ بارگاہ الٰہی میں محبوبیت

☆.....نصیحت کی باتیں

☆.....فنائے قلب قرآن حکیم کی روشنی میں

☆.....ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ۔ عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم

☆.....مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ۔ مدینہ شریف میں معلم اول۔ سورۂ یوسف اور درس محبت

☆.....حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ایمانی حرارت

☆.....محبت کی دکان

☆.....حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔ فتنہ خلق قرآن کا شدید درد

☆.....توبہ

☆.....نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار اقدس میں حاضری کی کیفیات

ولایت۔فنائے قلب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أَلا إِنَّ أَوْلِيَاء اللّهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ oالَّذِيْنَ آمَنُواْ وَكَانُواْ يَتَّقُونَ oلَهُمُ الْبُشْرَى فِيْ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِيْ الآخِرَةِ لاَ تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُo وَلاَ يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلّهِ جَمِيْعاً هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ oأَلا إِنَّ لِلّهِ مَن فِيْ السَّمَاوَاتِ وَمَن فِيْ الأَرْضِ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللّهِ شُرَكَاء إِن يَتَّبِعُونَ إِلاَّ الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلاَّ يَخْرُصُونo. (یونس: ۶۲۔۶۶)

حضرت حق جل وعلیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔خبردار بیشک جو اللہ کے دوست ہیں اُن پر کسی قسم کا کوئی خوف نہیں اور نہ ہی وہ کوئی غم کھائیں اور وہ وہ لوگ ہیں جن کا عقیدہ سچا ہے اور وہ متقی ہیں۔(ایمان عقیدہ صحیحہ کا نام ہے اور اللہ کی ناراضگی کا باعث بننے والے کاموں سے بچتے ہیں۔یہ تقویٰ ہے) دنیوی زندگی میں اُن کے لیے بشارت ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی اُن کے لیے خوشخبری ہے۔اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہے۔(اللہ کے حکم اور فیصلوں میں ترمیم لانے کے لیے کسی نیشنل اسمبلی، کسی Legislative Council (مجلس قانون ساز) اور کسی سپریم کورٹ کے پاس Power (اختیار) نہیں ہے) اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔(ذالک مشارٌ الیہ Demonstrative Noun ہے۔یہ بتاتا ہے کہ دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی میں خوش خبری بہت بڑی کامیابی ہے)۔اے محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی باتیں آپ کو غمزدہ نہ کریں۔ساری عزتیں سارے غلبے بلاشرکت غیر اللہ ہی کا حق ہے۔وہی سبھی کچھ جاننے والا اور سننے والا ہے۔خبردار۔جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب کا مالک اللہ ہے۔اور نہیں پیروی کرتے وہ لوگ جو اللہ کو چھوڑ کے دوسروں کی پوجا کرتے ہیں مگر محض تخمینہ وظن، اٹکل پچو باتوں کی پیروی کرتے ہیں اور اسی کے ذریعے اپنی زندگی کو چلاتے ہیں۔

یہ ان آیات کا تحت اللفظ ترجمہ ہے جو آپ خواتین کے گوش گزار ہوا۔(۱)

قرب خداوندی کی دعوت

بندگان خاص جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے دوست ہیں اُن کا ذکر پاک ان آیات میں ہو رہا ہے پیغمبری جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات پر ختم ہوگئی۔ صحابیت اُن لوگوں پر ختم ہوگئی جو نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محفل میں بیٹھنے والے تھے۔ اب جو فیضان کا دروازہ قیامت تک کھلا ہوا ہے وہ ولایت یعنی اللہ کی دوستی کا دروازہ ہے۔ جو بھی خدا کی مخلوقات میں صورت انسانی رکھتا ہے، وہ ادراک رکھتا ہے اور احکام الٰہی کو سمجھتا ہے اور ان احکام کی تعمیل کر سکتا ہے۔ بلا امتیاز مرد، عورت، رنگ ونسل، زبان ووطن، سب کے لیے دعوت عام ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ اے مسلمانو! قیامت کے میدان میں تمہارا یہ عذر سننے کے قابل نہیں ہوگا کہ تم بہت دیر سے آئے ہو۔ یہاں دیر کا عذر کسی طرح قابل قبول نہیں۔ کیونکہ نہ ہم تمہیں نبوت کی دعوت دے رہے ہیں کیونکہ نبوت تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ختم ہوگئی اور نہ ہی ہم تمہیں صحابیت کی دعوت دے رہیں کیونکہ صحابیت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار پر ختم ہوگئی۔ مختصر الفاظ میں نبوت کا دروازہ بھی بند اور صحابیت کا دروازہ بھی بند ہوگیا۔ ہم اللہ کا دوست بننے کی دعوت دے رہے ہیں اللہ کی دوستی کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا۔ اور یہ کام سب عاقل بالغ مرد وخواتین کے لیے ممکن ہے۔

ولی کے معنیٰ اور قرب خداوندی کا مفہوم

قرآن کریم نے اللہ کے دوستوں کی یہ فضیلت بیان فرمائی کہ {لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ} ۔ اللہ کے ساتھ دوستی بن جائے تو اُس بندے کے لیے یہ راحت اور امن سکون کا پیغام ہے کہ نہ اُسے کسی کا خوف رہے اور نہ ہی غم رہے۔ اللہ کریم نے دو منزلوں کا ذکر کیا جن پر اللہ کی دوستی کا انحصار ہے وہ ہے: {اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ} ۔ صحیح عقیدہ اور صحیح عمل۔ صوفیاء کی بولی میں ان کا نام ہے۔ فنائے قلب اور فنائے نفس۔

صوفیاء کی اِن اصطلاحات کی تعریف اور تشریح سے پہلے لفظ ولی کے اشتقاق (ایک کلمے سے دوسرا کلمہ بنانا) پر غور کرتے ہیں کہ اس کا Infinitive Verb (فعل مطلق۔ مصدر) کیا ہے؟ اور یہ اس سے کس طرح Derive (نکلنا) ہوا ہے۔ یعنی لفظ ولی کس لفظ سے بنا ہے اور اُس کے معنیٰ کیا ہیں؟ لفظ ولی لفظ ولایت سے بنا ہے۔ ایک لفظ ولا ہے اُس سے اَلْوَلْی ہے اور یہ لفظ وَلِیٌّ ہے۔ ی پر تشدید یا شد (Duplication) ہے اَلْوَلِیُّ وَلْوِلَایَۃُ وَلْوِلَائُ وَالْمُوْلَات۔ اِن سب کے معنیٰ قریب کے ہیں۔ اس طرح معنیٰ ہوں گے اللہ کے قریب۔ لیکن اس مقام پر یہ معنیٰ نہیں ہوں گے۔ بلکہ دوست بنانا اور پیار کرنا معنیٰ ہوں گے۔ کیونکہ اللہ کی ذات بابرکات کا قرب تو پوری کائنات کے ہر ہر فرد کو حاصل ہے جیسا کہ قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے:

{نحْنُ اَقْرَبُ اِلیہ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد}۔(میں (رب تعالیٰ) انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں)۔اس طرح اللہ کا قرب ہر ایک کو حاصل ہے۔مگر اس جگہ جہاں اللہ کی دوستی کی بات ہو رہی وہ محض قریب ہونا مراد نہیں۔ایسی صورت میں قریب یا قرب کی دو قسمیں ہوسکتی ہیں۔

(۱) قریب ہونا بطور تدبیر اور انتظام کے۔(۲) قریب ہونا باعتبار محبت کے۔

ہر ایک کی شہ رگ سے اللہ کا قریب ہونا قرب ایجاد ہے۔اگر اللہ کا قرب کائنات کے کسی فرد کو حاصل نہ ہو تو وہ معرض وجود میں ہی نہیں آ سکتا۔اس قرب میں محبت کا عنصر شامل نہیں ہوتا لیکن دوسری صورت میں قرب میں محبت کا عنصر پایا جاتا ہے۔اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات کے ساتھ قرب محبت حاصل ہو اور یہ قرب محبت ولایت کے اندر داخل ہے۔اس کے حاصل معنیٰ یہ ہوں گے کہ جو محبت کے اصولوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کے قریب ہو یا اللہ محبت سے اُسے اپنے قریب کرلے تو وہ اللہ کا دوست بن جاتا ہے۔اس دوستی کے لیے بنیادی Principle (اصول) ایمان کا صحیح ہونا ہے۔پہلے کسی کے اعمال پر غور نہیں کرنا ہے۔یعنی محض ظاہری تقویٰ، مسجد، کتب خانہ، مدرسہ، داڑھی، لمبا جبہ، دستار، لمبے بال وغیرہ نہیں دیکھنا۔بلکہ اُس کے عقیدہ صحیحہ (ایمان) پر غور کرنا ہے۔عقیدہ صحیحہ کے لیے پہلی بنیادی بات کون سی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت مرکز ایمان ہے۔کتب صحاح میں حدیث شریف ہے۔حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔(بخاری جلد اول، کتاب الایمان)

ترجمہ: (حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایمان دار نہ ہوگا جب تک اس کے والد اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ اس کے دل میں میری محبت نہ ہوجائے)۔

یعنی جب تک میری محبت باپوں کی محبت پر اولادوں اور سارے تعلقات کی محبتوں پر غالب نہ آجائے اُس وقت تک کوئی مؤمن مؤمن نہیں ہوسکتا۔

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں: یارسول اللّٰہ لاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِلا من نفسی۔(یارسول اللہ آپ ساری کائنات سے مجھے پیارے ہیں سوائے میری اپنی جان کے جو میرے دو پہلوؤں میں ہے)۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(لا و الذی نفسی بیدہ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیکِ مِنْ نَفْسک)۔ جب تک میں تمہاری جان سے بھی زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں اُس وقت تک بھی کوئی مومن مومن نہیں کہلا سکتا۔ اُس وقت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ میں سو جان سے آپ پر قربان۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری جان سے بھی مجھے پیارے ہیں۔ اُس وقت سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلْاٰنَ یَاعُمَرُ۔ اے عمر! اب بات بنی ہے۔ (بخاری شریف، کتاب الایمان، جلد اوّل، صفحہ ۶)

یہ وہ لوگ تھے جو ہجرت کر چکے تھے، جہاد کر چکے تھے، جان و مال کی قربانیاں دے چکے تھے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دکھوں میں پوری شرکت بھی کر چکے تھے۔ مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تکمیل ایمان کے لیے ساری کائنات کے مقابلے میں مجھ (اللہ کے رسول) سے زیادہ محبت کرنا ہوگی۔ جب یہ فیصلہ ہو گیا کہ محبت کا دوسرا نام ایمان ہے اور ایمان کا دوسرا نام محبت ہے۔ تو پھر مزاج محبت کی جستجو کرنا ہوگی۔

مزاج محبت

سرکار تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی:

حُبُّکَ الشیئَ یُعْمی و یُصِمّ۔ (مسند احمد بن حنبل، ابوداؤد)

(کسی چیز کی محبت جب آ کے دامن گیر ہو تو وہ تجھے اندھا بھی کر دے گی اور بہرہ بھی کر دے گی)۔

معنیٰ یہ ہے کہ چاہنے والے کو محبوب کا نہ کوئی عیب نظر آتا ہے اور نہ سنائی دیتا ہے۔ نہ وہ خود دیکھ سکتا ہے اور نہ کسی کو دکھا سکتا ہے۔ نہ سن سکتا ہے اور نہ سنا سکتا ہے۔

اس سے پتہ چل گیا کہ عیب کی قسم کی کوئی بات محبوب کبریا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کوئی شخص منسوب کرے تو وہ ایمان میں جھوٹا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا کہ میرے ساتھ کمال درجے کی محبت جب تک نہ ہو وہ مومن ہو سکتا ہی نہیں۔ ایسا آدمی خواہ اُس نے داڑھی رکھی ہوئی ہے۔ لمبا کرتا پہنا ہوا ہے۔ مدرسے میں پڑھاتا ہے مسجد میں وعظ کرتا ہے، کتابیں تصنیف کرتا ہے۔ دینی ادارے کا مہتمم ہے دین اور پرہیزگاری کا دعویٰ کرتا ہے۔ لیکن عیب اور نقص کی باتیں اللہ کی محبوب ترین ہستی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرے وہ حقیقتاً حب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محروم ہے اور جس میں محبوب خدا کی محبت نہیں وہ دولت ایمان سے یکسر محروم ہے۔

بعض ایسے لوگوں نے جو دین داری اور تقویٰ کے دعویدار ہیں اُنہوں نے بارگاہ نبوت و رسالت میں ایسی بے ادبی کی باتیں کی ہیں۔ مثلاً ان کا یہ کہنا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام مٹی میں مل کے مٹی ہو گئے ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) کتنا

عیب دار جملہ ہے۔ ایسا کہنا انتہائی حرام ہے۔ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث مرفوع ہے: عَنْ أَبِی الدَّرْدَآءِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ: أَکْثِرُوا الصَّلَاۃَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ، فَإِنَّہٗ مَشْھُودٌ، تَشْھَدُہُ الْمَلَائِکَۃُ، وَإِنَّ أَحَدًا لَنْ یُصَلِّیَ عَلَیَّ، إِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلَاتُہُ، حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْھَا قَالَ: قُلْتُ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟ قَالَ: وَبَعْدَ الْمَوْتِ، إِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْأَرْضِ أَنْ تَأْکُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِیَاءِ، فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ (سنن ابن ماجہ، 1 رقم 1637)

(مجھ پر جمعہ کے دن بہت زیادہ درود وسلام پڑھا کرو بے شک اس میں شمولیت کے لیے فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور کوئی بھی آدمی مجھ پر درود (وسلام) پڑھتا رہتا ہے اس کا درود (وسلام) مجھ پر پیش کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس سے فارغ ہو۔ راوی کہتے ہیں عرض کی وفات کے بعد بھی؟ فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر نبیوں کے جسموں کو نقصان پہنچانا حرام کر دیا ہے پس اللہ کے نبی زندہ ہیں انہیں رزق ملتا ہے)

پروردگار عالم نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ نبیوں کے اجسام (Bodies) کو کھائے۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں اُسی طرح ہوتے ہیں جس طرح اس دنیا میں اُن کے جسم ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی}۔ (والضحیٰ۔ ۴)

(اور آخرت تمہارے لیے پہلی (حالت یعنی دنیا) سے کہیں بہتر ہے)

اے پیارے! پہلے سے تیری حالت زیادہ اچھی ہے اور روز بروز اچھی ہوتی رہے گی۔

ظاہری موت کے بعد انبیاء و رسول علیہم السلام کے درجات و مراتب میں کمی نہیں آتی بلکہ وہ ترقی کرتے جاتے ہیں۔ اسی طرح اُن کے اجساد مبارکہ کو قبر میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا بلکہ وہ پہلے سے بھی زیادہ اچھی حالت میں ہوتے ہیں۔

اگر کوئی یہ گستاخانہ کلمہ کہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ مجھے دیوار کے پیچھے کا بھی پتہ نہیں۔ تو یہ کس قدر قابل گرفت بات ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کہے کہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ جانتے ہی نہیں (استغفر اللہ)۔ یہی جملہ کسی سیاسی لیڈر کے بارے میں کہا جائے تو کیا وہ اس جملے کو اپنے حق میں اچھا سمجھے گا؟ وہ یقینا اسے اپنے حق میں عیب سمجھے گا۔ اگر ایک عام سیاسی لیڈر کے بارے میں یہ عیب ہے تو اللہ کے نبی کے بارے میں یہ کس طرح بے عیب ہو سکتا ہے۔

کسی نقص کے جویاں نے یہ کہا کہ نبی کو یہ پتہ نہیں کہ کل قیامت کو میرا کیا حشر ہوگا اور میری اُمت کا کیا حشر ہوگا۔ اگر نبی کو اپنے اور اُمتی کے حشر کا ہی پتہ نہیں تو تیری تبلیغ کس لیے ہے؟ اس برے عقیدے سے تو دین کی تعلیمات اور اشاعت

کا مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے۔ ایک سچے مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا بھی پتہ ہے اور اپنی اُمت کے حشر کا بھی پتہ ہے اور یہ عقیدہ قرآن مجید نے دیا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی (والضحیٰ۔۵)

(اور تمہیں پروردگار عنقریب وہ کچھ عطا فرمائے گا کہ تم خوش ہوجاؤ گے)

یعنی اے محبوب روٹھنا تیرا کام ہے اور راضی کرنا میرا (رب) کا کام ہے۔

رب تعالیٰ اپنے محبوب کی رضا چاہتا ہے۔ اور ہر حال میں اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی رکھنا چاہتا ہے۔ معلوم ہوا کہ رب نے اپنے حبیب کو راضی کرنے کی سند عطاء کردی ہے تو پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے اور اپنی اُمت کے حشر کا پتہ نہ ہو۔

قال (وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی) قال: یاربی لا ارضی و واحد من امتی فی النار (تفسیر درمنثور، جلد ۸ صفحہ 542)

(فرمایا اے میرے اللہ جب تک میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہے میں کبھی بھی راضی نہیں ہوں گا)

عن ابی سعید الخدری عن النبی قال یدخل اهل الجنة الجنة و اهل النار النار ثم یقول اللّٰہ تعالیٰ: أخرجوا من النار من کان فی قلبه مثقال حبة من خردل من إیمان فیخرجون منها (بخاری شریف، کتاب الایمان، باب تفاضل اهل الایمان فی الاعمال)

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا جنتی جنت میں داخل ہوں گے اور جہنمی جہنم میں داخل ہوں گے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو اسے جہنم سے نکال دو پس اسے جہنم سے نکال دیا جائے گا)

فرمایا اے میرے اللہ جب تک میرا ایک اُمتی بھی دوزخ میں ہے میں کبھی بھی راضی نہیں ہوں گا رب نے فرمایا محبوب! تجھے راضی کر کے چھوڑ دوں گا۔ اس کا مطلب ہے جس جس کو اے محبوب! تو اُمتی کہتا جائے گا اُس کو میں دوزخ سے آزاد کرتا چلا جاؤں گا۔ معلوم ہوا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی آخرت و عاقبت کا بھی پتہ ہے اور اپنی اُمت کے بارے میں بھی سب کچھ معلوم ہے ولایت ملنے یا عطا ہونے کے سلسلے میں عقیدے کا بنیادی کردار ہے۔ صحیح عقیدے کا مدار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے۔ خدا کے ساتھ دوستی کی پہلی منزل سچے دل سے کلمہ حق پڑھنا اور صحیح عقیدے پر

قائم رہنا ہے۔

اگلی منزل جو انتہائی درجے کی منزل ہے وہ اللہ کی محبت کے ساتھ قرب خاص ہے۔

حدیث قدسی ۔ بارگاہ الٰہی میں محبوبیت

جس جگہ متکلم اللہ کی ذات ہو۔ بات اللہ کی طرف سے ہو رہی ہو اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسے روایت فرمائیں تو اس حدیث کو حدیث قدسی کہتے ہیں یہ کلام اللہ کا ہوتا ہے مگر قرآن کا کلام نہیں ہوتا۔

اللہ کی محبت اور دوستی کی انتہائی منزل بخاری شریف کے متن میں ایک حدیث قدسی میں بیان ہوتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں:

عن أبی هریرة رضی الله عنه، قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :(إن الله تعالی قال: من عادی لی ولیاً فقد آذنته بالحرب، وما تقرب إلیّ عبدی بشیء أحب إلیّ مما افترضته علیه، ولا یزال عبدی یتقرب إلیّ بالنوافل حتی أحبه، فإذا أحببته کنت سمعه الذی یسمع به، وبصره الذی یبصر به، ویده التی یبطش بها، ورجله التی یمشی بها، ولئن سألنی لأعطینه، ولئن استعاذنی لأعیذنه ۔ (بخاری شریف، جلد دوم، کتاب الرقاق ، باب التواضع، حدیث نمبر ۶۵۰۲)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے ولی (دوست) سے بغض رکھا میرا اُس سے اعلان جنگ ہے اور جن چیزوں سے بندہ مجھ سے نزدیک ہوتا ہے اُن میں سب سے زیادہ محبوب چیز میرے نزدیک فرائض ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے ہمیشہ میری نزدیکی حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں۔ پھر جب وہ میرا محبوب بن جاتا ہے تو میں اُس کے وہ کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے میں اُس کی وہ آنکھیں بن جاتا ہوں جن آنکھوں سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اُس کے وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے۔ میں اُس کے وہ پاؤں بن جاتا ہوں جن پاؤں سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اُسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگ کر کسی بری چیز سے بچنا چاہے تو میں اُسے ضرور بچاتا ہوں)۔

بندے کو رب کی بارگاہ میں اتنا قرب حاصل ہو جاتا ہے کہ رب اپنے بندے کی زبان بن جاتا ہے۔ رب اُس کی آنکھیں بن جاتا ہے۔ رب اُس کے ہاتھ بن جاتا ہے رب اُس کے کان بن جاتا ہے، رب اُس کے پاؤں بن جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا ولی قرب الٰہی کی وجہ سے اپنے رب کی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے۔ جب بندے کا دیکھنا، سننا، چلنا

سب کچھ رب کی طرف سے ہو جائے تو پھر دور اور نزدیک کی کوئی بحث باقی نہیں رہ جاتی۔ دور و نزدیک وہ دیکھ سکتا ہے اور اسی طرح سن سکتا ہے کیونکہ وہ رب کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور رب کے کانوں سے سنتا ہے۔ اسی طرح اللہ کے ولی کے پاؤں کے لیے دور و قریب ایک ہی ہو جاتا ہے۔ ایک پاؤں مشرق میں ہے اور دوسرا مغرب میں ہے، یہ ولی اللہ کے لیے ممکن ہے۔

نصیحت کی باتیں

(جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا گیا کہ قبلہ عالم حضرت مفکر اسلام شاہ صاحب دامت برکاتہم العالی کے اس درس میں خواتین مخاطب تھیں۔ اسی لیے خصوصاً خواتین کو خطاب فرما کر چند نصیحت کی باتیں ارشاد فرمائیں)۔

اس وقت جتنی بھی ہماری بیٹیاں اور بہنیں بیٹھی ہوئی ہو۔ آپ کے لیے بارگاہ الٰہی میں قرب اور دوستی کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ آپ اللہ کی عبادت کریں اور خداوند قدوس کے قریب ہوں۔ آپ (عورتوں) کے لیے یہ زیادہ چانس (موقع) ہے کہ مردوں کی نسبت آپ ذکر و عبادت کے لیے زیادہ وقت دے سکتی ہیں۔ مرد باہر کے کام نبٹاتے ہیں محنت مزدوری کرتے ہیں اور اُن کی کمائی سے گھر کے اخراجات چلتے ہیں۔ آپ گھر سنبھالیں۔ بچوں کی پرورش اچھی طرح کریں اپنے مرد سے وفا کریں۔ گھر میں دینی ماحول پیدا کریں جب بچے دین سیکھیں گے تو وہ اللہ اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پیار کریں گے۔ اللہ اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہچان بچوں کو کرائیں اور اُن کی محبت کے دروازے اُن پر کھولیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر وہ اپنے ماں باپ سے محبت کریں گے اور اُن کے ادب اور خدمت کا جذبہ اولاد میں پیدا ہوگا۔ جس دل میں اللہ اور رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت اور تعظیم مکمل طور پر نہیں ہوگی اُس سے ماں باپ کی عزت اور محبت کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ قرآن و حدیث سے ہی آپ کے بچے یہ سیکھ سکتے ہیں کہ ماں باپ کی دعا میں اولاد کے لیے کتنا اثر ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس طرح پیغمبر کی دعا اُمتی کو لگتی ہے اسی طرح ماں باپ کی دعا اپنی اولاد کو لگتی ہے۔ ماں باپ کچھ بھی ہوں، ان پڑھ ہوں، عصر حاضر کے حالات اور روز افزوں ترقی کے ذرائع سے ناواقف ہوں جبکہ بیٹے بیٹیاں پڑھے لکھے ہوں۔ جدید دور کے سائنسی علوم میں Qualified (استعداد، قابلیت) ہوں۔ دنیا میں اولاد کا کتنا بھی بلند معیار ہی کیوں نہ ہو لیکن ماں باپ کا اپنا درجہ و مرتبہ ہے۔ جس سے اولاد چشم پوشی نہیں کرسکتی۔ ماں باپ کی دعائیں سمندر کی موجیں روک سکتی ہیں۔ کڑکتی بجلی کو راستے میں روک سکتی ہیں مسجدوں اور مدرسوں میں اتنا Close Contact (قریبی رابطہ) نہیں ہوتا جتنا ایک مخصوص محفل میں ہوتا ہے۔ ہماری اس بچی (قاضی عبدالغفور قادری جیلانی کی اہلیہ مراد ہے) کو اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے اس نے اس پاکیزہ محفل کا گھر میں بندوبست کیا ہے آپ قریب بیٹھ کر بڑی اچھی طرح دین کی یہ باتیں سن رہی ہیں۔

فنائے قلب قرآن حکیم کی روشنی میں

محبت کی منازل کا ذکر ہو رہا ہے اس سے پہلے حدیث قدسی بیان کی گئی تھی۔ اب یہ بتاتے ہیں کہ قرآن حکیم کے ارشاد کی روشنی میں محبت کی منزلوں کو طے کرتے کرتے کہاں تک پہنچا جا سکتا ہے۔ یہ ایک روحانی منزل ہے جسے فنائے قلب کہا جاتا ہے۔

اللہ جل شانہٗ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ۔ (المجادلہ:۲۲)

(اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ پر ایمان لانے والے لوگ، اللہ اور یوم قیامت پر ایمان رکھنے والے لوگ آپ کبھی نہیں پائیں گے کہ اُن کو دوست رکھیں جو اللہ اور اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جھگڑا رکھتے ہوں یعنی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت نہ رکھتے ہوں)۔

اللہ سے محبت یا نفرت کا براہ راست کوئی ذریعہ نہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت اللہ سے محبت ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے نفرت اللہ سے نفرت ہے۔ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ایمان کے معنیٰ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اعلیٰ درجے کی محبت ہے۔ اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہی پیار نہیں کرتے بلکہ جو جو آپ سے منہ موڑتا ہوا اور آپ سے پیار نہ کرتا ہو تو وہ اُسے قبول نہیں کرتے خواہ وہ اُن کا ہم وطن ہو، اُن کی بولی بولتا ہو، اُن کی برادری کا ہو، خواہ اُن کا باپ، بیٹا، بھائی لگتا ہو۔ اہلِ ولایت کا دل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں اتنا غرق ہو چکا ہوتا ہے کہ کوئی قریب سے قریب تر رشتہ اگر دروازہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو Avoid (چھوڑ) کر کے آئے تو سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چاہنے والا اُسے قبول نہیں کرتا۔ فطری طور پر باپ کو بیٹے سے بیٹے کو باپ سے بھائی کو بھائی سے اس طرح تمام رشتوں کو ایک دوسرے سے پیار ہوتا ہے۔ لیکن رب فرماتا ہے کہ اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن (ایمان والوں) کا دِل میری اور تیری محبت میں فنا ہو چکا ہے (فنائے قلب اُنہیں حاصل ہے) وہ اُسی سے محبت کرتے ہیں جو ہم سے محبت کرتے ہیں۔ اگر کسی کا باپ تجھ (رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے پیار نہیں کرتا تو اُسے وہ باپ قبول نہیں۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ ۔ عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم

حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن دس بزرگ صحابہ کرام میں سے ہیں جن کے جنتی ہونے کی خوش خبری سرکار تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی خوشگوار فضاؤں میں سنائی۔ جب یہ اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں بیت المقدس شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آرزو پر حکم ہوا کہ ادھر (خانہ کعبہ شریف کی طرف) منہ کرلو جدھر تمہاری مرضی ہے۔ نماز ادا کرتے ہوئے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خانہ کعبہ شریف کی طرف رخ کرلیا اور اُسے قبلہ بنالیا۔ سارے لوگ پیچھے نہ مڑ سکے لیکن دس اصحاب ساتھ ہی پیروی کرتے ہوئے کعبہ شریف کی طرف مڑ گئے۔ باقی لوگ کیوں نہ مڑے تھے؟ اُن کا خیال تھا کہ شاید نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھول لگ گئی ہو۔ لیکن ان دس صحابہ رضی اللہ عنہم کا جذبہ ایمان تھا کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھول لگے یا نہ لگے ہم یہ فیصلہ کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ ہمیں بغیر کسی تامل کے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چلنا ہے۔ ہمارے نزدیک تو نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کا ہر کام اور ہر ادا واجب التسلیم واتباع ہے۔ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز کے دوران قبلہ تبدیل کیا اور ہم نے قبلے کی پیروی نہیں کرنی بلکہ اپنے محبوب آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کرنی ہے۔ رب کریم نے اُن دس اصحاب کے جنتی ہونے کی خوشخبری نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُسی دن بیک وقت سنادی۔

جنت کا فیصلہ قیامت کو ہوگا۔ حساب وکتاب کے بعد ہوگا۔ نیکیاں زیادہ ہوں گی بدیاں کم ہوں گی تو جنت ملے گی۔ ابھی قیامت آئی نہیں حساب ہوا نہیں اِن دس صحابہ کرام کو جنت پہلے ہی عطا کردی گئی۔ کیوں عطا کی گئی؟ حقیقت یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں یہ ایسی منزل پر پہنچ گئے ہیں کہ جہاں اُنہوں نے نماز کے ہونے نہ ہونے کا پاس نہیں کیا جدھر حبیب کبریا علیہ الصلوۃ والسلام کا رخ انور مڑ گیا اُدھر وہ مڑ گئے۔ اولیت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی ہے۔ قبلے کو عبادات کو دوسرا درجہ دیا ہے:

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں
اصل الاصول بندگی اُس تاجور کی ہے
(اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

ان کی محبت کی وجہ سے اُس قانون سے اللہ نے اُنہیں Exempt (مستثنیٰ) کردیا کہ قیامت کو حساب وکتاب کے بعد جنت ملے گی۔

حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ نے تحویل قبلہ میں بیت المقدس سے کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ میرے لیے حب رسول سب محبتوں پر غالب ہے۔ اسی غلبہ محبت کا کمال اُنہوں نے میدان بدر میں ظاہر کیا جب اُن کا باپ ان کی تلوار کی زد میں آیا تو اُنہوں نے اُسے نہیں چھوڑا۔ تلوار مار کر گردن اُڑا دی اور سر اُٹھا کر سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں پیش کر دیا۔ باپ کو باپ نہیں سمجھا بلکہ دشمن رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھا اور بتا دیا کہ میرے لیے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ساری محبتوں پر غالب ہے اگر ایسا نہ ہو تو کوئی مؤمن نہیں کہلا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیات کے ذریعے سے وضاحت فرما دی۔ اے محبوب! یہ سچے مؤمن ہیں۔ سچے ہیں جب ہی باپ کو بھی نہیں بخشا۔ فطری تقاضا تو یہی ہے کہ باپ باپ ہے مگر نظریاتی تقاضے اتنے غالب آ گئے کہ یہ دونوں محبتیں (ایمان اور رشتے کی محبتیں) آپس میں ٹکرائیں تو باپ کی محبت کو نظر انداز کر دیا اور ایمان کی محبت (جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے) کو زندہ رکھا۔

حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ۔ مدینہ شریف میں معلم اوّل سورۂ یوسف اور درس محبت

حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ کے First Teacher (پہلے اُستاد) ہیں اور اہلِ مدینہ کو اُنہوں نے قرآن مجید کی سورۂ یوسف کی تعلیم دی یہ علم تفسیر کا ایک بنیادی مسئلہ ہے کہ قرآن مجید سارا ایک ہی بار نازل نہیں کیا گیا بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا۔ لیکن قرآن کے مکمل نزول کا انتظار نہیں کیا۔ جیسے جیسے نازل ہوتا گیا اُتنا نازل شدہ قرآن کا حصہ کسی اہم صحابی جو Competent (اہل) تھے اُن کے ذریعے مختلف علاقوں میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجتے رہے۔ مدینہ شریف میں قرآن کریم کا جو حصہ سب سے پہلے بھیجا وہ سورۂ یوسف ہے۔ مدینہ شریف میں اس سورۂ شریف کو پڑھانے کی ذمہ داری حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ کو سونپی گئی۔

مسلم شریف میں حدیث ہے جسے حدیثِ ہجرت کہتے ہیں۔ جس دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ شریف میں نزول اجلال فرمایا اُس دن اہل مدینہ کی خوشی کا عجیب سماں تھا۔ شہر مدینہ کے گلی کوچوں میں رونق دیدنی تھی۔ حدیث شریف کے الفاظ میں:

فصعد الرجال و النساء فوق البیوت، و تفرق الغلمان و الخدم فی الطرق، ینادون: یا محمد، یا رسول اللہ، یا محمد، یا رسول اللہ۔ (صحیح مسلم، کتاب الزہد کی آخری حدیث، جلد دوم)

(مرد عورتیں بوڑھے بچے گلیوں میں دوڑتے اور مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور وہ اونچی آواز سے نعرے لگا رہے تھے: یا محمد، یا رسول اللہ، یا محمد، یا رسول اللہ)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مکہ شریف جہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی وہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جلوس نہیں نکلا اور مدینہ شریف والوں کو تو ابھی تک پوری آشنائی ہی نہ تھی اُنہوں نے جلوس کیوں نکالا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس Teacher (مصعب ابن عمیر) کی Teachings (تعلیم) کیفیات محبت سے تعلق رکھتی تھی۔ سورۂ یوسف میں محبت کا موضوع چھیڑا گیا ہے۔ جس وقت زنان مصر کو بلا کر جناب زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کا تعارف کرانا چاہا تو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اچھی طرح تیار ہونے کے لیے کہا تا کہ وہ اُن عورتوں کے سامنے آ کر بات کریں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک نوجوان آدمی جو بے حد خوبصورت ہو اچھی طرح بن سنور کر غیر محرم عورتوں کے سامنے آئے، تو بزرگ لکھتے ہیں ایسا کرنا مناسب نہیں ہے۔ تو پھر پیغمبر، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے جناب زلیخا کو انکار کر دیا تھا کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ جناب زلیخا نے گذارش کی کہ آپ مہربانی فرمائیں اور چلیں اور وعدہ کیا کہ میں نے جو آپ کو تہمت دی ہے اُس کے بارے میں سب کے سامنے اعلان کر دوں گی کہ سارا قصور میرا ہے اور آپ پر میں نے غلط الزام لگایا تھا۔ اس عذر کی وجہ سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زلیخا کی بات مان لی۔ اور ایسی صورت میں آپ کا عورتوں کے سامنے آنا جائز تھا حضرت یوسف علیہ السلام انتہائی قیمتی اور خوبصورت لباس زیب تن کیا ہوا تھا، سامنے ایک پردہ تھا جس کے پیچھے آپ تیار ہو کر بیٹھے۔ سبز ریشم کا لباس تھا (ریشم شریعت اسلامیہ میں مرد کے لیے حرام ہے مگر اُس وقت منع نہیں تھا)۔ اس پر سفید رنگ کے ڈورے ڈلے ہوئے تھے اور سفید رنگ کے موتی جڑے ہوئے تھے۔ جھالریں لگی ہوئی تھیں۔ سبز رنگ کی ٹوپی پہنی ہوئی تھی اُس کے اوپر سفید ریشمی پٹیاں تھیں۔ ان کے ساتھ جالریں لٹک رہی تھیں اور ان میں موتی پروئے ہوئے تھے۔ نعلین پر بھی ریشم لگا ہوا تھا اور اُن پر بھی سفید موتی لگے ہوئے تھے۔ آپ کے لمبے لمبے گیسو تھے۔ بڑے صحت منداور خوبصورت انسان تھے۔ اب کمرے میں عورتیں بے قراری سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا انتظار کر رہی ہیں۔ جناب زلیخا عورتوں کو بار بار کہتی تھیں کہ ذرا صبر کرو بس وہ آنے ہی لگے ہیں۔ اس طرح اُن کی بے قراری زیادہ ہوتی جاتی تھی بالآخر پردہ اُٹھایا اور حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سب کے سامنے جلوہ فرما ہوئے۔ تو سب زنان مصر اپنے ہوش کھو بیٹھیں اور ایک محویت اُن پر طاری ہوگئی۔

قرآن فرماتا ہے: فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ (سورۂ یوسف ۳۱)

(جب عورتوں نے ان کو دیکھا تو ان کا رعب (حسن) ان پر ایسا چھا گیا کہ (پھل تراشتے تراشتے) اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور بے ساختہ بول اُٹھیں کہ سبحان اللہ یہ آدمی نہیں کوئی بزرگ فرشتہ ہے)

زنان مصر نے شور مچایا اپنے ہاتھ کاٹ لیے کہا یہ تو انسان نہیں ہے یہ تو کوئی آسمانی قدسی ہے۔ اتنا خوبصورت انسان ہم نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بولنے لگیں اور یوسف علیہ السلام کے اوصاف بیان کرنے لگیں۔

حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ میں سورۂ یوسف اس ادا سے پڑھائی کہ اُنہیں سمجھ آ گیا اور محبت کا سارا منظر اُن کے دلوں اور دماغوں میں مرتکز ہو گیا کہ جب محبوبِ پاک سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائیں تو اُن کے شایان شان استقبال کس طرح کرنا ہے۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد مدینہ شریف میں ہوئی تو اہل مدینہ نے والہانہ انداز میں جذبہ عقیدت ومحبت کے ساتھ پر جوش استقبالیہ پیش کیا جس کا ذکر پہلے بیان کردہ حدیث پاک میں ہوا ہے۔ حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی وہ صحابی ہیں جنہوں نے میدان اُحد میں اپنے سگے بھائی عبداللہ ابن عمیر کی گردن اُڑائی اور اُس کا سر حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دیا اور عرض کی یا رسول اللہ! آپ کا ارشاد ہے کہ جب تک آپ کی محبت ہر ایک محبت پر غالب نہیں آ جاتی اُس وقت تک کوئی مومن نہیں ہو سکتا۔ میں نے اپنے بھائی کو اپنا بھائی نہیں سمجھا اپنے دین وایمان کا دشمن جان کر اُسے تہہ تیغ کر دیا اور بھائی کے رشتے کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا۔ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا یہ بالکل صحیح ہے جو تم کہتے ہو۔

یہ محبت کی وہ منزل ہے جسے فنائے قلب کہتے ہیں۔ **اَلحُبُّ لِلّٰہِ وَ البُغْضُ لِلّٰہِ**۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ولایت کی ابتداء اُس وقت ہوتی ہے جب ایمان جوبنوں پر آئے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی حرارت ایمانی

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سگا ماموں میدان بدر میں آیا اور آپ کی تلوار کی مار سے نہ بچ سکا۔ ایک ہی وار سے اُس کی گردن اُڑا دی اور اُس کی گردن بارگاہ مصطفی میں پیش کر دی۔ اور اپنی ایمانی استقامت کا برملا اظہار کیا۔ فنائے قلب کی یہ منزل ایمان کی اصل ہے اس سے ایمان ملتا ہے اور اسی ایمان کی بدولت ولایت ملتی ہے۔

محبت کی دکان

اس محبت کو حاصل کرنے کے کچھ دستور ہیں۔ مثلاً کپڑا خریدنا ہے تو کپڑے کی مارکیٹ میں جائیں گے۔ سونے کے زیورات خریدنے کے لیے صرافہ بازار کا رخ کریں گے۔ کھانے پینے کی اشیاء کی ضرورت ہے تو کسی فوڈ سٹور سے خریدنے

جائیں گے علیٰ ہذا القیاس جس طرح کا سودا چاہیے اُسی سودے کی دکان یا منڈی میں جائیں گے۔ اسی طرح اگر محبت کی ضرورت ہے تو محبت کی منڈی تلاش کرنی پڑے گی۔ قرآن مجید، حدیث رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صوفیا کے اقوال کو اکٹھا کیا جائے تو یہ بات واضح ہوگی کہ محبت کے حصول کے لیے بھی کوئی محبت والا بندہ چاہیے ہوتا ہے۔ وہ بندہ جس کے دل میں اللہ اور اُس کے رسول کی سچی محبت موجزن ہو اُس کی مجلس میں جائیں تو محبت دل میں بیدار ہوگی۔

حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ۔ فتنہ خلق قرآن کا شدید رد

جاری مضمون سے متعلق ایک حدیث بیان کرنی ہے جو مسند امام احمد ابن حنبل میں ہے حضرت امام موصوف کا کسی قدر تفصیلی تذکرہ پچھلے درس (اس سلسلے کا تیسرا درس ہے) میں ہوا ہے آپ کی اہلبیت اطہار سے محبت اور اُن کے حق میں جراتمندانہ اظہار کا ذکر ہوا۔ حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مشہور محدث امام بخاری کے آخری اُستاد ہیں۔ حضرت غوث الثقلین پیرانِ پیر دستگیر رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنا امام مانا ہے۔ حضرت امام احمد ابن حنبل بغداد کے رہنے والے ہیں۔ ۲۴۲ھ آپ کا سن وفات ہے۔ امراء عباسیہ نے درے مار مار کر قید خانے میں آپ کو شہید کرا دیا تھا۔ عباسیہ کے دور میں یہ فتنہ اُٹھا کہ قرآن مجید کو مخلوق قرار دیا جانے لگا۔ حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتنے کے خلاف آواز حق بلند کی اور علی الاعلان فرمایا کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ اگر اسے مخلوق کہا جائے تو اسے ادلا بدلا جا سکتا ہے۔ تمام اہل اللہ جو پہلے گزر چکے ہوئے ہیں وہ قرآن مجید کو غیر مخلوق مانتے آئے ہیں۔ یہ اللہ کا کلام ہو کر قدیم ازلی اور ابدی ہے۔ جس طرح کا متکلم ہو اُسی طرح اُس کی بات ہوتی ہے۔ بندہ خود مخلوق ہے فانی ہے مٹنے والا ہے اسی طرح انسان کا کلام بھی فانی ہے۔ لیکن اللہ کی ذات پاک ازلی، ابدی ہے اور قدیم ہے۔ اللہ کی نہ ابتداء ہے نہ انتہا ہے۔ وہ غیر حادث ہے اُس پر کبھی عدم نہیں گزرا۔ جس طرح اللہ قدیم ہے اُسی طرح اس کا کلام بھی قدیم ہے۔ امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کے بارے میں اس سچے عقیدے کی وضاحت فرمائی۔ عباسیہ حکومت اُس فرقے (معتزلہ) کی حمایت کرتی تھی جو قرآن کو مخلوق ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کرتے تھے۔ حضرت امام احمد ابن حنبل کو حق گوئی کی سزا دی گئی اُنہیں پابند سلاسل کیا گیا اور درے مار مار کر بالآخر آپ کو بے دردی سے شہید کر دیا۔ (۲)

محبت کے لیے کسی اہل محبت کی مجلس کے سلسلے میں ایک حدیث قدسی کا ذکر کرنا ہے۔ یہ حدیث مسند امام احمد ابن حنبل میں موجود ہے۔ ضمناً حضرت امام احمد علیہ الرحمہ کا ذکر کر دیا۔ یہ حدیث موطا امام مالک، مستدرک حاکم، بیہقی کی دلائل النبوت اور طبرانی میں بھی بیان ہوئی ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی والمتزورین فی والمتباذلین فی
(مشکوۃ، کتاب الاداب، جلد دوم، رواہ مالک واحمد)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُن کے لیے میری رحمت اور محبت مجھ پر واجب ہوگئی جو آپس میں ایک دوسرے سے اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں۔ وہ اللہ کی محبت میں مل کر بیٹھتے ہیں۔ دور سے چل کر آپس میں ایک دوسرے کی زیارت کرنے کے لیے آتے ہیں۔ اور میرے لیے مال خرچ کرتے ہیں۔

توبہ

خدا کے قریب ہونا مرد وعورت سب کے لیے ممکن ہے۔ جو کروڑہا گناہ کر چکا ہو اُس کے لیے بھی قریب ہونے کا موقع میسر ہے۔ سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے۔ صحیح حدیث ہے:

التائبُ من الذنب کمن لا ذنب لہ'۔ (جس آدمی نے سچے دل سے توبہ کی اللہ کے قانون میں ایسا سمجھا جائے گا جیسے کوئی گناہ کیا ہی نہیں)۔ (مشکوٰۃ شریف، باب الاستغفار والتوبہ، جلد اول)

توبہ اس بات کا نام ہے کہ انسان سے زندگی کے کسی حصے میں زبان سے یا کسی عمل سے برائی کا ارتکاب ہوا ہے تو اُس پر شرمندگی محسوس کرے اور اظہارِ ندامت کرے جیسا کہ ہماری بیٹیاں اور بہنیں سن رہی ہیں کہ کسی گناہ کا احساس ہوا تو مولیٰ کریم کی بارگاہ میں عرض کرے اے میرے مولا میں نادان تھی اور اگر نادانی سے نہ سہی ہوشمند ہوں اور جانتے ہوئے ایسی غلطی سرزد ہوئی میرے مولا کریم شرمندہ ہوں تیری بارگاہ میں سچے دل سے توبہ کرتی ہوں۔ دوبارہ اب ایسی خطا نہیں کروں گی۔ تو بخشش فرمانے والا ہے۔ مجھے معاف فرمادے۔

ندامت کا اظہار کرنا اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا توبہ کا بنیادی حصہ ہے۔ یہ یقین رکھنا چاہیے کہ میرا رب میری توبہ ضرور منظور فرمائے گا۔ اسلام کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ میں نے توبہ کی ہے پتہ نہیں توبہ منظور ہوگی یا نہیں۔ اللہ رحمن الرحیم ہے اُس نے اپنی طرف سے بخشش اور مہربانی کا اپنے کرم سے وعدہ فرمایا اور وہ اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔ (**انک لا تخلف المیعاد**۔ القرآن)۔ اگر توبہ میں کوئی بے ایمانی نہیں کی تو پھر توبہ رد نہیں ہوگی۔ اس حدیث شریف میں بھی یہی ارشاد ہوا کہ جو سچے دل سے توبہ کرتے ہیں اُن کے لیے میری محبت اور رحمت واجب ہوگئی۔

پھر فرمایا جو آپس میں اللہ کے لیے محبت کرتے ہیں۔ یہاں جتنی ہماری بیٹیاں بیٹھی ہوئی ہیں ظاہر ہے کہ اُن کا صرف ایک ہی نیک مقصد ہے۔ صرف اللہ کے دین کو سمجھنا ہے۔ قرآن سننا ہے۔ اور اللہ کی رضا کے لیے ایک دوسرے کے ساتھ

اظہار محبت کرنا ہے۔ یہاں آپ کسی دنیاوی منفعت کی غرض سے نہیں آئی ہیں۔ کوئی یہاں دنیا کا کاروبار یا لین دین نہیں ہو رہا۔ صرف اور صرف اللہ کی رضا اور محبت و رحمت کا حصول مقصد ہے۔ یہ محبت کا بازار ہے اور محبت کے بیوپاری ہیں۔ حضرت میاں محمد صاحب عارف کھڑی شریف رحمۃ اللہ علیہ سلوک و معرفت کی کسی منزل پر پھنسے ہوئے تھے دیکھا کہ ایک درویش وہاں سے آ کے گزرا تو اُسے دیکھتے ہی آپ کی وہ کیفیات جاری ہوگئیں اور اپنی اس کیفیت کو سیف الملوک کی زبان میں یوں فرمایا:

کتھوں ایڈا درد لیایاں ایں درداں والیا یارا
دس دکان اساڈے تائیں بنیں دلال ہمارا

اللہ والوں کو دیکھنے سے محبت بیدار ہوتی ہے۔

جب وہ مل کر بیٹھتے ہیں تو اس کا سبب اللہ اور اُس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت ہوتی ہے۔ اُن کا مل کر بیٹھنا کسی کے خلاف Conspiracy (سازش تیار کرنا) کرنا نہیں ہوتا۔ گپیں مارنا نہیں ہوتا۔ صرف اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش کرنا مقصد ہوتا ہے اور محبت کے ساتھ اُن کا ذکر خیر کر کے قلبی تسکین حاصل کرنا ہوتا ہے۔

دور دور سے زیارت کرنے کے لیے لوگ آتے ہیں۔ سفر کی تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ سفر کے ذرائع کے اخراجات برداشت کرتے ہیں۔ وقت صرف کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ وہ کس لیے کرتے ہیں؟ اس لیے کہ اللہ کی رضا حاصل ہو اس میں اُن کا کوئی ذاتی مقصد نہیں ہوتا۔ نہ اُن کی کوئی دنیوی غرض و غائت ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں کچھ دن بعد میلاد شریف بڑی شان و شوکت کے ساتھ منائی جانے والی ہے۔ (۳)

ہمارے مریدین نے پورے ملک سے دو دو تین تین کوچز مختلف شہروں میں بک کی ہوئی ہیں جن کے ذریعے سے کثیر تعداد میں غلامان مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میلاد شریف میں شرکت کریں گے میلاد شریف کے موقع پر کوئی سیاسی پلیٹ فارم نہیں ہوتا کہ جہاں کوئی اپنی سیاسی پوزیشن بنا سکے کسی کاروبار کا چانس نہیں ہوتا۔ صرف ایک مقصد ہے کہ میلاد شریف کی خوشی میں شریک ہونا ہے۔ اپنے محبوب رحمتوں والے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمتوں کے نعرے لگانے ہیں اور ذکر محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سننا سنانا ہے۔

یہ چار طبقے ہیں جو اس محبت کی منڈی کے بیوپاری ہیں۔ یہاں جانے سے محبت کا سودا ملتا ہے۔ حدیث پاک میں ان چار طبقات کا ذکر ہوا یہ ولایت کی چار منزلیں ہیں:

(۱): آپس میں محبت کرتے ہیں تو اللہ کے لیے کرتے ہیں۔(۲): مل بیٹھتے ہیں تو اللہ کی محبت کے لیے۔

(۳): ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں تو میری محبت کے لیے۔

(۴): ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں تو میری محبت میں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کی محبت مجھ پر واجب ہے۔

نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضری کی کیفیات

ایک مشہور حدیث ہے جس کی ایک جلیل القدر صحابی حضرت حنظلہ بن ابو عامر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔حضرت حنظلہ **"غسیل الملائکہ"** کے نام سے مشہور ہیں۔یہ لقب اُنہیں اس لیے ملا کہ غزوہ اُحد کا معرکہ بپا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے جنگ کے لیے پکار ہوئی۔اُس وقت حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا بدن مبارک حکماً ناپاک تھا اور غسل کی حاجت تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ندا سن کر دیر کرنا صحیح نہ سمجھا اور اسی ناپاکی کی حالت میں جہاد میں شریک ہو گئے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ منظر دیکھ کر حیران ہوئے کہ حضرت حنظلہ کے جسم سے پانی کے قطرے گر رہے ہیں۔جبکہ دوسرے شہداء کے لاشے خشک حالت میں ہیں اور اُن سے خون بہہ رہا ہے۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ حنظلہ کے جسم سے پانی کیوں گر رہا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اُس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ حنظلہ کو فرشتوں نے غسل دیا ہے کیونکہ وہ بلا تاخیر اس جہاد میں ناپاک حالت میں شامل ہوئے اور شہید ہو گئے۔

ان سے روایت کردہ حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں۔

قلت : نکون عند رسول اللہ۔یذکرنا بالجنة والنار کأنا رأی عین فإذا خرجنا من عند رسول اللہ۔عافسنا الأزواج والأولاد والضیعات نسینا کثیرا، قال أبو بکر :فواللہ إنا لنلقی مثل ھذا، فانطلقت أنا وأبو بکر حتی دخلنا علی رسول اللہ، فقلت: نافق حنظلة یا رسول اللہ! فقال رسول اللہ :وما ذاک؟ قلت: یا رسول اللہ، نکون عندک تذکرنا بالنار والجنة کأنا رأی العین فإذا خرجنا من عندک عافسنا الأزواج والأولاد والضیعات نسینا کثیرا. فقال رسول اللہ :والذی نفسی بیدہ، لو تدومون علی ما تکونون عندی، وفی الذکر، لصافحتکم الملائکة علی فرشکم وفی طرقکم، لکن یا حنظلة ساعة وساعة ثلاث مرات۔ (مسلم شریف، کتاب التوبہ، جلد دوم /مشکوٰۃ، باب ذکر اللہ)

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ہم آپ کی بارگاہ میں ہوتے ہیں اور آپ ہمارے درمیان

جنت اور دوزخ کا بیان کرتے ہیں اُس وقت ہمیں مکمل احساس ہوتا ہے کہ ہم جنت اور جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ جب آپ جنت کی خوشخبری سناتے ہیں تو جنت کے مناظر ہمارے سامنے آجاتے ہیں اور اُس کے لیے ایک کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ اور مشاہدے سے جنت کی آرزو پیدا ہوتی ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی تجلیات ہوتی ہیں اور وہاں جانے کی ہم تدبیر کرتے ہیں۔ ساتھ ہی دوزخ کے خوفناک مناظر کا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ذکر فرماتے ہیں اور اُس کا عذاب بیان کرتے ہیں۔ ان احوال کا مشاہدہ کر کے ہم ڈر جاتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں جو جگہ اللہ کی ناراضگی اور غضب کی جگہ ہے اُس سے ہر صورت بچنے کی تدبیر کریں۔ اور وہ کام نہ کریں جو پروردگار کی ناراضگی کا سبب ہوں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب ہم آپ سے الگ ہوتے ہیں۔ تو بیویوں بچوں، جائیدادوں، دھن دولت کے جھگڑوں میں پڑ جاتے ہیں اور دنیا کے کاموں میں مقابلہ شروع ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ دل و دماغ سے وہ باتیں اُترنے لگتی ہیں اور وہ مناظر اُوجھل ہونے لگتے ہیں جو آپ کی مجلس میں حاصل ہوتے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری وہی حالت رہتی جو ہمارے پاس بیٹھے ہوئے تھی اور تم اُسی طرح ذکر کرتے رہتے تو ہماری مجلس کی حرارت تمہیں ملتی رہتی تو اُس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں میں فرشتے تم سے مصافحہ کرتے اور تم بستروں پر ہوتے اور فرشتے تمہارے پاس آ کر تم سے باتیں کرتے۔

یہ کیفیت محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محفل کے اثر سے تھی۔ جب اُس سے جدا ہوئے وہ کیفیت جاتی رہی۔ دوسرے الفاظ میں محبت کی منڈی میں آئے۔ محبت کے ساتھ ذکر سنا سنایا تو محبت کی کیفیات اُجاگر ہوئیں اور محبت کی منڈی سے اُٹھ کر چلے آئے تو وہ کیفیات جاتی رہیں۔ یہ فنائے قلب کا Chapter تھا جس پر آج بات ہوئی۔ اسی سے ولایت کی منزل کی ابتداء ہوتی ہے اس کے آگے فنائے نفس ہے اس پر گفتگو آنے والے وقت میں کریں گے۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ المبين

حواشی

۱۔ اس درس میں خواتین شامل تھیں اس لیے اُنہیں کو خطاب کر کے حضرت مفکر اسلام مدظلہ العالی نے یہ درس قرآن بیان فرمایا۔

۲۔ گزشتہ درس میں حضرت امام احمد ابن حنبل کے بارے میں حضور قبلہ عالم مفکر اسلام مدظلہ العالی نے یہ ارشاد فرمایا کہ حضرت امام احمد ابن حنبل یزید پلید پر لعنت کرتے تھے اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضائل بیان کرتے تھے اس لیے عباسیوں نے مسئلہ خلق قرآن کو ڈھال کے طور پر سامنے رکھ کر اہل بیت رسول کے ساتھ اُن کی محبت کی وجہ سے اُن کیساتھ دشمنی کی اور اُنہیں ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔

۳۔ سالانہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلوس اور جلسے کا انعقاد حضرت قبلہ عالم مفکر اسلام دامت برکاتہم العالی کی زیر سیادت و قیادت ہوتا ہے۔ **"والتھم سٹولندن"** میں عظیم الشان پروگرام ہوتا ہے جس میں کثیر تعداد میں اہل ایمان و اسلام شریک ہوتے ہیں اور بارگاہ مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنے ہدیاتِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

پانچواں درس قرآن: ۲۴ مئی ۲۰۰۴ء

کمالات ولایت اور فیضان نبوت

☆.....ترجمہ آیات

☆.....انبیاء کرام صفات الٰہیہ کے مظہر ہوتے ہیں

☆.....کمالات ولایت، کمالات نبوت کا انعکاس ہیں

☆.....حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت اور بادشاہت کی حدود

☆.....عدل اور ظلم۔ احتساب کا احساس۔ فکر آخرت

☆.....علم نبوت

☆.....امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کمالات کے قاسم ہیں

☆.....تحدیث نعمت

☆.....نسب کی اہمیت

☆.....نسبتوں کی تعظیم

☆.....منطق الطیر

☆.....ولایت اور متاع دنیا

کمالات ولایت اور فیضانِ نبوت

قرآن پاک کی سورۃ النمل کے دوسرے رکوع میں سے آیت ۱۵ سے آیت ۲۴ اور آیت ۳۸ سے آیت ۴۰ تک تلاوت کی گئیں۔

(14)وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْماً وَقَالَا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلَنَا عَلَى كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ) (15 وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُودَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ الطَّيْرِ وَأُوتِينَا مِن كُلِّ شَيْءٍ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ) (16وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ) (17حَتَّى إِذَا أَتَوْا عَلَى وَادِي النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ) (18فَتَبَسَّمَ ضَاحِكاً مِّن قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحاً تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ) (19وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَالِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ) (20لَأُعَذِّبَنَّهُ عَذَاباً شَدِيداً أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ) (21فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ) (22إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ) (23وَجَدتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ۔ (النمل۔۱۵۔۲۴)

قَالَ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَن يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ) (38قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن تَقُومَ مِن مَّقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ) (39قَالَ الَّذِي عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرّاً عِندَهُ قَالَ هَذَا مِن فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ وَمَن شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ (النمل؛۳۸۔۴۰)

حضرت حق جل و علیٰ شانہ، وعَزَّ اِسمُہ، وَاَتَمَّ بُرھَانَہٗ ارشاد فرماتے ہیں۔ اور بے شک تحقیق ہم نے داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم عطا فرمایا۔ اور اُن دونوں نے یہ بات کہی کہ تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے

ہیں جس نے ہمیں اپنے بہت سارے ایمان رکھنے والوں پر فضیلت عطا فرمائی اور سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشین (وارث) بنے اور اُنہوں نے کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے اور ہمیں ہر ایک چیز سے دیا گیا ہے (ہمیں ہر چیز مراحمت فرمائی گئی ہے)

یہ میرے اُس پروردگار کا فضل مبین ہے (یہ میرا ذاتی کارنامہ نہیں ہے) حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے اُن کا لشکر جنوں اور انسانوں اور پرندوں میں سے تیار کیا گیا۔ پس وہ روکے جا رہے تھے (یہ لفظی ترجمہ ہے۔ سیاق وسباق کے اعتبار سے معنیٰ یہ ہیں کہ اُن کو (لشکر کو) باقاعدہ Diciplinize (منظم) کیا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ جس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام بمعہ اپنے لشکر کے وادی نمل (چیونٹیوں کی وادی) پر آنے کو تھے تو ایک چیونٹی نے کہا۔ او چیونٹیو! تم اپنی اپنی بلوں میں داخل ہو جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اُن کا لشکر کچل ڈالے درآں حال کہ اُنہیں پتہ ہی نہ ہو۔ (یعنی اُن کی عدم توجہ کے باعث تم کچلے جاؤ)

اُس (چیونٹی) کی بات سن کے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرا دیئے آپ نے عرض کیا اے پروردگار عالم! مجھے توفیق عطا فرما (او پریُوزَعُوْن گزرا ہے اُسی کے برابر یہ کلمہ اَوْزِعْنِی ہے۔ سیاق وسباق کے اعتبار سے معنیٰ یہ ہوں گے کہ مجھے روک (یعنی توفیق عطا فرما) تاکہ میں تیری اُس نعمت کا شکریہ ادا کروں کہ جو تو نے مجھ پر انعام فرمائی ہے۔ اور میرے ماں اور باپ دونوں پر انعام فرمایا ہے اور مجھے اس بات کی توفیق عطا فرما کہ میں اچھے کام کروں جس کو تو پسند فرماتا ہے پروردگار عالم مجھے اپنے نیک بندوں میں شمار فرما۔

اور آپ (سلیمان علیہ السلام) نے پرندوں کی طرف دھیان فرمایا اور ڈھونڈنے کی کوشش کی۔ آپ نے فرمایا کیا وجہ ہے کہ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا ہوں کہیں وہ غائب تو نہیں ہو گیا۔ میں یقیناً اُس کو زبردست سزا دوں گا یا اُسے ذبح کر ڈالوں گا۔ یا اُسے میرے سامنے کوئی روشن دلیل Conclusive Evidence (قطعی شہادت) Authenticity (سند) Quote (حوالہ بند) کرنا پڑے گی۔

زیادہ دیر نہ گزرنے پائی تھی کہ ہدہد آ دھمکا اور اُس نے کہا کہ میں نے ایک ایسے علاقے کا عملی طور پر احاطہ کیا ہے جس کا آپ نے Physically Survey (علاقائی نظارہ) نہیں فرمایا۔ میں شہر سبا سے ایک یقینی اطلاع لے کر کے آیا ہوں۔ میں نے ایک عورت کو پایا جو اُن پر فرمانروائی کر رہی ہے (وہ ملکہ ہے) اور اُسے ہر چیز میں سے دیا گیا ہے (ہر ضرورت کی چیز عنایت کی گئی ہے)۔ اُس کا ایک بہت بڑا تخت ہے میں نے اُس کو بھی پایا ہے۔ اُس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کو

چھوڑ کے سورج کے آگے سجدہ کر رہے ہیں۔اور شیطان نے اُن کے اعمال کو خوبصورت بنا دیا ہوا ہے۔اور اُن کو اللہ کے راستے سے روک لیا ہے اور وہ ہدایت نہیں دیئے جائیں گے۔

آیات ۳۸ سے ۴۰ تک ترجمہ

"میرے درباری سردارو! تم میں سے کون ایسا شخص ہے جو میرے پاس اُس (ملکہ سبا) کا تخت اُٹھا کر لے آئے قبل اس کے کہ وہ میرے پاس سر تسلیم خم کر کے حاضری دیدے۔(مسلمین سے یہاں مراد ہے Submisively (مطیع و فرنبردار) میرے دربار میں حاضر ہو جائے)۔جنات میں سے عفریت نامی بڑا زور آور بولا میں وہ تخت لے کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤں گا قبل اس کے کہ آپ اپنے مقام سے اُٹھیں۔میں طاقتور آمین ہوں (عفریت یہ وعدہ کرتا ہے کہ میں اُسے اُٹھالانے کی قوت رکھتا ہوں اور اُس تخت میں قیمتی لعل و جواہرات جڑے ہوئے ہیں اُسی حالت میں امانت حاضر کر دوں گا اور کوئی خیانت نہیں کروں گا)۔پھر وہ شخص بول اُٹھا جس کے پاس تھوڑا سا علم کتاب تھا۔اُس نے کہا کہ میں اُسے (تخت بلقیس کو) اُٹھا کے آپ کی بارگاہ میں پیش کر دوں گا قبل اس کے کہ آپ اپنے گوشہ چشم کو اپنی طرف موڑیں (یعنی آپ کی نگاہ پھیرنے سے پہلے لے آؤں گا)۔جب آپ نے اُس تخت کو اپنے سامنے کھڑا پایا تو کہا یہ میرے پروردگار کے فضل میں سے ہے۔یہ اس لیے اُس نے کیا کہ مجھے آزمائش میں ڈالے کہ آیا میں اُس کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُس کی ناشکری کرتا ہوں۔اور جو کوئی شکریہ ادا کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کے لیے شکریہ ادا کرتا ہے اور جو کوئی نافرمانی کرے گا بے شک میرا پروردگار بے نیاز بھی ہے اور کریم بھی ہے۔

ان آیات طیبات کا تحت اللفظ ترجمہ بمعہ بامحاورہ ترجمے کے آپ کی خدمت میں عرض کیا۔

صوفیت (Mysticism) کے موضوع پر بات کرنی ہے۔تو وہ آیات Select (منتخب) کی گئی ہیں جو صوفیت سے تعلق رکھتی ہیں۔

تصوف یا صوفیت دراصل انبیاء علیہم السلام کا ورثہ ہے کیونکہ Principle (اصول) یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں جتنے بھی کمالات پائے جاتے ہیں وہ پروردگار کی ذات کا انعکاس ہیں۔

انبیاء کرام صفات الٰہیہ کے مظہر ہوتے ہیں

اللہ تعالیٰ کی جو قدرتیں اور شانیں ہیں اُن کا سب سے بہتر اور جامع مظہر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہوتے ہیں۔سارے نبیوں میں سے ہر ایک نبی اللہ تعالیٰ کی ایک یا دو یا تین یا کئی ایک صفات کا مظہر ہوتا ہے۔لیکن امام الانبیاء

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا جامع مظہر ہے۔

جن صفات کا ظہور اللہ نے اپنی مخلوق پر فرمایا ہے اُن سب کا جامع اظہار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے یعنی اللہ کی ساری صفتیں نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے آئینہ نبوت میں نظر آتی ہیں۔

اوپر کی عبارت میں مخلوق کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفتوں اور شانوں کی کوئی حد نہیں اس لیے کوئی نبی اور رسول ساری شانوں کا احاطہ نہیں کرسکتا۔

جس نبی کے جو کمالات قرآن مجید میں ذکر ہوئے ہیں یا احادیث میں بیان ہوئے ہیں تو اُن کے بارے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی کن کن Qualities (صفات) کا مظہر ہیں اور اُس کو کیسے Represent (نمائندگی) کرتے ہیں۔

مثلاً ایک بچے کی جسمانی ساخت اُس کی آنکھیں، پلکیں، سر کے بال، ناخنوں کا لمبوترا پن، انگلیوں کی لمبائی، قد کی ساخت وغیرہ کو دیکھ کر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ یہ فلاں آدمی کا بیٹا ہے۔ جس طرح بیٹا اپنے باپ کی شکل وصورت میں نمائندگی کرتا ہے اسی طریقے سے اللہ کا نبی اللہ تعالیٰ کی صفات کی نمائندگی کرتا ہے۔ نبی کی پہچان سے رب کی پہچان ہوتی ہے۔ جس اللہ نے کہا ہے کہ میں ''عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡر ''ہوں تو اُس نے اپنے خاص بندوں میں بھی کمال قدرت رکھا ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِسُلَیۡمٰنَ الرِّیۡحَ غُدُوُّهَا شَهۡرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهۡرٌ

(حضرت سلیمان علیہ السلام ایک مہینے بھر کی راہ صبح کے وقت اُٹھ کے چلے جاتے ہیں ایک مہینے بھر کی راہ شام کے وقت چلے جاتے ہیں)۔

کل روئے زمین کا نظم وضبط، عدلیہ، انتظامیہ، مقننہ، کھیتی باڑی، رزق وروزی کے ضابطے، قانون تجارت، عائلی قوانین (Family Law) تجارت، بین الاقوامی آمدورفت Import & Export (درآمد وبرآمد) سب معاملات کو بیک وقت ایک شخص کس طرح Maintain (برقرار) رکھ سکتا ہے۔ ایک آدمی سارے انتظامات کو سنبھالے اور کامیابی کے ساتھ نبھائے تو یہ اللہ کی قدرت کی دلیل ہے۔ اگر اللہ کا بندہ روئے زمین کے سارے انتظامات کو باضابطہ طور پر کنٹرول کرسکتا ہے تو پھر اُس کے بنانے والا خالق ومالک کیوں نہیں کنٹرول کرسکتا۔

ہر نبی کو دیکھنے سے یہ فیصلہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے کہ ان صفات کا اصل مالک اللہ ہے اور یہ صفتیں اللہ کی عطاء سے

ہیں جو نبیوں میں بطور مخلوق کے پائی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اندر جو صفتیں پائی جاتی ہیں وہ ازلی وابدی ہیں (یعنی اُن کی ابتداء اور انتہا نہیں ہے)

کمالات ولایت، کمالات نبوت کا انعکاس ہیں

جس طرح نبیوں اور رسولوں کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اللہ کی صفات کا مظہر ہوتے ہیں اسی طرح یہ بات بھی سمجھنا ہوگی کہ کسی نبی اور رسول میں جو اوصاف عالیہ اور معجزات پائے جاتے ہیں وہ اس نبی اور رسول کی امت کے کسی ولی اللہ میں بطور انعکاسِ نبوت کے پائے جاسکتے ہیں۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر، جلد دوم، صفحہ 369 میں لکھتے ہیں:

لایکون قط کرامۃ لولی الا تبعا لمن ھو وارثہ من الانبیاء

(کسی ولی کی کرامت نہیں ہوتی مگر جس نبی کا امتی یا وارث ہے اُس کے (معجزات) کی فرع، عکس یا تبعیت کے طور پر ہوتی ہے)

ہمارے عقائد کی معتبر کتب شرح عقائد، مصنفہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ شرح مواقف از سیّد شریف جرجانی، شرح مواقف کی شرح تصنیف میر زاہد ہروی علیہ الرحمۃ میں بھی یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کمال کو قدرت کہتے ہیں۔ اور جب نبی میں وہ کمال پایا جائے تو اُسے معجزہ کہا جاتا ہے اور جب ولی میں ایسا کمال ظاہر ہو تو اُسے کمالِ ولایت یا کرامت کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ایک بنیادی Principle (اصول) ہے کہ جو ولی جس نبی کا اُمتی ہو وہ زیادہ سے زیادہ اُس نبی کے معجزات کو بطور کرامت Inherit (وراثت میں پاتا ہے) کرتا ہے۔ جس طرح بیٹا اپنے باپ کی وراثت پاتا ہے جو اُس کے باپ کے نام ہوتی ہے اور یہ وراثت مادی ہوتی ہے۔ یعنی زمین، مکان، پیسہ، سامان تجارت وغیرہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ اسی طرح ولی اللہ اپنے نبی کی روحانی اولاد ہوتا ہے اس لیے نبی کے جس قدر روحانی فضائل وکمالات ہیں وہ ولی اُنہیں روحانی وراثت کے طور پر پاتا ہے۔

اس اصول کی بنیاد پر دیکھنا ہوگا کہ سابقہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ادوار میں اُن کے اندر کیا کیا کمالات پائے جاتے تھے اور اُن کی اُمت کے اولیاء اللہ میں اپنے نبی کے کمالات کا اظہار کیسے ہوا؟ جیسے پہلے بیان کیا گیا کہ باپ اور بیٹے میں جسمانی مشابہت ہوتی ہے اُن کے خدوخال آپس میں ملتے جلتے ہیں اسی طرح وقت کے نبی کے معجزات اور اُس

کی اُمت کے ولی کی کرامات میں Resemblance (مشابہت) پائی جاتی ہے۔ زیر بحث آیات میں یہی مضمون بیان کیا جارہا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت اور بادشاہت کی حدود

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام بحیثیت نبی تو بنی اسرائیل کے نبی ہیں لیکن بادشاہ کل روئے زمین کے ہیں۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ کوئی شخص ایک محکمے میں Incharge (نگران) ہوتا ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے محکمے میں بھی اُسے ذمہ داری سونپی گئی ہو تو یہ ضروری نہیں کہ دونوں مقامات پر اُس کا Status (مرتبہ عہدہ) ایک ہی ہو۔ ہر جگہ اُس کا دائرہ تصرف مختلف ہوسکتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جس علاقے کے نبی ہیں اُس کے بادشاہ بھی ہیں لیکن اُس سے باہر کے علاقے میں صرف بادشاہ تسلیم ہوتے ہیں۔ اُن کی Legislation (قانون سازی) جس کا تعلق انتظامیہ، عدلیہ اور تعزیرات سے ہے اُس کی پوری دنیا پابند ہے۔ لیکن اُن کی شریعت جس میں حلال وحرام، نکاح وطلاق اور عقائد ونظریات کے احکام ہیں اُس کے پابند صرف وہی لوگ ہیں جو اُن کو اپنا نبی مانتے ہیں اور جن کی طرف وہ مبعوث ہوئے ہیں۔

عدل اور ظلم ۔ احتساب کا احساس ۔ فکرِ آخرت

قرآن مجید کے جس رکوع کے تحت یہ گفتگو ہورہی اُس کے پہلے حصے میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور فرعون کا ذکر ہوا ہے۔ اور اس کے فوراً بعد حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا Chapter (موضوع) بیان ہورہا ہے۔

اس میں بڑا خوبصورت Comparison (موازنہ) کیا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ فرعون سرزمین مصر کا سربراہ اور فرمانروا ہے۔ کل روئے زمین کا بادشاہ نہیں۔ آج دنیا کے نقشے پر مصر کا جو Prescribed Area (معینہ علاقہ) تسلیم ہوتا ہے اُس سے پتہ چلتا ہے کہ مصر دنیا کا کوئی بڑا ملک نہیں ہے۔ ممکن ہے اُس زمانے میں کوئی تھوڑا بہت خطہ زمین اُس کے ساتھ ملحق ہو لیکن پھر بھی اُسے بہت بڑا ملک اُس وقت بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ اس کے مقابلے میں حضرت سلیمان علیہ السلام پوری دنیا، ساری روئے زمین کے بادشاہ تھے۔ ان دونوں بادشاہوں کے Character (کردار) میں بنیادی فرق کیا ہے۔

ایک آدمی (فرعون) کو قیامت کا یقین نہیں ہے۔ وہ ہر محاسبے سے اپنے آپ کو آزاد سمجھتا ہے۔ اس لیے وہ رات

دن انسانوں کو قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتا۔ {یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآئَ کُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآئَ کُمْ} بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرتا ہے اور بیٹیوں کو زندہ چھوڑتا ہے۔ فرعون صرف اپنے اقتدار کی خاطر بے تحاشا قتل وغارت گری کراتا ہے۔ ظلم وستم کی انتہا کردی ہے تو یہ ایک چھوٹے سے خطے کے حکمران کا کردار ہے۔

اُس کے مقابلے میں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام وادی نملہ پر پہنچے تو چیونٹی کہتی ہے کہ کہیں سلیمان اور اُس کا لشکر چیونٹیوں کو کچل نہ ڈالیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ہنس دیئے کہ میں اللہ کا نبی ہوں میں بھلا چیونٹیوں کو قتل کرسکتا ہوں؟

ایک بلاخوف وخطر کشت وخون کررہا ہے اور ایک چیونٹی تک کی جان بچانے کا خیال رکھتا ہے۔ یہ فرق کیوں ہے؟ اس لیے کہ ایک (فرعون) قیامت کا قائل نہیں۔ آخرت کو وہ مانتا نہیں Concept of Accountability (احتساب کا تصور) نہیں ہے کہ کل قیامت میں دربار الٰہی میں پیش ہونا ہے اور اُس خالق ومالک نے سوال کرنا ہے اور وہاں جوابدہ ہونا ہے۔ اسی لیے فرعون جرم وگناہ اور ظلم وستم پر دلیر ہوگیا ہے۔

اور ایک وہ ہیں (سلیمان علیہ السلام) جن کا عقیدہ ہے کہ قیامت میں رب تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے وہاں مجھ سے سوال کیا جائے گا اور مجھے معقول جواب دینا پڑے گا۔ آخرت کے اس عقیدے نے حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر خوف خدا سے نوازا ہے کہ وہ ایک چیونٹی تک کو مارنے کی جسارت نہیں کرتے۔

اس واقعے سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جس وقت آدمی کو اُس سچے مالک کی بارگاہ میں کھڑے ہونے کا یقین ہوجائے کہ وہاں معقول جواب دینا ہوگا تو اُس وقت برائی سے ہاتھ رکنے لگتا ہے۔ جس کے دل ودماغ سے قیامت کا یقین اُٹھ جائے تو وہ کوئی بڑی سے بڑی برائی کرتے وقت اُسے برائی نہیں سمجھتا۔ اس سے آپ یہ سمجھیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت کا عقیدہ دے کر روزانہ کی زندگی میں ایک خوبصورت Balance (توازن) قائم کیا ہے۔ جب آدمی کوئی گناہ اور جرم کرنے لگتا ہے تو وہ اپنے طور پر یقین اور اطمینان کرتا ہے کہ کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔ لیکن اللہ کے نبی نے جو اُسے خدا کا خوف مہیا کیا ہے وہ اُسے محتاط کرتا ہے کہ یہ مت خیال کرو کہ تمہیں دیکھنے والا کوئی نہیں۔ وہ خدا جس نے تمہیں جان، جسم اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں عطاء فرمائی ہیں اور زمین وآسمان اور ان کے اندر سب کچھ اُس نے پیدا کیا ہے وہ رات کی تنہائیوں میں جنگل کے سناٹے میں صحراؤں کے عالم ہُو میں ہر جگہ دیکھنے والا ہے۔

اس دنیا میں عملی طور پر زندگی گزارنے کی Limitation (حدود) ہیں۔ اگر اُن سے تجاوز کروگے تو وہ (اللہ) پوچھنے والا ہے۔ اُس کے سامنے دن رات، مجلس، تنہائی، ظاہری اور مخفی کا کوئی فرق نہیں ہے اُس کے سامنے

سب کچھ عیاں ہے۔

صوفیاء کے نزدیک تنہائی کی پاکیزگی بڑی اہم صفت ہے۔سب کے سامنے آدمی بدی کرنے سے گھبراتا ہے کیونکہ لوگوں کی گرم نگاہی (Vigilence of People) اُسے روکتی ہے اگرچہ نفس برائی چاہتا ہے لیکن آدمی برائی نہیں کرسکتا کیونکہ اُسے یہ ڈر ہوتا ہے کہ لوگ دیکھیں گے، ملامت کریں گے، میری شہرت خراب ہوگی اگر معاملہ قابلِ دست اندازی پولیس ہے تو کیس بنے گا۔قانونی گرفت ہوسکتی ہے۔لیکن تنہائی میں ایسا ڈر نہیں ہوتا۔کیونکہ نہ کوئی دیکھے گا اور نہ پکڑے گا۔اس صورت میں وہ اپنے آپ کو Safe (محفوظ) سمجھتا ہے۔

درویشی (Mysticism) کے اسباق میں تنہائی کو پاک رکھنا ایک اہم چیز ہے۔تنہائی کی یہ پاکیزگی قیامت کے عقیدے کی پختگی سے حاصل ہوتی ہے۔جتنے بھی مرد وخواتین اس محفل میں موجود ہو سب روزانہ کی زندگی میں اس بات کی Exercise (مشق) کرو۔خود بھی اور بچوں کو بھی احساس کراؤ کہ اللہ ہر خیانت اور ہر برائی پر مواخذہ کرنے والا ہے۔حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری روئے زمین کے بادشاہ ہیں۔سوائے اللہ کے کوئی پوچھنے والا نہیں اُن کی Court (عدالت) کے فیصلے کے خلاف کوئی Reprievement (مہلت) کوئی Adjournment (التواء) کوئی منافشہ، جرح کہیں ممکن نہیں۔وہ ایسے وسیع اختیارات رکھتے ہیں کہ Law of Final Court (حتمی عدلیہ) کے بعد کوئی کارروائی نہیں ہوسکتی۔اتنے اختیارات ہوتے ہوئے ایک چیونٹی کو مار دینے کی جسارت نہیں کرتے۔صرف اس لیے کہ قیامت کا یقین ہے۔بارگاہ الٰہی میں پیش ہونے کا احساس ہے۔

علمِ نبوت

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا Chapter چھیڑتے وقت قرآن مجید نے بتایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہم نے علم عطاء فرمایا:

{وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۔ وَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ}

یہ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ نبوت، رسالت اور ولایت علم کی فیملی اور برادری کی چیزیں ہیں۔یہ جہالت سے ملنے والی چیزیں نہیں ہیں اور نہ ان کا جہالت سے کوئی تعلق ہے۔اِن کا تعلق علم سے ہے اسی لیے ''المنجد'' (عربی کی مشہور ڈکشنری) میں نبی کا ترجمہ یہی کیا ہے {اَلْمُخْبِرُ عَنِ الْغَيْبِ} نبی کہتے ہی اُسے ہیں جو غیب کی خبریں سنائے جو غیب کی خبریں نہ سنائے وہ نبی نہیں ہوتا۔اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جو نبی کے علم غیب کا انکار کرے اُس نے معنیٰ نبوت کا انکار کیا ہے۔اُس نے حقیقتاً نبی مانا ہی

نہیں ہے۔ کیونکہ غیب کا علم ہونا نبی کی Speciality (خصوصیت) ہے۔ یہاں حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کا ذکر پہلے ہوتا ہے اور باقی کمالات کا ذکر بعد میں ہوتا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ نبوت کی ابتداء علم سے ہوتی ہے۔

ولیوں میں سے کوئی شخص آج تک انبیاء کے علم کا منکر نہیں گزرا لیکن بعض علماء میں منکر گزرے ہیں کیونکہ علم سچوں کے پاس بھی ہوتا ہے اور جھوٹوں کے پاس بھی ہوتا ہے۔ ولایت سچوں کے پاس ہوسکتی ہے لیکن جھوٹوں کے پاس نہیں ہوسکتی۔ اس لیے علماء کی دو کلاسیں (طبقے) مانی جاتی ہیں۔ علماء حق اور علماءِ سوء۔ اولیاء اللہ میں ایک ہی کلاس شمار ہوتی ہے وہ اہل اللہ ہوتے ہیں۔

ولایت کے کمالات By Virtue of Prophet (نبی علیہ السلام کی معرفت) حاصل ہوتے ہیں۔ اب جس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں جو سودا ہوگا وہی اُس اُمت کا ولی ورثے میں پائے گا۔ جیسا کہ پہلے اس آیت کے تحت یہ بات بیان کی گئی { وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ }

حضرت سلیمان علیہ السلام کی کل روئے زمین پر بادشاہی ہے۔ پوری دنیا کے نظام کی نگرانی کے لیے آپ کو تیز ترین سواری میسر ہے۔ ہوا آپ کے تخت کو اُڑا کر چلتی ہے۔ پرندے اوپر سایہ کرتے ہیں۔ جنات رکاب میں چلتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نبوت کے تحت حاصل اختیار استعمال کرتے ہیں تو ہوا اُن کے تخت کو اُڑا کر کہیں دوری پر لے جاتی ہے۔ دنیا کے نظم ونسق کا حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام معائنہ کر لیتے ہیں۔

جب ملکہ بلقیس آنے لگی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے کہا:

{أَيُّكُمْ يَأْتِينِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ أَنْ يَأْتُونِي مُسْلِمِينَ}

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس وقت ہوا کو حکم کیوں نہیں دیا کہ وہ فوراً تختِ بلقیس اُڑا کے لے آئے؟ کیوں یہ حکم دیا کہ آپ کی رعایا کا کوئی فرد (ولی اللہ) تخت کو ایک آن میں اُڑا کے حاضر کردے؟ اس کی چند وجوہات ہیں۔

اگر حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کو تخت لانے کا حکم دیتے اور ہوا تخت لے آتی تو اس طرح بلقیس بھی لاسکتی تھی اور دنیا والوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا یہ اللہ کے نبی کی ہی مثل ہے۔ رب نے چاہا کہ مثل انبیاء کوئی نہ کہہ سکے۔ نبی بے مثل شخصیت کا نام ہوتا ہے۔ دوسرے یہ بتایا کہ میری اُمت میں ایسے صاحبِ کمال بندے ہیں جو ایسا کر سکتے ہیں کہ ایک لمحہ بھی نہ گزرے اور تخت حاضر کردیں۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کیوں نہ کی کہ اللہ اپنی قدرت سے فوراً تخت بھیج دے؟ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ باذن اللہ اللہ کے بندے مدد کرتے ہیں۔ مافوق الاسباب کام اُن سے صادر ہوتے ہیں۔ لہٰذا بندگان الٰہی (اولیاء) سے مدد مانگنا صحیح ہے اور اسے شرک کہنا محض جہالت ہے۔

بات نبیوں کی روحانی وراثت کی ہو رہی ہے۔ ہم اہل سنت کے ہاں اس حدیث پر اعتقاد ہے:

{لانورث ماترکناہ صدقہ} (بخاری شریف، کتاب الفرائض، جلد دوم، صفحہ 576)

نبی نہ ورثہ پاتا ہے نہ ورثہ دیتا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

{مَاتَرَکْنٰہُ صَدَقَۃٌ}

(جو ہم (نبی) کوئی چیز جائیداد وغیرہ چھوڑیں وہ وراثت نہیں ہوتی بلکہ صدقہ ہوتی ہے)۔

انبیاء علیہم السلام مادی صورت میں اپنے وارثوں کے لیے وراثت نہیں چھوڑتے۔ اللہ کے نبی روحانی کمالات کی صورت میں وراثت چھوڑتے ہیں۔ اُن کی روحانی وراثت علم، تقویٰ، غیرت، شجاعت، وفا، حیاء اور روحانی تصرفات ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام زمینیں، مکانات وغیرہ نہیں چھوڑا کرتے۔

بایں معنیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ (روحانی تصرف) تخت اُڑانا ہے اس لیے آپ نے اپنی اُمت کے ولی سے اسی روحانی تصرف کا اظہار کرایا۔ تاکہ دنیا کو پتہ چل جائے کہ جس نبی کا جو اُمتی ہوتا ہے وہ اپنے نبی کی جائیداد (روحانی تصرفات) کو بطور ورثہ پاتا ہے۔ جس طرح کے کمالات نبی کے ہاں بطور معجزے کے پائے جاتے ہیں اُسی طرح کے کمالات اُس کی اُمت کے ولی میں بطور کرامت کے پائے جاتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا تصرف ہوا، جنات اور پرندوں پر بھی ہے۔ ایسا ممکن ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سلسلہ تعلیمات کا ولی ہو۔ اُس سے بھی جنات اور ہوا پر روحانی تصرف کا اظہار ہوتا ہو لیکن حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مردہ زندہ کرنے کا کوئی معجزہ صادر نہیں ہوا۔ اسی طرح اُن کی اُمت کے ولیوں سے قرآن وحدیث میں مردے زندہ کرنے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ کمال ہے کہ آپ مردوں کو زندہ کرتے تھے اور یہ کمال آپ کی اُمت کے صاحبان کمال میں پایا جاتا تھا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گماشتوں نے ایک بستی میں پیغام حق پہنچایا تو اُس بستی والوں نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو کچھ کر کے دکھاؤ۔ اُنہوں نے کہا ہم جس نبی کے غلام ہیں وہ مردے کو

زندہ کرسکتا ہے۔ ہم بھی اپنے نبی کے فیضان سے مردے زندہ کرکے دکھاتے ہیں اور اُنہوں نے ایسا کرکے دکھایا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اُمت کے اولیاء سے تخت اُڑانے کا مطالبہ کرتے تو وہ ایسا نہیں کرسکتے تھے کیونکہ اُن کے نبی سے تخت اُڑانے کا معجزہ ثابت نہیں ہے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام کمالات کے قاسم ہیں

کل انبیاء کے جتنے بھی معجزات ہیں اور جتنے بھی اُن کے کمالات ہیں اُن سب کا (منبع) خزانہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گھر ہے۔ ہر نبی اور رسول کو ہر معجزہ اور ہر کمال سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقسیم فرمایا ہے۔ ذات مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سارے کمالات نبوت کے جامع ہے۔ جس طرح سارے نبیوں کی اُمتوں کے سارے ولیوں نے جو کرامتیں دکھائی ہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کا ہر ولی وہ کرامت دکھا سکتا ہے کیونکہ وہ جامع کمالات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات سے اکتساب فیض کرتے ہیں اور بطور وارث ہونے کے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ورثہ پاتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

{وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ یُعْطِیْ} (بخاری شریف، کتاب العلم، جلد اول)

(بجز اس کے نہیں کہ میں تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا کرتا ہے)

دیتا اللہ ہے اور بانٹتا میں ہوں۔ یہ وہ منزل ہے جس جگہ صوفیا مراقبہ کرتے وقت اپنے لطائف پر توجہ کرتے ہوئے یقین رکھتے ہیں کہ عرش الٰہی سے جو فیضان آرہا ہے وہ سب سے پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطائف پر اُتر رہا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سے میرے پیرانِ طریقت (جو شجرے میں آتے ہیں) پر یکے بعد دیگرے انوار و تجلیات کا ورود ہو رہا ہے اور آخر میں میرے شیخ پر یہ فیض منتہی ہو رہا ہے اور وہاں سے میرے لطائف پر وارد ہو رہا ہے۔ یہ ایک محکم عقیدہ ہے جو اس حدیث پاک سے ثابت ہے کہ اللہ دیتا ہے اور اُس دیئے ہوئے کو اپنی مرضی سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بانٹتے ہیں

لا و ربّ العرش جس کو جو ملا اُن سے ملا
بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ ﷺ کی

(اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

تحدیثِ نعمت

حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ ساری تعریفیں اُس کی ہیں جس نے اپنے بہت سارے مومن بندوں پر ہمیں فضیلت عطاء فرمائی ہے ہمیں اُن سے افضل قرار دیا ہے۔ حالانکہ کرۂ ارض پر اُن کی بادشاہت ہے اور یہاں سب کچھ اُن کے تصرف سے ہو رہا ہے۔ تو بظاہر یہ کمال ان کا ہے اور تعریف ان کی ہونی چاہیے۔ کوئی آدمی کسی اعلیٰ عہدے پر فائز ہوتا ہے تو لوگ اُس کی تعریف کرتے ہیں کہ بڑا قابل ہے، بہت تعلیم یافتہ ہے، بڑا پیش بین اور دوررس ہے غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک ہے۔ معاشرے میں اُس آدمی کی تعریف کی جاتی ہے۔ لیکن حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام اس قدر کمالات اور تصرفات رکھتے ہوئے تعریف اُس اللہ کی کرتے ہیں کہ اُس نے ہمیں یہ قابلیت، طاقت اور اختیار بخشا۔

اس سے صوفیاء کا یہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے کہ جس ولی اللہ میں کوئی کمال پایا جائے تو وہ کہتا ہے کہ یہ میرے پیر و مرشد کا فیضان ہے۔ یہ میرے اللہ کی عطاء ہے۔ یہ میرے سلسلہ تعلیمات کا فیضان ہے وہ اپنے کسی بھی کمال کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کسی بھی خوبی کی اپنی طرف نسبت کرنا حرام ہے اسی طرح کسی نقص اور بدی کی خدا کی طرف نسبت کرنا حرام ہے۔ اگر کوئی کمال ہے تو کہنا چاہیے کہ یہ میرے اللہ کا انعام ہے اور اگر کوئی نقص والی بات ہے کوئی برائی ہے تو اُسے اپنی خطا ماننا چاہیے اور خطا پر بارگاہ الٰہی میں توبہ کرنی چاہیے۔

یہ بات قرآن مجید سے متحقق ہوگئی کہ اللہ کی حمد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عطا جان کر اپنی افضلیت اور اپنے اوصاف کا تذکرہ کرنا سنت انبیاء ہے۔ اسے تکبر نہیں کہا جائے گا۔ یہ اللہ کی نعمت کی تحدیث ہے اور اُس کی عطاء پر بندہ رب کا شکر ادا کرتا ہے۔

انبیاء کی وراثت کا پھر ذکر ہوتا ہے {وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ}

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام ظاہری وراثت کے نہیں بلکہ روحانی وراثت کے وارث بنے ہیں۔ ہم اہلِ سنت کے نزدیک یہ بات مسلمہ ہے کہ باغ فدک کے تنازعہ کے موقع پر وہی حدیث پیش ہوئی جس کا پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ ''لا نورث ماترکناہ صدقہ'' نبیوں کی مادی وراثت نہیں ہوتی بلکہ روحانی وراثت ہوتی ہے۔

نسب کی اہمیت

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہوئے۔ یہ ورثہ حضرت سلیمان علیہ

السلام نے سلیمان ہو کے نہیں پایا بلکہ حضرت داؤد علیہ السلام کا بیٹا ہو کر پایا ہے۔ باپ ہونا اور بیٹا ہونا وجہ ہے اس وراثت کے حصول کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ بزرگی میں نسب کو دخل ہے۔ یہ ورثہ کسی پاس پڑوس میں رہنے والوں کو نہیں ملا۔ کسی خدمتگار کو نہیں ملا۔ اولاد کو ملا اور وہ اس لیے ملا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی Body (بدن) میں حضرت داؤد علیہ السلام کا خون ہے تو نسب کی وجہ سے اُنہیں یہ فضیلت ملی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے یتیم لڑکوں کی دیوار تعمیر کرنے پر اعتراض اُٹھایا تھا کہ جس بستی کے لوگوں نے ہمارے ساتھ ناروا سلوک کیا۔ بے حسی اختیار کی اور کھانے کو کچھ دینے سے انکار کر دیا ہم اُن کے ساتھ ایسی فراخدلی سے پیش آئیں کہ اُن کی دیوار بنا دیں آخر کیوں؟ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا:

{وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا} (اِن کا باپ صالح تھا)۔

دو پیغمبروں کی ڈیوٹی لگی کہ بلا معاوضہ اپنے بندوبست پر اُن کی دیوار بناؤ اور اُنہوں نے بنائی۔ یہ عزت اُن یتیموں کو رکوع سجود کرنے سے بہت زیادہ نوافل ادا کرنے، معاشرے میں پائے جانے والے نیک اعمال سے یا محض تقویٰ سے حاصل نہیں ہوئی بلکہ نسبی شرافت کی وجہ سے ہوئی۔ تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ وہ صالح انسان اُن کا باپ نہیں تھا بلکہ سات پشتیں اوپر چل کر اُن کا دادا لگتا تھا۔ وہ اُن کا مورث اعلیٰ تھا۔ اگر بنی اسرائیل کے خاندان کا ایک نیک شخص اپنی نیکی اور پاکیزگی سے آئندہ سات پشتیں چل کر جو اولاد ہے اُن کو فائدہ دیتا ہے۔ تو سرکار تاجدار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد اطہار (جو سیّدہ فاطمہ خاتون جنت علیہا السلام کی اولاد ہے) کی افضلیت کو ماننے میں کون سا امر مانع ہو سکتا ہے۔

جن بچوں کی دیوار دو پیغمبروں نے بنائی وہ خود بہت بڑے عالم نہیں، متقی نہیں کوئی اور بڑی نیکی اُنہوں نے نہیں کی ہوئی۔ اُن کے خزانے کی حفاظت کے لیے دیوار صحیح حالت میں کی گئی۔ آخر اُن کی کون سی خوبی ہے بس ایک ہی خوبی ہے کہ نسب بزرگی والا ہے۔ فائدہ نسب کا حاصل ہوا۔

نسبتوں کی تعظیم

صوفیا کے ہاں عموماً یہ بات ہوتی ہے کہ بزرگوں کی اولاد ہے۔ میرے پیر صاحب کی اولاد ہیں پیر خانے کے یہ خادم ہیں۔ یہ لنگر خانے کا انتظام کرنے والے ہیں۔ اس لیے یہ قابلِ عزت ہیں حضرت خواجہ پیر سیّد مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت پیر سیّد حیدر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جلال پوری دونوں آستانہ عالیہ سیال شریف کے مرید ہیں۔ ایک دفعہ سیال شریف بیٹھے ہوئے ہیں تو گائیں مسجد کے سامنے گزریں تو حضرت پیر سیّد حیدر علی شاہ صاحب جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ

دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ حضرت خواجہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ پوچھتے ہیں شاہ صاحب! کھڑے کیوں ہو گئے ہیں۔ اُنہوں نے کہا مرشد پاک کے لنگر کی گائیں گزری جارہی ہیں، اُن کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا ہوں۔ حضرت خواجہ گولڑوی علیہ الرحمۃ نے فرمایا پیر حیدر علی! ادب میں اللہ تعالیٰ نے جو تجھے مقام بخشا ہے وہ کسی کو بھی نہیں ملا، تو ادب کا بادشاہ ہے۔

قرآن مجید میں اس کا ثبوت موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَ الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْر} (الحج:36)

(اور قربانی کے ڈیل دار جانور، اونٹ اور گائے ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں سے کئے)

بدنہ چوپائے کو کہتے ہیں مثلاً گائے، بھینس، اونٹ وغیرہ اِن کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ جس وقت میقات کے مقام سے روانہ ہوتے ہیں تو جانور کے گلے میں چیتھڑا (قلادہ جو قربانی کے جانور کی علامت ہوتی ہے) ڈال دیا جاتا ہے اور قبلے کی طرف منہ کر کے اُسے روانہ کر دیا جاتا ہے۔ تو یہ جانور قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے اور تمہارے لیے اس میں خیر ہے۔ اس چوپائے نے حج نہیں کیا ہوا نوافل نہیں پڑھے کوئی ایسا نیک عمل نہیں کیا ہوا۔ وہ جانور ہے اُس کا تو کام صرف جانوروں کی طرح چلنا پھرنا گھاس کھانا ہے تو پھر اُس کی تعظیم کیوں ہے؟ مقامات مقدسہ کی طرف منہ کرنے کی نسبت پائی ہے اس لیے قابل تعظیم ہے میں پوچھتا ہوں جو اولاد رسول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت ہے کیا کسی گائے بھینس اور اونٹ کا خدا اور رسول سے ایسا تعلق بنتا ہے؟ یقیناً ہرگز وہ تعلق نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے اولاد رسول سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت رکھتے ہیں اور سب سے زیادہ مودت اور تعظیم کا حق رکھتے ہیں۔

صوفیا کے نزدیک اپنے شیخ کے جانوروں کی تعظیم کرنا اس سے ثابت ہوتا ہے۔ قرآن نے کہا:

{وَ مَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ} (الحج:32)

(اُن نشانیوں (قربانی کے جانوروں جو بیت اللہ کی طرف پہنچائے جارہے ہیں) کی تعظیم کرنا دل کا تقویٰ ہے)۔

جتنا بڑا کام ہوتا ہے اُتنی بڑی چیز کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ ہاتھ کے کام کی قیمت اور ہے پاؤں کے کام کی قیمت اور ہے آنکھ اور کان کے کام کی قیمت اور ہے۔ دل کے کام کی قیمت قطعاً مختلف ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جس طرح دل تمام اعضاء کا رئیس ہے اسی طرح اُس کا تقویٰ تمام اعمال کا سردار ہے۔ جس طرح کے اعضاء ہیں اُسی طرح اُن کا تقویٰ ہے۔ رب کریم فرماتا ہے کہ مقامات مقدسہ اور شعائر اللہ کی تعظیم کرنا دل کا تقویٰ ہے۔

اِن باتوں کو اکٹھا کرو تو اُس سے صوفیاء کے ہاں پایا جانے والا یہ مسئلہ حل ہوتا ہے کہ اپنے شیخ کی اولاد، اُس کی بارگاہ اور شیخ کے جانوروں تک کی تعظیم کرنا درست ہے۔ صوفی آرڈر (سلسلہ طریقت) میں یہ بات اہم ہے کہ طریقت کا پوری طرح فائدہ حاصل کرنے کے لیے مقامات ادب کو پورا کرنا ضروری ہے۔ ایک آدمی عبادت کرتا ہے۔ وظائف پڑھتا ہے۔ ذکر الٰہی کرتا ہے لیکن جب تک تعظیم کے کوائف پورے نہ کرے اُس کو فائدہ نہیں پہنچے گا۔

ایک آدمی اپنے شیخ کی تعلیمات کے مطابق نماز کی پابندی کرتا ہے۔ تہجد، اوّابین، چاشت، اشراق پڑھتا ہے۔ قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے۔ وظائف پڑھتا ہے۔ سحری کو مراقبہ کرتا ہے۔ اذکار الٰہیہ کرتا ہے۔ لیکن ان کا فائدہ حاصل کرتے وقت یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ تعظیم بھی کرتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ تعظیم اور ادب سے فوائد ممکن ہیں۔

آدمی تمام مناسکِ حج پوری طرح ادا کرے مگر اُن جانوروں (جو شعائر اللہ ہیں) کی تعظیم نہ کرے تو اُس کے حج کی وہ مقبولیت نہیں ہوگی جو فی الواقعہ ہونی چاہیے۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

{قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓی اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا} (الکہف۔۲۱)

(جو لوگ ان کے بارے میں غلبہ رکھتے تھے وہ کہنے لگے کہ ہم اُن (کے غار) پر مسجد بنائیں گے)

وہ لوگ جنہوں نے اُس علاقے کو فتح کیا جہاں اصحاب کہف کے مزار تھے کہا یہاں ہم مسجد بنائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے شیخ کے گرد و نواح کی جگہ کو قبولِ دعا کا ذریعہ سمجھنا اور وہاں کی مٹی کو خدا کے قرب کا باعث جاننا درست ہے اور یہ صوفی آرڈر کی ضرورت کی چیز ہے۔ وراثت اور نسبی حقوق کی پہلے بات ہو چکی ہے بیٹا اولاد ہونے کی حیثیت سے اپنے باپ سے مادی ورثہ پاتا ہے۔ اور اگر مادی وراثت نہ ہو تو روحانی وراثت پاتا ہے۔ جیسے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اللہ کا نبی نہ وراثت پاتا ہے اور نہ وراثت چھوڑتا ہے۔ اس سے مراد مادی وراثت ہے روحانی وراثت نبی چھوڑتا ہے اور وہ نبی کی اولاد پاتی ہے۔

بایں معنیٰ اولاد فاطمہ سلام اللہ علیہم نے باغ فدک یا اس طرح کی دوسری چیزیں ورثے میں نہیں پائیں مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کمالات نبوت جو قیامت تک آنے والے ہیں وہ سارے کے سارے اولاد رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں پائے جانے برحق ہیں۔

منطق الطیر

{عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ}

اس سے یہ عقیدہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی معرفت نبوت سے پرندوں کی بولی سمجھ لیتے تھے۔ اگر پرندوں کی بولی کو سمجھ لینا کمالات نبوت سے مان لیا گیا تو پھر ایسا ممکن ہوگا کہ ولی بھی فیضان نبوت سے پرندوں کی بولیاں سمجھ لے۔ ایک مشہور واقعہ ہے حضرت بابا فرالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ایک درخت کے نیچے کھڑے ہیں۔ درخت کو آگ لگ گئی۔ آپ نے درخت پر ایک پرندے کو دیکھا جو اپنے گھونسلے میں بیٹھا ہوا ہے۔ حضرت نے پرندے کو مخاطب کیا اور کہا:

آگ لگی اس برچھ کو جلنے لگے پات
اُڑ جا بھولے پنچھیا پر ہیں تمہارے ساتھ

اُس پرندے نے اپنی بولی میں جواب دیا:

پھل کھائے اس برچھ کے بیٹوں بھر دیئے پات
اَب اُڑنا کام نہیں ہے اپنا جل مرنا ہے ساتھ

یہ وفا کی بات ہے۔ ساری زندگی اس درخت کے پھل کھائے ہیں اب جلنے کا وقت آیا تو اُڑ جاؤں، یہ بے وفائی ہے۔ اب اس کے ساتھ ہی جل مروں گا۔

ناقص عقل سوال کرتی ہے کہ پرندے کی بولی اُنہوں نے سمجھی کس طرح؟ اُس کا جواب یہی آیت ہے کہ اللہ کے نبی میں یہ کمال بوجہ نبوت کے پائے گئے۔ جو کمال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پایا جائے وہ آپ کی اُمت کے ولی میں بطور کرامت کے پایا جانا ممکنات میں سے ہیں۔

حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند سرکار رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے مرید ہیں۔ یہ اجودھن کے رہنے والے تھے۔ آپ کا مزار پاکپتن شریف میں ہے۔ آپ فاروقی النسب ہیں۔ چشتیہ کے دو مشہور سلسلے صابری اور نظامی آپ ہی سے چلے ہیں۔ حضرت صابر پیا کلیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھانجے اور داماد تھے اور خلیفہ بھی تھے۔ اور دوسرے سیّد نظام الدین محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن کا مزار دلی میں دریائے جمنا کے کنارے ہے۔ زمانہ طالب علمی میں مجھے (حضرت قبلہ عالم مدظلہ العالی) کو وہاں حاضری کا موقع ملا ہے۔

ولایت اور متاعِ دنیا

عام لوگ اولیاء اللہ کے ہاں اللہ کی نعمتوں کی فراوانی دیکھ کر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر یہ اللہ والے لوگ ہیں،

درویش ہیں، فقیر ہیں تو پھر یہ اتنی امیرانہ زندگی کیوں گزارتے ہیں۔ ان کے پاس تعیّشاتِ زندگی ہوتے ہیں۔ عالیشان مکانوں میں رہتے ہیں۔ قیمتی لباس زیب تن کرتے ہیں سفر کے لیے اعلیٰ گاڑیاں اِن کے پاس ہوتی ہیں۔ عمدہ ساز وسامان اِن کے گھروں میں ہوتا ہے۔ بڑے لذیذ کھانے دسترخوان پر موجود ہوتے ہیں۔ تو یہ کیسی درویشی ہے، کیسا فقر ہے؟ ان کی لو اللہ سے لگی ہوتی ہے تو پھر دنیا کی متاع سے ان کو غرض نہیں ہونی چاہیے۔

ایسے لوگوں کو غور کرنا چاہیے کہ قرآن مجید میں ہی یہ وضاحت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام بیک وقت اللہ کے نبی بھی ہیں اور ساری دنیا کے بادشاہ کی حیثیت سے شاہانہ زندگی بسر کرتے ہیں ساری زندگی کی سہولتیں اور عیش وعشرت کے وہ سامان میسر ہیں جو ایک بادشاہ کے شایان شان ہیں۔ کیا اب کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ایک اللہ کے نبی علیہ السلام کو بادشاہت اور شاہانہ زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ محنت مزدوری کر کے دولت اکٹھی نہیں کی تھی بلکہ نبوت کی برکت سے ہی اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ہر نعمت سے نواز دیا۔ اسی طرح قرآن مجید میں اور بھی شواہد ہیں اور اسی ضابطے کے تحت ہر دور میں اولیاء اللہ کے پاس ہر چیز کا ہونا ممکنات میں سے ہے۔ جتنے بھی صوفیا گزرے ہیں اُن میں ساری جماعت اولیاء کے سردار والی بغداد شہنشاہ جیلان شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے زیادہ دولت مند ہوئے ہیں۔ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ اہل تصوف میں ایک عظیم نام ہے وہ بہت دولتمند شخص تھے۔ اُنہوں نے اپنی مثنوی میں یہ کہا ہے:

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

(حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ)

اگر دولت، منصب، عزت وجاہ، اموال دنیا ہوں اور وہ دل میں داخل نہ ہوں باہر رہیں تو وہ محض دنیا نہیں ہے۔ جس بات کا نام دنیا داری ہے وہ خدا سے غافل کرنے والی چیز ہے۔ اگر بندہ خدا اپنے رب سے غافل نہیں تو پھر اُس کے پاس روپے پیسے سونے چاندی بیوی مال واولاد ہونے سے اُس کے فقر ودرویشی میں کوئی فرق نہیں آتا اور بندہ اللہ والوں کی صف سے خارج نہیں ہوتا۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں سب سے زیادہ امیر تھے۔ حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت جامی عشاق کا بادشاہ ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت بڑا

عاشق ہے۔ سب طبقات نے تسلیم کیا ہے کہ جامی بے مثال عالم ہے درویش کمال درجے کا ہے۔ حضرت جامی نے خواجہ عبیداللہ احرار کو دیکھا کہ آپ شاندار محل میں رہائش رکھتے ہیں۔ کھانے پینے کے سارے سامان آپ کے پاس ہیں۔ قیمتی برتنوں میں کھانا کھاتے ہیں گھر میں شاہی سامان موجود ہیں۔ ایسا بندہ، بندۂ خدا کب ہوسکتا ہے۔ دروازے سے نکلتے وقت اُن کی زبان سے ایک مصرعہ نکل گیا:

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

(وہ مرد خدا نہیں ہوسکتا جو دنیا کو دوست رکھے) یہ کہہ کہ حضرت جامی چل دیئے اپنے گھر پہنچے اور سو گئے خواب میں دیکھتے ہیں کہ قیامت برپا ہے اور جامی رحمۃ اللہ علیہ اللہ کی بارگاہ میں حساب کے لیے پیش ہوئے ایک قرض خواہ آ گیا اُس نے کہا آپ نے دس روپے مجھ سے قرض لیے تھے وہ مجھے واپس کریں۔ حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا پیسے میرے نہیں ہیں۔ البتہ یہ میری کتابیں لے لو اور ان کو فروخت کر کے پیسے پورے کرلو۔ اُس نے کہا کتابیں فروخت کرنے کا میرے پاس وقت نہیں ہے۔ پیسے نکالو مجھے بھی کسی کے دینے ہیں۔ آپ نے کہا پیسے تو میرے پاس نہیں ہیں۔ اُس نے کہا میری جگہ سزا کاٹو۔ حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جس طرح اللہ کی مرضی ہے میں سزا کاٹنے کے لیے تیار ہوں۔ اتنے میں دیکھا خواجہ عبیداللہ احرار آ گئے۔ اُنہوں نے آپ کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور کہا جامی! کتنے پیسے دینے ہیں اُنہوں نے کہا دس روپے۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ نے دس روپے اپنی جیب سے نکال کر اُس شخص کو دے دیئے۔ کہا جامی! تمہارا حساب بے باک ہوگیا ہے۔ پھر ایک جھٹکے سے آنکھ کھل گئی دیکھا جس طرح گرمی محشر میں خواجہ عبیداللہ احرار کندھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑے تھے اُسی طریقے سے عالم بیداری میں چارپائی کے پاس کھڑے تھے اور کندھے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ حضرت خواجہ احرار نے کہا جامی! میرے دروازے سے باہر نکلتے وقت جو جملہ تم نے کہا تھا وہ یاد ہے۔ کہا کچھ یاد نہیں۔ کہا وہ شعر مکمل کرو۔ حضرت جامی نے کہا مجھے تو اب اپنا نام بھی یاد نہیں چہ جائے کہ مصرعے لگاؤں اور شعر کہوں۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار نے فرمایا تم نے یہ مصرعہ پڑھا تھا:

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد

اگلا مصرعہ یوں لگاؤ:

اگر دارد برائے دوست دارد

(وہ مرد خدا نہیں ہوتا جو دنیا کو دوست رکھے اور اگر دنیا کو دوست رکھے تو دوست کے لیے ہی دوست رکھے) اے

جامی! میرے پاس پیسے تھے تو آج تیرا کام چل گیا۔

اگر انسان کے پاس دنیا کا مال ہو لیکن وہ دل کی دنیا سے باہر ہو تو پھر مال و دولت کا ہونا مضر نہیں ہے بندے کی خدا پرستی میں فرق نہیں آنا چاہیے۔ اہل اللہ کے پاس اللہ کی ساری نعمتیں آ جاتی ہیں مگر اُن کی للّٰہیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کا پہلے ذکر ہوا آپ کے پاس اللہ کی دی ہوئی ہر چیز تھی لیکن اس کے باوجود حضور غوث الاعظم کا چالیس سال تک معمول رہا کہ عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر دو رکعت نماز نفل کی نیت کر لیتے پندرہ پارے پہلی رکعت میں اور پندرہ پارے دوسری رکعت میں پڑھ دیتے اور چالیس برس میں یہ نماز قضا نہیں ہوئی۔ پتہ چلا دولت، عیش و آرام کے سامان ہوتے ہوئے اولیاء اللہ کا دل ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ ماسوا اللہ اُن کے دل میں کچھ نہیں ہوتا۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس تذکرے میں بیان ہوا کہ انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی شان اور قدرت کے مظہر ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ کی ذوات کمالات نبوت کی مظہر ہوتی ہیں۔ اللہ نے جو فضل و انعام فرمایا ہے اُس کا تذکرہ کرنا، حمد الٰہی اور شکر الٰہی بجالانا، عدل و انصاف مخلوق خدا کا خیال، احتساب کا خیال یہ سارا سبق اخذ ہوتا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ

چھٹا درس قرآن: ۳ جولائی ۲۰۰۴ء

مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا

☆.....ایمان۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا جملہ محبتوں پر غالب آ جانے کا نام ہے۔

☆.....ولایت کی پہلی بنیاد عقیدہ صحیحہ ہے۔

☆.....ذکر محبوب محبت کی علامت ہے

☆.....محبت کی ابتداء محبوب کی طرف سے ہوتی ہے

☆.....صفات ایجابیہ یا ثبوتیہ اور صفات سلبیہ

☆.....ذکر اور فکر

☆.....اچھے اور برے، دوست اور دشمن کی پہچان کا معیار

☆.....اہل محبت کے نزدیک محبوب کی بستی کا مقام و مرتبہ

☆.....صحبت شیخ

☆.....ہر معاملے کا انحصار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی پر ہے

☆.....محبت کا مزاج

☆.....محبت کو محبوب کا عیب دیکھنے سننے کی عادت نہیں

☆.....محبت کہاں سے ملتی ہے

☆.....حضرت حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم کی بے مثال شجاعت

☆.....بدن اور روح کا تعلق

مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

''مرجاؤ مرنے سے پہلے'' عام طور پر یہ جانا جاتا ہے کہ یہ صوفیاء کا قول ہے اور زیادہ اغلب یہ بات ہے کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ محدثین کی تحقیق ہے کہ یہ حدیث مبارکہ ہے۔ ہر دو حال میں اس ارشاد کا تعلق تصوف سے ہے۔اور صوفیاء کی زبان میں یہ زیادہ استعمال ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں یہ آیت ہے:

{اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ} (یونس:63)

صوفیاء اس سے دو معنیٰ لیتے ہیں۔

(۱) فنائے قلب۔(۲) فنائے نفس۔

''اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' سے فنائے قلب کا مفہوم نکلتا ہے اور ''وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ'' سے فنائے نفس کا مفہوم نکلتا ہے۔

مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا۔(۱) اس کا حاصل ہے۔جس طرح مردہ زندہ لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔اُس کی اپنی تمنا کو اپنے کسی معاملے میں دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس کے ورثا یا پاس جو زندہ لوگ موجود ہوتے ہیں اُن کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اُسے غسل دیں کفن دیں، جنازہ پڑھائیں اور لحد میں اُتار کر اُسے دفن کر دیں۔میت کسی معاملے میں نہ کوئی تجویز دیتی ہے اور نہ کسی کی تجویز پر عمل ہونے میں کوئی انکار کر سکتی ہے۔صوفیاء فرماتے ہیں کہ تم اللہ، رسول اللہ اور اپنے مشائخ طریقت کے ہاتھوں میں اس طرح ہو جاؤ کہ نہ تمہارا عمل اپنی مرضی کا ہو اور نہ تمہاری محبت اپنی سوچ کی ہو۔ بلکہ تمہاری محبت اُسی سانچے میں ڈھلی ہوئی ہو جو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رضا کا سانچہ ہے۔

ایمان۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت کا جملہ محبتوں پر غالب آ جانے کا نام ہے

{اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا} اولیاء اللہ وہ ہیں جو ایمان لائے۔

ایمان کے بارے میں سرکار تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث پاک ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب قائم کیا ہے جس کا عنوان ہے: **باب حب الرسول صلی اللّٰہ علیہ و الہٖ وسلم من الایمان**

باب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم سے محبت رکھنا بھی ایمان میں داخل ہے۔

جس کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں:

{ لَایُؤمِنُ اَحدُکُم حتّٰی اَکُون اَحَبَّ اِلَیہِ مِن وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ والنّاسِ اجمَعِینَ} (بخاری، کتاب الایمان)۔(تم میں اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے والدین اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں)

اُس وقت تک کوئی مومن کہلانے کا حقدار نہیں جب تک میری محبت، محبت کے سارے رشتوں پر غالب نہ آجائے اور سبھی محبتیں میری محبت کے سامنے شکست قبول نہ کرلیں۔

جس وقت محبت دامنگیر ہوگی تو ''موتوا قبل اَن تموتوا'' کا مفہوم سمجھنا آسان ہوجائیگا۔

آدمی کی سوچ اس طرح ہے کہ سب کچھ اُس کی تمنا کے مطابق ہو۔ کسی کے ساتھ پیار میں وہ خونی رشتوں، جنسی اغراض، مالی منفعت، عزت و وقار، سیم وزر اور اس طرح کے دیگر عوامل کو مدنظر رکھتا ہے۔ لیکن جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھ لینے کے بعد اُس کو یہ بتایا جاتا ہے کہ اب تمہاری محبت کے دروازے اس طرف کھل گئے ہیں جہاں سے اللہ اور اُس کے رسول کی محبت آتی ہے۔

قرآن مجید نے اس معنیٰ کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

{اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ})البقرہ:257)

(اللہ اُن لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے اور اُن کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالتا ہے)

مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول کی محبت میں روشنی ہے اس کے علاوہ باقی جتنی محبتیں ہیں جو شریعت کے حکم کے تحت نہیں آتیں وہ اس حکم سے خارج ہیں۔ ولایت جسے کہتے ہیں اُس کی ابتداء کلمہ ایمان پڑھنے سے شروع ہوجاتی ہے اللہ اُن کا ولی (دوست) ہے۔ جو ایمان لائے۔

ولایت کی پہلی بنیاد عقیدہ صحیحہ ہے

دل کی گہرائیوں سے اس سچائی کو تسلیم کرلینا کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں {لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ } ایمان کے اس اعلان سے خدا کے ساتھ دوستی شروع ہوجاتی ہے کیونکہ ولایت کے اصل معنیٰ ہیں قربِ محبت یعنی محبت کی وجہ سے قریب رہنا۔ کلمہ پڑھنے سے اُس کا کوئی نہ کوئی درجہ شروع ہوگیا۔ اس کا مطلب

ظاہر ہے کہ ولایت کے اندر عمل کا دخل ثانوی نوعیت رکھتا ہے۔کلمہ پڑھنا اور دل سے اس عقیدے کو تسلیم کر لینا یہ عقیدہ ہے عمل نہیں ہے یہ نہ جہاد ہے، نہ نماز ہے، نہ روزہ، نہ زکوۃ اور حج ہے۔اور نہ کسی طرح کی اور سرگرمی ہے عقیدہ صحیحہ کا اعلان کیا تو ولایت کا آغاز ہو گیا۔جس کا عقیدہ صحیح نہیں اُس کو ولایت کبھی نہیں مل سکتی۔

ذکرِ محبوب محبت کی علامت ہے

حدیث مرفوع ہے: {مَنْ اَحَبَّ شَیئاً اَکْثَرَ ذِکْرَہ} (کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، قاضی عیاض اندلسی، فصل فی علامۃ محبۃ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم، جلد دوم)

(جو کسی چیز سے محبت کرے اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے)

جس وقت کسی کی محبت دامنگیر ہو گی وہ (محب) اُس (محبوب) کے ذکر سے رک نہیں سکے گا۔اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اُسی کا ذکر کرتا رہے گا۔اللہ کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک سے محبت ہے اس لیے پروردگار عالم نے لوح محفوظ پر پہلی تحریر شروع کی تو اُس پر ''لَااِلٰہَ اِلاَّ اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ'' لکھا۔یہ محبت کی نشانی ہے کہ کوئی کام شروع کرتے وقت اپنے محبوب کا ذکر کرے۔جنت کے جتنے دروازے ہیں سب پر ''لَااِلٰہَ اِلاَّ اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ'' لکھا ہوا ہے۔حوروں کی آنکھوں کی پتلیوں میں سے ایک پر اللہ اور دوسری پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔اسی طرح جنت کے درخت طوبیٰ کے ہر پتے پر اور ساق عرش پر اللہ اور محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔اللہ نے اس وجہ سے لکھا ہے کہ وہ خود خالق ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک بایں معنیٰ لکھا ہے کہ وہ اُس کے محبوب ہیں محبت کی عادت ہے کہ اپنے محبوب کی جدائی کو قبول نہیں کرتی۔

محبت کی ابتداء محبوب کی طرف سے ہوتی ہے

عشق اول در دل محبوب پیدا می شود

محبت کی ابتداء دراصل محبوب کی طرف سے پیدا ہونی شروع ہوئی ہے۔رب کریم نے اپنی محبت کا ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ اُن کا دوست ہے جو ایمان لائے: {یا یھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ} (سورۃ المائدہ۔ ۵۴)

(اے ایمان والو! اگر تم دین سے پھر جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لے آئے گا جن سے اللہ پیار کرے گا اور وہ اللہ سے پیار کریں گے)

اس مقام پر حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اللہ نے اپنی محبت کا ذکر پہلے کیا ہے اور بندوں کی محبت کا ذکر بعد میں کیا ہے جس کا معنیٰ ہے کہ محبت کی ابتداء اصل میں محبوب ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ اگرچہ اظہار چاہنے والے کی طرف سے ہوجاتا ہے۔ (تفسیر کبیر، جلد 12، صفحہ 54)

جیسا کہ پہلے سے بیان چلا آ رہا ہے کہ جس سے محبت ہوتی ہے محب کثرت سے اُس کا ذکر کرتا ہے۔ ذکر کرنے کی دو Forms (انواع) ہیں۔ (۱) ذکر لسانی (۲) ذکر قلبی

صفات ایجابیہ یا ثبوتیہ اور صفات سلبیہ

ذکر کے اندر دو طرح کے رنگ پائے جاتے ہیں۔ ایک رنگ ہے پروردگار عالم کی اُن صفات کا جن کا وجود ذات باری میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ رحمن ہے، پالنے والا ہے۔ زندہ ہے۔ قائم دائم ہے۔ اللہ کی ان صفات کو صفات ایجابیہ یا ثبوتیہ کہتے ہیں۔

دوسرا رنگ یا دوسری نوع اُن صفات کا ہے کہ جو صفتیں اللہ تعالیٰ کی ذات میں نہیں پائی جاتیں اس کا نام تسبیح ہے ان کو صفات سلبیہ کہا جاتا ہے۔

صفات ثبوتیہ کی پھر دو Forms ہیں (۱) حمد باری تعالیٰ (۲) برکت باری تعالیٰ

حمد کے بارے میں فرمایا: {الحمدللّٰہِ رَبِّ العَالَمِیْنَ} (البقرہ۔۱)

(ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو سارے جہاں کا پالنے والا ہے)۔

{اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتَابَ} (الکھف۔۱)

(ساری تعریفیں اُس خدا کی ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی)۔

برکت کے بارے میں ارشاد فرمایا: {تَبَارَکَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْکُ} (الملک۔۱)

(برکت والی ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں ملک ہے)

{تَبَارَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا} (الفرقان۔۱)

(برکت والی ذات ہے وہ جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا)۔

صفاتِ ثبوتیہ کی یہ دو انواع ہیں: (۱) حمد کے مادے سے (۲) برکت کے مادے سے۔

صفات سلبیہ کے بارے میں رب تعالیٰ فرماتا ہے:

{یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ} (التغابن:64)

(زمینوں میں آسمانوں میں جو کچھ ہے وہ اُس کی تسبیح بیان کرتا ہے)

جو عیب بطور صفت کے پائے جاتے ہوں اُن سے اللہ کی ذات کو پاک مانا جائے اور اُن صفتوں کا رد کیا جائے جو اللہ کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ مثلاً لوگوں نے کہا مریم علیہا السلام پروردگار عالم کی بیوی ہیں۔ رب نے کہا اللہ بیوی سے پاک ہے۔ یہ کہا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں رب نے فرمایا کہ اللہ بیٹوں سے پاک ہے۔ فرشتوں کے بارے میں کہا یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ اللہ بیٹیوں سے پاک ہے۔ لوگوں نے کہا یہ بت خدا کے شریک ہیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا اللہ شرک سے پاک ہے۔ ان صفات کو صفات سلبیہ کہا جاتا ہے۔

ذکر اور فکر

ذکر اور فکر دونوں قرآن مجید کے اندر مذکور ہیں قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے:

{الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّقُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ} (آل عمران۔۱۹۱)۔

(وہ بندہ گان خاص جو ذکر کرتے ہیں چلتے ہوئے، بیٹھے ہوئے اور کھڑے ہوئے اور زمینوں آسمانوں کی تخلیق پر وہ غور کرتے ہیں)۔

جس طرح وہ ذکر و فکر کے ذریعے سے رب کو تلاش کرتے ہیں اسی طریقے سے آیات کونیہ میں غور و فکر کرتے ہیں۔ کائنات کے اندر پائی گئی نشانیوں کو آیات کونیہ کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر کی بولی میں وہ آیات قرآنی جو کائنات میں ہر طرف موجود نشانات قدرت ہیں اُن کو بیان کرتی ہیں۔ وہ آیات کونیہ ہیں۔ مثلاً پہاڑوں کی اونچائی، سمندروں کی وسعت اور گہرائی، صحراؤں کی وسعتیں، کلیوں کا تبسم، پھولوں کی مسکراہٹ، بلبلوں کے نغمے، صبح کی شگفتگی، شام کی دل آویزی، رات کا سناٹا، جنگلوں کا عالم ہو یہ سب چیزیں آیات کونیہ ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس ساری کائنات کا ایک ہی خالق و مالک ہے جس نے یہ سب کچھ ایک خاص ترتیب سے بنایا ہے۔

گر مصور نیست ایں تصویر چیست
گر مدبر نیست ایں تدبیر چیست

اب کسی گھر کے Drawing Room (آراستہ کمرے) کو دیکھیں اُس کی دیواروں پر Wall Paper

(دیوار پر لگایا ہوا کاغذ جو خاص طور پر دیواروں کی آرائش کے لیے بنایا جاتا ہے) کس طریقے اور سلیقے سے لگا ہوا ہے۔ متناسب انداز میں اُس کا Border (حد) بنا ہوا ہے۔ مناسب فاصلے پر ڈورے ڈلے ہوئے ہیں۔ چھت کو خوبصورتی سے Paint (رنگ) کیا گیا ہے۔ اب کیا یہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک اتفاقیہ واقعہ سے ہو گیا ہے؟ یقیناً ایسا نہیں ہوا بلکہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کسی صاحب فن کا فنی کمال ہے۔ جو Math (ریاضی) جیومیٹری اور Decoration System (آرائش وزیبائش کے قواعد) اور Fine Art (فنون لطیفہ) کا جاننے والا ہے۔

اسی طرح اس پوری کائنات میں فکر کریں۔ یہ پہاڑوں کی بلندیاں جو آسمانوں سے باتیں کر رہی ہیں کیسا حسین Design System (فن نقاشی) ہے جس کے مطابق یہ بنائے گئے ہیں۔ کس سلیقے سے پھولوں کو سجایا گیا ہے۔ ہر طرف سرسبز وشاداب مناظر کتنے دلکش ہیں۔ کہیں درخت قطار اندر قطار لگائے گئے ہیں۔ پہاڑوں پر اوپر کی طرف درختوں کا سلسلہ پُرکیف نظارے پیش کر رہا ہوتا ہے۔ پھلوں والے درخت، رنگ برنگے پھول، کھیتوں میں ہریالی، جڑی بوٹیاں، دریاؤں کی روانی۔ یہ جس قدر مناظر قدرت میں سب نے حسن کا سماں باندھ رکھا ہے۔ یہ سب کچھ ہنگامی طور پر اُٹھنے والے حوادث کا نتیجہ نہیں۔ اصل میں اس کے پیچھے کوئی طاقت ہے۔ یہ سب اُس اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت اور اُس کی تخلیق کا شاہکار ہے۔

تو کائنات میں ہر سو پھیلے ہوئے مناظر قدرت میں اہلِ محبت جو اہلِ ذکر وفکر میں وہ غور وفکر کرتے ہیں۔ بندہ اس طریقے سے محبت کی منزل طے کرتا ہے کہ ہر وقت اپنے محبوب کو یاد کرتا ہے۔ اسی یاد میں جہاں جہاں اپنے رب کا کوئی سراغ ملتا ہے، اُس کا پیچھا کرتا ہے۔ اور اللہ کی قدرت کے نظاروں میں اپنے رب کو تلاش کرتا ہے اور یقین کی پختگی اُسے حاصل ہوتی ہے کہ میرا کوئی خالق ومالک ہے۔

اچھے اور برے، دوست اور دشمن کی پہچان کا معیار

ذکر وفکر کے ان راستوں پر چلتے چلتے ایک وقت بندے پر آتا ہے کہ اپنی محبت کی جستجو میں یہ فیصلہ کرنا چاہتا ہے کہ کون میرے محبوب کو اچھا سمجھتا ہے اور کون میرے محبوب کو برا سمجھتا ہے۔ جو محبوب کو اچھا سمجھے وہ اُسے اچھا لگتا ہے خواہ وہ دشمن ہی ہو۔

تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اکٹھے ہوئے تھے وہ آپس میں ایک دوسرے کے مقابلے میں دشمنوں کی اولاد تھے لیکن جب دیکھا کہ سارے کے سارے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیار کرنے والے ہیں تو اُنہوں نے اپنی ذاتی دشمنیوں اور خاندانی عداوتوں کو دفن کر دیا۔ ولی سرکار دو عالم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیار کرنے والوں کو برا نہیں سمجھتا اور جو محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن ہیں اُن کو اچھا نہیں سمجھتا خواہ وہ بیٹے ہوں باپ ہو، بھائی ہو، بیوی ہو، سب کو چھوڑ دیتا ہے۔ سارے منافع اور زندگی کی سہولتوں کو محبوب کی محبت میں چھوڑ دینا محبت کی معراج ہے۔

اہل محبت کے نزدیک محبوب کی بستی کا مقام و مرتبہ

سب سے پہلے لوگوں کی عبادت کے لیے جو مرکز قرار پایا وہ خانہ کعبہ شریف ہے۔ وہ لوگوں کی زیارت گاہ ہے۔ باوجود اس کے قرآن مجید ایسے لوگوں کی نشاندہی کرتا ہے جو صحن کعبہ میں کھڑے ہو کر یہ کہتے ہیں کہ یارب کریم یہاں سے ہمیں نکال۔ کیا یہ جملہ قابلِ تعریف ہے یا قابلِ مذمت ہے۔ قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے:

{وَمَا لَكُمْ لَا تُقٰتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدٰنِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا} (النساء۔۷۵)

(اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خدا کی راہ میں اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں اور لے جا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما)

کہا اے محبوب کبریا تم بھی اور تمہارے صحابہ بھی سنو کیوں نہیں لڑتے ہو اُن مردوں اور عورتوں کے بارے میں جو کمزور سمجھے گئے ہیں اُن بچوں کے بارے میں جو کعبہ شریف کے صحن میں کھڑے ہو کر کہتے ہیں یا مولیٰ کریم ہمیں اس شہر سے نکال۔ جو زمین حرم ہے، ایک سجدہ کریں تو لاکھ سجدوں کا ثواب ہے۔ ایک ریال خرچ کریں تو لاکھ ریال کا ثواب ملتا ہے۔ وہاں کہتے ہیں مولا کریم یہاں سے ہمیں نکال۔ قرآن مجید نے ان کی مذمت نہیں کی بلکہ اس پر Explanation (وضاحت) طلب کی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور آپ کے غلاموں سے یہ پوچھا جا رہا ہے کہ لڑتے کیوں نہیں؟ تمہیں اُن کی حمایت کرنی چاہیے اور اُن کو Protection (تحفظ) فراہم کرنا چاہیے۔ جس شہر مبارک میں ایک عبادت کا ثواب لاکھ گنا ملتا ہے اُس شہر سے نکلنے کے طلب گار کیوں ہیں؟ اس لیے کہ اُس عبادت میں محبت کا رنگ نہیں ہے

چل اعظم اُتھے چل وسیے جتھے یار دا آنا جانا اے
اُس نگری اندر کی رہنا جتھے سجناں باج ہنیرا اے
(اعظم چشتی)

صحبتِ شیخ

جوصحبتِ شیخ سے فائدہ ملتا ہے وہ مسجد میں داخلے سے نہیں ملتا۔ یہ صوفیاء کا مسلک ہے کہ صحبت شیخ کی قیمت مقامات مقدسہ کے مقابلے میں زیادہ ہے۔اس لیے کہ مقامات مقدسہ آج بھی ہیں، مسجد حرام، مسجد نبوی شریف ہے، ان میں عبادت کرنے اور سجدے کرنے سے بہت ثواب ملے گا، لیکن کوئی صحابی نہیں بن سکے گا۔ کیونکہ اُسے صحبت شیخ (حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت) حاصل نہیں۔ مسجدوں کے زور سے اگر ساری زندگی آپ محنت کرتے رہیں صحابی کی گردِراہ کو بھی نہیں پاسکتے۔عمل میں بے شک صحابی پیچھے رہ گیا ہو لیکن اُس کے شیخ کا درجہ بلند ہے اس لیے اُس کی صحبت کا درجہ بلند ہے۔ اس کا Motive (محرک) کون سا ہے؟ قرآن حکیم کے مطابق اُن کی محبت اتنی جوان ہے کہ وہ عبادت اور اجر کے معاملے کو نہیں دیکھ رہے۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی اُن سے نہیں سہی جاتی ہے۔محبت میں شیخ کی صحبت کی بڑی قیمت ہے۔

ہر معاملے کا انحصار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی پر ہے

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کے غلاموں کی محبت میں اپنی ذاتی کوئی سوچ اور رائے نہیں تھی۔ جب بھی کوئی معاملہ پیش آتا تو وہ اول سے آخر تک یہی کہا کرتے یارسول اللہ! جو آپ کی مرضی ہے۔ہم آپ کی رضا پر راضی ہیں۔مثلاً حضرت سیّدہ عائشہ صدیقی رضی اللہ عنہا کو تہمت لگائی گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک طرح کا Refrendum (استصواب رائے) بلایا۔حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے؟ عرض کی کہ آپ وہ ذات بابرکات ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے بدن پر مکھی نہیں بیٹھنے دی۔گندگی پر بیٹھنے والی مکھی کے آپ کے مبارک بدن پر بیٹھنے سے آپ کے مقدس بدن کی ہتک ٹھہرتی ہے۔خداوند تعالیٰ نے آپ کی اتنی ہتک کو قبول نہ فرمایا۔آپ کی بیوی جو آپ کے ساتھ جوڑے کی زندگی گزارتی ہے اللہ اُس کو ایسے ناپاک کام کا موقع دے یہ خدا کی شان کے لائق نہیں ہے۔

اہل سنت کی سب سے معتبر تفسیر ''تفسیر مدارک'' جلد دوم میں سورۂ نور کی آیت 12 کے تحت یہ روایت بیان کی گئی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا تیری کیا رائے ہے؟ اُنہوں نے کہا یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ نہیں رکھا۔سایہ اگرچہ عین ذات نہیں لیکن ذات کے بغیر وجود نہیں رکھتا اس لیے ذات کے ساتھ دور کا تعلق تو ہوتا ہے۔تو جہاں زمین پر سایہ پڑے پھر اُس سائے پر کسی کا پاؤں پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ کی غیرت کو یہ قبول نہیں کہ آپ کے سائے کی

ہتک ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ چھوڑا ہی نہیں۔ جس رب کو آپ کے سائے کی ہتک قبول نہیں وہ آپ کے جوڑے کی ہتک کیسے قبول کرے گا۔

حضرت حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو یاد ہوگا کہ ایک مرتبہ آپ کے نعلین پاک کے ساتھ نجاست لگ گئی تھی۔ جبرائیل امین کی ڈیوٹی لگی کہ جاؤ میرے محبوب کو اطلاع دو۔ خدا کی غیرت کو آپ کے مبارک جوتے کی عزت مطلوب ہے اُس خدا کی غیرت کے لائق کہاں ہے کہ وہ آپ کے جوڑے کی ہتک قبول کرے۔

باری آئی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اُن کی رائے معلوم کی گئی۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی بیٹی ہیں۔ اُن سے متعلق جو معاملہ ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے متعلق کیا رائے پیش کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! جب سے آپ کا کلمہ پڑھا ہے اپنی مرضی کا کوئی کام نہیں کیا ہے۔ اس معاملے میں میری اپنی کوئی رائے نہیں۔ اگر میری بیٹی (عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) آپ کے کاغذات میں قصوروار ہے تو یقیناً قصوروار ہے اور اگر آپ کے کاغذات میں بے گناہ ہے تو بالکل بے گناہ ہے میری اپنی کوئی رائے نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے اس ایمانی جذبے سے ''موتوا قبل ان تموتوا'' کی تفسیر پیش فرمائی۔ جو محبوب پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی ہے وہ صدیق اکبر کی مرضی ہے۔

مستدرک، کتاب العلم، جلد اول میں حدیث آتی ہے۔ جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے تو پہلے خطبہ میں فرمایا:

{اِنّی کُنتُ مَعَ رَسُولِ اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم۔ فکُنتُ عَبدہٗ وَ خَادِمہٗ}

اسی طرح آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اپنا مقام بیان کر دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں حضور کی بارگاہ کا غلام تھا اور خادم تھا۔ پوچھنے والوں نے کہا اس وقت جبکہ آپ Roman Empire (سلطنت روم) اور Persian Empire (سلطنت فارس) کو فتح کر چکے ہیں۔ ایک فاتح حکمران ہیں اس حالت میں بتائیے کہ اس وقت آپ کا درجہ کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

{مَثَلِیْ کَمَثَلِ جَمَلٍ انْف یَتْبَعُ قَاعِدہٗ فَلْیَنْظُرْ قَاعِدُہٗ۔۔۔}

میری حیثیت ایسی ہے جیسا ایک اونٹ ہو اور اونٹ کی ناک میں نکیل ہو اور اُس کی مہار شتربان کے ہاتھ میں ہو

جدھر جدھر شتر بان چلتا جائے گا اونٹ پیچھے پیچھے چلنے کا پابند ہے۔ اونٹ کو اپنی ذاتی رائے استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں۔ میری حیثیت سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اونٹ کی ہے:

اکو ہی رمز پچھانو یارو بہتیاں کھیڑ یاں گلاں
میں دتی ہتھ واگ بلوچے جدھر چلائے چلاں

(حضرت عارف کھڑی رحمۃ اللہ علیہ)

میرا نام عمر ہے لیکن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تنظیم عمل اور تنظیم فکر کے سانچے میں ڈھل کر ایسا سمجھتا ہوں جیسا مردہ زندوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کا وقت آیا تو آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کو دفن کہاں کیا جائے؟ آپ نے فرمایا زندگی میں اپنی مرضی کا کوئی کام نہیں کیا اب مر کے بھی اپنی مرضی کا کوئی کام نہیں کرنا چاہتا۔ اپنی کوئی آرزو اور کوئی تمنا نہیں جو کچھ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضا ہے اُسی پر راضی ہوں۔ پوچھا پھر کیا کریں گے؟ کہا میری لاش تیار کر کے کفن دے کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ مبارک کے دوازے کے سامنے رکھ دینا اور عرض کرنا کہ آپ کا یار غار ابوبکر حاضر ہے جو جواب ملے اس پر عمل کرنا ورنہ جیسے سب مسلمان فیصلہ کریں وہاں دفن کر دینا۔ تفسیر کبیر، سورہ کہف کی آیات 9 تا 12 کی تفسیر کے تحت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

آپ کی وفات کے بعد اسی طرح عمل کیا گیا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر سے آواز آئی:

ادخلوا الحبیب ألی الحبیب

اس دوست کو دوست کی بغل کے پاس ڈال دو۔ اس ارشاد مبارک کی تعمیل کرتے ہوئے آپ کے جسد مبارک کو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں دفن کر دیا۔ کلمہ پڑھنے والی تاریخ سے لے کر وصال تک اور وصال سے دفن تک اپنی کوئی مرضی استعمال نہیں کی۔ یہ احوال ''مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا'' کی تفسیر ہیں یعنی محبوب کی مرضی کے مقابلے میں اپنی کوئی مرضی نہیں۔ اپنا سب کچھ محبوب کی مرضی پہ چھوڑ دیا ہے۔

محبت کا مزاج

محبت کا مزاج ہے کہ وہ محبوب کی سوچوں سے سوچتی ہے۔ اس کے بارے میں تفصیل پہلے بیان ہوئی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ} (المجادلہ:۲۲)

(اے میرے محبوب آپ اُن لوگوں کو کبھی نہیں پائیں گے جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہیں کہ اُن لوگوں کو دوست سمجھیں جو خدا اور اُس کے رسول سے دشمنی رکھنے والے ہیں، خواہ اُن کے باپ لگتے ہوں، اُن کے بھائی لگتے ہوں اُن کے بیٹے لگتے ہوں، قریبی رشتے دار لگتے ہوں)

ایمان والے اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں اور اپنے تمام اقرباء کو اچھا نہیں سمجھتے جب تک کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول کو اچھے نہ لگیں۔

محب اپنے آپ کو اپنے محبوب کی محبت میں گم کر دیتا ہے اور اُس کی پسند ناپسند اُس کی رضا، چاہت اور سوچ سب کچھ محبوب کی سوچ اور مرضی کے تابع ہوتے ہیں پچھلی ایک نشست میں حدیث قدسی بیان کی تھی۔ جس میں یہ بیان ہوا کہ بندہ اپنے مولا کی یاد میں فرائض ادا کرتا ہے مگر اُس کا جی نہیں بھرتا۔ وہ فرض عبادات سے گزر کر نوافل ادا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ فرض گنے چنے ہیں اُن میں وہ اضافہ نہیں کر سکتا۔ سنتیں بھی جتنی ہیں اُن سے اضافہ نہیں کیا جا سکتا لیکن نوافل کی تو کوئی پابندی نہیں ہے۔ جب تک فالتو کام نہ کرے بندے کی محبت کا جذبہ مطمئن نہیں ہوتا۔ محبت اُسے تڑپاتی ہے تو وہ اتنی ہی زیادہ عبادت کرتا رہتا ہے اور اللہ کے بندے کی نفلی عبادت اُس کی محبت کی نشاندہی کرتی ہے:

وَ الَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّ قِيَامًا۔ (الفرقان۔ ۶۴)

(میرے بندگان خاص وہ ہیں جو ساری رات قیام و سجود میں گزار دیتے ہیں)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا} (الفرقان۔ ۶۵)۔ (اور جو دعا مانگتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار دوزخ کے عذاب کو ہم سے دور رکھیو کہ اُس کا عذاب بڑی تکلیف کی چیز ہے)

رات جاگ کر یاد الٰہی میں گزارتے ہیں اور گڑگڑا کر دعائیں مانگتے ہیں کہ اللہ کریم! مجھے معاف فرما۔

گناہ کے بعد معافی مانگنا مناسب ہے لیکن اللہ کے بندے نے ساری رات عبادت میں گزاری ہے گناہ تو کوئی کیا نہیں لیکن پھر بھی چاہتا معافی ہے۔ دراصل یہ محبت کا مزاج ہے کہ محبت جوں جوں بلند ہوتی ہے محبت والے کو نیچا دکھاتی ہے۔ وہ پستی میں چلا جاتا ہے اور بڑائی کی سوچ اُس کے دل و دماغ سے نکل جاتی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایثار اور جذبہ ایمانی سے متعلق ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ جبرائیل امین بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام میں حاضر ہوئے وہاں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ٹاٹ کا کُرتا پہنے ہوئے ہیں اور اُس کے پھٹے ہوئے حصے کو ببول کے کانٹوں سے جوڑا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت ابوبکر صدیق سے پوچھو کہ جتنا سرمایہ اُس نے ہمارے راستے میں خرچ کیا ہے کیا یہ سارا مال ہم اُسے اب واپس کر دیں؟ اگر صدیق اکبر چاہیے تو رب کی رحمت تلی ہوئی ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا خیال ہے واپس لینا چاہتے ہو؟۔ صدیق اکبر نے عرض کی یارسول اللہ! کیا غلاموں کی اپنے مالکوں کی بارگاہ میں کوئی رائے ہوتی ہے؟ ہم تو یہ جانتے ہیں ''مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا''۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے یہ پوچھتا ہے کہ کیا اپنا مال واپس لینا چاہتا ہوں یا نہیں؟۔ مال تو مال رہا میں تو یہ درخواست کرتا ہوں کہ یہ میری جان کس دن آپ کے استعمال میں آئے گی۔

مردم ازیں الم کہ نہ مردم برائے تو
اے خاک بر سر ما نہ شد خاک پائے تو

میں اس غم میں مر رہا ہوں کہ میں تیرے لیے مر نہیں سکا۔ میرے سر پر خاک پڑے میں تیرے قدموں کی خاک نہیں ہو سکا۔

حضرت جبرائیل امین علیہ السلام واپس گئے اور کچھ دیر بعد واپس آ گئے اور زمین ادب سے چوم کر بارگاہ مصطفی میں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کرتے ہیں۔ دیکھیے میں نے ٹاٹ کا کُرتا پہنا ہوا ہے جس طرح صدیق اکبر نے پہنا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر یہ وردیاں جاری کی ہیں کہ تمام آسمانی قدسی، ٹاٹ کی وردی پہن لیں۔

تر دامنی پہ میری زاہد نہ جائیو
دامن نچوڑ دوں تو فرشتے وضو کریں

(میر درد)

کبھی ایسا موقع آتا ہے کہ بندے کی بے کسی اُس کا ناز بن جاتی ہے اور آسمانی قدسی بھی اُس کے ناز اُٹھاتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ! آپ کا کلمہ پڑھ کر اور ایمان لا کر اپنے آپ کو آپ کے تصرف میں دے دیا ہے میرا سب کچھ آپ کا ہے۔

محبت کو محبوب کا عیب دیکھنے سننے کی عادت نہیں

حدیث پاک ہے: عَنْ أَبِی الدَّرْدَاء عَنِ النَّبِیِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ: قَالَ: حُبُّکَ الشَّیْءِ یُعْمِی وَ یُصِمِ۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الادب، حدیث 4530)

اگر کسی کی محبت آئے دامنگیر ہوگی تو وہ تجھے اندھا بھی کر دے گی اور بہرہ بھی کر دے گی۔

یعنی عیب کی بات تم سوچ بھی نہیں سکو گے۔ تمہارے خیال سے بھی ایسی بات نہیں گزرے گی۔ محبوب کا عیب نہ دیکھا جاسکتا ہے نہ دکھایا جاسکتا ہے نہ سنا جاسکتا ہے اور نہ سنایا جاسکتا ہے۔ ولایت کی ابتداء اسی محبت سے ہوتی۔ جیسے جیسے محبت میں ترقی ہوتی گئی ایسے ہی ولایت میں ترقی ہوتی گئی۔ جس چیز سے ابتداء ہوتی ہے آگے چل کر اُس کے خلاف عمل ہو تو پھر ابتداء خراب ہو جاتی ہے۔ جس سے ابتداء ہونی ہے اُسی بنیاد پر آگے ساری زندگی گزارنی ہے۔ محبت میں آگے بڑھتے جاؤ گے تو وہ کیفیات بھی آگے بڑھنے لگیں گی اور زندگی میں ہمیشہ ارتقار ہے گا۔

محبت کہاں سے ملتی ہے

'' مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا'' کا سبق یاد کرنے کے لیے اہلِ محبت کی مجلس میں حاضری ضروری ہے۔

ذکر الٰہی سے زبان کو حرکت میں رکھو۔ اگر ذکر کرتے رہو گے تو دوبارہ مجلس ذکر میں جانے تک زوال نہیں ہوگا۔ جیسے جیسے ذکر الٰہی سے جدا ہو گے تو زوال ہوتا جائے گا۔ اہلِ محبت کی مجلس میں پابندی کے ساتھ بیٹھنے سے سب چیزوں پر جذبہ محبت غالب آجائے گا۔

ایک حدیث قدسی ہے جسے موطا امام مالک، مستدرک حاکم، سنن دارمی، سنن کبریٰ بیہقی نے حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے مولا نے مجھ سے فرمایا:

وَ جَبَتْ مُحَبَتِی لِلْمُتَاحَآبِیْنَ فِیَّ وَ الْمُتَجَالِسِیْنَ فِیَّ وَ الْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ وَ الْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ۔ (مشکوٰۃ، جلد دوم، باب الحب فی اللہ)۔

(میری محبت اُن کے لیے واجب ہوگئی جو آپس میں ایک دوسرے سے میرے لیے محبت کرتے ہیں اور جو میرے لیے آپس میں مل بیٹھتے ہیں۔ میرے لیے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔ اور میرے لیے مال خرچ کرتے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھ پر اُن کے لیے محبت واجب ہوگئی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ پر وجوب نہیں ہے۔ وجوب ڈیوٹی کو

کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ڈیوٹی دینے کا پابند نہیں۔ مگر محبت کی عادت ہے کہ از خود اپنے ذمہ ڈیوٹی لے لیتی ہے۔ تو رب تعالیٰ کو یہ ڈیوٹی کسی نے دی نہیں مگر اپنی رحمت کے ذمہ اپنے بندوں کی محبت میں ڈیوٹی لگالی ہے۔ اس لیے رب نے فرمایا کہ شان الوہیت کو مدنظر رکھتا ہوا کہتا ہوں کہ میں ہر حال میں اپنے ان بندوں سے محبت کرتا ہوں۔

وہ بندے جو آپس میں صرف اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے محبت کرتے ہیں۔ یعنی اُن کی یہ محبت محض ذاتی منصب کے لیے نہیں۔ یہ محبت خاندانی رشتوں، علاقائی اور لسانی نسبتوں، یا دنیوی لین دین کے لیے نہیں صرف اور صرف اس محبت کی وجہ اللہ کی محبت ہے۔ اس میں پاس بیٹھنے، دوری اور نزدیکی کی بحث نہیں۔ دور رہ کر کسی دوسرے ملک اور شہر میں بھی رہتے ہوئے محبت ہوسکتی ہے خواہ ملاقات ہو یا نہ ہو۔

دوسرے وہ جو اللہ کی محبت میں مل کر بیٹھتے ہیں اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ مجلس بنا کر اللہ اور اُس کے رسول کی محبت کی باتیں کرتے ہیں۔ اہل اللہ کی مجالس میں اس ایمانِ محبت میں ترقی ہوتی ہے یہ محبت کی منڈی ہے جہاں محبت کا سودا ملتا ہے۔ آپ سب احباب دور دور سے مختلف شہروں سے سفر کی تکالیف برداشت کر کے ہماری محافل (حضرت قبلہ عالم سیّدی مرشدی مفکر اسلام دامت برکاتہم العالی کے دینی پروگراموں میں شرکت) میں آتے ہیں۔ ظاہر ہے یہاں ذہنی عیش وعشرت کا کوئی سامان نہیں۔ کوئی سیر گاہ نہیں، کوئی ایسی دکان نہیں جہاں Sale لگی ہوئی ہے۔ کوئی نمائش نہیں ہے۔ صرف اور صرف دینی اور ایمانی ذوق وشوق رکھنے والے آتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کی باتیں سنتے سناتے ہیں اور اُن کے اندر محبت بیدار ہوتی ہے اہل حق کی مجالس میں اللہ اور اُس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے اہلِ بیت پاک، صحابہ عظام اور اولیاء اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔

تیسرے وہ بندگان خدا جو اللہ کی محبت میں ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔ دور دور سے چل کر اللہ کے پیارے بندوں کا دیدار کرنے اور ملاقات کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں اور عشق ومحبت کا اظہار کرتے ہیں۔

چوتھے وہ لوگ ہیں جو اللہ کے لیے ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔ یہ اخراجات وہ اپنی ذاتی اغراض کے لیے نہیں کرتے۔ کسی سیاسی سمجھوتے، کسی خاندانی معاہدے کسی تجارتی فائدے کے لیے نہیں کرتے۔ وہ اس لیے خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی اور اللہ کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت حاصل ہو تو اللہ تعالیٰ اِن چار طرح کے لوگوں سے محبت فرماتا ہے اور ان کی محبت کو اپنے کرم سے اپنے ذمہ واجب ٹھہراتا ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں بھی یہ حدیث درج

ہے۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان من عباداللّٰہ لانا ساما ھم با نبیآء و لا شھدآء ۔۔۔اذا خاف الناس و لا یحزنون اذا حزن الناس و قرء ھذہ الایۃ الا ان اولیآءاللّٰہ لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون۔

(مشکوٰۃ، جلد دوم، کتاب الادب، باب الحُبِّ فی اللّٰہِ وَمِنَ اللّٰہ)

کچھ بندگان خدا میں سے ایسے لوگ بھی ہیں نہ وہ نبی ہیں اور نہ وہ شہید ہیں لیکن قیامت میں نبی بھی اور شہید بھی اُن پر رشک کریں گے کہ اللہ کی بارگاہ میں اُن کی کیا قدر و منزلت ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی یارسول اللہ! ہمیں بتائیں کہ وہ کون لوگ ہیں جن کا یہ مقام ہے کہ نبی اور شہید اُن پر رشک کریں گے۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا خدا کی قسم اُن کے چہرے نور ہیں آپس میں ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں جبکہ اُن کے درمیان اور کوئی مادری پدری رشتہ نہیں ہے اور نہ کوئی مال کا لین دین ہے۔محض رضائے الٰہی کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں۔جب لوگوں کو خوف ہوگا وہ نہیں ڈریں گے، وہ غمگین نہیں ہوں گے جبکہ دوسرے لوگ غمگین ہوں گے۔اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ کوئی غم کھاتے ہیں۔

ہم سب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی حیدر کرار رضوان اللہ علیہم اور جمیع اصحاب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پیار کرتے ہیں ہمارے دلوں میں ان کی محبت ہے اور محبت کے ساتھ ان کا ذکر خیر کرتے ہیں۔ان سب مقدس نفوس کا ذکر اور ان سے اظہار محبت کسی ذاتی منفعت کیلئے نہیں کرتے۔کوئی مادی فائدہ مقصد نہیں ہے صرف اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی کے لیے اللہ کے پیارے بندوں سے پیار کرتے ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم وہ عظیم ہستیاں ہیں جنہوں نے محبوب کبریا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار کیا ہے اور پیار کی نظروں سے دیکھا ہے:

خدا اُن کو کس پیار سے دیکھتا ہے
جو آنکھیں ہیں محو لقائے محمد

(اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عشق و محبت اور حق کی خاطر قربانیوں کا ذکر پہلے ہو چکا ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے سخت گیر آدمی تھے مگر ہم اُن سے پیار کرتے ہیں۔اس لیے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

دشمنوں کو آپ نے کبھی معاف نہیں کیا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چاہنے والوں کے ساتھ پیار کیا ہے۔ اسی طرح اہل ایمان حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اُنہوں نے اپنی زندگی کا کمایا ہوا سرمایہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کے لیے بے دریغانہ خرچ کیا۔ حضرت حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم کی ذات والا صفات سے پیار کرتے ہیں۔ اور اُن کے ساتھ پیار کرنے کی وجہ سے بے شمار لوگ ہمیں دشمن سمجھنے لگے ہیں۔ لیکن مومنین ومخلصین مولیٰ مرتضیٰ سے محبت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے کیونکہ مومن حضرت علی مرتضیٰ سے بغض کبھی نہیں رکھتا اور نہ ہی اُن کے ساتھ پیار کرنے والوں کے ساتھ بغض رکھ سکتا ہے۔

حضرت حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم کی بے مثال شجاعت

سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم وہ مرد شجاع ہیں کہ خیبر کے مشکل ترین مرحلے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اَیْنَ عَلِیٌّ'' علی کہاں ہے؟ حضرت علی نے فوراً عرض کیا'' لَبَیکَ یَارَسُولَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' یہ اس موقع کی بات ہے جب کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگی تجربات سے گزرے نہیں۔ بائیس ۲۲ سال اور چند ماہ عمر ہے۔ جس کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے وہ رستم عرب ہے بہتر ۷۲ جنگیں لڑ چکا ہوا ہے اور کامیاب معرکے کیے ہیں۔ اب حضرت مولا علی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عذر پیش کر سکتے تھے کہ بھلا میں ایک کم عمر اور ناتجربہ کار اس قدر ماہر جنگجو کے ساتھ کس طرح مقابلہ کر سکتا ہوں۔ لیکن مولا مرتضیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے کوئی عذر نہیں پیش کیا اور بلا حیل وحجت حاضر خدمت ہوئے۔ سرکار دو عالم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا اے علی! وہ دشمن سامنے للکار رہا ہے۔ حضرت سیّدنا علی انًا فانًا اس کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ شیر خدا مولا مرتضیٰ نے فرمایا۔ تو وار کر اُس نے کہا پہلے میں وار کر دوں تو پھر مد مقابل وار کرنے کے قابل نہیں رہتا اس لیے پہلے تمہیں وار کا موقع دیتا ہوں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ پہلے تمہارا علی سے واسطہ نہیں پڑا۔ اُس نے کہا تم کون ہو؟ آپ نے کہا مجھے جاننا چاہتے ہو:

اَنَا الَّذِی سَمَّتْنِی اُمِّی حَیدَرا

ضِرغَامُ آجَامٍ و لٰکِنْ قَصْوَرَیٰ

جانتے نہیں ہو میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ حیدر کے معنیٰ ہیں ببر شیر۔ ببر شیر کی عادت ہے جس طرف سے وار ہوا ہے اُسی وار کی طرف جاتا ہے اور حملہ کرتا ہے۔ زندگی موت کی پروا نہیں کرتا۔ اُسی لمحے خطرے پر جھپٹتا ہے۔

حیدر کرار نے فرمایا میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔ دشمن نے پہلا وار کیا مولا مرتضیٰ نے روکا اور دوسرے وار

کا اُسے موقع نہیں دیا اور آپ نے بھرپور وار اُس کی گردن پر کیا اور گردن دھڑ سے جدا کر دی۔

کنبے مکے دے کفار جے چل گئی حیدر دِی تلوار

غزوہ احزاب کے موقع پر دشمن (ابن عبدوُد) گھوڑے پر سوار خندق عبور کر کے سامنے آ گیا۔ اپنی طاقت پر اُسے بڑا ناز ہے۔ گھوڑا ہاتھی نما ہے شہسوار بھی بڑی مضبوط جسامت کا ہے اور اتنا قوی ہے کہ ہاتھ میں سات من کا گرز اُٹھائے ہوئے ہے۔ دشمن طعن کر رہا ہے اور للکار رہا ہے۔ کہتا ہے تم میں سے کون جنت میں جلدی جانا چاہتا ہے۔ آتے جاؤ میں تمہیں مارتا جاؤں گا اور تم شہید ہو کر جنت میں پہنچتے جاؤ۔ یہ جملے وہ طنزاً کہہ رہا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اَیْنَ عَلِیٌّ'' حضرت علی ایک جست لگا کر آ گئے۔ تلوار فضا میں لہرائی۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم حکم فرمایئے۔ فرمایا علی سن رہے ہو دشمن کیا کہہ رہا ہے؟ عرض کیا، میں ابھی جاتا ہوں۔ آپ اُس کے سامنے گئے کہا تو پہلے وار کر لے۔ اُس نے کہا پہلے تو وار کر۔ فرمایا تجھے معلوم ہے کہ علی کا وار کوئی سہہ نہیں سکا اس لیے ہاتھ نہیں اُٹھا سکا اس لیے پہلے تجھے موقع دیتا ہوں کہ وار کر۔ اُس نے حضرت علی پر پہلا وار کیا لیکن دوسرے وار کے لیے ہاتھ نہیں اُٹھا سکا۔ مولا مرتضیٰ کی تلوار اُس کے ہیلمٹ، کھوپڑی، بدن کو چیرتی ہوئی زین سے گزری اور گھوڑے کے بھی دو ٹکڑے کرتے ہوئے جبل سلع کی تہہ میں چلی گئی۔ میدان کربلا میں بھی یہی بات تھی کہ راہ تسلیم رضا میں اللہ کا بندہ سب کچھ لٹا دیتا ہے۔ تقاضائے عشق و محبت یہی تھا کہ سب کچھ لٹا دو لیکن عقل و خرد کہہ رہی تھی سوچو، مصلحت کوشی اختیار کرو اور اپنے اور اپنے گھرانے کو بچاؤ۔

عقل بولی اپنے بچوں کو نہ مار
عشق بولا ایسے ہی ملتا ہے یار
عقل بولی سب سے پیاری جان ہے
عشق بولا یار پر قربان ہے

محبوب کے سامنے کوئی حجت نہیں اور نہ کسی رائے کا حق ہے۔ اللہ اور رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے احکام اور فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہی ایمان والوں کا شعار ہونا چاہیے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

{وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ} (الاحزاب۔۳۶)

کسی کلمہ پڑھنے والے مرد اور عورت کو اپنی طرف سے کوئی رائے قائم کرنے کا کوئی حق نہیں۔ جب اللہ اور اُس کا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کوئی فیصلہ کر دیں۔

یعنی اس فیصلے کو من وعن تسلیم کرنا اور اُس کی تعمیل کرنا اہلِ ایمان پر لازم ہے۔

جس قدر واقعات بیان ہوئے ہیں یہ سب '' مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا '' کی ہی تفسیر ہے۔

بدن اور روح کا تعلق

'' مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا '' کے مضمون کو بیان کر دیا اس سے متعلق مزید تفصیل کسی دوسری نشت میں بیان کی جائے گی۔ اس وقت بدن اور اُس میں روح پھونکے جانے سے متعلق ایک سوال پوچھا گیا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کو مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں Dialogues (مکالمے، دوطرفہ بات میں مذکور ہے) حضرت آدم علیہ السلام کے بدن میں جان پھونکے جانے کے بعد ہوئے ہیں۔ روح پھونکے جانے سے پہلے کوئی مکالمہ نہیں ہوا اللہ کے حکم پر فرشتوں نے آدم علیہ السلام کا پیکر عنصری تیار کیا اور رب تعالیٰ نے اُس میں روح پھونک دی۔

قرآن نے فرمایا: { فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ } (الحجر۔۲۹)

(جس وقت اُس کا ڈھانچہ تیار ہو چکے اور میں اُس کے اندر روح پھونک دوں اُس کے بعد تم (فرشتے) سجدے میں گر جانا)

معلوم ہوا جس وقت فرشتے سجدے میں گرے اُس وقت آپ میں روح پھونکی جا چکی تھی اور جنت میں جانے کا معاملہ سجدے میں گرنے کے بعد ہوا۔ اس لئے یہی صحیح ہے کہ جنت میں آپ کا جسم بھی تھا اور آپ کی جان بھی تھی۔ جنت میں جانے کے وقت آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت مائی حوا سلام اللہ علیہ جو سارے بنی آدم کی ماں ہیں وہ ساتھ تھیں اور جنت میں دانہ گندم کھانے کی ترغیب بھی آپ کی زوجہ نے ہی دی تھی۔ بیوی روح کی نہیں ہوتی بلکہ اُس کی ہوتی ہے جس کے جسم اور جان دونوں ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی کے بدن سے اُس کی جان نکل جائے تو اُس کی بیوی جو پہلے بیوی رہی ہے وہ اب بیوی نہیں رہی کیونکہ موت سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ عورت عدت گزار کر نکاح ثانی کر سکتی ہے۔ اگر آدم علیہ السلام کی روح اور جسم الگ الگ ہوتے تو پھر جناب حوا بیوی کس کی تھیں؟

قرآن مجید فرماتا ہے:

{فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ} (الاعراف۔۱۹)

یہ Dual Number (صیغہ تثنیہ) ہے کہ تم دونوں (حضرت آدم اور حضرت حوا) جہاں سے چاہو کھاؤ لیکن اُس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ تم دونوں ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

اس سے ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام جنت میں جسم اور روح دونوں کے ساتھ تھے۔ اکیلی روح نہیں تھی جو مٹی بدن انسانی کو لگ جائے وہ عام مٹی نہیں وہ اشرف المخلوقات ہے۔ اسے فرشتوں پر فوقیت حاصل ہے۔ کم پایہ جب اعلیٰ پایہ کے ساتھ مل جائے تو اُس کی قیمت بدل جاتی ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے اور وہابی بھی اسی عقیدے میں ہمارے ساتھ شریک ہیں کہ قبر اطہر کی جو مٹی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک کفن یا مبارک جسد سے مس کرتی ہے اُس کا درجہ کعبہ شریف، مسجد نبوی شریف، بیت المقدس شریف، لوح وقلم اور عرش الٰہی سے افضل ہے۔ انسانی مادی وجود کو اللہ نے عزت دی ہے۔ اسی مٹی کا بدن ہوگا جس سمیت جنتی جنت میں جائیں گے۔ اسی بدن کو قبر سے اُٹھایا جائے گا۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ

حواشی:

۱۔ درس شروع ہونے کے وقت حضرت قبلہ عالم مفکر اسلام شاہ صاحب دامت برکاتہم العالی کی خدمت میں ایک سوال کیا گیا کہ ایک حدیث ہے {مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا} اس کا کیا مطب ہے؟ حضرت قبلہ عالم مدظلہ العالی نے اس موقع پر اسی موضوع پر مکمل تقریر فرمائی۔

ساتواں درس قرآن: ۱۴ اگست ۲۰۰۴ء

رابطہ شیخ

☆.....بارگاہ رسالت سے روحانی معارف میں فیض یاب شخصیات

☆.....اللہ سے ملنے کے تین طریقے

☆.....غار ثور کا واقعہ۔صدیق اکبر کے رابطہ شیخ کی کیفیات

☆.....مرید باصفا کے لیے قابلِ تقلید نمونہ

☆.....سانپ کا واقعہ

☆.....تصور شیخ میں کسی شدت کا احساس نہیں ہوتا

☆.....حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے قراری۔سوال مقدر کا جواب

☆.....حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ''اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ'' کیوں کہا

☆.....فنا فی الرسول فنا فی الشیخ

☆.....غیبی امداد

☆.....حضرت مولیٰ مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور رابطہ شیخ

☆.....سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہر ادا قانون ہے

☆.....بحالتِ نماز رابطہ شیخ

☆.....سرزمین مدینہ شریف کا تقدس اور یزید پلید کا ناپاک کردار

رابطہ شیخ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

{اِلَّا تَنۡصُرُوۡہُ فَقَدۡ نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذۡ اَخۡرَجَہُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ثَانِیَ اثۡنَیۡنِ اِذۡ ھُمَا فِی الۡغَارِ اِذۡ یَقُوۡلُ لِصٰحِبِہٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فَاَنۡزَلَ اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ عَلَیۡہِ وَ اَیَّدَہٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡھَا وَ جَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا السُّفۡلٰی وَ کَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الۡعُلۡیَا وَ اللّٰہُ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ} (التوبہ۔۴۰)

حضرت حق جل شانہٗ وَ اَتمَّ بَرھانُہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

اگر تم اُس کی امداد نہیں کرو گے تو اُس کا کچھ نہیں بگڑے گا کیونکہ اللہ رب العزت اُن کی امداد فرما چکا ہے جس وقت کافروں نے اُسے نکالا اور اُس وقت وہ دو کا دوسرا تھا۔ یعنی دو کی جماعت تھی۔ اُن میں دوسری شخصیت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات تھی جس وقت وہ دونوں غار میں تھے۔ اور وہ اپنے دوست سے یہ کہہ رہا تھا۔ غم مت کھا بے شک اللہ کی ذات ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ اللہ نے اُس پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور اُس کی ایسے لشکروں کے ذریعے سے تائید فرمائی جن کو تم نہیں دیکھتے ہو اور کافروں کی بات کو اللہ تعالیٰ نے نیچا کر دیا اور اللہ ہی کی بات بلند ہے۔ اللہ رب العزت غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی ہے۔

آج کے لیکچر کی نوعیت تصوف، طریقت اور سلوک کی ہے۔ تلاوت کردہ آیات کا تعلق تصوف سے ہے۔ اسی مناسبت سے اس آیت کو پڑھا ہے۔

یہ آیت براہ راست حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو Deal کرتی ہے۔ اس میں ہجرت مدینہ اور اس سفر میں غار ثور میں ٹھہرنے اور حزن وملال کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تسکین اور تسلی کا ذکر ہو رہا ہے۔

بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام سے روحانی معارف میں فیض یاب شخصیات

حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ مقدسہ کی دو فیض یاب شخصیات ایسی ہیں جنہیں شیخ طریقت ہونے کا تقدس حاصل ہے اور وہ اس سلسلے میں Certified (سند یافتہ) مانے جاتے ہیں۔ ایک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ پاک ہے اور ایک مولا مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات پاک ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تصوف کے

عنوان سے خلیفہ ہیں اُن کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اجازت عطا فرمائی۔ اور حضرت حیدر کرار شیر خدا رضی اللہ عنہ کو حضور نے طریقت کی پگڑی (عمامہ) بھی اور جبہ بھی عطا فرمائے۔ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باطنی کمالات کے وارث بھی ہیں (تفسیر روح المعانی مصنفہ علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ)

اللہ سے ملنے کے تین طریقے

اہل دل اور اہل معرفت کے نزدیک اللہ سے ملنے کے تین طریقے متحقق ہوئے ہیں:

۱۔ ذکر ۲۔ فکر ۳۔ رابطہ شیخ

ذکر اور فکر کا پچھلے لیکچر میں کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ اور رابطہ شیخ سے متعلق بھی پچھلے درسوں میں کسی حد تک تذکرہ ہوا ہے۔ آج ''رابطہ شیخ'' پر تفصیلاً بیان کرتا ہوں۔

اللہ سے ملنے کا سب سے قریب ترین اور زوردار واسطہ رابطہ شیخ ہے۔ اس کا فیصلہ اس حقیقت پر غور کرنے سے کیا جا سکتا ہے۔ کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے ایسا کوئی آدمی نہیں جنہوں نے سو برس تک روزے رکھے ہوں۔ چالیس سال تک عشاء کی نماز کے بعد دو رکعتوں میں پورا قرآن مجید ختم کیا ہو اور چالیس برس تک ایک نماز قضا نہ ہوئی ہو۔ لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد اُمت میں ایسے عبادت گزار بندگان خدا ہو گزرے ہیں جنہوں نے زندگی کا طویل عرصہ اللہ کی عبادت میں گزارا ہے۔ جبکہ صحابہ کرام کی اُن کے مقابلے میں اتنی نمازیں، روزے اور حج اور دیگر عبادات نہیں ہیں۔ لیکن درجہ و مرتبہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کا اولیائے اُمت سے بڑا ہے۔ صحابہ کے پاس اُمت کے اولیاء سے زیادہ عبادات نہ سہی لیکن صرف ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ اُنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اور قرب نصیب ہوا ہے۔ صوفیاء کے الفاظ میں اُن کو شیخ سے رابطہ ملا ہے جس سے اُنہیں صحابیت کا شرف عطا کیا گیا ہے لہٰذا اُن کے درجے کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

رابطہ شیخ (اپنے پیر و مرشد کے سامنے بیٹھ کر ٹکٹکی باندھ کر اُسے دیکھنا) فرض اور واجب عبادات کو چھوڑ کے باقی نفلی عبادات سے افضل ہے۔ یاد رہے کہ شیخ (پیر) اللہ کا ایسا بندہ ہو جس کو دیکھنے سے خدا یاد آئے۔ جس کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت ہو جس کا سونا جاگنا، اُٹھنا بیٹھنا اللہ کی رضا اور مشیت کا مظہر ہو۔ ایسے شیخ سے ملاقات رکھنا اور اُسے دیکھنا فرائض و واجبات کے علاوہ باقی سب عبادات سے افضل عبادت ہے۔

غارِ ثور کا واقعہ۔ حضرت صدیق اکبر کے رابطہ شیخ کی کیفیات

ہجرت کی رات اللہ کی مشیت اور ہدایت کے مطابق حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر رات کی تاریکی میں ہجرت کے سفر پر نکلے۔ کفارِ مکہ کے خطرناک منصوبوں (کافروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو متفقہ طور پر قتل کرنے کا اسی رات منصوبہ بنایا تھا) سے محفوظ رہنے کے لیے حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جو کوشش فرمائی اُسے اللہ تعالیٰ نے مکہ سے نکالے جانا قرار دیا ہے۔

مکہ سے نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے رفیق سفر کے ساتھ غارِ ثور تک پہنچے۔ مکہ شریف کے مضافات میں یہ غار ہے۔ تاریک رات تھی اور غار سنسان اور ویران تھی۔ غار کے اندر کوئی بھی خوفناک صورت حال ہوسکتی تھی کوئی درندہ، کوئی زہریلے کیڑے مکوڑے سانپ بچھو نقصان پہنچا سکتے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ غار سے باہر کچھ دیر ٹھہریں اور میں غار کے اندر کا جائزہ لیتا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی بھی خطرے کی پرواہ کیے بغیر غار میں داخل ہو گئے یہ سوچ کر کہ اندر جو بھی مصیبت آئے گی وہ میری جان پر آئے گی اور میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم محفوظ رہیں گے۔

مرید باصفا کے لیے قابل تقلید نمونہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ کردار کسی مرید اور ساتھی کے لیے ایک Typical Example (قابلِ تقلید نمونہ) ہے۔ ارادتمند خواہ مرد ہیں یا عورتیں ہیں اپنے شیخ کی اتباع اور مشن کے تحفظ کے لیے خطرات قبول کریں اور اپنے شیخ کو امن و امان فراہم کریں حضرت صدیق اکبر غار کے اندر چلے گئے۔ غار کا جائزہ لیا۔ وہاں کئی جگہ سوراخ تھے حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی پگڑی کو پھاڑ کر اُس کے کئی ٹکڑے کئے۔ سوراخوں کو کپڑے کے ٹکڑوں سے بند کیا تاکہ ان سوراخوں سے کیڑا سانپ، بچھو وغیرہ نہ نکل سکے اور یہ Ensure (یقین) ہو جائے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات غار کے اندر محفوظ ہے۔ لیکن ایک سوراخ پر نظر پڑی جس کے لیے کپڑے کا کوئی پرزہ نہیں بچا تھا اور نہ ہی کوئی ایسی چیز میسر تھی کہ اُس سوراخ کو بند کیا جا سکے۔ حضرت صدیق اکبر نے سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غار کے اندر تشریف لانے کی درخواست کی۔ سرکار تاجدار مدینہ علیہ الصلوٰۃ والسلام غار میں تشریف فرما ہوئے۔ صدیق اکبر نے عرض کیا یا رسول

اللہ! آپ بہت دیر سے بیدار ہیں اس سفر کی بھی تھکاوٹ ہے آپ اب آرام فرمالیں۔حضرت صدیق اکبر نے سرکار دو عالم علیہ الصلوۃ والسلام کو آرام وسکون مہیا کرنے کی پوری پوری کوشش کی اور اپنا زانو بچھا دیا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس پر سر رکھ کر سو جائیں۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محو استراحت ہو گئے۔جو سوراخ کھلا رہ گیا تھا وہاں حضرت صدیق اکبر نے اپنے پاؤں کا انگوٹھا رکھ کر اُسے بند کر دیا۔اگر کوئی سانپ وغیرڈسنے لگے تو یہ خطرہ بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے برداشت کرنے کا فیصلہ کیا۔

سانپ کا واقعہ

کتب سیر میں غار ثور میں آنے والے سانپ کا ذکر کیا گیا ہے۔حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اپنی قوم کو وعظ فرمارہے تھے اُس موقع پر ایک سانپ موجود تھا۔حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوۃ والسلام نے بیان فرمایا کہ ایک خوش نصیب سانپ ہوگا جو اُس غار میں جا کر بیٹھ جائے گا جس وقت نبی آخر الزمان اپنا وطن چھوڑ کر نکلیں گے تو اُسی غار میں تشریف فرما ہوں گے اور وہ سانپ سرکار دو عالم کی زیارت کرے گا۔اُس سانپ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے لیکچر میں یہ بات سنی تو وہ اسی غار (غار ثور) تک پہنچا اور اُس میں ڈیرہ لگا لیا اور اُس مبارک وقت کا انتظار کرنے لگا۔آخر کار وہ وقت آ ہی گیا اور اُس کے انتظار کی ساعتیں ختم ہوئیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رابطہ شیخ کا ایک عجیب اور پر کیف منظر ہے وہی سانپ اُسی سوراخ سے نکلنے کے لیے یار غار رسول کو ڈنگ پر ڈنگ مار رہا ہے لیکن حضرت صدیق اکبر پر ایک محویت کا عالم ہے۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے محب کے زانو کو تکیہ بنا کر آرام سے سوئے ہوئے ہیں اور صدیق اکبر اپنے محبوب آقا کے چہرے کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے جا رہے ہیں۔علماء کا ایک طبقہ یہ کہتا ہے جب سانپ نے ڈسا تو حضرت صدیق اکبر بے چین ہوئے۔لیکن صوفیاء کہتے ہیں وہ بے چین نہیں ہوئے وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور کے دیدار کے مزے لے رہے تھے ایسی حالت میں کسی بے چینی کا گزر کب ہوسکتا ہے؟۔

تصور شیخ میں کسی شدت کا احساس نہیں ہوتا

حضرت صدیق اکبر کو سانپ کاٹ رہا ہے لیکن آپ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار میں ایسے محو ہیں اور رابطہ شیخ کی اُس منزل پر ہیں کہ یہ احساس ہی نہیں کہ ایک خطرناک زہریلا سانپ ڈس رہا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عملاً یہاں یہ امر واضح کر دیا کہ جب شیخ کے ساتھ رابطہ مضبوط ہو اور محویت طاری ہو تو شدید سے شدید دکھ اور تکلیف کا پتہ نہیں چلتا۔ حضرت امام اسمٰعیل حقی آفندی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۲۷ھ) سے دوستوں نے پوچھا کہ ایک حدیث ہمارے مطالعہ سے گزری ہے کہ مومن کی موت اتنی آسان ہے جیسا کہ آٹے میں سے بال کھینچ لیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے بھی آج اُس کا بار بار مطالعہ کیا لیکن یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ آٹے میں سے بال کھینچنا بڑا آسان ہے لیکن جان نکلنا بڑا مشکل ہے۔ جب سوئے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسمٰعیل حقی! تیرے سوال کا جواب سورۂ یوسف میں ہے (حضرت علامہ اسمٰعیل حقی ترکیہ کے رہنے والے ہیں تفسیر روح البیان آپ کی تفسیر ہے)

سورۂ یوسف میں سوال کا جواب اس جگہ موجود ہے جہاں حضرت یوسف علیہ السلام کو تیار کر کے زلیخا نے زنان مصر کے سامنے پیش کیا:

{فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ} (یوسف۔۳۱)

(جب عورتوں نے ان کو دیکھا تو ان کا رعب (حسن) ان پر ایسا چھا گیا کہ (پھل تراشتے تراشتے) اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور بے ساختہ بول اٹھیں کہ سبحان اللہ یہ آدمی نہیں کوئی بزرگ فرشتہ ہے)۔

جب زنان مصر کی نگاہیں حضرت یوسف علیہ السلام کے جمال جہاں آراء پہ پڑیں تو نگاہوں میں چکا چوند کی کیفیت پیدا ہوئی۔ یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکیں اور بے ساختہ بول اُٹھیں:

{مَا هٰذَا بَشَرًا} اور یہ کہنے کے ساتھ انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ حسن یوسف میں ایسی گم ہوئیں کہ جسمانی اذیت سے بے خبر ہو گئیں۔ اپنے ہاتھ میں چاقو لے کر کاٹ لیے پتہ ہی نہ چلا کہ ہاتھ کٹ رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ بات واضح کی کہ جمال یوسفی کو دیکھنے والے کو پتہ نہ چلے کہ میرا بدن کٹ رہا ہے اور اپنے ہاتھ سے ہی کاٹا جا رہا ہے تو جمال محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیکھنے والے کو کیوں پتہ چلے کہ اُسے سانپ کاٹ رہا ہے؟

اس سے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ مومن کی موت اتنی آسان کیوں ہو جاتی ہے۔ حضرت حیدر کرار کرم اللہ وجہہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ مومن کی موت کے وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ اگرچہ موت

کے وقت جانکنی کی شدت تو ہوتی ہے مگر بندہ مومن کے سامنے اُس وقت جمال محمدی ہوتا ہے۔ روح نکل رہی ہے نگاہ جمال محمدی پر جمی ہوتی ہے اور اسی کیفیت میں جان جانِ آفریں کے سپرد ہوگئی ہے اور شدت موت کا پتہ بھی نہ چلا۔

نشانِ مردِ مومن باتو می گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب اوست

(قلندرِ لاہوری علامہ اقبالؒ)

(مرد مومن کی علامت تجھ سے کہتا ہوں کہ جب اس پر موت آئے تو اس کے لبوں پر مسکراہٹ رہتی ہے)

میاں صاحب عارف کھڑی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ یوں کیا:

دم دم جاں لباں پر آئی چھوڑ حویلی تن دِی
کھلّی اُڈیکے مت کتّھوں آوے ٹھنڈی وا سجن دِی

بیان کردہ باتوں کا تعلق تصوف کی تفسیر کے حوالے سے رابطہ شیخ سے ہے۔ صحابی رضی اللہ عنہ کے برابر کوئی نہیں ہو سکتا اس لیے کہ صحابی کو رابطے کے لیے جو چہرہ (چہرہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میسر آیا ہے ایسا چہرہ کائنات میں نہ گزرا ہے اور نہ کبھی ہوگا۔ اس لیے مریدوں میں صحابہ جیسا کوئی مرید نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

مرید کے لیے یہاں یہ تعلیم ہے کہ جب شیخ کے حضور حاضر ہو تو ٹکٹکی لگا کر شیخ کے چہرے کو دیکھتا رہے اور اگر شیخ آنکھوں سے اوجھل ہو تو شیخ کے تصور کو غیر حاضر نہ ہونے دے۔

حضرت ابوبکر صدیق کی بے قراری۔ سوال مقدر کا جواب

جب سانپ ڈس رہا تھا اُس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی بے قراری اور بے چینی نہیں ہوئی کیونکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار میں ایسی خود رفتگی اور محویت تھی کہ تکلیف اور مصیبت کا کوئی احساس ہی نہ رہا۔ جب سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام آرام فرما چکے اور نیند سے بیدار ہوئے تو اُس وقت کفارِ مکہ بھی غار کے دہانے پر آ گئے اُن کے پاؤں کی آہٹ سن کر اور اُن کے قدموں کو دیکھ کر حضرت صدیق اکبر نے بے قراری کا اظہار کیا۔ قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبر سے فرمایا: ''لَاتَحْزَنْ''۔ غم نہ کھا۔ اس موقع پر یہ نہیں فرمایا'' لَاتَخَفْ''خوف نہ کھا۔ اس لیے کہ خوف اپنی جان کا ہوتا ہے اور حزن (غم) کسی دوسرے کے لیے ہوتا ہے جس سے محبت ہو۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم " لَا تَحْزَنْ " فرما کر یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ صدیق کو اپنی جان کی پرواہ نہیں بلکہ میرے لیے متفکر ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے محبوب آقا کے لیے بے چین اور متفکر ہوئے تھے۔

اس سے آگے ارشاد فرمایا : { اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا }۔ یہ جملہ مستانفہ کہلاتا ہے۔ اسے انگریزی میں Parenthetical Sentence کہتے ہیں۔ یہ جملہ جواب ہے سوال مقدر کا۔ یہ ایک Question (سوال) ہوتا ہے جو Understood (سمجھا ہوا۔ مانا ہوا) ہوتا ہے لیکن لفظوں میں اُس کا وجود نہیں ہوتا تاہم Context (سیاق و سباق) سے اس کے وجود کا تعین ہوتا ہے۔ ایک ذہین متکلم سمجھ جاتا ہے کہ ایسا سوال مخاطب کے ذہن میں ہوسکتا ہے تو وہ اُس سوال کے کیے جانے سے پہلے اُس کا جواب دے دیتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں صدیق! غم نہ کھا۔ لیکن صدیق اکبر یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ کیوں غم نہ کھاؤں؟ ابھی حضرت صدیق اکبر نے یہ سوال لفظوں میں نہیں کیا کہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سوال کا جواب ارشاد فرما دیا کہ اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے اس لیے غم اور پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔

فرمایا مَعَنَا (ہم دونوں کے ساتھ یا ہمارے ساتھ) یہ جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ اس مصیبت کی گھڑی میں ہم دونوں (سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) ہیں اور ہم دونوں کے ساتھ ہمارا رب ہے۔ اس جگہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیارے یار صدیق کو اپنے سے جدا نہیں کیا۔ اس بات میں یہ راز ہے کہ آنے والے وقت میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات پاک پر طعن کرنے والے پیدا ہوں گے، وہ انگشت نمائی کریں گے اور کبھی حضرت صدیق کے ایمان پر شکوک وشبہات ظاہر کردیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرما کر صدیق اکبر کے اعلیٰ ترین ایمان کی Confirmation (تصدیق) کردی اور آپ کے صحابی ہونے کو واضح فرما دیا۔ لہٰذا یہ آیتِ قرآنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحابیت اور ایمان کاملہ کا برملا اظہار کررہی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے "اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ" کیوں کہا؟

جب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم (بنی اسرائیل) کو لے کر مصر سے نکلے۔ تو فرعون اور اُس کی ملٹری (لشکر) نے اُن کا تعاقب کیا۔ پیچھے فرعون اور اُس کا لشکر ہے اور آگے سمندر ہے۔ جان بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ جب اپنی قوم کو گھبرایا ہوا دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

{اِنَّ مَعِیَ رَبِّی سَیَهْدِیْن}۔(الشعراء:۶۲)۔

(بیشک میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے اب راہ دیتا ہے)

معی میں جو یا ہے وہ واحد متکلم کا صیغہ ہے جو استعمال کیا گیا یہ Personal Pronoun (اِسمِ ضمیر) ہے First Person Sigular Number (صیغہ واحد متکلم) ہے۔

پچھلی عبارت میں {اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا}

یہاں معنا کے اندر ''نا'' First Person Plural Number (صیغہ جمع متکلم ہے)۔حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ساتھ رکھ کر فرمایا ہمارا رب ہم دونوں کے ساتھ ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پوری قوم ہے اور آپ نے فرمایا میرا رب میرے ساتھ ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ رب ہم سب کے ساتھ ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہے کہ میری قوم میں کچھ بے ایمان بھی ہیں۔ سامری جیسا شخص ہے جس نے سونے کا بچھڑا بنایا اور قوم کو اُس کی پوجا پر لگا دیا۔ ایسے لوگ قوم میں تھے جو رب کی معیت کے قابل نہیں اس لیے فرمایا: مَعِیَ رَبِّی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایمان والے تھے اس لیے رب سب کے ساتھ ہے۔

فنا فی الرَّسُوْل۔ فنا فی الشیخ

جس وقت بندہ اپنے آپ کو فنا فی الشیخ کر دیتا ہے تو شیخ والے احکام اُس پر لاگو ہوتے ہیں۔ یہ بھی صوفیاء کی بولی کا لفظ ہے۔ فنا فی الرسول یہ وہی منزل ہے جس پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الشَّیخُ فی قومِهٖ کالنَّبیِّ فی أمَّتِهٖ (الراوی: رافع بن خدیج |المحدث: ابن حبان |المصدر: المقاصد الحسنۃ، تصنیف امام محمد بن عبدالرحمان سخاوی، صفحہ نمبر 207)

(پیر و مرشد اپنی قوم میں اسی طرح ہوتا ہے جس طرح نبی اپنی اُمت میں ہوتا ہے)۔

یہ فنا فی الشیخ کی منزل ہے یعنی ساتھ ہونے میں جو شیخ کا حکم ہے وہی مرید کا حکم ہے۔ جس کا شیخ اللہ کا رسول ہے اور مرید فنا فی الرسول ہے یعنی ایسا فنا ہے کہ سانپ بھی کاٹ لے تو پتہ نہیں۔ بتمامہٖ و بکمالِہٖ از اول تا آخر اپنے شیخ (اپنے رسول) پر قربان ہو گیا ہے اس لیے جب رب کی معیت کا سوال اُٹھا تو ارشاد ہوا کہ جس طرح رب میرے ساتھ ہے اُسی طرح رب تیرے ساتھ بھی ہے اس کا نام فنا فی الرسول ہے۔

لیکن جس کا شیخ رسول کے سوا ہوگا وہ براہ راست فنا فی الرسول نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنے شیخ کے ذریعے آگے اُس سلسلے کے مشائخ کے تصور کو وسیلہ بنائے گا۔ صوفیاء مراقبہ کرتے ہیں اور سرکار دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک کو Virtualize آپ کا (تصورِ حقیقی) کرتے ہیں۔ مرید کے لیے اپنے مشائخ کا توسل ضروری ہے کیونکہ اسی توسل سے وہ فنا فی الرسول کی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک کا جو روحانی فیض ہے وہ اتنا طاقتور ہے کہ عام درجے کا صوفی اُس کے جذب کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لیے اپنے مشائخ کے ذریعے وصولی فیض کرنا چاہیے تاکہ سرکار دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آنے والے فیض کو مشائخ اپنے مرید کے ظرف کے مطابق اُس تک پہنچائیں۔ اس لیے مرید اپنے شیخ سے فنا شروع کرے۔ جب شیخ میں فنا حاصل ہوگا تو پھر فنا فی الرسول کا رتبہ اُسے میسر آجائے گا۔

جس طرح کھانا کھایا ہے کبھی بلغم بن کر کبھی ہضم ہوکر خون بنا ہے اور Arteries (شریانوں) کے ذریعے بدن میں گیا ہے اور Veins (رگوں۔نسوں) کے ذریعے سے واپس دل میں آیا ہے وہی خوراک خون بن کر آدمی کا بدن بن گئی۔ وہی خون ہے اور وہی آدمی کی باڈی (جسم) ہے۔

قطرہ ونج پیا دریاوے تاں اوہ کون کہاوے
جس تے اپنا آپ گواوے آپ اوہو بن جاوے

حضرت میاں محمد بخش عارف کھڑی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جس طرح لوہا آگ میں ڈال دیا جائے تو اپنی ذات میں وہ لوہا ہی رہتا ہے لیکن اُس میں صفات ساری آگ والی آجاتی ہیں۔

قرآن مجید نے فرمایا: {فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ}

(اللہ تعالیٰ نے اُس پر (صدیق اکبر پر) اپنی تسکین نازل فرمائی)۔

سیاق وسباق یا Context کے پیش نظر یہ تسکین اُسے ملی جو بیقرار ہوا۔ یہ تسکین سرکار دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے بھی ہے۔ سرکار دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت صدیق اکبر سے فرماتے ہیں رب ہم دونوں کے ساتھ ہے تو حضرت صدیق اکبر کو تسکین آگئی اور اُن کی پریشانی دور ہوگئی۔

{وَ اَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا}۔

(اللہ نے ایسے لشکروں سے اُس کی امداد فرمائی جس کو تم نہیں دیکھ سکتے)۔

غیبی امداد

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عظیم کردار سے اپنے آقا و مولا پر قربان ہو کر دکھایا اور اپنے محبوب آقا محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہر دکھ اور تکلیف کو سینے سے لگا لیا۔ اور یہ بتا دیا کہ اگر موت بھی آ جائے تو پہلے میری جان حاضر ہوگی۔ اس طرح جب کوئی اپنی گردن تسلیم اپنے رب کی رضا کے سامنے رکھ دیتا ہے تو رب اپنے بندے سے کہتا ہے تو نے اپنے آپ کو صرف میرا بن کے دکھایا ہے تو اب دیکھ اور ساری دنیا دیکھے میں (رب) بھی کس طرح تیری قدر کرتا ہوں ۔ تجھے قلبی تسکین عطا کرتا ہوں غیبی لشکروں سے تیری غیبی امداد کرتا ہوں۔

حضرت شیخ سعدی شیرازی پند گوئی کے بڑے امام ہیں۔ اپنے دور کی ایک یادگار بات فرماتے ہیں:

حکایت کنند از بزرگان دین — حقیقت شناسان عین الیقین

که صاحبدلی بر پلنگی نشست — همی راند رهوار و ماری به دست

کی گفتش : ای مرد راه خدای — بدین ره که رفتی مرا ره نمای

چه کردی که درنده رام تو شد — نگین سعادت به نام تو شد؟

گفت ار پلنگم زبون است و مار — وگر پیل و کرکس، شگفتی مدار

تو هم گردن از حکم داور مپیچ — که گردن نه پیچد زحکم تو هیچ

(''بوستان''۔ مصلح الدین سعدی شیرازی، م ۶۹۱ھ)

کہتے ہیں: میں ایک دفعہ ایک نہری علاقے میں گیا ایک سنسان جگہ پہنچا وہاں ایک عجیب منظر دیکھا کہ ایک آدمی شیر پر سوار ہے اور وہ تیزی سے میری طرف بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ میں خوفزدہ ہو گیا۔ جان کے لالے پڑنے لگے۔ اُنہیں موت کا یقین ہونے لگا کہ جنگلی شیر اُنہیں پھاڑ کھائے گا۔ کہتے ہیں کہ میں بھاگنا چاہتا تھا لیکن ایسا خوف طاری تھا کہ بھاگنا بھی مشکل تھا۔ لیکن وہ بندہ جو شیر پر سوار تھا:

اُس نے مسکراتے ہوئے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ دیئے۔ کہا سعدی! اتنے حیران ہو رہے ہو اور شیر سے ڈر کر بھاگنے کی کوشش میں ہو۔ ذرا غور کرو میں بھی انسان ہوں میں اس کے اوپر بیٹھا ہوا ہوں۔ مجھ پر یہ حملہ نہیں کر رہا یہ میرے قابو میں ہے لہٰذا یہ فارمولا سمجھنے کی کوشش کرو جس کی وجہ سے میں اس پر سوار ہوں۔ پوچھا جو فارمولا تم نے استعمال کیا ہے وہ کیا ہے؟۔ اُس بندے نے کہا:

تو هم گردن از حکم داور مپیچ

که گردن نه پیچد زحکم تو هیچ

خدا اور اُس کے رسول کی بارگاہ میں سرِ تسلیم خم کر دے۔ Submission (فرنبرداری) اختیار کر۔ جب تو ایسا کرے گا تو ساری مخلوق تیرے آگے گردن رکھ دے گی اور تجھ سے کسی طرح مزاحمت نہیں کر سکے گی۔

صوفیاء کے ہاں اکثر غیبی مخلوقات دیکھی گئی ہے جو کسی مصیبت میں معاونت کرتی رہی ہے۔ لنگر کی ضرورت پیش آئی تو غیب سے لنگر آیا اور لنگر تقسیم ہوا۔ بظاہر دشمن سے لڑنے والا کوئی نہیں لیکن پھر بھی اُن سے جنگ ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی لشکر ہیں جو اہلِ حق کی مدد کے لیے اُن کے دشمنوں سے لڑتے ہیں غارِ ثور کے پاس کفارِ مکہ کی ایک بڑی تعداد پہنچی تھی ہتھیار بھی اُن کے پاس تھے۔ اسلحہ سے لیس تھے۔ اُس وقت کون سی قوت تھی جس نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اُن کے حملے سے محفوظ رکھا تھا وہ یہی کہ اللہ کی طرف سے غیبی فوج نے کفار کو روکے رکھا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا:

{وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى}۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کے کلمے کو نیچا دکھایا

{وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا}۔ اور اللہ کا کلمہ ہی اونچا ہے۔ {وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ}

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مخلوق کے ساتھ لڑنا مفید نہیں بلکہ رب تعالیٰ سے تعلق بنانے سے فائدہ ہوتا ہے اور اچھا نتیجہ سامنے آتا ہے۔

غزوہ بدر میں مسلمانوں کی قوت افرادی نہیں لڑی تھی۔ تین سو تیرہ کی نو سو ستر کے مقابلے میں کیا Ratio (نسبت) بنتی ہے۔ حقیقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ کی Obedience (فرنبرداری) تھی اُس کی برکت سے سارے بیڑے پار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی Category (طبقے) کا نام لیا، اُن کا ذاتی نام نہ لیا۔ اس مقصد سے کہ یہ حکم صرف اُن کے لیے نہیں ہے بلکہ قیامت تک آنے والی تمام اُمت محمدیہ کے لیے ہے کہ جو اِن اصولوں اور اطوار کا پابند ہو گا

ایسا ہی نتیجہ اُس کے حق میں نکلتا رہے گا:

کی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
(علامہ اقبالؒ)

نہ شاخ گل ہی اونچی ہے نہ دیوار چمن بلبل
تری ہمت کی کوتاہی، تری قسمت کی پستی ہے

حضرت مولیٰ مرتضیٰ اور رابطہ شیخ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رابطہ شیخ سے متعلق قدرے تفصیل سے بیان ہوا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے خلیفہ جناب مولیٰ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا بھی اس سلسلے میں ضمناً ذکر کرتے ہیں۔

غزوہ خیبر کے موقع پر جب واپسی ہو رہی تھی تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز عصر ادا فرمائی اور مولیٰ مرتضیٰ نے ابھی تک نہیں پڑھی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت سیّدنا علی مرتضیٰ نے عرض کی یارسول اللہ! میں اپنا زانو بچھاتا ہوں آپ اس پر سر مبارک رکھ لیں اور آرام فرمائیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیند فرمانے لگے۔ اس موقع پر سورج کا غروب ہو جانا، حضرت حیدر کرار کی نماز عصر کا قضا ہو جانا اور جناب علی کا جاگتے ہوئے ہونا اور سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سر اقدس اُن کے زانو پہ ہونا چند فقہی مسائل (Legal Points) کو واضح کرتا ہے۔

قانون یہ کہتا ہے: مخلوق خدا کی اطاعت اُس وقت منع ہوتی ہے جس وقت خدا کی نافرمانی ہوتی ہو، قرآن مجید میں حکم ہے: {حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی}۔ (البقرہ۔ ۲۳۸)

(سب نمازوں کو حفاظت کرو لیکن خاص طور پر نماز عصر کی حفاظت کرو)۔

قرآن کا حکم ہے عصر کی نماز کا وقت ہے۔ علی! اٹھو نماز عصر پڑھو۔ دوسری طرف نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نیند کا معاملہ ہے اور دل کہہ رہا ہے علی! یہیں ٹھہرے رہو محبوب کے آرام میں خلل نہ آئے۔ اس جگہ رابطہ شیخ کی بہت اچھی طرح وضاحت ہوتی ہے۔ پیارے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی مرتضیٰ کے زانو پر سر اقدس رکھے آرام فرما ہیں۔ جناب علی

چہرہ اطہر کے دیدار کے مزے لے رہے ہیں۔ ترجیح کس کو دیں دیدار کو یا نماز کو

صورت تیری وہندے رہنا میرا ایہو دین ایمان
ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو
میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو

جناب حیدر کرار کا مرتبہ یہ ہے: اَنَامَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا۔(۱)

سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: (میں علم کا شہر ہوں علی اس شہر کا دروازہ ہے)۔

جو باب مدینۃ العلم ہے اُس سے بہتر کون قانون دان ہوسکتا ہے!

یہ حدیث ''ردالشّمس'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔ عمادالدین ابن کثیر نے ''البدایہ والنھایہ'' میں یہ حدیث بیان کی اور اس پر کئی روایات نقل کی ہیں۔ لہٰذا کسی طرح بھی اس حدیث کو ضعیف کہنا ممکن نہیں ہوگا۔ یہ صحیح اور پکی حدیث ہے۔

حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم کا چہرہ زیبا دیکھتے جا رہے ہوں۔ نگاہیں جمی ہوئی ہوں اور فرض نماز جا رہی ہو اس جگہ صوفیا کے مسئلے کی وضاحت ہوتی ہے کہ چہرہ شیخ کو دیکھنے کی قیمت کیا ہے!

نمازیں گر قضا ہوں پھر ادا ہوں
نگاہوں کی قضائیں کب ادا ہوں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہر ادا قانون ہے

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیدار مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نماز عصر قضاء کردی یہ سوچ کر کہ نماز عصر تو قضاء پڑھ لوں گا مگر آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دیدار کا یہ کیف اور سرور بار بار میسر نہیں آئے گا لہٰذا نماز کے لیے اس کیف پرور نظارے کو کیونکر چھوڑا جا سکتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نیند سے بیدار ہوئے سورج غروب ہو چکا تھا اور یہ نماز مغرب کا وقت تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے علی مرتضیٰ سے پوچھا کہ تم نے عصر نہیں پڑھی؟ عرض کیا نہیں پڑھی۔ اس موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز قضا کر دینے پر حضرت علی پر کسی طرح کا اظہار ناراضگی نہیں فرمایا۔ سرکار دو عالم خاموش رہے۔ حضرت علی سے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے فرض نماز کو جان بوجھ کر چھوڑا ہے، یہ غلطی کی ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، آئندہ احتیاط کرنی

ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حیدر کرار کے اس عمل کو سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی رضا کے ذریعے Legalize (قانون کے مطابق) فرمایا ہے۔

اس موقع سے معلوم ہوا، سرکار کی اداؤں میں قانون سازی (Power of Legislation) کی قوت ہے اگر کسی کام کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا اور اُسے Appreciate (حوصلہ افزائی فرمائی) کیا یا نگاہ سے اپنی رضا ظاہر کی ہے۔ زبان سے کچھ نہیں کہا۔ تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایسا کرنا Positive Law (مثبت قانون) ہے۔ اور اگر آپ نے زبان مبارک سے کسی کام کے کرنے کو کہا ہے تو یہ بھی Positive Law ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر قول، ہر عمل ہر ادا قانون ساز ہے۔

حضرت حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم کی نماز عصر ادا کرانے کے لیے سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورج کو واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ سورج پلٹا اور حضرت علی نے نماز عصر ادا فرمائی اس سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی بندے پر ایسا وقت آتا ہے کہ وقت اُس بندۂ خدا کے پیچھے پیچھے آتا ہے جبکہ دنیا وقت کے پیچھے دوڑ رہی ہے۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جناب حیدر کرار کے اس واقعہ کو یوں داد دی ہے:

هر که در آفاق گردد بوتراب
باز گرداند زمغرب آفتاب

ہر وہ بندہ جو بارگاہ خداوندی میں بوتراب ہو جائے اُس کے لیے ممکن ہے کہ ڈوبا سورج واپس آ جائے۔

حضرت علی کو ابوتراب کا Title بارگاہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا۔ ابو کے معنیٰ باپ ہے۔ لیکن عربی زبان میں یہ لفظ ابو 'والا' کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

کتب صحاح کی حدیث ہے:

فَقَالَ النبِیُ صلّی اللّٰہ علیہ وَ آلہٖ وسلّم اَیْنَ ابْنُ عَمِّک قَالَتْ فِی الْمَسْجِد فَخَرَجَ الیہِ فَوَجَدَ رِدَآءَہٗ قَد سَقَطَ عَنْ ظَھْرِہٖ وَ خَلَصَ التُرابُ اِلَی ظَھْرِہٖ فَجَعَلَ یَمْسَحُ عِنْ ظَھْرِہٖ فَیَقُلُ اِجْلِسْ یَا اَبَا تُرَاب مَرَّتَینِ (بخاری، جلد اول، کتاب المناقب)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب سیّدہ خاتون جنت کے پاس تشریف لائے۔ دیکھا سیّدہ افسردہ بیٹھی ہیں۔ پوچھا تیرے چچا کا بیٹا کہاں گیا ہے؟۔ حالانکہ علی سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا کے بیٹے ہیں۔ کبھی عرب لوگ

باپ کے چچا کو بھی چچا کہہ دیتے ہیں۔اس رسم کے مطابق کہا کہ تیرے چچا کا بیٹا کہاں گیا ہے؟۔حضرت سیّدہ نے فرمایا وہ مجھ سے ناراض ہوکر باہر نکل گئے ہیں۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیال فرمایا کہ علی ناراض ہوکے گیا ہے تو مسجد میں گیا ہوگا۔جب حضور مسجد میں تشریف لائے دیکھا کہ حضرت علی ایک دیوار کی طرف منہ کرکے لیٹے ہوئے ہیں۔مسجد نبوی کا فرش کچا تھا۔مٹی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدن سے لگ گئی تھی۔سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بازو سے پکڑ کر اُٹھایا جس طرح بچوں کو پکڑ کر اُٹھاتے ہیں۔ایک ہاتھ سے مٹی جھاڑتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:''اے مٹی والے اُٹھ''۔

پیار کی ادا سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔جناب حیدر کرار کو یہ لقب بہت پسند تھا۔اور جب بھی آپ کو اس نام سے بلایا جاتا تو سیّدنا علی مرتضیٰ بہت خوش ہوتے تھے۔جبکہ علی،حیدر کرار،اسد اللہ بھی آپ کے نام تھے۔ان ناموں سے اگر یاد کیا جاتا تو آپ بہت راضی نہیں ہوتے تھے۔(۲)

رابطہ شیخ کا یہ نتیجہ ہے کہ مولا مرتضیٰ کے لیے ڈوبا ہوا سورج واپس آیا۔یہ دو (حضرتِ ابوبکر صدیق اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما) شخصیات تھیں جنہیں بارگاہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خلافت حاصل ہوئی تھی۔رابطہ شیخ خلیفہ کے سوا باقی مریدوں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

بحالتِ نماز رابطہ شیخ

بخاری شریف کا متن ہے۔حضرت سعید بن معلیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ صحابی ہیں جنہیں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حد درجہ عشق تھا۔آپ کہتے ہیں کہ نماز کے وقت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل قریب مصلیٰ کے پاس موجود ہوتا تھا۔جب نماز ہوتی تو میں نماز ادا کرتے ہوئے حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتا رہتا تھا۔جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سجدے میں جاتے تو اُس وقت بھی ایک ترچھی نگاہ سے میں اپنے پیارے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھتا تھا۔حالانکہ سجدے میں نگاہیں زمین پر ہوتی ہیں۔لیکن حضرت سعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ کسی طرح نگاہ اُٹھا کر دیکھتے حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیسوے تابدار فرش پر بکھرتے اور حضور اپنے دست مبارک سے گیسوؤں کو اپنے گوش مبارک کے پیچھے فرما لیتے۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اِن پیاری اداؤں پر اتنا پیار آتا اور اتنا لطف محسوس

ہوتا کہ سعید بن معلیٰ کہتے ہیں ان اداؤں کے مزے لینے کے لیے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالکل قریب ہو کر نماز پڑھتا تھا۔

مجھے کیا خبر تھی رکوع کی مجھے ہوش کب تھا سجود کا
تیرے نقش پا کی تلاش تھی کہ جھکا رہا میں نماز میں

سرزمین مدینہ شریف کا تقدس اور یزید پلید کا ناپاک کردار

بخاری شریف کے متن کے اندر ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ شریف کو اللہ تعالیٰ نے حرم بنایا اور مدینہ شریف کو میں نے حرم بنایا۔

(مشکوۃ شریف، جلد دوم، حرم مدینہ کا بیان، حدیث 1282 مدینہ کی حرمت کا ذکر)

وعن أبی سعید عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم قال " إن إبراهيم حرم مكة فجعلها حراما وإنی حرمت المدينة حراما ما بين مأزميها أن لا يهراق فيها دم ولا يحمل فيها سلاح لقتال ولا تخبط فيها شجرة إلا لعلف" .رواہ مسلم

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حضرت ابرہیم نے مکہ کو بزرگی دی اور اس کو حرم قرار دیا (یعنی انہوں نے مکہ کی بزرگی اور حرم کو ظاہر کیا) اور میں نے مدینہ کو بزرگی دی ہے اور مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان کی بزرگی کا تقاضا یہ ہے کہ نہ تو اس میں خونریزی کی جائے نہ وہاں جنگ کے لئے ہتھیار اٹھایا جائے اور نہ اس کے درخت کے پتے جھڑے جائیں البتہ جانوروں کے کھانے کے لئے جھاڑے جاسکتے ہیں۔(مسلم)(۳)

ایک روایت میں ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من اخاف اهل المدينة ظلما اخافه اللّٰہ وعليه لعنة اللّٰہ والملائكة والناس اجمعين لا يقبل اللّٰہ منه يوم القيامة صرفا ولا عدلا (وفاء الوفاء، جلد اول/ جذب القلوب)

''جو شخص ظلم کرتے ہوئے اہل مدینہ کو ڈرائے تو اللہ تعالیٰ اسے ڈرائے گا، اور اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس سے کوئی نفل یا فرض عبادت قبول نہیں کرے گا۔(۴)

تاریخ الخلفاء میں مصنفہ امام جلال الدین سیوطی، ابن اثیر کامل اور البدایہ والنہایہ از عماد الدین ابن کثیر ان سب کتابوں میں ''واقعہ حرہ'' (۵) کے حوالے سے یزید پلید کے بارے میں لکھا ہے کہ اُس بد باطن نے حرم مدینہ شریف پر حملہ کرنے کے لیے ناپاکوں کا کثیر لشکر بھیجا۔ اُس نے لشکریوں سے کہا کہ مدینہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے حامیوں پر حملہ کرتے وقت تین دن کے لیے تمہیں آزادی ہوگی جو مرضی ہے وہاں کرو اور کھلے بندوں وہاں کی حرمت کو پامال کرو۔ یزید کی دی ہوئی آزادی سے اُن ظالموں نے حرمت مدینہ کو تہس نہس کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی مدینہ طیبہ کی ہزار کنواری بیٹیوں کی اُن بدمعاشوں نے عصمت دری کی جس کے نتیجے میں نو ماہ بعد ایک ہزار حرام بچے پیدا ہوئے۔ تین دِن مسجد نبوی شریف میں گھوڑے باندھے گئے۔ جنگلی جانوروں نے منبر رسول پر گندگی پھیلائی۔ صحابی رسول حضرت سعید ابن معلیٰ رضی اللہ عنہ (۶) جن کا پہلے ذکر ہوا ہے وہ اُس وقت مدینہ شریف میں موجود تھے وہ ان واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ظلم و بربریت کے اس قدر طوفان اُٹھے کہ رات اور دن کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ نہ کسی نے سورج دیکھا اور نہ چاند دیکھا۔ میں مسجد نبوی میں جاتا تھا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر سے اذان کی اور پھر اقامت کی آواز آتی تھی۔ میں یہی اذان اور اقامت سن کر پانچوں وقت کی نماز پڑھتا تھا۔

حضرت سعید ابن معلیٰ رضی اللہ عنہ کا ذکر کرتے ہوئے ضمناً اُن کے ساتھ یزید کے ہاتھوں مدینہ شریف کے تقدس کی پامالی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اصل موضوع رابطہ شیخ ہے۔ حالتِ نماز میں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی سعید ابن معلیٰ رضی اللہ عنہ نے رابطہ شیخ کا کردار پیش کیا۔ اس لیے صوفیاء فرماتے ہیں کہ نماز میں بھی شیخ سے رابطہ رکھنا چاہیے۔

اللہ آپ کا اور میرا خاتمہ سچے دین پر کرے۔ اور جو تعلیمات بیان کی ہیں اللہ مجھے بھی اور آپ کو بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایسی محویت عطا فرمائے اور اپنے اپنے پیرانِ طریقت کی معرفت اللہ تعالیٰ اپنا قرب عطا فرمائے۔ آمین۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ

حواشی

ا: حدیث مدینۃ العلم، محمد بن جریر طبری، حاکم نیشابوری، خطیب بغدادی اور جلال الدین سیوطی جیسے اکابر اہل سنت کے ہاں حسن اور صحیح ہے۔ عبدالحسین امینی نے اہل سنت کے 21 محدثین کے نام ذکر کئے ہیں جو اس حدیث کو حسن اور صحیح سمجھتے ہیں۔

ا۔ المستدرک علی الصحیحین، حاکم نیشاپوری ج3، ص126۔

۲۔ الاستیعاب، ابن عبدالبر، ج3، ص1102۔

۳۔ ترمذی، السنن ج5، ص637۔

۲ عَنْ أَبِیْ حَازِمٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ :مَا كَانَ لِعَلِيٍّ إِسْمٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ أَبِي التُّرَابِ وَ إِنْ كَانَ لَيَفْرَحُ إِذَا دُعِيَ بِهَا۔ فَقَالَ لَهُ :أَخْبِرْنَا عَنْ قِصَّتِهِ. لِمَ سُمِّيَ أَبَاتُرَابٍ؟ قَالَ: جَاءَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بَيْتَ فَاطِمَةَ، فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِي الْبَيْتِ. فَقَالَ أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ؟ فَقَالَتْ: كَانَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُ شَيْئٌ. فَغَاضَبَنِي فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِيْ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لِإِنْسَانٍ :انْظُرْ أَيْنَ هُوَ؟ فَجَاءفَقَالَ :يَارَسُوْلَ اللهِ! هُوَ فِي الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ. فَجَاءهُ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وَهُوَ مُضْطَجِعٌ قَدْ سَقَطَ رِدَآؤُهُ عَنْ شِقِّهِ فَأَصَابَهُ تُرَابٌ. فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم يَمْسَحُهُ عَنْهُ وَ يَقُوْلُ :قُمْ أَبَا التُّرَابِ. قُمْ أَبَا التُّرَابِ! مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ هَذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ.

۳ مشکوۃ شریف۔ جلد دوم۔ حرم مدینہ کا بیان۔ حدیث 1279 (مدینہ میں رہنا دنیا وعقبیٰ کی بھلائی ہے)

وعن سعد قال :قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إني أحرم ما بين لابتي المدينة :أن يقطع عضاهها أو يقتل صيدها وقال " المدينة خير لهم لو كانوا يعلمون لا يدعها أحد رغبة عنها إلا أبدل الله فيها من هو خير منه ولا يثبت أحد على لأوائها وجهدها إلا كنت له شفيعا أو شهيدا يوم القيامة .رواه مسلم

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں مدینہ کے دونوں پہاڑوں کے کناروں کے درمیان کو حرام (باعظمت) قرار دیتا ہوں، لہٰذا نہ تو اس زمین کے (جو، ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ہے) خاردار درخت کاٹے جائیں اور نہ اس میں شکار مارا جائے (حنفیہ کے نزدیک یہ ممانعت نہی تنزیہی کے طور پر ہے) مدینہ ان (لوگوں) کے لئے (جو مدینہ میں رہتے ہیں) بہتر ہے (یعنی مدینہ کا قیام دنیا وعقبیٰ کی بھلائی کا ضامن ہے) بشرطیکہ وہ اس کی بھلائی وبہتری کو جانیں تو اس شہر کی اقامت کو ترک نہ کریں اور دنیا کے آرام وراحت کے لئے اس کو چھوڑ کر اور کہیں نہ جائیں جو بھی شخص بے رغبتی کے ساتھ (یعنی بلاضرورت) اس شہر کو چھوڑے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے ایسے شخص کو مقیم کر دے گا جو اس

سے بہتر ہوگا (یعنی بے رغبتی کے ساتھ مدینہ کو چھوڑنا مدینہ کے لئے نقصان دہ نہیں ہوگا بلکہ اس کے لئے مفید ہی ہوگا کہ اس شخص کی جگہ کوئی اس سے بہتر شخص آ کر مقیم ہوگا کہ ضرورت ومجبوری کے تحت مدینہ کو چھوڑنا اس حکم میں داخل نہیں) اور جو بھی شخص مدینہ میں سختیوں اور بھوک پر ثابت قدم رہے گا (یعنی وہاں کی ہر تنگی و پریشانی پر صبر کرے گا) تو میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا یا یہ فرمایا کہ میں اس (کی اطاعت) کا گواہ بنوں گا۔ (مسلم (۲)

۲: تشریح: اس حدیث میں جہاں مدینہ کے رہنے والوں کے لئے خاتمہ بخیر کی سعادت عظمی کی بشارت ہے وہیں یہ تنبیہ بھی ہے کہ مومن کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ حرمین شریفین یعنی مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کی سکونت پر اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت پر شکر بھی کرتا رہے اور وہاں کی ہر سختی ومصیبت پر صابر بھی رہے، نیز یہ کہ وہ ان مقدس شہروں کی بھلائی سے صرف نظر کر کے دوسری جگہوں کی ظاہری نعمت اور راحت وآرام پر نظر نہ رکھے کیونکہ اصل نعمت اور اصل راحت تو آخرت کی نعمت اور وہاں کی راحت ہے جیسا کہ یہ حدیث ہے: ''اللهم لا عيش الا عيش الآخرة''۔ (اے اللہ! آخرت کی راحت وآرام کے علاوہ اور کوئی راحت وآرام نہیں ہے)۔

۳: تشریح؛ علامہ تو پشتی کہتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ وانی حرمت المدینہ میں تحریم سے مراد تعظیم ہے (جیسا کہ ترجمہ میں ظاہر کی گیا ہے) اس سے وہ احکام مراد نہیں جو حرم سے متعلق ہیں یعنی شکار وغیرہ کا حرام ہونا چنانچہ اس بات کی دلیل خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اور نہ اس کے درخت کے پتے جھاڑے جائیں البتہ جانوروں کے کھانے کے لئے جھاڑے جاسکتے ہیں (اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حرم مکہ کا جو حکم ہے وہ حرم مدینہ کا نہیں ہے) کیونکہ مکہ کے جو درخت ہیں ان کے پتے جھاڑنے کسی حالت میں بھی درست نہیں ہیں، جہاں تک شکار کا تعلق ہے تو اگرچہ بعض صحابہ نے مدینہ میں شکار مارنے کو حرام کہا ہے لیکن اکثر صحابہ نے مدینہ کے پرندوں کے شکار کا انکار (یعنی اس سے منع) نہیں کیا ہے نیز اس بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی ممانعت کسی ایسے طریق سے ہم تک نہیں پہنچی ہے جس پر اعتماد کیا جاسکے، یہ علامہ تو پشتی کا اقتباس ہے اس بارہ میں ملا علی قاری نے بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، اہل علم ان کی شرح سے مراجعت کر سکتے ہیں۔

۴: مسند احمد: ۱۶۶۰۶

۵: "حرہ" پتھریلی زمین کو کہتے ہیں؛ چونکہ مدینہ کا ایک حصہ پتھریلا اور آتش فشانی پتھروں سے ڈھکا ہوا ہے، اسی لیے ''حرہ'' کہلاتا ہے "حرہ واقم" کے راستے افواج یزید کی آمد پر یہ واقعہ "واقعۂ حرہ" کہلایا۔

یزید بن معاویہ کے دور میں سانحۂ کربلا کے بعد دوسرا بڑا سانحہ مدینہ پر شامی افواج کی چڑھائی تھی جس میں انہیں کامیابی حاصل ہوئی اور مدینہ میں قتل عام کیا گیا۔ یہ افسوسناک واقعہ 63ھ میں پیش آیا اور واقعۂ حرہ کہلاتا ہے۔ یزید کی بھیجی ہوئی افواج نے دس ہزار سے زائد افراد کو شہید کیا۔ خواتین کی بے حرمتی کی گئی اور تین دن تک مسجد نبوی میں نماز نہ ہوسکی۔

تاریخی مستندات:

واقعہ حرہ، یزید بن معاویہ کا تاریخی جرم حرہ کا واقعہ ذوالحجہ سنہ 63 ہجری میں رونما ہوا۔ (ابن اثیر، کامل، ج 4، ص .(120 (طبری، تاریخ طبری، ج 4، ص 374)۔

واقعۂ عاشورا کے بعد یزید کے خلاف تحریکوں کا آغاز ہوا؛ مدینہ میں عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ اور کئی بااثر افراد نے بھی تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ مدینہ کے لوگوں نے ابن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر والی مدینہ عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو نکال باہر کیا؛ بنوامیہ مروان بن حکم کے گھر میں جمع ہوئے اور انہیں وہیں قید کر لیا گیا۔ اہل مدینہ نے یزید کو معزول کیا اور جب اس کو خبر ملی تو باپ کی وصیت پر عمل کر کے مسلم بن عقبہ کو لشکر دے کر مدینہ روانہ کیا۔ معاویہ نے یزید کو وصیت کی تھی کہ "مدنی بیعت نہ کریں تو انہیں مسلم بن عقبہ کے ذریعے کچل دینا! (ابن اثیر، الکامل، ج 4، ص 112)۔ (مسلم بن قتیبۃ،

الامامۃ والسیاسۃ، ج1،ص231)۔

ابن عقبہ نے تحریک کو کچل دیا اور مدینہ میں بے شمار مسلمانوں اور صحابہ وتابعین کو تہ تیغ کیا۔ابن اثیر لکھتا ہے: مسلم بن عقبہ نے مدینہ کو تین دن تک اپنے لشکر والوں کے لیے مباح کر دیا اور انھوں نے جو چاہا کیا۔(کامل ابن اثیر، ج4،ص117)۔

ابن قتیبہ لکھتا ہے: ایک شامی سپاہی ایک گھر میں داخل ہوا اور مال و دولت کے بارے میں پوچھا، گھر کی خاتون نے کہا: جو کچھ تھا وہ تمہارے سپاہی لوٹ کر لے گئے۔ یزیدی سپاہی نے اس کی گود سے شیر خوار بچہ چھین کر دیوار پر دے مارا جس کی وجہ سے بچے کا مغز باہر آ گیا۔(مسلم بن قتیبۃ، الامامۃ والسیاسۃ، ج1،ص832)۔

مسلم بن عقبہ نے مدینہ پر مسلط ہونے کے بعد ان سے یزید کے غلاموں کے طور بیعت لی اور ان سے ان کے مال وجان اور اولاد پر یزید کے حق تصرف کا عہد لیا۔اور جس نے ایسا نہ کیا وہ قتل کیا گیا۔

(تاریخ طبری، ج4،ص384-381)۔(کامل ابن اثیر، ج4،ص124-123)۔(مروج الذہب، ج3،ص70)۔

کربلا کے واقعے میں یزید کو سماجی حوالے سے شکست ہوئی تھی چنانچہ اس نے ابن عقبہ سے کہا تھا امام زین العابدین علیہ السلام کو نہ چھیڑے۔ اس واقعے میں مہاجر وانصار سے سترہ سو افراد اور دوسرے مسلمانوں میں سے دس ہزار لوگ قتل ہوئے۔

(مسلم بن قتیبۃ، الامامۃ والسیاسۃ، ج1،ص 239 وج2،ص19)۔

ابن ابی الحدید لکھتا ہے: یزیدی فوج نے مدینہ کے لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا؛ زمین پر گرے ہوئے خون کی فراوانی تھی اور قدم رکھنے کی جگہ نہ تھی۔مہاجرین وانصار اور ان کی اولادوں اور مجاہدین بدر کو قتل کیا اور باقیماندہ لوگوں سے یزید کے غلاموں کی حیثیت سے بیعت لی۔(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج3،ص952)۔

مؤرخین لکھتے ہیں: مسلم بن عقبہ نے اس قدر بے گناہ لوگوں کا خون بہایا کہ وہ مسرف کہلایا۔

(مسعودی۔مروج الذہب، جلد3،ص96)۔(کامل ابن اثیر، ج4،ص120)۔

اس واقعے میں ہزاروں خواتین کو جبری زنا کا نشانہ بنایا گیا جس سے بن باپ کے بے شمار بچے پیدا ہوئے۔(مسلم بن قتیبۃ، الامامۃ والسیاسۃ، ج2،ص(15

حموی لکھتا ہے: مسلم بن عقبہ نے خواتین کو اپنے فوجیوں کے لیے مباح کر دیا تھا۔(یاقوت حمودی معجم البلدان، ج2،ص 942(لفظ حرہ)۔

سیوطی لکھتے ہیں: حسن بصری نے واقعے کو یاد کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم! اس واقعے میں کسی کو بھی نجات نہیں ملی؛ زیادہ تر صحابہ اور دوسرے مسلمان مارے گئے، مدینہ کو لوٹا گیا اور ایک ہزار کنواری لڑکیوں کے ساتھ زنا کیا گیا!!۔اس کے بعد حسن بصری نے آیت استرجاع "(اناللہ وانا الیہ راجعون "(کی تلاوت کرتے ہوئے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا" : جس نے اہلیان مدینہ کو ہراساں کیا اس پر خدا، ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔

(تاریخ الخلفاء، صفحہ 233)۔(مسلم، صحیح، کتاب الحج، باب فضل المدینہ، حدیث 10 و16)۔(مسند احمد، ج4،ص55)۔(کنز العمال، ج12، ص 246 تا247)۔

حوالہ جات

ابن منظور، لسان العرب، لفظ حرہ۔^اب ابن کثیر، تاریخ الخلفاء۔تاریخ ابن خلدون جلد دوم صفحہ 136

آٹھواں درس قرآن: ۲، اکتوبر ۲۰۰۴ء

تزکیہ قلب ۔ اسباب اور ثمرات

عنوان

☆.....قیامت۔آخرت میں جزا وسزا کا یقین

☆.....معتوب قوموں کے احوال بیان کرنے کا مقصد

☆.....کتاب مبین ۔ علوم نبوت اور علم غیب

☆.....اہل کتاب سے کیا مراد ہے؟

☆.....قرآن کا نزول قلب مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوا

☆.....قلب کی اصلاح عالمگیر اصلاح کا پیش خیمہ ہے

☆.....انوار وتجلیات کا مرکز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لطیفہ قلب ہے

☆.....اولیاء اللہ غیب پر مطلع ہوتے ہیں

☆.....عظمت قرآن

☆.....دل کی طہارت

☆.....قرآن اور بنی اسرائیل

☆.....قرآن ہدایت اور رحمت ہے

☆.....اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

☆.....حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسلی خاطر

☆.....کافر مردہ دل ہیں

☆.....اہلِ قبر سنتے ہیں۔مردہ کفار بھی سنتے ہیں

☆.....کافروں والی آیات مسلمانوں پر چسپاں کرنا بدترین اقدام ہے

☆.....اہلِ ایمان کو ہی ہدایت کی بات سنائی دیتی ہے

☆.....اللہ کے نبی صورت انسانی میں آتے ہیں

عنوان صفحہ نمبر

☆.....قیامت کا ظہور ۔ اس کی علامات

☆.....شب معراج راستے میں موسیٰ علیہ السلام کا کھڑے ہونا

☆.....دنیا سے چلے جانے کے بعد اللہ والے مدد کر سکتے ہیں

☆.....موسیٰ علیہ السلام کا راستے میں کھڑے ہونے کی اصل وجہ

☆.....مَنْ رَاٰنِی فَقَدْ رَأی اَلْحَقْ

☆.....حروف مقطعات

تزکیہ قلب، اسباب اور ثمرات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

{وَمَا مِنۡ غَائِبَةٍ فِیۡ السَّمَاءِ وَالۡأَرۡضِ إِلَّا فِیۡ كِتَابٍ مُّبِیۡنٍ) (75إِنَّ هَذَا الۡقُرۡآنَ یَقُصُّ عَلَى بَنِیۡ إِسۡرَائِیۡلَ أَكۡثَرَ الَّذِیۡ هُمۡ فِیۡهِ یَخۡتَلِفُونَ)(76وَإِنَّهُ لَهُدًى وَرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ) (77إِنَّ رَبَّكَ یَقۡضِیۡ بَیۡنَهُم بِحُكۡمِهِ وَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡعَلِیۡمُ) (78فَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ إِنَّكَ عَلَى الۡحَقِّ الۡمُبِیۡنِ) (79إِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتَى وَلَا تُسۡمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوۡا مُدۡبِرِیۡنَ) (80وَمَا أَنتَ بِهَادِیۡ الۡعُمۡیِ عَن ضَلَالَتِهِمۡ إِن تُسۡمِعُ إِلَّا مَن یُؤۡمِنُ بِآیَاتِنَا فَهُم مُّسۡلِمُونَ) (81وَإِذَا وَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَیۡهِمۡ أَخۡرَجۡنَا لَهُمۡ دَابَّةً مِّنَ الۡأَرۡضِ تُكَلِّمُهُمۡ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآیَاتِنَا لَا یُوقِنُونَ) (82وَیَوۡمَ نَحۡشُرُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ فَوۡجاً مِّمَّن یُكَذِّبُ بِآیَاتِنَا فَهُمۡ یُوزَعُونَ) (83حَتَّى إِذَا جَاؤُوا قَالَ أَكَذَّبۡتُم بِآیَاتِیۡ وَلَمۡ تُحِیۡطُوا بِهَا عِلۡماً أَمَّاذَا كُنتُمۡ تَعۡمَلُونَ) (84وَوَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَیۡهِم بِمَا ظَلَمُوا فَهُمۡ لَا یَنطِقُونَ) (85أَلَمۡ یَرَوۡا أَنَّا جَعَلۡنَا اللَّیۡلَ لِیَسۡكُنُوا فِیۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِراً إِنَّ فِیۡ ذَلِكَ لَآیَاتٍ لِّقَوۡمٍ یُؤۡمِنُونَ)۝(86}(النمل:۷۵ تا ۸۶)

حضرت حق جلّ شانہٗ وعزّ اسمہٗ واتمّ برہانہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

آسمانوں اور زمین میں کوئی غیب رہنے والی چیز نہیں ہے جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔ واقعی یہ (قرآن مجید) اولاد یعقوب (بنی اسرائیل) کو اکثر و بیشتر وہ چیزیں بتا دیتا ہے جس میں وہ آپس میں اختلاف کیا کرتے تھے۔ اور واقعی یہ قرآن رہنما ہے اور رحمت ہے مومنوں کے لیے۔ بیشک آپ کا پروردگار اُن کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ فرمائے گا۔ اور وہی (اللہ) ایسی ذات ہے جو غالب بھی ہے اور علم بھی رکھتی ہے۔ آپ اللہ پر بھروسہ کیجئے بلاشبہ آپ ایسی سچائی پر قائم ہیں جو بڑی واضح اور روشن ہے۔ اے میرے محبوب آپ مُردوں کو نہیں سناتے اور نہ ہی بہروں کو اپنی پکار سناتے ہیں جس وقت وہ پیٹھ دے کر مڑ جائیں۔ آپ کسی نابینے کو راستہ دکھانے والے نہیں ہیں (یعنی گمراہوں کو اُن کی گمراہیوں سے بچانے کی ڈیوٹی پر نہیں لگے ہوئے) آپ نہیں سناتے سوائے اُس شخص کے جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتا ہے پس وہ مسلمان ہیں۔ جس وقت

ہماری بات اُن پر واقع ہونے کو آئے گی جیسا کہ ہم نے بتایا کہ قیامت اُن پر آنے کو ہوگی تو زمین سے چار پاؤں والا ایک جانور ہم ظاہر فرمائیں گے۔ جو اُن سے باتیں کرے گا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے اور ہم ہر ایک قوم سے ایک ایسی جماعت نکالیں گے جو اُن میں سے ہوں گے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے۔ (نہ خود مانتے تھے اور دوسروں کو ماننے سے منع بھی کرتے تھے) پس اُن کو روک لیا جائے گا۔ حتی کہ جس وقت وہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں گے تو پروردگار عالم فرمائیں گے کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا ہے۔ حالانکہ تم نے اُن کو اچھی طرح جانا بھی نہیں تھا۔ تم ہی مجھے بتا دو کہ تم کیا کرتے تھے۔ اُن پر بات واقع ہو جائے گی یعنی قیامت اُن پر قائم ہو جائے گی اور قیامت کی وجہ سے آنے والا عذاب بھی اُن پر واقع ہو جائے گا۔ لیکن قیام قیامت سے پہلے سزاؤں کی جھلکیاں اس وجہ سے ہوں گی کہ اُنہوں نے ظلم کیا۔ بوجہ ظلم کے اُن پر عذاب واقع ہو جائے گا۔ وہ چپ چاپ کھڑے رہیں گے۔ بات نہیں کریں گے۔ کیا اُنہوں نے اس بات کو نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو بنایا ہے تا کہ اُس میں وہ آرام کریں۔ اور دن کو اس لیے بنایا ہے کہ وہ اُن کے لیے روشنی کرے اور چل پھر کے اپنے رزق روزی اور مصالح زندگی کا اہتمام کریں۔ بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ایک ایسی قوم کے لیے جو ایمان رکھتی ہے۔

قیامت ۔ آخرت میں جزا و سزا کا یقین

منکرین قیامت کی زندگی میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ ٹھہری کہ وہ قیامت کے قائم ہونے، اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی پوری زندگی کے اعمال کا جواب دینے کا کوئی یقین نہیں رکھتے تھے۔ آخرت کا یقین اور بارگاہ الٰہی میں پیش ہونا اور پوری زندگی کا حساب دینا اور صحت مند جواب دینا اِن سب پر ایمان و یقین ایک ایسی قوت ہے جو آدمی کو رات کی تنہائیوں میں گناہ سے روک لیتی ہے۔ اُس کے ارادوں میں برائی کے لیے آمادہ ہونے کی طاقت نہیں رہتی۔

ایک مثال سے یہ بات آسانی سے سمجھ آ جائے گی۔ جس وقت ایک انسان Over Speeding (حد رفتار سے تجاوز) کرتا ہے۔ راستے میں کیمرے کا نشان یا بورڈ آ جاتا ہے۔ حالانکہ اُس وقت پولیس وہاں موجود نہیں ہوتی کہ وہ اُسے دیکھ لے لیکن یہ یقین اُسے ہوتا ہے کہ حد رفتار سے تیز گاڑی چلانے پر کیمرہ اُس کو ریکارڈ کر لے گا اور پولیس اُسے پکڑے گی۔ لائسنس پر پوائنٹ لگا دیئے جائیں گے، جرمانہ بھی ہوگا۔ لائسنس Cancel (معطل) بھی ہو سکتا۔ اسی یقین کی وجہ سے وہ بریکیں استعمال کرتا ہے اور گاڑی کو آہستہ کر کے اصل رفتار پر لے آتا ہے۔ اس طرح روزانہ کی زندگی میں آپ دیکھتے ہیں کہ آدمی قانون کی خلاف ورزی سے باز آ جاتا ہے۔

اسی طرح سچ مچ انسان کو خدا کی خدائی کا یقین ہو اور پتہ ہو کہ میری اس زندگی کے سارے فوٹو، نقشہ موقع واردات

سب ظاہر ہو جائیں گے تو وہ گمراہی سے بچتا ہے۔قرآن فرماتا ہے:

{یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا۔بِأَنَّ رَبَّکَ أَوْحَی لَهَا}۔(الزلزلۃ:۴۔۵)

(اس روز زمین اپنے حالات بیان کردے گی۔کیونکہ تمہارے پروردگار نے اس کو حکم بھیجا ہوگا)

یعنی زمین جس میں کوئی Occurance (واقعہ) رونما ہوتا ہے وہ (زمین) بول کر کہے گی۔مولا کریم! اس انسان نے یہ کام کیا ہے۔زمین کے ذرے اور تمام در و دیوار بول کے کہیں گے۔اگر انسان کا یہ یقین زندہ ہو جائے تو برائی سے اُس کا ہاتھ خود بخود رک جائے گا۔اور جب یہ یقین نہیں ہوتا تو پھر ہر برائی کو کرنا آدمی آسان سمجھے گا۔ہر گناہ سے الگ الگ روکنے کے مقابلے میں یہ Direct (براہ راست) فارمولا ہے کہ انسان کو قیامت کا اور آخرت میں جزا و سزا کا مکمل یقین دلایا جائے۔

{وَ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ وَ کُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِیْنَ}۔(النمل۔آیت ۸۷)۔(اور جس روز صور پھونکا جائے گا تو جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں سب گھبرا اٹھیں گے مگر وہ جسے خدا چاہے اور سب اس کے پاس عاجز ہو کر چلے آئیں گے)۔

کفار کو جب عذاب آخرت سے ڈرایا جاتا تو یہ کہا کرتے تھے:اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْن (یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں)۔اُن کے جواب میں سابقہ اقوام کے احوال کو بطور نظائر (Prcedent) کے پیش کیا گیا۔

معتوب قوموں کے احوال ۔ بیان کرنے کا مقصد

تاریخ نے وہ نظائر بیان کیے جو موجودہ نسل انسانیت کے لیے سامان عبرت تھے۔رب تعالیٰ نے فرمایا:

{قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ}۔

(النمل:آیت ۶۹)

(اے میرے محبوب ان سے کہو کہ پوری دنیا میں چل پھر کے دیکھیں جو (تمہارے کردار کے لوگ تھے) نبیوں کی مخالفت کرتے تھے اُن کا کیا انجام ہوا)۔

تین واقعات تو اِن (اہلِ مکہ) کے گرد اگرد ہوئے تھے۔ایک شمالی یمن میں قوم عاد پر عذاب آیا تھا۔اور ایک عراق میں جو اِن کے شمال میں ہے۔حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم یہاں آباد تھے۔ان پر طوفان آیا تھا۔اور ان کے مغرب میں مدائن ہے یہاں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود پر عذاب آیا تھا۔اہلِ مکہ اپنی روزمرہ زندگی میں ان قوموں

کی تباہی کے واقعات کا ذکر کرتے رہتے تھے۔اوران باتوں کو بطور نظیر (Precedent) بیان کرتے تھے۔تو اُن سے کہا کہ زمین میں چل پھر کے دیکھو۔غور کرو کہ جس مزاج اور ذوق مجرمانہ کے تم لوگ ہو اسی ذوق کے لوگ پہلے ہو گزرے ہیں اُن کا جو تباہ کن حشر ہوا ہے اُسے تم جانتے ہو اور اُن کا ذکر بھی کرتے ہو۔وہ تمہارے والی بولی بولتے تھے اور اب تم اُن کی بولی بولتے ہو لہٰذا اُسی طرح کا عذاب تم پر بھی آنے والا ہے اور جن نبیوں اور رسولوں کی تم تعریف کرتے ہو یا اُن کی مشابہت میرے (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ بنتی ہے۔اس لیے نبیوں والا انجام میرا ہوگا کیونکہ میں سارے نبیوں اور رسولوں کا رسول اور سردار ہوں۔اور جن کی طرح تمہارا (کفارِ مکہ) کردار اور عمل ہے اور تمہاری بولی اُنہیں سے ملتی ہے۔ جس طرح تم خود اُن کا برا انجام بتاتے ہو تمہیں یقین کر لینا چاہیے اُنہیں جیسا انجام تمہارا بھی ہونے والا ہے۔

یہ قیاس (Analogy) ہے ہم موجودہ معاشرے (Society) کا جائزہ لیتے ہیں کہ موجودہ اقوام عالم کیا کر رہی ہیں۔پہلے زمانے کے لوگوں سے اُن کی مشابہت (Resemblance) کتنی ہے جو پہلوں کا انجام ہوا ہے آج جس کی جتنی اُن سے مشابہت ہے اُس کا انجام اُسی کے ساتھ اُتنا ہی مشابہ ہوگا۔

پروردگار عالم نے جب اُن کی ساری باتیں اُن کے سامنے پیش کیں تو اُس وقت منکرین کہتے ہیں کہ ہمیں دھمکیاں دی جاتی ہیں کہ ہم پر عذاب آجائے گا۔اتنے وسیع Record (روداد) کو کون برقرار (Maintain) رکھ سکتا ہے۔ہر ایک آدمی کے شخصی اندراج کی کاروائی (Personal Sheet) الگ الگ کس طرح محفوظ رکھی جا سکتی ہے۔ایک مثال ہے کہ جب کسی کو مکان کرائے پر لینا ہوتا ہے تو مالک مکان (Land Lord) آپ سے جانچ پڑتال (Inquiry) کے لیے کچھ رقم طلب کرتا ہے اور تفتیش (Investigation) کرنے کے لیے پولیس سے رابطہ کرتا ہے۔آج کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا دور ہے۔دس منٹ بھی صرف نہیں ہوتے کہ سارا ریکارڈ صفائی سے سامنے آجاتا ہے اور مسئلہ Sort Out (حل) ہو جاتا ہے۔ جب نظام زندگی کے معاملات کو نبٹا لینے کے لیے دنیا میں اتنی سہولتیں موجود ہیں تو اللہ کے نظام کے اندر کسی بحث کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

کتاب مبین ۔ علوم نبوت اور علم غیب

پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا:

{وَمَآ مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ}۔

یہ سیاق کلام (With reference to Context) کے تحت پہلا جملہ ارشاد ہوا ہے۔پچھلے بیان سے پتہ

چلتا ہے کہ اب علم کی بحث کیوں چھڑی ہے۔ کفار کا یہ کہنا کہ ہمارا مکمل ریکارڈ کون برقرار رکھ سکتا ہے اتنا علم کس کو ہے کہ ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تفصیل اُس کے علم میں ہو۔

اُنہیں بتایا جارہا ہے یہ ہمارا نبی تمہارے سامنے ہے۔ ایک اکیلا آدمی صحرائے عرب میں پیدا ہوا ہے کسی سکول میں داخلے کے لیے اُس نے فارم تک پُر نہیں کیا۔ لیکن اُس کے کمالِ علم کا یہ حال ہے کہ پوری دنیا کی باتیں اُس وقت کے موجود لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے۔ اللہ کے اولوالعزم پیغمبروں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت موسیٰ علیہم السلام کے جملہ احوال بتاتا ہے۔ وہی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن ملکوں اور وہاں آباد قوموں کے حالات وواقعات بیان فرماتا ہے۔ گزشتہ قوموں پر جو عذاب آئے اور وہ ہلاک ہوئے یہ سب کچھ بتاتا ہے۔

کفار یہ سوچنے پر مجبور تھے کہ ہم نے دنیا کے بڑے حصے کو دیکھا ہوا ہے۔ دور ونزدیک گھومے پھرے ہوئے ہیں جبکہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی دنیا کے کسی حصے کی سیاحت نہیں کی ہے ایک تاجر کی حیثیت سے دنیا کی تجارتی منڈیوں کو کبھی دیکھا نہیں ہے بظاہر پوری دنیا کی بولیاں بھی نہیں جانتے تو پھر اس کو یہ ساری معلومات کس طرح حاصل ہیں۔ یہ معلومات تو ہمیں ہونی چاہئیں جنہوں نے دنیا کو کسی حد تک دیکھا ہے۔ ان کی اس سوچ کے جواب میں رب تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ زمینوں آسمانوں میں کوئی چھپی چیز نہیں ہے جو اس کتاب مبین کے اندر موجود نہ ہو۔

کتاب مبین کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر کے مطابق اس سے مراد لوح محفوظ ہے اور ایک تفسیر کے مطابق یہ قرآن مجید ہے۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ کون سی تفسیر زیادہ صحت مند ہے۔ ثبوت دونوں تفاسیر پر موجود ہیں۔ اگر یہ مانا جائے کہ لوحِ محفوظ کے سارے علوم اللہ تعالیٰ نے قرآن کے لباس میں سمو (Accomodate) دیئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرما دیئے۔ اس طرح کتاب مبین کی ایک ہی تفسیر بنتی ہے۔

قرآن مجید سے پوچھیے کہ کون سی کتاب کتاب مبین ہے۔ قرآن کا جواب ہے:

{یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ كَثِیْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِیْنٌ}۔ (المائدہ:۱۵)۔

(اے کتاب والو تمہارے پاس ہمارا رسول آیا وہ تمہیں بہت سارا بتا دیتا ہے جو تم اپنی کتاب (تورات) میں چھپاتے ہو اور بہت سارا معاف کرتا ہے۔ بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آئی)۔

اس آیت کے آخر میں نور اور کتاب مبین کی آمد کی بات ہو رہی ہے۔ یہ سب مانتے ہیں کہ نور سے مراد حضرت

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور کتابِ مبین قرآن کریم کو کہا گیا ہے۔ قرآن مجید کی اندرونی شہادت سے بات متحقق (Establish) ہوگئی کہ آسمانوں سے اُوپر واقع ہونے والی کتاب مبین (لوح محفوظ) مراد نہیں ہے بلکہ وہ کتاب الٰہی مراد ہے جو دنیا میں نازل ہوئی ہے اور وہ قرآن مجید ہے۔

میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زبان نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیان ہے جس کا بیان نہیں

(اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

قرآن مجید کے سوا اس دنیا میں کوئی کتاب مبین نہیں آئی۔ اس کے متعلق قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذکر ہوا ہے کہ یہ کتاب مبین ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

{لَا رَطْبٍ وَّ لَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ} (الانعام:۵۹)۔

(کوئی خشک اور تر چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو)۔

اہل کتاب سے کیا مراد ہے؟

مذکورہ آیت میں اہل کتاب کو خطاب کیا گیا۔ اُس وقت جب قرآن مخاطب کر رہا تھا اہل کتاب ایک مخصوص طبقہ تھا۔ اُس وقت کی اصطلاع (عام بول چال) میں یہ لفظ اعلیٰ تعلیم یافتگان (Well Educated, Highly Qualified) کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ یعنی وہ روشن خیال (Intelectual) لوگ مانے جاتے تھے۔ یہ بنی اسرائیل کے دو طبقات تھے ایک یہودی اور دوسرے نصرانی۔ ان کے پاس آسمان سے دو کتابیں آئی تھیں ایک تورات اور دوسری انجیل۔ اب جن کے پاس اِن دو کتابوں کا علم تھا وہ اپنے آپ کو سمجھتے تھے کہ ہم آسمانی یونیورسٹی کے فارغ التحصیل ہیں۔ جیسا کہ آج کے دور میں کوئی پاکستان میں یہ بتائے کہ وہ، کیمبرج یا آکسفورڈ یونیورسٹی کا فارغ التحصیل ہے۔ تو اُسے بہت لکھا پڑھا آدمی سمجھا جاتا ہے اور عام لوگ اُس کی تعلیمی قابلیت پر متحیر (Surprise) ہوتے ہیں۔ اہلِ کتاب وہ لوگ تھے جن کا بڑا علمی مقام تھا اور اُس وقت کی اقوام اُنہیں عالم تسلیم کرتی تھیں۔ تو اُنہیں جن کو اپنے کتابی علوم پر ناز تھا قرآن مجید نے مخاطب کیا کہ اے اہلِ کتاب (تورات اور انجیل کے ماہر علماء) تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے۔ تم اپنی کتاب میں جو کچھ چھپاتے ہو۔ یعنی جو معلومات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تورات اور انجیل میں تھیں اور اپنی ذاتی اور شخصی ضروریات کے لیے احکام دینی کو چھپاتے تھے اور تحریفات کرتے تھے۔ وہ سب یہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کھول کر بتا دیتے ہیں۔اس سے اہل سنت کا عقیدہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ نے غیب کے علوم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائے ہیں۔دونوں کتابیں تورات اور انجیل کو اہل کتاب نے صندوقوں میں بند کر کے اگلی کوٹھڑی میں تالے لگا کر رکھا ہوا تھا۔ اب دیوار کے پیچھے جو چیز ہے وہ بہر طور غیب ہے۔جن کے پاس کتاب ہے وہ چھپا رہے ہیں اور جس نے کبھی کتاب دیکھی نہیں،اُسے پڑھا نہیں وہ بتا رہا ہے۔

اس پر ایک سوال اُٹھتا ہے کہ بہت سارا بتا دیتا ہے اور بہت سارا معاف کرتا ہے۔لہٰذا سارا غیب تو نہیں جانتا۔ قرآن کے اگلے جملے نے اس کا جواب دے دیا {وَیَعْفُوْ عِنْ کَثِیر}۔بہت سارا معاف کر دیتا ہے۔بہت چھوٹے لفظوں میں بات کو پوری طرح واضح کر دیا گیا ہے (Observation and opinion clause to be more precise) یعنی وہ اس لیے بہت سارا نہیں بتاتا کہ یہ اُس کی شان کریمی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لاعلمی کی وجہ سے نہیں بتاتا،وہ معاف کرتا ہے کسی مصلحت اور حکمت کی وجہ سے۔

اس کے بعد وقف کی علامت (Punctuation) ہے اُس کے بعد فرمایا:

{قَدْ جَآءَکُم مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ}۔

قرآن کا نزول قلبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ہوا

قرآن فرماتا ہے: {فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰہِ}۔(البقرہ۔۹۷)

(اے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام جبرائیل امین اس قرآن کو آپ کے دِل پر نازل کرتے ہیں)۔

اس کتاب مبین میں سارے غیب موجود ہیں۔جتنے علوم ہیں وہ قرآن میں ہیں۔سارے غیب قرآن میں ہیں اور قرآن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دِل مبارک میں رکھ دیا ہے۔لہٰذا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قلب اطہر جمیع علوم کا منبع ومخزن ہے۔

دِل وہ کل ہے جس کا ادنیٰ جزو ہے سارا جہاں
سب اسی میں ہیں سمائے لامکاں ہو یا مکاں

(علامہ اقبال علیہ الرحمۃ)

اَب تصوف (Spritualism, Mysticism, Sufi order) کا ایک اور ثبوت مل گیا۔صوفیاء جتنے مراقبات کرتے ہیں۔خواہ لطیفہ روح پر کریں،لطیفہ سر پر کریں،لطیفہ خفی پر کریں،لطیفہ اخفا پر کریں اُن سب کا مرکز دِل قرار

پاتا ہے۔اس لیے صوفیاء کسی اور چیز کی بجائے دِل کی اصلاح پر توجہ دیتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلَا اِنَّ فِیْ الْجَسَدِ مُضغَۃً اِذَا صَلَحَتْ، صَلَحَ الْجَسَدُ کُلُّہ، وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہُ اَلَا وَھِیَ القَلْبُ۔(متفق علیہ، صحیح بخاری، جلد اوّل، کتاب الایمان/صحیح مسلم، کتاب البیوع)

(خبردار! بدن انسانی میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جس وقت وہ درست ہوجائے سارا بدن درست ہوجاتا ہے۔جس وقت وہ گوشت کا لوتھڑا خراب ہوجائے سارا بدن خراب ہوجاتا ہے، خبردار وہ دل ہے)

قلب کی اصلاح عالمگیر انقلاب کا پیش خیمہ ہے

جو حدیث پاک ذکر کی گئی اُس کے مطابق سارے بدنِ انسانی کی اصلاح دِل کی اصلاح سے ہوتی ہے یعنی جب دل درست ہوتا ہے تو آدمی کا نظام جسمانی درست ہوجاتا ہے۔ یہ انقلاب محض حجامت بنوانے، کپڑے بدل لینے، ماؤں ، بہنوں، بیٹیوں کے زیورات تبدیل کرنے، ہار سنگار کرنے سے نہیں آتا۔ جب اللہ اور اُس کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت دِل میں ڈال دی جائے، ذکر الٰہی سے دل کی دنیا آباد کی جائے تو پھر انسان کی زندگی میں انقلاب آجائے گا۔ جب دِل کی اس طرح درستگی کردی جائے، تو پھر عورت نے زیور پہنا ہوا ہے یا نہیں اور مرد نے شلوار قمیض پہنی ہو یا کوٹ پتلون پہنے ہوئے ہوں۔لمبا کُرتا پہنا ہوا ہو یا دھوتی باندھ رکھی ہو کسی بھی صورت (Shape) میں ہو وہ ایک سچا اور صحیح مسلمان ہوگا۔اور جب قلبی صفائی سے فرد کی ذاتی زندگی میں تبدیلی آجاتی ہے تو یہی تبدیلی معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہے جو آگے چل کر پوری قوم کی زندگی کو بدل دیتی ہے اور یہاں تک کہ عالمگیر انقلاب لے آتی ہے۔

انوار وتجلیات کا مرکز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لطیفہ قلب ہے

صوفیاء جب مراقبے کرتے ہیں۔ذکر الٰہی اور دیگر عبادات کرتے ہیں تو سب صورتوں میں وہ پابندی کے ساتھ اپنے دِل ودماغ کو اپنے مشائخ طریقت کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیضان اُن مشائخ کے ذریعے اُس کے دل تک پہنچ رہا ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا قلب اقدس مرکز تجلیات وفیضان تسلیم ہوتا ہے۔جس طرح آپ سورج کے سامنے شیشہ رکھیں اور وہ جگہ جہاں براہ راست دھوپ نہیں پڑتی اُس شیشے کا رخ اُس طرف پھیر دیں تو سورج والی دھوپ ٹھیک اس جگہ لگے گی۔ایسے کونے میں جہاں سورج کی روشنی نہیں پہنچتی تو اُس کی تدبیر یہ ہے شیشے کو درمیان میں رکھیں شیشہ سورج سے روشنی لے کر اُس کونے کو سورج کی روشنی سے چمکا دے گا۔

اسی طرح اللہ رب العزت کے انوار وتجلیات براہ راست انسانی قلب پر واقع ہوں تو قلب انسانی اُنہیں برداشت نہیں کر سکے گا۔قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طلب دیدار کا واقعہ بیان کیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ}۔(الاعراف:۱۴۳)

(اے موسیٰ آپ پہاڑ کی طرف دیکھیں اگر پہاڑ اپنی جگہ قائم رہا تو پھر آپ یقیناً مجھے دیکھ لیں گے)۔

اگر کوہ طور میں میری تجلیات کو برداشت کرنے کی قوت نہ ہوتو پھر آپ کس طرح برداشت کریں گے جب اللہ نے اپنی تجلی ڈالی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔

حضرت شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے ''فتوحات مکیہ'' کے اندر لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بے ہوش کیوں ہوئے؟ اُس کی وجہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیچ میں نہیں رکھا اگر حضور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درمیان میں وسیلہ بنا کر دیکھنا چاہتے تو رب کا دیدار کر لیتے اور بے ہوش نہ ہوتے۔

صوفیاء کہتے ہیں انوار وتجلیات الٰہیہ کا جو تصور ہے وہ اس طرح کرنا ہے کہ عرش الٰہی سے فیضان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطائف پر وارد ہو رہا ہے۔اس طرح اُس کا بنیادی مرکز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لطیفہ قلب ہے اور اُس سے میرے (مرید، مراقبہ کرنے والے) پیرانِ طریقت کے آئینہ قلب (لطیفہ قلب) پر آتا ہے۔یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی مشائخ طریقت کے شیشوں (دلوں) کو منور کر رہی ہے اور وہاں سے یہ روشنی مجھے حاصل ہو رہی ہے۔اس طرح قلب کے اندر ساری چیزیں آ گئیں کیونکہ کتاب مبین (جس میں ہر خشک وتر ہے) اُس دِل میں گئی ہے:

دِل دریا سمندروں ڈونگے کون دلاں دیاں جانڑیں ھُو
وچے بیڑے وچے جھیڑے وچے ونج مونھانڑیں ھُو

(حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ)

اُس وقت قلب مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انوار سے اُس بندے کا قلب ہم آہنگ (Harmonise) ہو جاتا ہے۔اور سارے فیضان کی جھلکیاں اُس کے دل سے نظر آنے لگ جاتی ہیں۔

اولیاء اللہ غیب پر مطلع ہوتے ہیں

جیسا کہ پہلے ذکر کیا کہ صوفیا ذکر الٰہی اور دیگر عبادات اور بالخصوص مراقبہ کے وقت اپنی تمام توجہ اپنے مشائخ طریقت کی طرف سے آنے والے انوار پر مرکوز کرتے ہیں اور اس سے اُن کے دل منور ہوتے ہیں۔جب دل نورانیت سے

چمکتے ہیں تو پھر بے شمار مقامات پر صوفیا پر غیب کی باتیں عیاں ہونے لگتی ہیں۔

سرکار بغداد حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں ایک شخص حاضر ہوا۔ اور عرض کی میرے والدین کے بارے میں بتا سکتے ہیں کہ وہ قبر میں کس حال میں ہیں؟ سرکار غوث پاک نے توجہ فرمائی اور بتایا کہ وہ جہنم میں ہیں۔ غوثِ پاک نے اُس شخص سے پوچھا کہ وہ کبھی میری درس گاہ میں آئے تھے۔ یہاں لنگر خانے کا کھانا اُنہوں نے کھایا تھا؟ اُس نے جواب دیا ایسا تو اُنہوں نے نہیں کیا، میں اُنہیں اس مبارک بارگاہ میں آنے کے لیے کہتا رہا ہوں مگر وہ نہیں آئے۔ آپ نے استفسار فرمایا کبھی میری یونیورسٹی (درسگاہ) کے دروازے سے اُن کا گزر ہوا ہے۔ اُس شخص نے جواب دیا کہ وہ اپنی زندگی میں تو شاید نہیں گزرے البتہ مرنے کے بعد اُن کا جنازہ یہاں سے گزرا تھا۔ سرکار بغداد رضی اللہ عنہ اپنے رب کی بارگاہ میں سوال کرتے ہیں۔ مولا کریم اگر میرا شمار تیرے سچے بندوں میں ہوتا ہے تو تیری بارگاہ میں عرض کرتا ہوں۔ چونکہ اُس بندے کو میری یونیورسٹی کے سامنے سے گزارا گیا تھا اُس کی برکت سے اُسے اسی وقت دوزخ سے اپنی مہربانی اور کرم سے نکال اور جنت میں پہنچا دے۔ آپ نے اُس کے والدین کے حال پر توجہ فرمائی تو وہ سائل جو حضور غوث پاک کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اُس کو بھی نظر آنے لگا کہ دوزخ سے اُنہیں نکال کر جنت میں پہنچایا جا رہا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تفسیر مظہری'' کے اندر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ واقعہ بیان کیا۔ ایک دِن بیٹھے ہوئے وظائف میں مصروف تھے اچانک آپ کی نگاہ ملا طاہر لاہوری پہ پڑی۔ یہ معصوم بادشاہ (حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے) کے اُستاد تھے۔ حضرت امام ربانی علیہ الرحمہ نے دیکھا کہ ملا طاہر لاہوری کی پیشانی پر ''شقی'' لکھا ہوا ہے۔ سوسائٹی کو نظر نہیں آ رہا لیکن غیب دان نگاہیں دیکھ رہی ہیں۔ اور پھر حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لوح محفوظ پر نگاہ ڈالی تو وہاں بھی نظر آیا کہ یہ شقی (بدبخت) ہے۔ پہلے کتاب مبین کا ذکر ہوا یہ بتایا گیا کہ ایک تفسیر کے مطابق کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے اگر لوح محفوظ بھی ہو تو اولیاء اللہ سے لوح محفوظ بھی پوشیدہ نہیں ہے۔

لوح محفوظ است پیش اولیا
از چہ محفوظ است محفوظ از خطا

(حضرت عارف رومی علیہ الرحمۃ)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ تیرا استاد شقی ہے۔ توجہ فرمائی تو بیٹے کے سینے

سے حجابات اُٹھ گئے اور معصوم بادشاہ نے بھی دیکھ لیا کہ اُن کے اُستاد کی پیشانی پر شقی لکھا ہوا ہے پھر دوسری توجہ فرمائی تو لوح محفوظ پر موجود حقائق بھی سامنے آ گئے۔ لوح محفوظ پر ملا طاہر لاہوری کے بارے میں شقی لکھا ہوا ہے۔ معصوم بادشاہ نے اپنے والد گرامی سے عرض کیا ابا جان! آپ کے بیٹے کا استاد ہو اُسے تعلیم دے اور پھر وہ شقی رہ جائے پھر مجدد الف ثانی کی اولاد کو پڑھانے کا کیا فائدہ؟۔ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے ملا طاہر لاہوری کی پیشانی سے اور پھر لوح محفوظ سے بھی ''شقی'' کا لفظ مٹا کر ''سعید'' لکھ دیا۔

یہ ثبوت ہے اس بات کا بندگان خدا غیب کی دنیا بھی دیکھ لیتے ہیں اور بعض تقدیروں کو باذن الٰہی بدل بھی دیتے ہیں۔ یہ تصرف اللہ اُنہیں عطا فرماتا ہے۔

علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (م 1230ھ) نے اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں سورۂ یوسف کی پہلی آیت ''**تلک آیات الکتاب المبین**'' کے تحت لکھا ہے کہ ایک بڑا طبقہ اہلِ علم یہ کہتا ہے کہ کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔ ترکیہ کے دور حکومت میں علماء کے ایک طبقے نے صرف سورۂ فاتحہ سے غیبی معلومات استخراج کی ہیں۔ کچھ قاعدے استعمال کیے ہیں اور ترکیہ کے کل بادشاہوں کی گنتی بتائی کہ کل اتنے حکمران بادشاہ ہوں گے اور سب سے آخری حکمران فلاں شخص ہوگا اور کس کس بادشاہ کا دور حکومت کتنا ہوگا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ٹھیک اتنے ہی آدمی اور اسی نام کے اتنے ہی عرصے کے لیے حکمران ہوئے۔ اس کا مطلب ہے کہ سارے غیب قرآن مجید میں ہیں۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہتا ہے کہ آپ بتاتے ہیں کہ سارے علوم قرآن پاک میں موجود ہیں تو پھر ہمیں نظر کیوں نہیں آتے؟

سبھی لوگ جانتے ہیں کہ موتی سمندر میں ہوتے ہیں لیکن ہر آدمی نکال نہیں سکتا۔ سمندر کے غواص (غوطہ غور) نکال سکتے ہیں اور اسی طرح قرآن مجید کے علوم کا جو بحر بیکراں ہے اس کی غواصی کرنے والے علوم غیبیہ کے موتی نکال لیتے ہیں۔ یہ مسلمان ہے جو قرآن کو مان کر اُس سے بیگانہ ہو گیا ہے اور ٹھوکریں کھاتا پھر رہا ہے۔ وگرنہ ماضی، حال اور مستقبل کی ساری معلومات اس کے اندر موجود ہیں لیکن اس سے استخراج (Derive) کرنا ہر آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔

عظمتِ قرآن

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ اُو لایزال است و قدیم

(علامہ اقبالؒ)

قرآن ہمیشہ رہنے والی ازلی، ابدی، لم یزلی کتاب ہے۔ علامہ اقبال کو اسی بات کا گلہ ہوا:

به پندِ صوفی و ملا اسیری
حیات از حکمتِ قرآں نگیری

(اے مسلمان) تو کبھی صوفی اور کبھی مولوی صاحب کے پیچھے پھرتا ہے۔ جس طرح اپنی معیشت (روٹی، کپڑا، مکان) کے حصول کے لیے محنت کرتا ہے اسی طرح قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے محنت کر۔ قرآن کو کسی کی حالتِ نزع کے وقت پڑھنا کہ اُس کی موت آسان ہوجائے یہ تو صرف قرآن کا مقصد نہیں۔

ازآیاتش تُرا کارے جز ایں نیست
که از یٰسینِ اُو آساں بمیری

(علامہ اقبالؒ)

جو قرآن اے مسلمان تجھے حیاتِ ابدی عطا کرنے کے لیے آیا ہے اُس کو تو موت کا سامان سمجھے بیٹھا ہے۔ اس قرآن کو سینے سے لگا تا کہ تیری حقیقی عزت کا سامان ہو۔ ہماری اس محفل میں ہماری بیٹیاں بیٹھی ہوئی ہیں۔ علامہ مرحوم دخترانِ ملت کو خطاب کر کے قرآن پاک کی تعلیمات کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

بهر اے دختر ایں دلبریں ها
مسلمان را نه زیور کافری را

اے مسلمان بیٹی کلر کریم ظاہری آرائش وزیبائش تیری خصوصیت نہیں ہے، یہ کافر بیٹیوں کو بھی میسر ہے۔

زشام بابروں آور سحر را
بقرآن بار خواں اهلِ نظر را

اے دختر اسلام ہماری زندگی کی اس شب تاریک کو کمال اور نصف النہار سے بدل دے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ قوم کو قرآن کی دعوت دے۔

یہ سمجھ لینا کہ بہت سارے فنون تو جانتی ہوں، قانون پڑھا ہے، قانون دان (Lawer) ہیں، ڈاکٹر ہوں لیکن قرآن مجید کی دعوت دینا مولویوں کا کام ہے۔ یہ سوچ اچھی نہیں۔ علامہ اقبالؒ ایک تاریخی واقعے سے پوری ملت کی بیٹیوں

کے ضمیر کو بیدار کرتے ہیں:

نمی دانی کہ سوز قراتِ تو
دگرگوں کرد تقدیر عمر را

اے مسلمان بیٹی تو بڑی خوش نصیب ہے۔ تیری تاریخ زندگی میں یہ واقعہ ملتا ہے تاریخ جس کا جواب لانے سے قاصر ہے۔ عمر جیسا جرار کفر کی صفوں سے توڑ کر اُسے حلقہ بگوش اسلام بنایا وہ ملت اسلام کی بیٹی کا کمال ہے۔ اُس قرآن مجید کی پرسوز تلاوت نے عمر کے دِل کی دنیا کو بدل کر رکھ دیا۔ یہ تبدیلی کسی خطیب کے خطبے سے نہیں آئی تھی۔ یہ حضرت عمر فاروق کی بہن تھیں کہ جن کے قرآن پڑھنے سے وہ آبدیدہ ہو گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلا تھا لیکن اب مجھے بارگاہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لے جاؤ۔ پھر یہی عمر ہے جو اسلام میں فاروق اعظم کہلایا اور کفر اور اسلام کی سرحدوں پر ایسی عظیم عمارت تعمیر کر دی کہ صدیاں گزر جانے کے بعد اُس سرحد کو کوئی پار نہیں کر سکا حق و باطل کے درمیان ایسا فرق کرنے والے ہیں کہ ''فاروق'' کے لقب سے جانے جاتے ہیں دنیا آپ کو فاروق اعظم کے نام سے جانتی ہے۔

قرآن مجید ایک بہت بڑی دولت ہے۔ اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے زندگی سنورتی ہے قرآن کا عقیدہ رکھنا کار نجات ہے اور اس پر عمل کرنا دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔

دل کی طہارت

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

لکل شئی صقالۃ و صقالۃ القلوب ذکر اللّٰہ (البیہقی / مرقاۃ المصابیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب الدعوات)

ہر چیز کو پالش کرنے اور اُسے چمکانے کا ایک طریقہ ہے جوتا خراب ہو جائے تو اُس کی پالش اور ہے سونا چاندی یا کوئی دھات خراب ہو جائے اُس کی پالش اور ہے۔ بدن پر میل کچیل آ جائے تو اُس کی پالش اور ہے۔ اسی طرح دل میلا ہو جائے تو اُس کی بھی پالش ہے اور وہ یہ کہ ذکر الٰہی کثرت سے کرو۔ ذکر جہر بھی کرو اور ذکر خفی بھی کرو۔ پہلے خود ذکر کر کے عادی بنو اور پھر دوسروں کو ذکر کے لیے تیار کرو۔ بچوں بچیوں کو مار پیٹ کی بجائے اُن میں اللہ کا ذکر کرنے کی عادت ڈالو۔ جب شوق ذکر الٰہی بڑھے گا تو خود بخود وہ تلاش کریں گے کہ کون سا کام ہے جس سے رب العالمین راضی ہوتا ہے۔ جب دل صحیح ہو جائے گا تو ساری دنیا ٹھیک ہو جائے گی۔

قرآن اور بنی اسرائیل

رب تعالیٰ فرماتا ہے:{ اِنَّ هٰذَاالْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اَكْثَرَالَّذِىْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ}۔(النمل۔۷۶)۔

(بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے اکثر باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں بیان کرتا ہے)

اس جگہ سیاق کلام (Context) بتاتا ہے کہ کتاب مبین قرآنِ مجید کو کہا گیا ہے۔ اگر لوح محفوظ مراد ہوتا تو اُس کے فوراً بعد ساتھ ہی قرآن کا ذکر نہ ہوتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ بتانا چاہتا ہے کہ جس بولی میں ہم نے کتاب مبین کہا ہے اُسی بولی میں یہ قرآن ہے۔

یہ قرآن مجید بنی اسرائیل کی وہ بہت ساری باتیں بتا دیتا ہے جس میں وہ آپس میں اختلاف کرتے تھے۔ اُن کا اختلاف چونکہ ذاتی مفادات کے لیے تھا اور اصل بات اُن کے علم میں تھی لیکن اپنے ذاتی مفادات کی غرض سے اصل بات کو وہ چھیڑنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ اختلاف کر کے دھاندلی کرتے تھے تاکہ ہماری باطل پرستی بھی ظاہر نہ ہو اور ہمارا مدعا بھی پورا ہو جائے۔ قرآن مجید نے کہا کہ تم مقدمہ میں فریق (Party to case) ہو اور ہم غیر جانبدار عادل (Impartial) ہیں۔ ہم بتاتے ہیں کہ اصل واقعات کیا ہیں۔

قرآن ہدایت اور رحمت ہے

{وَإِنَّهُ لَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْن}

(قرآن مومنوں کے لیے ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی ہے)۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا {هُدًى لِلنَّاس}۔(یہ سارے جہاں کا ہادی ہے)۔

لیکن یہاں ہدایت مومنین کے ساتھ خاص کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن ساری کائنات انسانیت کے لیے ہدایت بن کر آیا ہے لیکن دل سے اس ہدایت کو ایمان والوں نے قبول کیا ہے۔ یہ ہدایت کی دوا مومنوں کو ہی موافق آئی ہے اس لیے خصوصیت سے مومنوں کا ہی ذکر ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا فیصلہ

{إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِىْ بَيْنَهُم بِحُكْمِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْم}

جس رب نے آسمانی کتابیں نازل کی تھیں جو ہر وقت حاضر و ناظر ہے جس کے گماشتگان فرشتے تمہارا ریکارڈ

Maintian کررہے ہیں۔اور پروردگار عالم نے اپنی اطلاعات فرشتوں کے لکھنے سے پہلے لوح محفوظ پر لکھوادی ہیں۔اُس کی بارگاہ میں جاؤ گے تو پروردگار اپنے حکم کے مطابق تمہارا فیصلہ کردے گا۔وہ (اللہ) غالب ہے۔تم آج باتیں جاننے اور سمجھنے کے باوجود باز نہیں آتے قیامت میں تمہارے لیے ایسا موقع (Chance) نہیں ہوگا کہ تم بات سمجھنے کے بعد اپنی مرضی کرو۔تمہارے اختیارات کی دنیا ختم ہوجائے گی اور رب تعالیٰ علیم ہے۔ایسا نہیں ہوگا کہ حقیقت اُس کے علم میں نہ ہو اور وہ فیصلہ فرمادے وہ علم والا ہے اُس کا فیصلہ عدل خام (Pre-Judgement) نہ ہوگا۔لوازمات عدل پورے نہ ہوں اور رب فیصلہ فرمادے یہ اُس کے عدل وانصاف کے مقتضیٰ کے خلاف ہے۔سارے شواہد مہیا ہوں گے تو وہ فیصلہ فرمائے گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسلی خاطر

{فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّكَ عَلَى حَقِّ الْمُبِيْنِ}۔

رب کریم جب اہل کتاب (بنی اسرائیل) کے جھگڑوں کا ذکر فرما چکا تو پھر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتا ہے کہ اے محبوب اگرچہ اس دنیا میں تیرا قریبی نہیں ماں باپ پہلے ہی داغ جدائی دے گئے۔بھائی، بہن نہیں ہیں۔آپ یکہ وتنہا ہیں ایسی صورت حال میں آدمی فطرتاً گھبراہٹ محسوس کرتا ہے۔لیکن آپ کا رب آپ کے ساتھ ہے آپ اُس پر توکل کریں۔آپ کو گھبراہٹ اور پریشانی تو جب ہو کہ آپ نے کوئی خطا کی ہو۔آپ تو حق پر ہیں اور حق آپ کے ساتھ ہے اور جب حق آپ کے ساتھ ہے تو اللہ آپ کے ساتھ ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت میں تکدر، بے چینی اور اضطراب کی کیفیت ہے۔اس لیے کہ آپ خیال فرماتے ہیں کہ میں کس قدر نکھار کر کھول کھول کے حق کی ایک ایک بات اِن (منکرین) کے ذہنوں میں ڈالتا ہوں اور پوری طرح بات کو وہ سمجھ لیتے ہیں کیونکہ اُن کی جوابی حالت (Responsive Attitude) ظاہر کرتی ہے کہ وہ اصل بات کو سمجھ گئے ہیں۔مگر مانتے نہیں۔سیدھے راستے پر نہیں آنا چاہتے۔یہ حضور علیہ الصلوٰۃ کی ایک جستجو ہے اور اس سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پریشانی ہوتی ہے اور آپ مضطرب رہتے ہیں۔

کافر مردہ دل ہیں

ارشاد باری تعالیٰ ہے: {اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى}

کفار اور گمراہوں کی ہدایت کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے چینی کو دور کرنے کے لیے اللہ نے

فرمایا اے محبوب تو مردوں کو کلام الٰہی نہیں سناتا۔ حالانکہ وہ زندہ ہیں رب نے اُن کو مردہ استعارۃً (Metaphorical Language) کہا ہے۔ یعنی اِن کے دِل مردہ ہیں اسی لیے یہ مردہ ہیں اور حق کی بات سننے اور دیکھنے سے بہرے اور اندھے ہیں۔ اس سے مراد قبروں والے مردے نہیں ہیں۔

اہل قبر سنتے ہیں۔ مردہ کفار بھی سنتے ہیں

مسلم، بخاری اور سنن اربعہ (نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، ابوداؤد) میں حدیث پاک ہے۔ محدثین کا اس پر اتفاق ہے۔ قبور مسلمین پر جا کر کہنا چاہیے: ''السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَااَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللهُ لَنَا وَلَكُمْ وَاَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ'' (اے قبروں والو تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ اللہ ہمیں اور تمہیں بخش دے تم اپنی منزل پر پہنچے ہوئے ہو اور ہم عنقریب تمہاری ساتھ ملنے والے ہیں)

اگر اہلِ قبر سنتے نہیں تو پھر سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''یااھل القبور'' اے قبر والو! کہہ کر سلام کرنے کی تعلیم کیوں فرمائی۔

غزوہ بدر میں کفار کے بڑے بڑے سردار ابوجہل، عتبہ، شیبہ، ولید، اُمیہ بن خلف جو عسکری، فکری اور سیاسی قیادت کے حامل تھے، سب مارے گئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اِن کفار کی میتوں (Dead Bodies) کو روپوش کر دیا جائے۔ وہ ستر آدمی تھے۔ وہاں زیادہ پتھریلا علاقہ تھا اور کچھ حصہ ریگستانی تھا۔ اگر ریت میں دفن کرتے تو بارش ہو جانے کی صورت میں ریت اُتر جاتی پتھریلی جگہ کو کھودنا مشکل ہے۔ ''قلیب بدر'' کے نام سے وہاں ایک کنواں ہے آج بھی وہ موجود ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کنویں میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ مختلف قبیلوں کے نمائندے تھے۔ تجارت اور قانون میں مشیر مانے جاتے تھے۔ یہ اشرافیہ (Aristocracy) کے سرغنے تھے۔ اُن کو کنویں میں ڈالتے ہوئے ایک ایک کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخاطب کر کے کہا کیا تم نے اللہ کا وعدہ سچا پایا ہے کہ نہیں؟ صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا اے اللہ کے حبیب! آپ اِن مردہ کافروں سے باتیں کر رہے ہیں، کیا یہ سنتے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ تم سے بہتر سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے (بخاری شریف، باب الجہاد، جلد دوئم)

اگر کافر مر کر سن سکتے ہیں تو پھر مومن کے مرنے کے بعد سننے میں کیا دقت ہے؟۔ وہ تم سے بہتر سنتے ہیں اس لیے کہ تم زندگی کی ذمہ داریوں کو بھی ساتھ ساتھ محسوس کرتے ہو۔ ان مردوں کی زندگی کی ذمہ داریاں ختم ہو گئی ہیں اب ان کے ذمہ سننا ہی باقی رہ گیا ہے۔

کافروں والی آیات مسلمانوں پر چسپاں کرنا ایک بدترین اقدام ہے

{اِنَّکَ لا تُسمِعُ الْمَوْتی} کچھ لوگ اس آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ جو مر گئے ہیں اور قبروں میں دفن ہو چکے ہیں وہ نہیں سن سکتے لہٰذا مسلمان ولیوں کو پکارتے ہیں اور اُن کی قبروں پر جا کر مدد مانگتے ہیں، یہ سب اس آیت کی رو سے شرک ہے۔

ایسے لوگوں کے اس باطل مغالطہ کا جواب پہلے گزر چکا ہے کہ اہلِ قبر سنتے ہیں۔ اِن کا مسلمانوں اور اولیاء اللہ پر قرآن مجید کی اُن آیات کا اطلاق کرنا جو کافروں اور مشرکوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں یہ اُن کی بدترین جہالت ہے۔

بخاری شریف میں حدیث روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وکان ابن عمر یراھم شرار خلق اللّٰہ وقال إنھم انطلقوا إلی آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المؤمنین (صحیح البخاری، کتاب: باغیوں اور مرتدوں سے توبہ کرانے کا بیان، باب: خارجیوں اور بے دینوں سے ان پر دلیل قائم کر کے لڑنا)

کہ ہم اپنے دور میں اس شخص کو پوری سوسائٹی میں سب سے زیادہ برا انسان سمجھتے تھے جو کافروں والی آیتیں مسلمانوں پر پڑھتے تھے۔

مذکورہ آیت کا مطلب بالکل واضح ہے کہ آپ مردوں (چلتے پھرتے سنتے دیکھے ہوش وحواس رکھتے کافروں) کو نہیں سنا سکتے۔ اب جو لوگ کافروں کی جگہ اولیاء اللہ کو اور سب مسلمانوں کو اُس آیت کے حکم میں داخل کر دیں تو اس طرح قرآنی آیات کا استعمال کرنا ایک بدترین اور باغیانہ اقدام ہے۔

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَلَا تُسمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ وَمَا أَنتَ بِهَادِ الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ}۔ اے میرے محبوب آپ بہرے کو پکار نہیں سنا سکتے جب وہ پیٹھ دے کے مڑ جاتے ہیں۔ یعنی کفارِ مکہ کی عادت کے پیشِ نظر یہ فرمایا ہے کہ قبول حق کی اُن میں قوت نہیں ہے اس لیے بطور استعارے کے اُنہیں مردہ کہا گیا ہے۔ اور یہ جان بوجھ کر اندھے ہو گئے ہیں ظاہراً وہ دیکھتے ہیں لیکن حق کی راہ اُنہیں سجھائی نہیں دیتی۔ لہٰذا اِن دِل کے اندھوں کو گمراہی سے نہیں بچا سکتے۔

یہ کافروں سے متعلق بات ہو رہی ہے کہ وہ سنتے دیکھتے نہیں۔ ایسی آیات کا اطلاق مسلمانوں پر کرنا بہت بڑی گمراہی ہے۔

اہل ایمان کو ہدایت کی بات سنائی دیتی ہے

{إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ}۔ (اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نہیں سنا سکتے مگر اُن لوگوں کو جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ مسلمان ہیں)۔ یہاں فیصلہ ہو گیا کہ پہلے بے ایمانوں کا ذکر ہوا جو بہرے، اندھے ہیں اور مردے ہیں اور ایمان نہ لانے کی وجہ سے مردے ہیں۔

یہاں ایمان والوں کا ذکر ہوا۔ اور ایمان لانے والوں میں بظاہر نابینا ہو سکتے ہیں بہرے ہو سکتے ہیں لیکن اُنہیں ہدایت سنائی بھی دیتی ہے اور دکھائی بھی دیتی ہے۔ جو ایمان رکھتا ہے اُسے سکھا سکتے ہیں اور جو بے ایمان ہے اُسے کچھ نہیں سکھایا جا سکتا۔

اللہ کے نبی صورت انسانی میں آتے ہیں

سورۃ النمل کا جائے نزول مکہ شریف ہے۔ مکہ مکرمہ میں نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی بارگاہ اقدس سے دور رکھنے کے لیے بنیادی طور پر جس موضوع کو زیر بحث لایا جاتا تھا وہ یہ تھا کہ نبی ہمارے جیسا نہیں ہوتا۔ وہ کھانے پینے کا کام نہیں کرتا۔ اُس کی بیوی نہیں ہونی چاہیے اولاد نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ کے نبی کا جو مرتبہ اور عظمت ہے اُس اعتبار سے انسانیت تو کیا فرشتے بھی اُس جیسے نہیں ہوتے۔ اللہ کا نبی سب سے افضل ہوتا ہے۔ لیکن ظاہری طور پر صورت انسانی لے کر آتا ہے۔ اس سلسلے میں چند نبیوں کے واقعات قرآن مجید نے بیان کیے۔ بتایا گیا کہ فلاں فلاں کو تم بھی نبی مانتے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا ذکر ہوا وہ مصر کے رہنے والے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات بابرکات کو تم اپنی اصل سمجھتے ہو۔ اُن کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام، جناب اسحٰق، جناب یعقوب اور جناب یوسف علیہم السلام سب اللہ کے نبی تھے اور تم (کفارِ مکہ) سب اُن کو انسان مان کر نبی اور رسول مانتے ہو۔ اُن کے بیوی بچے تھے، وہ (انبیاء) کھانا کھاتے تھے اس کے باوجود تم اُنہیں نبی تسلیم کرتے ہو۔ لیکن میرے محبوب (حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لیے تمہاری یہ شرط کیوں ہے؟ انسانی لباس پہن کر انسانوں کی ہدایت کے لیے آنا یہ پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ جہاں تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبے کا سوال ہے تو وہ مرتبہ اللہ نے فرشتوں، نبیوں اور رسولوں سے اعلیٰ بنایا ہے۔

قیامت کا ظہور ۔ اس کی علامات

کفار یہ سوال کیا کرتے تھے کہ قیامت کب آئے گی؟ اُنہیں بتایا جاتا ہے کہ قیامت آنے کی کچھ علامات تمہیں بتاتے ہیں۔ جب وہ آئے گی تو تمہیں ماننا پڑے گا کہ وہ آ رہی ہے۔ جس وقت ہمارا قول اُن پر واقعہ ہو گا تو ہم زمین سے ایک چار پاؤں والا جانور (دابۃ الارض) نکالیں گے۔ اُس کی تفصیلات مختلف ہیں۔ وہ جانور باتیں کرے گا۔ یہ قیامت کے قریب

ترین کی علامات ہیں۔سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔مسلم شریف ،جلد اول، کتاب الفتن واشراطھا، میں حدیث ہے کہ اُن میں سے جو بھی نشانی پہلے ظہور میں آئی۔دوسری ظہور میں آنے میں دیر نہیں کرے گی۔یعنی ایک دن میں شام کو ڈوبا سورج واپس نکل آیا تو صبح تک دابتہ الارض نکل آئے گا۔اگر دابتہ الارض صبح کو پہلے نکلے گا تو اُسی شام سورج واپس طلوع ہوگا۔یہ نشانی ہوگی کہ قیامت آ گئی ہے۔لیکن لوگوں کی اکثریت ہماری آیتوں کا یقین نہیں رکھتی۔

شب معراج ۔ راہ میں موسیٰ علیہ السلام کا کھڑے ہونا

درس پاک کے اختتام پر ایک سوال پیش کیا گیا۔معراج کے موقعے پر جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ الٰہی میں حاضری کے بعد واپسی ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام راستے میں کھڑے تھے۔حالانکہ کوئی اور نبی کھڑا نہیں ہوا۔ایسا کیوں ہے؟

حضرت قبلہ عالم مفکر اسلام قبلہ شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے جواب ارشاد فرمایا:

بخاری شریف میں روایت ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معراج کی رات واپس لوٹے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام راستے میں حاضر ہوئے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیا تحفہ عنایت فرمایا ہے۔سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری اُمت پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں۔موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں اپنی اُمت کا تجربہ کر چکا ہوں وہ اتنے احکام کا بوجھ نہیں اُٹھا سکے گی۔اے اللہ کے حبیب آپ رب کی بارگاہ میں جا کر اِن نمازوں کی تخفیف چاہیں۔کیونکہ آپ کی اُمت اللہ کے اس حکم کو پوری طرح ادا نہیں کر سکے گی۔حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشورے سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس گئے رب تعالیٰ نے پانچ نمازیں کم کر دیں۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واپس تشریف لائے۔پھر موسیٰ علیہ السلام سے بات ہوئی۔حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ آپ مزید نمازوں کی کمی کرائیں۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پھر واپس تشریف لے گئے۔مسلم شریف کے ریکارڈ کے مطابق پانچ پانچ نمازیں کم ہوتی رہیں حتیٰ کہ پانچ باقی رہ گئیں۔

دنیا سے چلے جانے کے بعد اللہ والے مدد کر سکتے ہیں

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اولیاء اللہ اس دنیا سے چلے جائیں تو قبر میں جانے کے بعد اُن کے روحانی تصرفات قائم رہتے ہیں اور مخلوق خدا کی باذن الٰہی مدد کر سکتے ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کی یہ مدد کی کہ پچاس کی پانچ نمازیں کرا دیں۔یہ مدد دنیا سے چلے جانے والے بندے کی شفاعت سے ہوئی ہے۔اب اگر

کوئی یہ کہے کہ قبروں والے مدد نہیں کر سکتے اُسے چاہیے کہ وہ پچاس نمازیں ہی پڑھا کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا راستے میں کھڑے ہونے کی اصل وجہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام الصلوٰۃ والسلام کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے طلبِ دیدار الٰہی کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی تجلی کوہ طور پر پڑی تو موسیٰ علیہ السلام دیکھتے ہی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ یقیناً آپ نے تجلی کی کچھ جھلک دیکھی جس سے بے ہوش گئے۔ اگرچہ پوری طرح دیدار کا لطف تو نہیں اُٹھایا لیکن دیدار الٰہی کا کچھ حصہ تو پایا ہوگا۔ جتنا بھی دیدار کا مزہ پایا وہ سدا یاد رہا اور پھر ہمیشہ یہ جستجو رہی کہ پھر دیدار ہو اور اس کا لطف اُٹھاؤں۔

قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے: {وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ}۔ (ق:۱۶)

(میں (اللہ تعالیٰ) انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں)۔

یہ وجہ ہے نظر نہ آنے کی۔ کیونکہ انتہائے قرب بھی حجاب ہوتا ہے جو آنکھ پہاڑوں کی چوٹیوں، سمندر کی گہرائیوں اور وادیوں تک کو دیکھ لیتی ہے وہی آنکھ اپنے اندر لگا سرمہ نہیں دیکھ سکتی۔ اس کا مطلب ہے جو بالکل قرب میں ہو وہ اس آنکھ سے نظر نہیں آتا۔ قریب کو دیکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ سامنے آئینہ رکھو تو آنکھوں میں لگا سرمہ نظر آجائے گا۔

مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَای الْحَقْ

عن ابی سعید الخدری، سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "من رآنی فقد رای الحق، فإن الشیطان لا یتکوننی". (صحیح البخاری، کتاب: خوابوں کی تعبیر کے بیان میں. باب: جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ حدیث نمبر: 6997)

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے حق دیکھا کیونکہ شیطان مجھ جیسا نہیں بن سکتا)۔

حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھے دیکھا اُس نے حق (پروردگار) کو دیکھ لیا۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو دیدار کا مزہ آیا تھا اُس کی وجہ سے آپ کی تاریخ زندگی میں یہ دعا ملتی ہے:

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَوْ کَمَا قَالَ مُوْسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ (مولا کریم مجھے اُمتِ محمدیہ میں سے بنا دے)۔

سوال اُٹھتا ہے اور کسی نبی نے ایسی دعا نہیں مانگی، موسیٰ علیہ السلام نے کیوں مانگی؟ جواب یہ ہے کہ دیدار الٰہی کا ایسا

مزہ تھا کہ اُس کی طلب وتلاش ساری زندگی رہی اب اُس کے حصول کا طریقہ کیا ہوسکتا ہے؟ اُس کا طریقہ یہ ہے کہ مدینہ کی گلی میں کھڑے ہوجاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وسیلہ اختیار کرو تو پھر رب کو دیکھ لو گے۔ رب نظر بھی آتا ہے اور بندہ بے ہوش بھی نہیں ہوتا:

اے ہمنشیں وہ کوچہ عشق حجاز ہے
محمود جس گلی میں غلام ایاز ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معراج کی رات راستے میں کھڑے ہونے کی اصل وجہ یہ تھی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بار بار دیکھیں کہ جو آنکھیں رب کو دیکھ کر آئی ہیں اُنہیں دیکھیں:

جنہاں اکھیاں دلبر تکیا اوہ اکھیاں تک لیاں
توں ملیوں تے ساجن ملسی ہن آساں لگ پیاں

رب العالمین نے مصطفی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان حضرت موسیٰ علیہ السلام پر واضح کرنا چاہی کہ ایک رسول کی جائز مراد (Legitive Demand) تھی کہ اپنا دیدار کراؤ تو رب نے بتایا کہ اُس کا طریقہ کار (Procedure) یہ ہے کہ میں (اللہ) اپنے محبوب (حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے مبارک وجود سے نظر آتا ہوں ''مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَق'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات پاک آئینہ حق نما ہے۔

بخاری شریف میں اس حدیث کو شیشے والی حدیث کہا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ اِن کی سگی خالہ تھیں جن کا نام حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا تھا یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مطہرہ تھیں چونکہ حضرت عبداللہ ابن عباس کی سگی خالہ تھیں اس لیے محرم تھیں اس لیے حضرت عبداللہ ابن عباس بغیر پردے کے اُن کے پاس آسکتے تھے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا تو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو یہ مبارک خواب بتانے کے لیے گئے۔ کہا خالہ جان آج سرکار کو خواب میں دیکھا۔ اور غیر شعوری طور پر وہ شیشہ جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے استعمال میں ہوتا تھا اُٹھا کے سامنے رکھ لیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ خدا کے عزت وجلال کی قسم کھا کے کہتا ہوں کہ شیشے کے سامنے میں بیٹھا ہوا تھا لیکن شیشے کے اندر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جلوہ فرما تھے۔ تو محبوب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دیکھنے سے رب نظر آتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس لیے راستے میں کھڑے ہوئے کہ جو

دیدار پوری طرح طور پر نہ ہوسکا وہ دیدار مصطفی کے ذریعے سے حاصل کیا جائے۔

حروف مقطعات کا مفہوم

حروف مقطعات کے بارے میں کیوں کے ساتھ سوال نہیں کیا جاسکتا۔اس لیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اِن سے کوئی حکم متعلق نہیں ہے۔ اِن کے بارے میں یہ اسلامی عقیدہ ہے کہ یہ قرآن مجید کی آیات کا حصہ ہیں یا خود آیتیں ہیں۔ اتنی حد تک جاننا ضروری ہے۔ رہ جاتی ہے یہ بات کہ ان کے معنیٰ کوئی جانتا ہے یا نہیں تو اس بارے میں دو مذاہب ہیں۔ایک مذہب کا ذکر نحاس (۱) نے کیا ہے یہ حضرت مولیٰ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سلسلہ تعلیمات سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ کے سلسلہ کے شاگرد ہیں۔اُن کی کتاب کا نام اعراب ہے۔ یہ تقریباً ہزار صفحے سے زیادہ کی کتاب ہے اور میرے کتب خانے میں موجود ہے۔اُس کے اندر انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ آیات دو طرح کی ہیں ایک محکمات اور دوسری متشابہات۔قرآن پاک میں متشابہات کے بارے میں فرمایا:

{وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ}۔(آل عمران:۷)۔

ان (متشابہات) کے معنیٰ کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ یہاں وقف دو طرح سے تسلیم ہوتا ہے۔ایک یہ کہ سوائے اللہ کے اِن آیات کے معنیٰ کوئی نہیں جانتا دوسری صورت میں جب یہاں وقف لازم نہ ہو تو پھر معنیٰ ہوں گے کہ اُن (آیات متشابہات) کے معنیٰ کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور اُن لوگوں کے جن کا علم پختہ ہے۔تو اس معنیٰ کی رُو سے حضرت عبداللہ ابن عباس نے کہا کہ میں اُن لوگوں میں سے ایک ہوں جو مقطعات کے معنیٰ جانتے ہیں۔

حضرت خواجہ عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ، اولیاء اللہ کے زمرے میں سے ہیں۔اُن کی تعلیمات ''فوائدِ عثمانیہ'' کے نام سے موجود ہے، اُس میں آپ ایک واقعہ اپنے متعلق لکھتے ہیں۔ایک مرتبہ حج بیت اللہ کے بعد مدینہ طیبہ میں بارگاہ رسالت مآب میں حاضری دی۔ جب واپسی ہونے لگی تو میرے دل میں خیال آیا اور بارگاہ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کیا۔اے اللہ کے حبیب۔ جب کبھی آتا ہوں تو آپ کے دربار گوہر بار سے کوئی فاضل (Extra) قسم کا فیضان ہوتا ہے۔اس دفعہ خالی جارہا ہوں۔ کچھ آپ نے مہربانی نہیں فرمائی۔ بیان کرتے ہیں کہ جاتے جاتے جدہ کی بندرگاہ پر پہنچنے سے پہلے تمام حروف مقطعات کے معنیٰ مجھ پر کھل گئے۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاص عطا سے میں (عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ) بھی مقطعات کے معنیٰ جانتا ہوں۔

علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تصنیف ''البرہان فی علوم القرآن'' ہے (حضرت قبلہ عالم مفکر اسلام

شاہ صاحب مدظلہ العالی کے پی ایچ ڈی کورس میں اس کتاب کا خاص ریفرنس تھا جس پر آپ نے مکمل تحقیق (Research) کی تھی) اس کتاب میں یہ بتایا گیا ہے کہ جن سورتوں کے اول میں حروفِ مقطعات آتے ہیں اُن کے اندر غیب کا علم ضرور ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا ہے۔

جس طرح گھر میں میاں بیوی نے ایسے Code Words رکھے ہوتے ہیں کہ وہ دونوں ہی اُن کو سمجھتے ہیں۔ اگر گھر میں مہمان آئے تو اُس کی موجودگی میں یہ الفاظ بولوں گا اور تم نے اس طرح کا کام کرنا ہے۔ ایسا معاملہ بیوی میاں کے درمیان ہوتا ہے جسے تیسرا شخص نہیں سمجھتا۔ اسی طرح رب کریم نے اپنے پیارے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام سے خاص بات کرنے کے لیے قرآن مجید میں ایک خاص زبان رکھی ہے۔ جس کا علم اللہ اور اس کے رسول کو ہے باقی کسی کو نہیں ہے۔

اللہ آپ کا اور میرا خاتمہ سچے دین پر کرے اور قیامت کے دن اللہ کریم ہمیں سچا ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ

حواشی

۱: ابوجعفر نحاس علم نحو کے امام مانے جاتے ہیں یہ مفسر اور ادیب ہیں۔ ۵ ذوالحجہ ۳۳۸ھ/950ء میں وفات پائی۔

نواں درس قرآن: ۱۱ دسمبر ۲۰۰۴ء

عقیدہ صحیحہ ۔ وحدت کی بنیاد

عنوان

☆.....حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی داستان زندگی ۔ بنیادی حقائق

☆.....دعائے خلیل اللہ اور واقعہ قربانی

☆.....عقیدہ صحیحہ کا بدلہ

☆.....قرآن میں واقعات بیان کرنے کا انداز

☆.....قرآن حکیم کی تفسیر

☆.....اللہ کے نبی انسانیت کی ہدایت کے لیے انسان کامل بن کر آتے ہیں

☆.....شجرہ طریقت کی اہمیت

☆.....حالات وواقعات کا نتیجہ منطقیہ

☆.....بعد از وفات ایصالِ ثواب

☆.....فیضانِ ولایت

☆.....بارگاہ الٰہی سے سچا تعلق

☆.....دشمنوں کے خلاف خفیہ تدبیر

☆.....نفس کی پوجا

☆.....حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ کون تھا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

{ وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ) (83إِذْ جَاء رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ) (84إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ) (85أَئِفْكاً آلِهَةً دُونَ اللّهِ تُرِيدُونَ) (86فَمَا ظَنُّكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ) (87فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ) (88فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ) (89فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ) (90فَرَاغَ إِلَى آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ) (91مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ) (92فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْباً بِالْيَمِينِ) (93فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ) (94قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ) (95وَاللّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ) (96قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَاناً فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ) (97فَأَرَادُوا بِهِ كَيْداً فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَسْفَلِينَ) (98وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى رَبِّي سَيَهْدِينِ) (99رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ) (100فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ) (101فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاء اللّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ)(102 فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ) (103وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ) (104قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ) (105إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ) (106وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ) (107وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ) (108سَلَامٌ عَلَى إِبْرَاهِيمَ) (109كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ) (110إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ) (111وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيّاً مِّنَ الصَّالِحِينَ) (112وَبَارَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلَى إِسْحَاقَ وَمِن ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ }۔(سورۃ الصّٰفّٰت ۸۳ تا ۱۱۳)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

حضرت حق جلّ شانہٗ وَعِزَّ اِسمہٗ وَاَتَمَّ بُرْھَانُہٗ ارشاد فرماتے ہیں! اور واقعی اُس کی جماعت سے تعلق رکھنے والے ہیں حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جس وقت کے وہ ایک سلامت دل لے کر کے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ اے پیارے! آپ وہ وقت یاد فرمائیں جس وقت آپ نے اپنے باپ (چچا) (یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا تارخ تھے اور عربوں میں چچا کو باپ کہا جاتا تھا) سے اور اپنی قوم سے یہ بات کہی کہ تم کس چیز کی پوجا کر رہے ہو۔ کیا تم اللہ کو چھوڑ کے خواہ مخواہ اپنی طرف سے خدا تراش رہے ہو۔ تو بتاؤ جو سارے عالمین کا پالنے والا ہے اُس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔ آپ نے ایک مرتبہ نگاہ اُٹھا کے ستاروں کی طرف توجہ فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ میری طبیعت کچھ اچھی نہیں۔ اُن کو چھوڑ کے واپس لوٹ گئے۔ آپ چپکے سے اُن کے خداؤں کی طرف چلے گئے آپ نے اُن بتوں کو مخاطب کر کے فرمایا کیا تم کھاتے نہیں ہو۔ تمہیں کیا پڑی ہے کہ بات نہیں کرتے ہو۔ کیا وجہ ہے کہ جس کے پیش نظر تم نقش بر دیوار ہو مکمل طور

پر خاموش ہو بات ہی نہیں کرتے ہو۔ آپ نے اپنے داہنے ہاتھ سے چپکے سے اُن پر ضربات کو جمایا۔ تو دوڑتے دوڑتے وہ اُن کے پاس آ گئے (اَقْبَلُو ا کے معنیٰ ہوتے ہیں کسی کے پاس جانا۔ کسی کی طرف متوجہ ہونا)۔ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کیا تم اُن چیزوں کی پوجا کرتے ہو جنہیں اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو (تَنْحِتُوْنَ کے معنیٰ ہیں سنگ تراشی) اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور اُن حقائق کو بھی پیدا فرمایا ہے جو تم کرتے ہو۔ اُنہوں نے کہا اس کے لیے ایک عمارت تیار کرو اور اس کو آگ کے تپتے اَلاؤ میں پھینک دو۔ اور اُنہوں (کفار عراق) نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ایک تدبیر کا ارادہ کیا لیکن ہم نے اُن کو بری طرح سے ناکام فرما دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے پالنہار کی طرف جا رہا ہوں وہ میری رہنمائی فرمائے گا۔ اے مولا کریم اپنی بارگاہ سے ایسی اولاد عطا فرما جو نیک لوگوں میں شمار ہوتی ہو۔ ہم نے ایک بڑے حوصلے والا، بڑا بردبار اور ثابت قدم رہنے والے بیٹے کی خوشخبری سنائی۔ جس وقت وہ اُن کے ساتھ چلنے پھرنے دوڑ دھوپ کرنے کے قابل ہو گیا۔ اُنہوں نے کہا اے میرے چھوٹے سے بیٹے! میں عالم خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے اُنہوں نے عرض کیا اے ابا جی! آپ وہ کچھ کیجئے جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے بہت جلد ایسا ہو گا کہ آپ مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ پھر جب دونوں نے اللہ کی بارگاہ میں سر تسلیم خم کر دیا تو اُنہوں (حضرت ابراہیم علیہ السلام) نے اُنہیں (حضرت اسماعیل علیہ السلام کو) پیشانی کے بل لٹایا۔ اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پکارا او ابراہیم! آپ نے اپنے خواب کو سچا کر دکھلایا۔ بلاشبہ ہم احسان کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ اور واقعی یہ بہت زبردست قسم کی آزمائش تھی اور ہم نے اُس کو ایک بہت بڑی ذبح کے ذریعے سے بدلہ عطا فرمایا۔ اور ہم نے اُس کے بارے میں پچھلے لوگوں میں ایک خوبصورت ذکر چھوڑا۔ ہماری طرف سے ابراہیم کو سلام ہو اور اسی طریقے سے ہم احسان کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں اور دیتے رہیں گے۔ بلاشبہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے کامل اطمینان رکھنے والے بندوں میں سے تھے۔ اور ہم نے اُن کو ایک بیٹے کی خوش خبری سنائی اُس کا نام اسحاق ہے جو نبی ہو گا اور صالحین میں سے ہو گا اور ہم نے اُن کو بھی برکت عطا فرمائی۔ اُن دونوں کی اولاد میں سے اچھے لوگ بھی ہیں اور اپنی جان پر کھلم کھلا ظلم کرنے والے بھی ہیں۔

یہ ان آیات طیبات کا تحت اللفظ ترجمہ ہے جو آپ حضرات کی خدمت عالیہ میں ذکر ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی داستانِ زندگی ۔ واقعات کے بنیادی حقائق

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی (Legal Category) قانونی درجہ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ

حضرت نوح علیہ السلام کی جماعت کے لوگ تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی جماعت سے ہونا اور اپنے وقت کے ماحول سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ٹکر لینا، بت پرستی اور شرک وکفر کا سختی سے رد کرنا اور ایک خدا (معبود برحق) کی توحید اور الوہیت کی تبلیغ کرنا اور قوم کو سیدھے راستے پر لانے کے لیے علمی تدابیر کرنا، ستاروں کی طرف دیکھنا، اپنی طبیعت ناساز بتانا، قوم کا ناامید ہو کے واپس لوٹنا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کے پاس جانا اُن سے کچھ جملے (Dialogues) کہنا، جانتے ہوئے کہ وہ پتھر کی مورتیاں ہیں نہ وہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں پھر اُن سے باتیں کرنے کا مطلب کیا ہے؟ یہ سب اس داستان (Story) کے حقائق (Facts) ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ پھوڑ دیا اور اُن کا حلیہ بگاڑ دیا۔ یہ جان کر قوم دوڑی ہوئی سیدھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ گئی۔ اُنہوں نے اس کا سبب تحریک (Interior Motive) سوسائٹی کے کسی دوسرے شخص سے معلوم نہیں کیا سیدھے پوچھنے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے۔ ایسا اُنہوں نے کیوں کیا؟ اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سچے عقیدے کی بنیاد اُن کے دل ودماغ میں ڈالنا کہ خدا تعالیٰ تمہارا بھی خالق ہے اور تمہارے اعمال کا بھی خالق ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلمہ حق کے جواب میں قوم کے بھرے اجلاس (Parliament Assembly) میں فیصلہ کیا کہ ابراہیم کو آگ کے الاؤ میں ڈال دو۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ کیا انسانی تاریخ میں اس سے پیشتر بھی کسی کو جلائے جانے کی سزا دی گئی؟ کسی بھی قانونی نظام (Legal System) نے اس قانون (Law) کا اطلاق (Enact) کیا ہے؟ اگر پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تو پھر غور کیا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں جلائے جانے کی سزا کیوں دی گئی؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایسی خوفناک آگ میں پھینکنا اور بھڑکتے شعلوں میں آپ کا سلامت رہنا اور کفار کا ناامید ہونا واضح حقائق (Facts) ہیں۔

دعائے خلیل اللہ اور واقعہ قربانی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں صالح بیٹے کے لیے دعا کی۔ مطلقاً بیٹا نہیں مانگا عرض کی صالح اور بردبار بیٹا عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اُن کو ایک بردبار بیٹے کی خوشخبری سنائی۔ جب بیٹا مل گیا اور ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو اُسے کہنا کہ میں تمہیں خواب میں ذبح کرتا ہوا دیکھتا ہوں۔ یہ نہ کہنا کہ مجھے وحی ہوئی ہے خواب کی بات بتائی جارہی ہے۔ بچے نے کوئی درس گاہ، کوئی تعلیمی مرکز (School College) نہیں دیکھا۔ پڑھنا لکھنا بظاہر کہیں سیکھا نہیں مگر اس کے باوجود بیٹے کا یہ کہنا ابا جی! آپ وہ کام کریں جس کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے۔ خواب کی بات کو حکم الٰہی سے تعبیر کرنا

ایک بہت بڑا قانونی پہلو (Legal Matter) ہے اور عقیدے (Ideological Point) سے تعلق رکھنے والی بات ہے۔ اتنے اہم عقیدے کا انکشاف حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اتنی کم عمری میں کہاں سے ہوا؟

باپ نے ذبح کرنا ہے بیٹے نے ذبح ہونا ہے۔ اپنے ہاتھوں اپنے لختِ جگر کو ذبح کرنا بڑا مشکل کام ہے لیکن ذبح ہونا اُس سے بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ بیٹا برضا و رغبت اپنے آپ کو ذبح ہو جانے کے لیے پیش کرتا ہے۔ یہ آداب فرزندی کس طرح آ گئے؟ صوفیاء کی تعلیمات میں یہ صحبت کی تاثیر ہے۔ صحبت کی بڑی حیثیت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جس ماحول سے چلے ہیں کہ وہاں اپنے ہی ہاتھوں تراشے ہوئے بت پوجے جا رہے تھے۔ اُس مشرکانہ ماحول سے نکل کر آنے والوں کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہو جو اُٹھتے ہی کہے کہ اگر اللہ نے چاہا تو اس امتحان گاہ میں مجھے صابر پائیں گے۔ اور اس معاملے میں خواب میں دیکھے گئے واقعے کو امرِ الٰہی قرار دینا ایک بڑے عقیدے کا مسئلہ ہے۔

عقیدہ صحیحہ کا بدلہ

پروردگارِ عالم کا یہ کہنا کہ اے ابراہیم علیہ السلام تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم تجھے اس کی جزا دیں گے۔ یہ قاعدے کا نظام (Ruling System) ہے کہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بس نہیں بلکہ قیامت تک جو بھی ہمارے حکم کی خندہ پیشانی اور خوش دلی سے تعمیل کرے گا ہم اُس کو اسی طرح بدلہ دیا کریں گے۔ اُس (ابراہیم علیہ السلام) کے ذکر کو اچھا چھوڑنا اور ابراہیم پر سلام ہو۔ ہم محسنین کو ایسا ہی بدلہ دیں گے۔ یہ صرف حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ آئندہ ہر اُس آدمی کو یہ اعزاز ((Credit) دیا جائے گا جو آزمائش کی گھاٹیوں سے عقیدہ کی سلامتی کے ساتھ گزرے گا۔ اِن سب حقائق کا تعلق ایمان اور عقیدے سے ہے۔ یعنی اس کے پیچھے جو طاقت کارفرما ہے وہ عقیدہ صحیحہ ہے۔ عقیدہ سلامت ہو تو یہ سارے کام ہو سکتے ہیں اگر عقیدہ سلامت نہ ہو تو پھر کچھ حاصل نہیں ہے۔

اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو ایک بیٹے کی خوشخبری دی جس کا نام اسحاق علیہ السلام ہے یہ بات بھی بدعقیدگی کے راستے میں ایک دیوار ہے۔ آگے فرمایا کہ اُن (حضرت اسحاق علیہ السلام) کی اولاد میں اچھے لوگ بھی ہیں اور برے لوگ بھی ہیں۔

قرآن میں واقعات بیان کرنے کا انداز

جس طرح کسی واقعے (Story) کے خاکے (Outlines) ہوتے ہیں اسی طرح قرآن مجید کسی داستان یا واقعے

کے اُن پہلوؤں کو جن کا تعلق عقیدے، قانون، عمل اور اخلاقِ سے ہوتا ہے بیان کرتا ہے۔ صرف اُن نقاط (Points) جن سے قانونی، اخلاقی اور عملی کوئی نتیجہ نکلتا ہے اُنہیں بیان کیا جاتا ہے۔ یہ قرآن مجید کی داستان نگاری کا اپنا ایک انداز ہے۔ جیسا کہ پولیس ایک رپورٹ تیار کرتی ہے اور تمام واقعات پر مشتمل ایک فائل میں سے قانون دان تین لائنوں میں اُس کا خلاصہ (Summary) بنالے۔ باقی جتنی باتیں ہیں جن کا قانون کے ساتھ کوئی تعلق نہیں بنتا اُنہیں چھوڑ دے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں جو یہ ساری داستان ہے اگر اسے پوری تفصیل سے لکھا جائے تو کئی کتابیں بن جائیں۔ لیکن حضور امام الانبیاء تاجدار انبیاء و رسل حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد دوسرے درجے کے عظیم افضل رسول سے متعلقہ واقعات کو چند عبارات (Lines) میں بیان کر دیا۔ یہ قرآن مجید کا اپنا طرز بیان ہے۔ یعنی واقعات کے اہم نقاط (Points) اور بنیادی حقائق (Facts) کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا۔

قرآن حکیم کی تفسیر

قرآن حکیم میں بیان کردہ کسی داستان یا واقعے کی تفسیر کرتے ہوئے ایک مفسر کی یہ ذمہ داری ہے کہ واقعات کے اہم حقائق کو بیان کر کے اُنہیں جوڑنے کا کام کرے۔ جیسے مجلس قانون ساز (Parliament) قانون بنا کر دیتی ہے لیکن عدالتیں اُس قانون کی تشریح (Interpretation) کرتی ہیں۔ لیکن اس قانون کی حد (Scope) کیا ہے۔ اُس کی کون سی شق (Section) کہاں کہاں لگ سکتی ہے۔ قرآن مجید نے واقعات وہاں کے حساب سے بیان کیے ہیں آج اُن کا فائدہ دیکھنا ہوگا کہ اُن کا اطلاق (Apply) کہاں ہوگا۔ حقائق (Facts) کو جمع کرنے، پھر اُنہیں ترتیب دینے کے بعد اُن کا اطلاق کرنا اور کوئی نتیجہ اخذ کرنا ایک مفسر قرآن کا کردار ہے۔ کون سا نتیجہ عقیدے اور عمل کے معنیٰ دیتا ہے اور کون سا نتیجہ تصوف اور روحانیت کا معنی دیتا ہے۔

اللہ کے نبی ہدایتِ انسانی کے لیے انسان کامل بن کر آتے ہیں

سورۃ الصفت مکہ شریف میں نازل ہوئی۔ کفار مکہ جن نبیوں اور رسولوں کو مانتے تھے اُن کا ذکر کر کے اور اُن سے متعلق واقعات بیان کر کے قرآن مجید نے ایک نتیجہ واضح کرنا چاہا ہے۔ کفار مکہ نے سیّد الانبیاء والمرسلین محبوب خدا حبیب کبریا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار ان وجوہ کی بنیاد پر کیا کہ یہ کھاتا پیتا ہے۔ اس کے بیوی بچے ہیں اور دیگر انسانی ضروریات پوری کرتا ہے۔ اُنہیں اللہ تعالیٰ باور کراتا ہے کہ میرے محبوب سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو اعتراضات تم اُٹھا رہے ہو اور اُن کی رسالت کا انکار کرتے ہو اگر ایک سچائی کی بنیاد پر انہیں تسلیم کیا

جائے تو پہلے گزرے ہوئے نبیوں و رسولوں کی نبوت کو تم کس طرح مان سکتے ہو جبکہ اُنہیں بھی یہ انسانی حاجات لاحق ہوتی تھیں۔ مثلاً اے کفار مکہ! تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے ہو۔ تو حضرت ابراہیم جو نبی اللہ تھے اُن کی بیوی تھی جبھی اُن کی اولاد ہوئی۔ اور وہ اس دنیا میں رہ کر کھاتے پیتے رہے اگر تم انبیاء وسابقین کا اُن وجوہ کے ہوتے ہوئے انکار نہیں کرتے تو پھر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول اللہ ہونے کا کیونکر انکار کر سکتے ہو۔

رب تعالیٰ نے مدار (Ground) دلائل (Arguments) وجوہ (Reasons) کو اور اُن مسلمات (Authorities) کو Quote (حوالہ) کیا ہے جن کی سچائی (Authenticity) کو کفار مکہ مانے ہوئے ہیں۔ اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبی مانتے ہو۔ جواب میں کہتے ہیں کہ مانتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبی بھی مانتے ہیں اور اپنا دادا بھی مانتے ہیں۔ اب اس چیز کو پیش نظر رکھ کر بتایا جاتا ہے کہ اِن نبیوں کے زمرے اور درجے (Category) اور ذہنیت وفطرت (Nature) میں کوئی فرق نہیں۔ {اِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِیْمَ}۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن (حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی جماعت کے آدمی تھے۔

شجرہ طریقت کی اہمیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت نوح علیہ السلام کی جماعت سے ہونے کا ذکر کر کے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام میں دو ہزار چھ سو چھبیس ((2626 سال طویل عرصہ حائل ہے۔ بعض نے ستائیس 27 سو سال کا ذکر کیا ہے اور بعض نے تین ہزار برس کا عرصہ بتایا ہے۔ اگر اتنا لمبا عرصہ دونوں کے درمیان ہے تو پھر اُن کی جماعت کے کس طرح ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وہ دور نہیں پایا اُس زمانے کے تہذیب وتمدن، اخلاق اور طرز زندگی کی ہوا بھی اس دور میں نہیں۔ تو پھر ہزاروں سال پہلے کے دور کی جماعت کے کس طرح ہوئے۔

دراصل قصہ یہی ہے کہ ایک جماعت ہونے کے لیے ایک دور شرط نہیں، نہ ہی خونی رشتہ زبان اور تمدنی حالات ایک جماعت ہونے کے لیے بنیاد ہیں۔ اگر ان سے ایک جماعت بنے تو ابوجہل ابولہب اور دیگر مشرکین مکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جماعت ہونے چاہئیں کیونکہ دور بھی ایک ہے قبیلہ وخاندان ایک ہے علاقہ ایک ہے۔ خونی رشتہ (Blood Relation) بھی ہے، زبان بھی ایک ہے۔ ثابت ہوا کہ ان میں سے کوئی بھی وجہ جمعیت نہیں ہے۔

قرآن مجید کی تعلیم کی روشنی میں ایک جماعت ایک عقیدے کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے دعوت توحید، طرز عمل،

مفہوم رسالت ایک ہی ہے خواہ وہ ہزاروں سال قبل ہو یا بعد ہو عقیدے اور عمل کی وحدت ہمیشہ موجود رہی ہے اس لیے وہ ہر دور میں ایک جماعت ہیں صوفیاء کے ہاں جو مشائخ کے سلاسل، قادری چستی نقشبندی اور سہروردی ہیں اور ان کے شجرہ ہائے طریقت مشہور ہیں ان کی اصل بھی یہی ایک جماعت ہونا ہے۔صوفیاء کے مشائخ طریقت کا شجرہ بطور وظیفے کے پڑھا جاتا ہے اُس کی سند بھی یہی ہے کہ یہ اللہ کے پسندیدہ اور مقبول بندوں کی جماعت ہے جن کا ذکر خیر کرنا عبادت ہے۔قادری سلسلے کی نسبت حضور غوث الثقلین شیخ سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہے۔آج اُسی نسبت سے کوئی قادری کہلاتا ہے۔اس کا جواب یہی ہوگا کہ آج کے دور کے قادریوں کا عقیدہ اور عمل وہی ہے جو سرکارِ بغداد کی پیروی میں اختیار کیا ہے اس لیے قادری ہو کر اُن کی جماعت ہیں۔

حالات وواقعات کا نتیجہ منطقیہ

حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

{سَلَامٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ}۔(الصفت:۷۹)

اسی طرح فرمایا:

{سَلَامٌ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ۔ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ}۔

جب عقیدے اور عمل میں وحدت پیدا ہو جائے تو پھر اُس کے نتیجے اور جزا میں بھی وحدت پیدا ہو جاتی ہے۔نتیجہ منطقیہ (Logical Deduction) کے تحت نتیجہ اخذ کر کے آج کے ماحول پر منطبق کرنا یہ مفسر کا کردار (Function) ہے۔اس سے یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ فیضان کا سلسلہ جاری وساری ہے اور ہزاروں سال کا عرصہ حائل ہونے کے باوجود اُس فیضان میں کمی نہیں آئی۔یہاں قرآن مجید نے یہ بات مدنظر رکھی ہے کہ جس کا پیچھے تعلق نہ بنے اُس کا آگے بھی تعلق نہیں چلتا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: {جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ}۔اپنے رب کے حضور سلامت دل لے کر حاضر ہوئے اس لیے کہ اُس دل میں اللہ کی یاد بستی ہے۔وہ دل عقیدہ صحیحہ کا مرکز ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

{یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ۔ اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ}۔(الشعراء:۸۸)۔

(قیامت کے میدان مال واولاد کچھ بھی فائدہ نہیں دیں گے۔لیکن جو سلیم دِل لے کر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوگا اُسے فائدہ پہنچے گا)۔

جس کا عقیدہ صحت مند ہے اُس نے دنیا میں راہ خدا میں مال خرچ کیا۔ یتیموں اور بیواؤں کی مدد کی یہ سب نیک اعمال اُسے فائدہ پہنچائیں گے۔ لیکن جس کا عقیدہ برا ہوگا اُس کا کتنا ہی نیک عمل ہو وہ اُس کے کام نہیں آئے گا۔

مشکوٰۃ شریف کتاب العلم میں حدیث ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ مِمَّا یَلْحقُ الْمُؤْمِنَ عَمَلِہٖ وَ حَسَنَاتِہٖ بَعْدَ موتِہٖ عِلمًا عَلِمَہٗ وَ نَشَرَہٗ وَ وَلَدًا صَالِحًا تَرَکَہٗ اَوْ مُصْحَفًا وَّرَّثَہٗ اَوْ مَسْجِدًا بَنَاہُ اَوْ بَیْتًا لِاِبْنِ السَّبِیْلِ اَوْ نَمَرًا اَجْرَاہُ اَوْ صَدَقَۃً اَخْرَجَھَا مِنْ مَالِہٖ فِیْ صِحَّتِہٖ وَ حَیٰوتِہٖ تَلْحَقُہٗ مِنْ بَعْدِ مَوْتِہٖ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ: (مرنے کے بعد مومن کو جن اعمال خیر سے فائدہ ہوتا ہے اُن میں علم ہے جس کو اس مرنے والے نے سیکھا یا اور عام کیا یا نیک اولاد چھوڑی یا قرآن کریم کسی کو دیا۔ مسجد یا سرائے بنائی یا نہر کھدوائی یا اپنی حالت صحت میں اپنے مال سے صدقہ کیا اس سے مرنے کے بعد اُسے فائدہ ہوگا)۔

جس وقت آدمی مرجاتا ہے اُس کا نامہ اعمال بند ہوجاتا ہے لیکن چند صورتوں میں نامہ اعمال کھلا رہتا ہے اور اُس کے اعمال نامے میں نیکیاں درج ہوتی رہتی ہیں کوئی درس گاہ قائم کر گیا۔ مسجد تعمیر کرا گیا۔ مسافروں کی سہولت کے لیے سرائے بنا گیا کنواں یا نہر کھدوا گیا۔ قرآن کریم تلاوت کے لیے کسی کو دے گیا۔ یہ سب کام صدقہ جاریہ ہیں جب تک دنیا میں یہ کام ہوتے رہیں گے اس کا فائدہ اور ثواب قبر میں اُس شخص کو پہنچتا رہے گا۔ پیرانِ طریقت اور علماء دین جو دین وملت کی تعلیم دیتے ہیں اور لوگوں کی ظاہری و باطنی اصلاح کرتے ہیں اُن کی وفات کے بعد اس تبلیغ دین اور ذکر الٰہی اور ادو وظائف کا ثواب اُن کی قبروں میں اُنہیں ملتا رہے گا۔

بعد از وفات ایصال ثواب

مندرجہ بالا بیان کردہ حدیث پاک سے نہایت واضح الفاظ میں ثابت ہوگیا کہ نیک کاموں کا ثواب اہل ایمان کو قبروں میں جانے کے بعد پہنچتا ہے۔ ایصال ثواب کا انکار کرنے والوں کے منہ پر یہ زوردار طمانچہ ہے۔ قرآن کریم کی آیات اور بے شمار احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ اس دنیا میں زندوں کے نیک اعمال کا ثواب فوت شدہ مسلمانوں کو حاصل ہوتا ہے قرآن میں ہے کہ قیامت کے میدان میں اور قبر میں کسی کے اعمال کسی دوسرے کو فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ یہ بات کافروں سے متعلق ہے اُن کو فائدہ نہیں پہنچے گا لیکن مومن کو جو سچا عقیدہ لے کر قلب سلیم لے کر اس دنیا سے جائے گا اُسے فائدہ پہنچے گا۔

فیضانِ ولایت

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس تذکرے میں روحانی فیضان کی وضاحت ہوتی ہے۔ کئی صدیوں کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود عقیدہ وعمل کی وحدت ایک جماعت کو قائم رکھتی ہے اور یہ سلسلہ برکات برقرار رہتا ہے۔ اور قلوب جاری رہنے والے نور سے منور رہتے ہیں۔

حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد کبھی بھی کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اس لیے روحانی فیضان اُمت میں جاری رکھنے کے لیے سلسلہ ولایت قائم رہے گا۔ اس سلسلہ ولایت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد دو مبارک شخصیات ہیں جن کو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خلافت سے نوازا۔ وہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت مولیٰ مرتضی رضی اللہ عنہما ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلافت عطا فرمائی اور حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو باقاعدہ سجادہ نشین مقرر کیا، اِن کو دستار اور قبا شریف عطا فرمائے۔ سنی، شیعہ، وہابی، معتزلی سب متفق ہیں کہ امم سابقہ میں جتنے اولیاء اللہ ہوئے اُنہیں ولایت حضرت سرکار مولیٰ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے عطا کی۔ آپ کی ذات مرکز ولایت ہے اور اولین وآخرین میں تمام اولیاء اللہ میں آپ کا فیضان جاری ہے۔

حضرت مولائے کائنات ابھی اس دنیا میں جسد عنصری کی صورت میں نہیں آئے تھے پھر بھی آپ پہلی اُمتوں میں ولایت تقسیم فرماتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ولی اللہ اپنا فیضان تقسیم کرنے میں اپنی ولادت اور ظاہری جسمانی صورت کا محتاج نہیں ہوتا۔ ظاہری وجود نہ ہوتے ہوئے بھی اللہ کا ولی اپنے فیوض وبرکات عطا کرتا ہے تو پھر یقیناً اس دنیا میں اپنی وفات کے بعد اپنی قبر میں رہ کر بھی اپنا روحانی فیضان جاری رکھ سکتا ہے۔ قبر میں اگر اُس کا عنصری جسم نہ بھی رہے تو فیضان کی طاقت پھر بھی اُس کے پاس ہوتی ہے کیونکہ فیضان جسد عنصری کا محتاج نہیں ہے۔

بارگاہ الٰہی سے سچا تعلق

جس کا اپنے رب سے سچا تعلق ہوتا ہے تو رب کے راستے سے روکنے والی طاقتوں سے اُسے نفرت ہو جاتی ہے۔ جب رب کے انوار کا ڈیرہ اُس کے سینے میں لگ جاتا ہے تو راہ حق میں آنے والی رکاوٹ کے خلاف زبان کھل جاتی ہے۔ جیسے ناک کے ذریعے سے خوشبو آتی ہے تو آدمی کو راحت محسوس ہوتی ہے اور اگر بدبو آئے تو طبیعت گھبرانے لگتی ہے اور آدمی اُس سے بچنے کے لیے ناک پر رومال رکھ لیتا ہے۔ یہ بات کوئی استاد (Teacher) نہیں سکھاتا۔ فطرت بتاتی ہے تصوف میں سلوک کا یہ مزاج ہے کہ رب سے سچا تعلق قائم ہونے کے بعد ہر وہ چیز مذموم لگتی ہے جو اللہ کے راستے سے روکے۔ اگر کوئی

صوفی یہ کہے کہ ہم شریف لوگ ہیں ہمیں ان جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔ ایسا جملہ راہ سلوک والوں کا جملہ نہیں ہے۔ رب سے پختہ تعلق رکھنے والے راہ حق میں مصائب اور ہر طرح کے خطرات سے ٹکر لیتے ہیں۔ اور بے خوف ہو کر ببانگ دہل حق کو سربلند کرتے ہیں اور باطل کا رد کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی داستانِ حیات میں سب سے اول یہی درس ہے کہ اپنے گھر میں اپنے باپ (چچا)، اپنے خاندان، پوری قوم اور حکومتِ وقت کو للکارا۔ اُن کے جھوٹے خداؤں (بتوں) کی مذمت کی اور اُنہیں معبود برحق کی طرف دعوت دی۔

{یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ} (البقرہ:۲۱)

(اے لوگو! تم سب اُس خدا کی پوجا کرو جس نے تمہیں پیدا کیا ہے)

{وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ} (الصفت:۹۶)

(اللہ تمہارا بھی خالق ہے اور تمہارے کاموں کا بھی خالق ہے)

لہٰذا جو پیدا کرنے والا ہے وہی لائق عبادت ہے۔ اُس کی پوجا کرو۔ یہ کلمہ حق اُس وقت کہا جا رہا ہے جبکہ مقابلے میں پوری قوم ہے اور وقت کا باطل اقتدار ہے۔ باپ (آذر جو حقیقی باپ نہیں) بھی بت پرست ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تن تنہا صرف اپنے رب سے سچے تعلق پر توکل کرتے ہوئے اتنا بڑا اقدام کر رہے ہیں:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

دشمنوں کے خلاف خفیہ تدبیر

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے طرزِ عمل سے ایک طریقہ بتلایا کہ اگر دشمن سے سابقہ پڑتا ہے تو اُس کے سامنے جھوٹ بھی نہیں کہنا اور اپنی سوچ سے اُسے آگاہ بھی نہیں ہونے دینا تو ایسی صورت میں کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے۔

اُس دور میں چند لوگ سیاروں کے پجاری تھے۔ بعض پجاری تو نہیں تھے لیکن دنیا میں گردش وسکون اور عدم وجود (Action & Omission) کا تعلق ستاروں سے تسلیم کرتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن لوگوں کے ساتھ مکالمہ کرتے ہوئے ستاروں کی طرف دیکھا اس عمل سے آپ بظاہر اُنہیں اس غلط فہمی میں مبتلا کر رہے تھے کہ اُس ضابطے کے مطابق ستاروں کو دیکھ رہا ہوں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا نبی نبوت کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے۔ لیکن کفار کفر کی نگاہ سے دیکھتے

ہیں۔کفار نے سمجھا حضرت ابراہیم علیہ السلام ستاروں پر غور کر رہے ہیں۔آپ نے دیکھنے کے بعد کہا آج میری طبیعت اچھی نہیں۔اللہ کا نبی ہر حال میں سچا ہوتا ہے اور سچی بات کہتا ہے۔آپ نے یہ جملہ وقت اور اُس ماحول کو پیش نظر رکھ کر بولا کہ تم لوگ ایک خدا کی پوجا کو چھوڑ کر اپنے ہاتھوں تراشتے ہوئے بتوں کو پوجتے ہو اس سے بڑھ کر تمہاری ذلت کیا ہو سکتی ہے۔اس سے طبیعت پر بوجھ ہے اور خراب محسوس ہوتی ہے۔بدعقیدگی اور بدعملی کا ماحول طبیعت کی خرابی کا باعث ہے۔

نفس کی پوجا

صوفیاء ایسے واقعات سے یہ مسئلہ اخذ کرتے ہیں کہ رضائے الٰہی کو چھوڑ کر کوئی بھی طریقہ زندگی اختیار کرنا اور اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلنا درحقیقت نفس کی پوجا ہے۔قرآن مجید فرماتا ہے:

{اَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ} (الفرقان:۴۳)

(اے میرے محبوب کیا آپ نے اُسے نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنا رکھا ہے)

دل میں خواہشات پیدا ہوتی ہیں۔اچھی بھی اور بری بھی۔انسان کو چاہیے کہ وہ اِن خواہشات پر نگاہ رکھے اور قابو پائے۔اگر خواہشات نفسانیہ کو کنٹرول نہ کرے تو پھر آدمی نیکی بدی حلال وحرام جائز وناجائز کی تمیز نہیں کرتا اور جو جی میں آتا ہے کرتا ہے۔اور یہ نہیں سوچتا کہ وہ خالق و مالک جس نے سب کچھ دیا ہے۔حسن صورت، مال ومتاع زندگی کی آسائشات قوت اور اقتدار دیئے ہیں وہ ان سب کا حساب بھی لے گا:

جس کاریگر اے گھڑا بنایا قیمت لائی سو پوری　　کڑیاں کی جانن ایثار گھڑے دے بھن کریندیاں چوری

(حضرت عارف کھڑی رحمۃ اللہ علیہ)

بندے کو چاہیے کہ اپنے رب کا حکم مانے اور اُس کی مرضی پر چلے اور اپنے نفس کو اُس کی رضا کے تابع بنائے۔

زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

(علامہ اقبال علیہ الرحمۃ)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقی باپ کون تھا؟

حضرت نوح علیہ السلام کا وطن عراق تھا۔جب طوفان نوح آیا تو سب کچھ برباد ہو کر رہ گیا کچھ بھی نہ بچا جس تندور

سے پانی ابھرا تھا اُس کے آثار آج بھی موجود ہیں یہ کوفے اور بصرے کے درمیان واقع ہے بصرے سے زیادہ قریب ہے۔ بہت بعد میں عراق دوبارہ آباد ہوا۔ جو قبیلہ اس ملک پر برسر اقتدار تھا اس کا نام اُر (Ur) تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس قبیلے میں پیدا ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے جو چتا (Pyre) بھڑکائی گئی تھی اُس کے نشانات بھی آج پائے جاتے ہیں۔ میرے (حضرت قبلہ عالم مفکر اسلام امام جیلانی دامت برکاتہم القدسیہ) پاس اُن کی تصاویر (Photoes) ہیں، میں نے اپنی تحقیق (Research) کے دوران اِن تصاویر کو استعمال کیا ہے۔

پہلے یہ بات بیان ہو چکی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو مخاطب کر کے بتوں کی مذمت کی۔ قرآنِ کریم میں اس باپ کا نام آذر بیان ہوا ہے۔ اہل سنت کی یہ تحقیق ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حقیقی باپ (والد) نہیں تھا۔ یہ آپ کا چچا تھا اور اسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پرورش کی تھی اور آپ اسے ابو کہہ کر ہی بلاتے تھے عربی زبان میں عموماً اب کا لفظ باپ کے لیے بھی بولا جاتا ہے اور چچا کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں چچا کے لیے اَبا کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا:

{مَاتَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِی۔ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَاِلٰہَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰھًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْن} (البقرہ: ۱۳۳)۔

(میرے بعد کس کی پوجا کرو گے۔ بولے ہم پوجیں گے اُسے جو خدا ہے آپ کا اور آپ کے آباء کا ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق کا ایک خدا اور ہم اُس کے حضور گردن رکھے ہیں)

حضرت یعقوب علیہ السلام کے اصل باپ حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تایا لگتے تھے۔ لیکن ''اٰبَآئِکَ'' کی تفصیل میں آپ کا نام باپوں کی فہرست میں بیان ہوا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کا نام حضرت سارہ سلام اللہ علیہا ہے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا نام حضرت سیدہ ہاجرہ سلام اللہ علیہا ہے۔ کتب صحاح کی حدیث ہے کہ بدر کے قیدی تقسیم کئے گئے اُس وقت سیاسی پناہ (Political Asylum) کا طریقہ نہیں تھا کہ کسی جیل وغیرہ میں اُن کو رکھتے، اس لیے اُنہیں گھروں میں تقسیم کیا گیا۔ اس تقسیم میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس کے لیے فرمایا کہ یہ میرا باپ مجھے دے دو۔ حالانکہ بالاتفاق حضرت عباس رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ہیں۔ پاکستان کے رہنے والے جانتے ہیں کہ پنجاب میں عام طور پر باپ کو چچا کہتے ہیں اور باپ کے بڑے بھائی (جو تایا لگتا ہے) کو اَبا کہنے لگتے ہیں۔

آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا اور آپ کے حقیقی باپ کا نام تارخ تھا۔ آذر مشرک اور بت پرست تھا جبکہ تارخ موحد تھے اُنہوں نے کبھی شرک نہیں کیا اور وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے پہلے وفات پا گئے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام آذر کو بچپن سے ابو کہتے چلے آ رہے تھے۔ چونکہ آذر نے آپ کی پرورش کی تھی پھر خونی رشتہ بھی تھا اس لیے اللہ کے نبی نے اپنے رشتے اور احسان کو مدنظر رکھنے کا درس دیا۔ رشتہ دار کتنا برا ہی کیوں نہ ہوا اگر اُس کا احسان ہے تو اُس احسان کو یاد رکھنا چاہیے آذر چچا تھا اور اچھی طرح پرورش کی تھی اگرچہ کافر و مشرک ہے وہ خود جہنم میں چھلانگ لگا دے تو کیا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مجھے (ابراہیم علیہ السلام) بے مروتی کا کوئی مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے آپ اُس کو ابو ہی کہہ کر بلاتے تھے۔

اس میں ہر آدمی کے لیے یہ سبق ہے کہ احسان فراموشی کبھی نہیں کرنی چاہیے۔ جس نے کبھی آپ کے ساتھ بھلائی کی ہے اُسے یاد رکھنا چاہیے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ کے یہ پہلو قرآن مجید نے بیان فرمائے جس میں یہ درس زندگی ہے کہ اللہ سے تعلق بڑی بادشاہی ہے۔ رب سے سچا تعلق پیدا ہو جائے تو جو چیزیں دوڑ بھاگ کے حاصل نہیں ہوتیں وہ خود اللہ کے حکم سے دروازے پر چل کر آ جاتی ہیں۔ تجربہ کر کے دیکھو۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ

دسواں درس قرآن: ۳ مارچ ۲۰۰۵ء

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام
کوہ طور پر تجلی الٰہی کا ظہور

عنوان — صفحہ نمبر

☆.....پند ونصائح کا اثر

☆.....حقوق زوجین

☆.....شبانی سے کلیمی تک

☆.....وصول فیضان کم درجے والے سے ہوسکتا ہے

☆.....اہل اللہ کی جگہوں کی برکات

☆.....بندہ حق کا بولنا رب کا بولنا ہے

☆.....پاک جگہوں کا ادب

☆.....رب کی معرفت

کوہ طور پر تجلی الٰہی کا ظہور

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

{فَلَمَّا قَضَى مُوسَى الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ آنَسَ مِن جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ) (29فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِن شَاطِئِ الْوَادِي الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَن يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ) (30وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ يَا مُوسَى أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ مِنَ الْآمِنِينَ) (31اسْلُكْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ وَاضْمُمْ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذَانِكَ بُرْهَانَانِ مِن رَّبِّكَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ) (32قَالَ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَن يَقْتُلُونِ) (33وَأَخِي هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي إِنِّي أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ) (34قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا بِآيَاتِنَا أَنتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُونَ)(35فَلَمَّا جَاءَهُم مُّوسَى بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ) (36وَقَالَ مُوسَى رَبِّي أَعْلَمُ بِمَن جَاءَ بِالْهُدَى مِنْ عِندِهِ وَمَن تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ) (37وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَل لِّي صَرْحًا لَّعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَى إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ) (38وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ) (39فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ) (40وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ) (41}۔(القصص: ۲۹ تا ۴۱)۔

حضرت حق جَلَّ و عَلٰی شانُہٗ وَعَزَّ اسمُہٗ وَاتَمَّ بُرْھَانُہٗ ارشاد فرماتے ہیں جب حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے وقت پورا کرلیا اور اپنے اہل وعیال کو لے کر چل دیئے۔ آپ نے طور کی ایک جانب (Side) آگ جلتی ہوئی دیکھی آپ نے اپنے اہل سے فرمایا کہ تم ٹھہرو۔ مجھے آگ دکھائی دی ہے۔ اُمید ہے کہ وہاں سے کوئی خبر لے کے آجاؤں گا کہ راستے کا کچھ سراغ مل جائے گا۔ کوئی آگ کی چنگاری لے آؤں گا تاکہ تم تاپ سکو۔ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس آگ کے پاس آئے تو آپ کو اپنی داہنی جانب کی وادی سے آواز آئی ایک مبارک جگہ میں ایک درخت سے آواز دی گئی (آواز کا مفہوم اَنْ تفسیریہ کہلائے گا) اے موسیٰ کلیم اللہ۔ بے شک میں ہوں اللہ جو عالمین کا رب ہے (سارے

جہانوں کو پالنے والا ہے)۔اور یہ کہ آپ اپنی لاٹھی پھینکیں۔جب اُنہوں نے لاٹھی کو جھومتے دیکھا جیسا کہ ایک اژدھا جھومتا ہے۔تو آپ پیٹھ دے کے مڑے۔آپ نے پیچھے پلٹ کر نہ دیکھا۔ پروردگار نے ارشاد فرمایا اے موسیٰ! آگے بڑھیے ڈرنے والی کوئی بات نہیں۔آپ پرامن (Protected) ہیں۔آپ اپنا دست مبارک گریبان میں ڈالیے یہ بغیر کسی بیماری کے سفید ہوکر نکلے گا۔آپ اپنے بازوؤں کو اپنے بدن کے ساتھ ملا لیجئے خوف سے بچنے کے لیے۔یہ دونشانیاں (معجزے، ثبوت) ہیں آپ کے پروردگار کی طرف سے فرعون اور اس کے درباریوں کے مقابلے میں بے شک وہ فاسق قوم ہیں۔موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں نے ان کا ایک بندہ مار دیا تھا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے۔میرا بھائی ہارون علیہ السلام مجھ سے اچھی زبان بول سکنے والا ہے۔اُسے میرے ساتھ بطور معاون (Assistant) بھیج دے کہ وہ میری تصدیق کرے۔ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔ پروردگار نے جواب ارشاد فرمایا اے موسیٰ ہم آپ کے بھائی کے ذریعے سے آپ کے بازو مضبوط فرمائیں گے۔اور تم دونوں کو غلبہ عطا فرمائیں گے۔وہ تمہارے تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ہماری آیات کی برکت سے۔(اس جگہ معانقہ ہے۔معانقہ کے معنیٰ یہ ہیں۔یا تو اسے پہلے کے ساتھ ملا کر پڑھو یا پیچھے کے ساتھ ملا کر پڑھو۔ دونوں طرف ملا کے نہیں پڑھ سکتے۔اگر یہاں پہلے کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو یہ معنیٰ ہوں گے کہ وہ ہماری آیتوں کی برکت سے تمہارے تک نہیں پہنچ سکیں گے۔اگر اس کے بعد کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو معنیٰ ہوں گے تم دونوں (حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام) اور تمہارے ساتھی غالب رہیں گے)۔

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہماری واضح نشانیاں لے کر اُن کے پاس آ گئے تو فرعون اور اُس کی قوم نے مل کر کہا کہ یہ نشانیاں نہیں بلکہ من گھڑت (Fabricated) قسم کا جادو (Magic) ہے۔اور ہم نے اپنے باپ دادوں کی محفلوں میں کبھی کوئی ذکر نہیں سنا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے پانے والے! میں اچھی طرح سے جانتا ہوں اُس شخص کو جو اس کی بارگاہ سے ہدایت لے کر آیا اور میں اچھی طرح سے اُس کو بھی جانتا ہوں کہ کس کو اچھا انجام ملنے والا ہے۔ یہ ایک بڑی برملا بات ہے واقعہ یہ ہے کہ ظالم لوگ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوں گے۔فرعون نے کہا اے میری پارلیمان (Parliament) کے لوگو! میری اطلاع میں میرے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں ہے۔اے ہامان (فرعون کا وزیر) پانی پر میرے لیے آگے روشن کر یعنی کیچڑ کو آگ میں پکا۔اینٹیں تیار کر اور میرے لیے محل بنا تا کہ میں موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو آسمانوں میں جھانک سکوں۔میرا پکا خیال ہے کہ (معاذ اللہ) موسیٰ علیہ السلام جھوٹے شخص ہیں۔وہ اور اُس کے لشکر بغیر کسی حقداری کے زمین میں بڑے بن بیٹھے • اُن کا یہ گمان ہے کہ اُن کو لوٹا کے اللہ کے حضور بھیجا ہی نہیں جائے گا۔اور ہم نے

فرعون کو بھی پکڑ لیا اور اُس کے لشکر کو بھی پکڑ لیا اور ہم نے اُن کو سمندر میں پھینک دیا۔ اے موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام آپ بھی اور اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ بھی غور فرمائیں کہ ظالموں کا انجام کیسا ہوتا ہے۔ ہم نے اُن کو ایسا لیڈر بنا دیا جو جہنم کی طرف لوگوں کو بلا رہے ہیں۔ اور قیامت کے میدان میں اُن کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ اور ہم نے دنیا میں اُن پر لعنت مسلط کر دی اور قیامت کے میدان میں بھی وہ انتہائی قابل مذمت ہوں گے۔

اِن آیات کا تحت اللفظ ترجمہ بیان ہوا۔

اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داستان زندگی بیان ہو رہی ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک قبطی مصر میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں قتل ہوا تو اُس اندیشے سے کہ فرعونی آپ کو بدلے میں مار ڈالیں گے، آپ مصر چھوڑ کر مدین پہنچ گئے۔ اس علاقے میں اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام رہتے تھے۔ مدین وہ علاقہ ہے جہاں آج کل اسرائیل کی حکومت ہے۔ آج اسے تل ابیب کہا جاتا ہے اس کے سامنے مشرق کی جانب صحرائے سینا ہے۔ اُس زمانے میں یہاں آزاد (Independent) ریاست تھی۔ اِن کا اپنا نظام حکومت تھا اور بحر احمر کے کنارے یہ قوم آباد تھی۔ یہ ایک سنگم (Confluence) تھا۔ یہ ایسی جگہ تھی جہاں پورے مشرق الاوسط کی تجارتی منڈی تھی افریقہ اور ایشیاء کی پیداوار (Production) کو جمع کرنے کا یہ اہم ترین تجارتی مرکز تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام یہاں بسنے والی قوم کی طرف مبعوث ہوئے اور اُن کے عقائد و اعمال کی اصلاح کے لیے طویل عرصہ وعظ و ارشاد فرماتے رہے۔ یہ قوم تجارت پیشہ تھی اور لین دین اور ناپ تول میں بہت بد دیانتی سے کام لیتی تھی۔ اُنہوں نے ناپ تول کے باٹ مختلف اوزان کے رکھے ہوئے تھے۔ جب سودا فروخت کرتے تو کم تول کر دیتے اور جب خود خریدتے تو زیادہ وزن کے باٹ استعمال کرتے اور خود اصل سے زیادہ مال لے لیتے تھے۔ اس طرح وہ اپنے کاروبار میں دھوکا کرتے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے فریضہ نبوت کو ادا کرتے ہوئے اِن کو آخر دم تک پند و نصیحت کی اور بداعمالیوں سے باز رہنے کی تلقین فرماتے رہے۔ لیکن قوم نے آپ کی کوئی پرواہ نہیں کی اور اپنے گھٹیا طرز عمل پر قائم رہے۔

پند و نصائح کا اثر

انبیاء کرام اس دنیا میں مختلف اقوام کی طرف آتے رہے اور اُنہیں حق کی دعوت دیتے رہے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ساڑھے نو سو سال انسانیت کو راہ حق پر لانے کی سعی فرماتے رہے۔ اسی طرح دیگر انبیاء حضرت صالح، حضرت ہود،

حضرت شعیب علیہم السلام جن بستیوں اور قوموں کی طرف آئے اُن کے عقائد اور اخلاق و کردار کو سنوارنے کی حتی المقدور کوششیں کرتے رہے۔ سوائے چند ایک کے سب لوگ اُن رسولوں کی تکذیب کرتے رہے جس کے نتیجے میں وہ مغضوب ہوئے اور عذاب الٰہی سے ہلاک ہوئے۔

ہے ساز پہ موقوف نوا ہائے جگر سوز
ڈھیلے ہوں اگر تار تو بیکار ہے مضراب

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

ستار کی تاروں میں اگر تناسب ہو اور وہ کھنچی ہوئی ہوں تو پھر مضراب کی ضرب صوتی خوبصورتی کے ساتھ نتیجہ لاتی ہے اور مناسب قسم کے سُر اُس سے نکلتے ہیں۔ اگر ستار کی تاریں ہی ڈھیلی ہوں تو پھر مضراب کا اُس پر خاطر خواہ اثر نہیں ہوتا ہے۔ یہی حال اِنسان کے قلب و ذہن کا ہے۔ اللہ کے نبی کی آواز میں یقیناً اثر ہے مگر قوم کے دل اُس اثر کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں تو پھر ہدایت ملتی ہے۔ جہاں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ رہتے ہیں، ابوجہل ابولہب، عتبہ، ربیعہ اور سارے کفار مکہ بھی وہیں کے رہنے والے ہیں۔ ایمان لانے کے لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کوئی دلیل نہیں مانگی۔ لیکن ابوجہل اور ابولہب وغیرہ ہزاروں معجزات دیکھنے کے بعد بھی مسلمان نہ ہوئے کیونکہ اُن کے دِل اُس سے متاثر ہونے کے قابل ہی نہ تھے۔

ڈھیلے ہوں اگر تار تو بے کار ہے مضراب

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو وعظ کرتے کرتے بوڑھے ہو گئے۔ لیکن قوم متاثر نہ ہوئی آخر اُس قوم پر سزا کے طور پر عذاب الٰہی آ گیا اور وہ ہلاک ہو گئی۔

بڑھاپے کی وجہ سے حضرت شعیب علیہ السلام باہر کام کاج کے لیے نہیں جا سکتے تھے۔ اس لیے آپ کی بیٹیاں اپنے مویشیوں، بھیڑ بکریوں کو چراگاہ لے جاتیں۔ حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو صاحبزادیاں تھیں جن میں سے ایک کا نام صفورہ تھا۔

جیسا کہ شروع میں بیان کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کر مدین پہنچ گئے۔ آپ سب سے پہلے اُس تالاب پر پہنچے جہاں لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ وہاں آپ نے حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادیوں کو دیکھا کہ وہ اپنی بھیڑ بکریوں کو پانی پلانے کے لیے تالاب کے پاس انتظار کر رہی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جانوروں

کو پانی پلانے میں اُن کی مدد کی۔ وہ دونوں گھر واپس آئیں اور اپنے باپ حضرت شعیب علیہ السلام سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اُنہیں بلا بھیجا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہایت ادب کے ساتھ حضرت شعیب علیہ السلام سے ملے۔ آپ اُن کے پاس رہنے لگے اسی اثنا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رشتہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بڑی صاحبزادی (حضرت صفورہ) کے ساتھ طے ہوگیا۔ (جیسا کہ معتبر روایات سے ثابت ہے۔ بعض نے کہا کہ چھوٹی صاحبزادی کے ساتھ عقد طے ہوا تھا)۔ آپ کا نکاح ہوگیا اور دو مدتیں مقرر ہوئیں۔ ایک یہ کہ آٹھ سال ہر حال میں آپ حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر بار اور معاملات کی دیکھ بھال کریں گے۔ بھیڑ بکریاں چرانا ہوں گی۔ اگر اپنی مرضی سے دس سال یہاں رہیں تو یہ آپ کی مہربانی ہوگی۔ تو آٹھ سال کی مدت لازمی (Compulsory) ہے۔ اور مزید دو سال یعنی دس سال پورے کرنا یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مرضی (Option) پر منحصر ہے۔ یہ ایک منفرد مثال ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام خود نبی ہیں اور داماد بھی نبی ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام خود نبی ہیں اور آپ کا سسر بھی نبی ہے۔ صف انبیاء میں یہ مخصوص دو شخصیات ہیں جو داماد اور سسر ہیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ یا دس سال کی مدت پوری کر چکے تو آپ نے اپنے وطن (مصر) کی طرف واپسی کا ارادہ فرمایا۔ اس عرصے میں آپ کے بچے بھی ہو گئے تھے آپ اپنے اہل وعیال کو لے کر سفر پر چل نکلے۔ رات کا وقت تھا اور برفانی موسم تھا شدت کی سردی پڑ رہی تھی۔ جب طور پر پہنچے تو انتہائی تاریکی تھی لق ودق جنگل تھا۔

راتوں رات سفر کرنے کی حکمت یہ تھی کہ کہیں فرعون کی قوم والے دِن کے اُجالے میں دیکھ نہ لیں۔ آپ اُن کی برداری کے ایک آدمی کو مار کے مدین آئے تھے۔ قوم فرعون کا مذکورہ شخص بڑا تنومند تھا مگر اللہ کے پیغمبر کا ایک ہی مکا لگا کہ وہ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ پیغمبر خدا کا ہلکا سا مکا بھی برداشت نہ ہوسکا۔ اللہ کے نبی کو اپنا جیسا کہنے والوں کو یہ تجربہ کرانا چاہیے کہ اُنہیں پتہ چلے کہ کیا نبی اُن جیسا ہی ہوتا ہے؟ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رات کا سفر اختیار کیا تاکہ فرعونیوں کی طرف سے کسی خطرے سے محفوظ رہیں۔ اندھیرے میں صحیح راستہ گم کر دیا۔ آپ ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں سے کچھ فاصلے پر آپ کو آگ دکھائی دی۔ آپ نے اپنے اہل وعیال سے کہا تم یہاں ٹھہرو مجھے آگ دکھائی دے رہی ہے:

{قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ}۔

حقوق زوجین

اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہلیہ محترمہ کے بلند کردار پر غور کریں۔ وہ ایک پیغمبر کی بیٹی بھی ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اُنہیں چھوڑ کر آگ کی طرف جانے لگے تو اُنہوں نے اپنے شوہر (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی اس بات سے بلا حیل و حجت اتفاق کیا۔ یہ عذر پیش نہیں کیا کہ اندھیری رات ہے۔ جنگل ہے ایک خوفناک قسم کا ماحول ہے۔ کسی طرح کی بھی خطرناک صورتحال پیش آ سکتی ہے۔ آپ اس طرح ہمیں اکیلے چھوڑ کر نہ جائیں۔ بلکہ کہا کہ آپ جائیں جیسے اللہ کو منظور ہوگا، ہمیں اُسی سچے رب پر بھروسہ ہے۔ یقیناً ایک نبی کی بیٹی کا یہی طریقہ ہوسکتا ہے۔ جنگل میں رات کی تاریکی میں اپنے شوہر کی بات پر راضی (Agree) ہوجانا۔ جبکہ ایک بستے گھر سے آئی ہیں اور آگے ایسی جگہ جانا ہے جہاں صورتِ حال یقینی نہیں ہے۔ وہ یہ سمجھتی ہیں کہ میری زندگی میرے خاوند ہی کے ساتھ ہے۔ میں نے اُس کے دکھوں سکھوں میں شریک (Share) رہنا ہے۔ مسلمان خاتون کے لیے ایسی مقدس شخصیات کے کردار میں ایک قابلِ تقلید درس ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی شادی کے بعد اپنی ازدواجی اور گھریلو ذمہ داریوں کا مکمل احساس تھا۔ اس لیے جب معیاد پوری کر کے مصر واپس جانے لگے تو اپنے اہل وعیال کو ساتھ لے کر چلے۔ آپ یہ محسوس کرتے تھے کچھ بھی ہو اپنی بیوی کے جملہ حقوق پورے کرنا بحیثیت خاوند کے اُن کی ذمہ داری ہے۔ بیوی کو اپنے خاوند پر اسی وقت اعتماد ہوتا ہے جبکہ وہ اپنے خاوند کے ساتھ رہے۔ بلاوجہ علیحدگی اور دوری ایک دوسرے کے درمیان شبہات کو جنم دیتی ہے اس واقعہ سے میاں اور بیوی کے حقوق پر روشنی پڑتی ہے اس لیے دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کو سمجھنا چاہیے اور اُنہیں پورا کرنا چاہیے۔

شبانی سے کلیمی تک

{فَلَمَّا اَتٰهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِیِٔ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ}

اس جگہ طریقت وتصوف کا یہ مسئلہ اخذ ہوتا ہے کہ تجلیات الٰہی کے حصول کا ذریعہ کسی کامل شیخ طریقت کی صحبت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر کے رہنے والے تھے۔ کوہ طور بھی مصر میں ہی تھا۔ قابل غور بات ہے کہ مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جانے سے پہلے یہ تجلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نظر کیوں نہیں آئی؟ اللہ نے اپنی معرفت کوہ طور پر ایک درخت کے ذریعے سے پہلے عطاء نہیں کی بلکہ مدین سے واپسی پر تجلی ربانی ظاہر ہوئی۔ اس سے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی زبان میں یہ حقیقت سامنے آتی ہے:

اگر کوئی شعیب آئے میسر

شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

اگر کوئی مرد کامل مل جائے تو چرواہے (ریوڑ چرانے والا) کو دو قدم پر ہی کلیم اللہ کا اعزاز حاصل ہو جاتا ہے۔ صحبت شیخ سے رب کی تجلی طور پر نظر آتی۔ اپنے مولا تک رسائی کے لیے کسی مرد کامل سے تعلق ضروری ہے۔ اللہ کے کامل بندے کی صحبت اور اس کی نگاہ قلب و روح میں انقلاب لے آتی ہے

مرد ملے تاں درد نہ چھوڑے اوگن دے گن کردا
کامل مرد محمد بخشا لعل بنان پتھر دا
خشخش جتنا قدر نہ میرا میرے صاحب نو وڈیایاں
میں گلیاں دا روڑا کوڑا محل چڑھایا سائیاں

(میاں صاحب عارف کھڑی رحمۃ اللہ علیہ)

تفسیر قرطبی میں سورۂ یونس کی آیت نمبر 62 کے تحت حدیث مذکور ہے:

روی سعید بن جبیر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سئل : من أولیاء اللہ ؟ فقال الذین یذکر اللہ برویتھم

(حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع حدیث روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ولی وہ ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر رب یاد آتا ہے)

شیخ کامل تلاش کرنا سنت انبیاء ہے۔

وصولِ فیضان کم درجے والے سے ہوسکتا ہے

اس بات پر پوری اُمت کا اتفاق ہے کل کائنات میں پہلا درجہ حضور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ دوسرا درجہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے تیسرا درجہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا درجہ بہت بعد ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا درجہ اُن سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ لیکن سیدنا شعیب علیہ السلام کے فیضان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا قرب مل گیا۔ اس سے صوفیاء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کبھی چھوٹے درجے والے سے بڑے درجے والے کو فیض ملتا ہے۔ حضرت سرکار بغداد غوث الثقلین محبوب سبحانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں اور غوث الاعظم ہیں لیکن ایک ضابطے کو پورا کرنے کے لیے آپ نے حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر مخزومی رحمۃ اللہ

علیہ کی بیعت کی اور اُنہیں اپنا پیر و مرشد مانا۔ حضور شہنشاہ جیلان رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لیے اپنا ہاتھ حضرت شیخ مخزومی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دیا۔

بیعت کے قواعد پورے کیے اور جب بیعت کے کلمات کہہ چکے تو ہاتھ واپس کرنا چاہا۔ مگر آپ کے مرشد آپ کا ہاتھ نہیں چھوڑ رہے تھے۔ اس لیے کہ شیخ مخزومی کی جو منزلیں رکی ہوئی تھیں وہ اپنے مرید (غوث اعظم) کے ذریعہ طے ہونے لگ گئیں۔ اس طرح کبھی مرید سے شیخ کو فائدہ پہنچتا ہے اور اُس کے فیضان میں ترقی ہوتی ہے۔ لیکن پیر پھر بھی پیر ہے خواہ مرید کا درجہ ولایت میں کتنا ہی بلند ہو۔

اگر کوئی شخص کتنا بھی تعلیم یافتہ (Highly Educated) کیوں نہ ہو، ڈاکٹریٹ کیا ہوا ہو، قانون دان ہو کتنا بڑا اُستاد ہو، ماہر فنون ہو کتنے ہی بڑے منصب پر فائز ہو اُسے جاننا چاہیے کہ اُس کے والدین ہی اُس کے لیے عظیم ہیں خواہ وہ اَن پڑھ ہوں۔ اولاد آخر اولاد ہی ہے اور اپنے ماں باپ کی عزت تعظیم اور خدمت کی پابند ہے۔ یہ باطل سوچ ہے کہ میں بہت پڑھا لکھا ہوں اور سوسائٹی میں مجھے اعلیٰ معیار حاصل ہے لہٰذا اب کسی کو میں کوئی حیثیت کیوں دوں یہاں تک کہ ماں باپ کی بھی پرواہ نہ کی جائے۔ اولاد کا فرض ہے ماں باپ کے سامنے جھک کے رہنا۔ اُسے سمجھنا چاہیے کہ آج وہ جو کچھ ہے ماں باپ کی دعاؤں کی بدولت ہے۔

اہلِ اللہ کی جگہوں کی برکات

وادی ایمن میں مبارک جگہ سے آواز دِی گئی {بُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ} کوہ طور کے اُس خاص مقام جہاں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیام فرمایا اسے مبارک جگہ قرار دیا گیا ہے اس وقت سے پہلے کوہ طور یا اُس کا کوئی حصہ برکت والا نہیں تھا۔ نہ ہی کبھی کسی نے اسے برکت والا مانا اور کہا۔ اب وہ جگہ مبارک کیوں بن گئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے کلیم موسیٰ علیہ السلام نے اُس جگہ قدم رکھا وہاں ٹھہرے رب العالمین نے آپ سے کلام فرمایا تو اُس مقام کو بقعہ مبارک قرار دے دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والے جہاں بیٹھ جاتے ہیں اور اپنے پروردگار سے تعلق قائم کرتے ہیں وہ جگہیں، وہ اوقات اور وہاں کی سب چیزیں برکت والی ہو جاتی ہیں۔ جناب سیّدہ ہاجرہ سلام اللہ علیہا صفا اور مروہ کے درمیان اپنے شیر خوار لختِ جگر (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام) کے لیے پانی کی تلاش میں دوڑیں۔ اُن کی اس ادا کو ابدالاباد تک اللہ نے زندہ کر دیا۔ اُس کے بعد تمام نبیوں، ولیوں پر اس سنت کی پیروی میں دوڑنا ضروری قرار دیا۔ خود حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ

والسلام جو خاوند ہیں، بلند مرتبہ نبی ہیں، وہ دوڑے ہیں حضور سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی شان کا پوری کائنات میں کوئی نہیں۔ اُنہوں نے اپنی جدہ کریمہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی سنت کو پورا کیا اور صفا اور مروہ کے درمیان دوڑے۔ سب سے اونچے درجے والا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ولیہ (حضرت ہاجرہ) کی پیروی کیوں کر رہا ہے؟ کیونکہ محبت کا مزاج ہی یہی ہے۔

اے ہمنشیں وہ کوچہ عشق حجاز ہے
محمود جس گلی میں غلام ایاز ہے

وَ اللّٰہُ یَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ

اللہ جس پر اپنی مہربانی اور فضل فرمادے اُس مہربانی کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا درجہ بعد میں آنے والی اُمت سے بلند ہے۔ کیونکہ اُنہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اسی طرح اولاد رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جس قدر عزت اور تکریم ہے کہ صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم بھی اُن کی تعظیم کے پابند ہیں۔ یہ اللہ کی شان ہے جسے چاہے کسی عالیشان مرتبے سے نواز دے۔

پہلے بات جگہوں کی عزت و برکت کی ہو رہی تھی۔ قرآن مجید سے واضح ہوا کہ وادی ایمن بقعہ مبارکہ کہلائی۔ صفا و مروہ اللہ کی یادگاریں بن گئیں۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ جہاں جہاں دریاؤں کے کناروں، پہاڑوں، ٹیلوں، میدانوں اور جنگلوں میں اللہ والوں نے ڈیرے لگائے ہیں اور یادِ خدا میں وقت گزارا ہے اُن جگہوں کو رب تعالیٰ نے برکت عطا کی ہے۔ ایسی جگہوں کی بے حرمتی کرنا یہ بدنصیبی کا موجب ہے۔

بندۂ حق کا بولنا رب کا بولنا ہے

صوفیاء کے مسلک (Sufi Order) میں یہ عقیدہ ملتا ہے کہ اللہ کا نبی بولے تو جان لو یہ رب بولتا ہے۔

{مِنَ الشَّجَرَۃِ اَنۡ یّٰمُوۡسٰۤی اِنِّیۡۤ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ} (درخت سے صدا آئی اے موسیٰ میں اللہ ہوں سارے جہاں کا رب)۔ یہ آواز درخت سے آ رہی ہے۔ درخت اللہ کی آواز کا ذریعہ بنا۔ اگر درخت کا بولنا اللہ کا بولنا ہے تو پھر ولی اللہ کا بولنا بدرجہ اتم اللہ کا بولنا ہوگا۔ جو چیز ادنیٰ کے لیے ثابت ہو وہ اعلیٰ کے لیے بالیقین ثابت ہوگی۔

{وَ لَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ} (بنی اسرائیل: ۷۰) جو انسانیت کو شرف دیا وہ شرف درخت کو تو حاصل نہیں

قرآن ارشاد فرماتا ہے:

{مَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی۔اِنْ ھُوَ اِلاَّ وَحْیٌ یُّوحٰی} (النجم:۳۔۴)

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات وحی الٰہی ہے۔وہ اُن کی ذاتی بات نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو اپنے رب کی رضا میں اپنی ذات کو فنا کر دیتے ہیں تو پھر اُن کی ہر بات اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔شاہ منصور رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ''اَنَا الْحَقْ'' میں حق (اللہ) ہوں۔وہ یہ کہنے میں حق بجانب تھے لیکن علماء شریعت اُنہیں سزائے موت (پھانسی) دینے میں بھی حق بجانب تھے:

لوکی آکھدے سن علما سچے پر منصور دا بھی کجھ قصور نئیں سی
غوث کہیا جے اُس وقت میں ہوندا پیون دینا ایڈا فتور نئیں سی

چند صوفیاء سے یہ بات مشہور ہے'' مَافِیْ جُبَّتِیْ اِلاَّ اللّٰہ'' میرے جبے میں اللہ کے سوا کوئی نہیں۔

حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ایک نابینا حاضر ہوا اُس نے کہا بندہ نواز، دعا کریں میری بینائی آجائے۔ آپ نے فرمایا کہ مادرزاد نابیناؤں کو بینا کر دینا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کام (Job) تھا، میں یہ کام نہیں کرسکتا۔اُس نے دیوار پر ٹکریں مارنی شروع کر دیں۔کہنے لگا کہ میری اطلاع میں خواجہ جنید بغدادی جیسا بڑا ولی اللہ اس وقت کوئی نہیں، اگر یہ میری کوئی مدد نہیں کرسکتا تو پھر ولایت کس کام کی؟۔جب اُس کا سر پھٹا اور خون بہنے لگا تو حضرت خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ پر ایک کیفیت طاری ہوگئی۔زور زور سے کہنے لگے: ''نَحْنُ نَفْعَلُ کَیْفَ یَشَأ'' ہم جیسے چاہیں کرتے ہیں۔آپ نے اُس نابینا پر ہاتھ پھیرا تو اُس کو بینائی مل گئی۔آپ نے فرمایا یہ کلمات جو بولے ہیں: ''نَحْنُ نَفْعَلُ کَیْفَ یَشَأ'' میں نے نہیں بولے کوئی اور بول رہا تھا:

چوں روا باشد انا اللہ از درخت
کے روا نہ بود چوں گوید نیک بخت
گفتہ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

(عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ)

قطرہ ونج پیا دریاویں پھر او کون کہاوے
جس تے اپنا آپ ونجاوے آپ اوہو بن جاوے

(حضرت عارف کھڑی شریف رحمۃ اللہ علیہ)

پاک جگہوں کا ادب

جدید دور کا جدید مسلمان (Modern Muslim) دین کے متعلق بھی جدت (Modernity) استعمال کرنے لگا ہے۔ وہ اپنے الحادی نظریات کو اجتہاد کا نام دیتا ہے اور اسلام میں جدت لانے کا متمنی ہے دوسرے الفاظ میں اسلام کی اصل صورت بگاڑنا چاہتا ہے وہ وقت کے ساتھ بدلتے رسم و رواج (Fashion) کو اسلام کی نظر میں جائز قرار دینے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔ اور اپنے پاس سے اُس کے لیے جواز گھڑتا ہے۔ اسلام میں کسی بھی بات کے جواز کی دلیل قرآن و سنت ہے یا صالحین اُمت اہل اللہ کے اقوال ہیں۔ آج کے دور میں بہت سے لوگ اس گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ مقدس مقامات کے تقدس کا خیال رکھنا اور ادب کرنا اُن کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ آج یہ حالت ہے کہ کعبہ شریف کا طواف جوتوں سمیت کئی لوگ کرتے ہیں۔ حرم شریف میں جوتوں سمیت پھرتے ہیں۔ روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایان شان تعظیم کا خیال نہیں رکھتے۔ حتیٰ کہ وہاں کے بعض امام جوتوں سمیت حرم شریف اور مسجد نبوی شریف کے اندر آتے ہیں اور مصلیٰ اُمامت کے پاس جوتے اُتارتے ہیں۔ اس عمل کو وہ جائز سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں صریح الفاظ میں مقدس جگہ کے پاس جوتے اُتارنے کا حکم ہے:

{فَخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوىً} (طٰہٰ: ۱۲)

(اے موسیٰ علیہ السلام مقدس وادی طویٰ کے پاس جوتا اُتار دو)

اس موقع پر جوتا نہ اُتارنے کے لیے کئی عذر تھے۔ سخت تاریکی تھی۔ پتھریلی زمین تھی شدت کی سردی تھی۔ خارزار جھاڑیاں تھیں۔ جوتا اُتاریں تو برفانی زمین پر ننگے پاؤں شل ہو جائیں۔ تاریکی میں کسی پتھر سے ٹھوکر کھا کر پاؤں زخمی ہو سکتا ہے۔ کوئی کانٹا چبھ سکتا ہے۔ کوئی سانپ بچھو وغیرہ ڈس سکتا ہے۔ اس لیے سوال پیدا ہوتا ہے کہ جوتا کیوں اُتاروں؟ یہ سوال مقدر (Understood Question) ہے۔ اللہ نے جواب دیا: {اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوىً}۔ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال الفاظ میں نہیں ہوتا سیاق و سباق (Context) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سوال ہو سکتا ہے۔ اُس وقت کی حالت (Situation) سوال اُٹھاتی ہے۔

جواب یہ وضاحت کرتا ہے کہ عذر بالکل درست ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ جوتے پہنے رکھو لیکن اُتارنے کا حکم اس لیے دے رہے ہیں کہ جگہ مقدس ہے اور برکت والی ہے اس لیے اُس کے ادب میں جوتے اُتارنے سے متعلق کوئی عذر

پیش نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن کریم کے اس ارشاد کی روشنی میں یہ ایک کلیہ (Major Premises) بن گیا ہے کہ جو جگہ برکت والی ہے اُس کی تعظیم کرو اور وہاں جوتے اُتارنے اُس کے ادب کے لیے ضروری ہیں۔ جوتے اُتارنے کے لیے جگہ کا تقدس علت ہے انگریزی میں اسے Ratiodecidendy کہتے ہیں۔ حکم کی جو علت (Cause) ہوتی ہے وہ جب بھی پائی جائے حکم وہاں لوٹ کے آئے گا۔

جناب مولیٰ علی حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم کا اس موقع پر بڑا خوبصورت قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جوتا اُتارنے کا حکم اس لیے دیا کہ آگے چل کر آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کرنا تھی:

{رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ o وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ o وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ o یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ}

(طٰہٰ: ۲۵۔۲۸)۔

(عرض کی اے میرے رب میرے لئے میرا سینہ کھول دے۔ اور میرے لئے میرا کام آسان کر۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ کہ وہ میری بات سمجھیں)

دعا مانگنے کے اندر ادب اور عاجزی چاہیے۔ جوتا اُتارنا یہ عجز وانکسار کے لوازمات میں سے ہے۔

آج کل لوگ نماز جنازہ میں بھی جوتوں سمیت کھڑے ہو جاتے ہیں جبکہ نماز جنازہ میں دعا ہے اور دعا کی قبولیت کا دارومدار عاجزی ہے اور عاجزی کے لیے جوتا اُتارنا ضروری ہے۔ حضرت مولائے کائنات کا جو قول اوپر بیان ہوا اُسے ساتویں صدی ہجری کے نامور مفسر حضرت امام قرطبی نے احکام القرآن میں بیان کیا ہے۔ قرآن سے کوئی مضمون اخذ کرنے اور قوانین (Legal Orders) واضح کرنے کے لیے مفسرین قرآن نے قواعد (Principles) متعین (Determine) کیے ہیں۔ یہ ایک مستقل علم ہے۔ انہیں اصولیات تفسیر، حدیث اور فقہ (Jurisprudence) کہا جاتا ہے۔

رب کی معرفت

جیسے بیان ہوا کہ درخت سے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ندا ہوئی کہ اے موسیٰ میں اللہ ہوں سارے جہاں والوں کو پالنے والا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے رب کی معرفت وادی ایمن میں ایک درخت کے ذریعے سے ہوئی۔ لیکن معراج کے موقع پر حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رب سے ملاقات کے لیے گئے تو آپ کو رب سے تعارف کرانے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ آپ کو پہلے سے ہی معرفت الٰہی حاصل ہے اور ملاقات چلی آ رہی ہے۔

کن فیکون تے کل دِی گل ہے اساں اگے دی پریت لگائی
میں توں حرف نشان نہ آہا جدوں دتی میم گواہی

(حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ)

کن آواز پوے ہر ویلے اُسے قول الستوں
قالوا بلیٰ کوکیندے بھائی اُسے ذوقوں مستوں

(حضرت میاں صاحب عارف کھڑی رحمۃ اللہ علیہ)

سدرۃ المنتہیٰ جبرائیل امین علیہ السلام کی آخری سرحد تھی۔ معراج کی شب اس مقام پر جبرائیل نے اپنی انتہا کا ذکر کیا اور کہا اب آگے نہیں جا سکتا کیونکہ تجلیات ربانی کی تاب نہیں لا سکتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کیسے ساتھی ہیں جبرائیل امین گھر سے بلا کے لانا اور راستے میں چھوڑ دینا دوستی کا اصول تو نہیں۔

ادھی راہ آ کے چھوڑ دینا نئیں سی دوستاں وچ دستور اگے

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا سدرۃ المنتہیٰ سے آگے چلے۔ آپ نے کوئی راستے کا نقشہ (road Map) نہیں پوچھا۔ پوچھنا بھی ہوتا تو کس سے کیونکہ کوئی اس سے آگے کبھی گیا ہی نہیں۔ لیکن حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفر جاری ہے بتایا مجھے راستے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ میں وہیں کا ہوں سب دیکھا ہوا اور جانا ہوا ہے۔

درخت نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا میں اللہ ہوں۔ سوال پیدا ہوتا بول تو درخت رہا ہے۔ یہ تو مخلوق ہے اللہ ہو نہیں سکتا۔ اور درخت کے ذریعے سے اللہ بول رہا ہے ممکن ہے ایسا بھی نہ ہو۔ تو معرفت کے لیے اللہ نے فرمایا میں اللہ ہی بول رہا ہوں اور تجھے نشانیاں دے رہا ہوں جس سے مکمل طور پر ثبوت ہو جائے گا کہ سچ مچ یہ اللہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ سچے دین پر کرے۔ آمین۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ

گیارہواں درس قرآن: ۴، اپریل ۲۰۰۵ء

عورت کی امامت

عنوان — صفحہ نمبر

☆.....امامت کے لیے اہلیت

☆.....نابالغ کی امامت

☆.....دین کے مسائل کی مکمل تحقیق

☆.....امام علی بن ابوبکر مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ

☆.....شارح بخاری امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ

☆.....حضرت ام ورقہ شہیدہ رضی اللہ عنہا

☆.....موذن مرد ہونا چاہیے

☆.....عورت کا تقدس پردے میں ہے

☆.....عورت کی امامت کبھی منسوخ نہیں ہوئی

☆.....حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مناظرہ

☆.....بوقت ضرورت عورت نماز جنازہ پڑھا سکتی ہے

☆.....امام کا خلیفہ ہونا

عورت کی امامت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

{ وَ اِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّھُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ }۔(البقرہ:۱۲۴)

حضرت جل جلالہٗ وعزاسمہ واتم برہانہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ وہ وقت یاد کیجئے کہ جس وقت اللہ رب العزت نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چند باتوں میں آزمایا۔ابراہیم علیہ السلام نے اُن باتوں کو پورا کر دکھایا۔ پروردگار نے فرمایا اے ابراہیم میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ یا امام بناؤں گا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضور کردگار میں عرض کی اے مالک ومولیٰ میری اولاد کو بھی تاجِ امامت اپنی بارگاہ سے مرحمت فرما۔اللہ رب العزت نے فرمایا میرا وعدہ ان کے لیے نہیں جو ظالم لوگ ہیں:

{وَ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ }۔(البقرہ:۹۲۲)

(اور جو اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے تو وہی لوگ ظالم ہیں)

یہ قرآن مجید کی متعین کردہ حدود (Ruling) ہیں کہ اللہ کی سرحدیں توڑنے والے لوگ ظالموں میں شمار ہوتے ہیں۔یعنی اللہ کے قانون سے بغاوت کرنے والوں کو امامت کا عہد عطا نہیں ہوگا۔

امامت کے لیے اہلیت

یہ موضوع (Topic) امامت سے متعلق ہے۔آیتِ قرآنی میں وضاحت کی گئی ہے کہ محض ایک انسانی صورت میں ہونے کی وجہ سے کوئی درجہ امامت پر فائز نہیں ہوگا۔ابراہیم علیہ السلام یوں ہی امام نہیں بنے اُن کے راستے میں امتحانات (Examinations) رکھے گئے۔جب امتحان میں کامیابی حاصل کر لی تو اُنہیں امامت جیسے عظیم درجے کا مستحق قرار دے دیا گیا۔

ثابت ہوا کہ امامت کے لیے صحت عقیدہ، صحت عمل اور استعداد شعور ہونے چاہئیں۔استعداد شعور یہ ہے کہ امامت کی ذمہ داریوں کو پوری طرح سمجھے۔جو شخص امامت کی شرائط پر پورا اترتا ہو۔نماز کی امامت میں اگر کسی طرح کا سقم واقع ہو جائے تو اُس کی تلافی کا کیا طریقہ ہوگا۔نماز کے فرائض، واجبات، سنن ومستحبات، مفسدات اور مکروہات کا علم ضروری ہے۔ قرآن کتنا حفظ ہونا چاہیے اور کس صحت کے ساتھ قرأت کرنی چاہیے یہ معلوم ہونا چاہیے۔نماز کے فرائض ارکان کا ادا کرنا فرض ہے۔فرائض ارکان کی ترتیب برقرار رکھنا واجب ہے۔اگر محل وقوع سے فرض رکن آگے پیچھے کر دیا جائے تو فرض تو ادا ہو

جائے گا مگر واجب رہ جائے گا۔

مثال کے طور پر نماز میں قرآن مجید کا کوئی بھی حصہ پڑھ لیا جائے تو فرض ادا ہو جائے گا جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے: {فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ}۔(المزمل:۲۰)

لیکن ترتیب یہ ہے کہ الحمد شریف آخر تک پڑھنے کے بعد {قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ} یا کوئی سورت پڑھے لیکن اگر {قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ} پہلے پڑھ دے اور فاتحہ شریف بعد میں پڑھے تو ترتیب جاتی رہی اور واجب ترک ہو گیا۔ بھول کر واجب ترک ہو جائے تو نماز کے آخری قعدے میں سجدہ سہو کرنے سے نماز صحیح ہو جائے گی۔ امام کو اتنی علمی صلاحیت حاصل ہونی چاہیے کہ اگر کہیں کوئی غلطی ہو جائے تو اُس کی تلافی (Compensate) کس طرح کرنی ہے۔ اگر نماز کے لیے بقدر ضرورت قرآن نہ یاد ہو اور نماز کے مکروہات و مفسدات کا علم نہ ہو تو ایسا شخص امامت کا اہل نہیں ہے مسلمانوں کی جماعت کے امام کے لیے پہلی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ عقیدے کے اعتبار سے صحیح ہو۔ اگر اعتقاد درست نہیں تو بدعقیدہ امام کی اقتداء میں نماز درست نہیں۔ اور جس کا عقیدہ کفریہ ہو اور مسلمان ہونے کا دعویدار ہو جیسے مرزائی ہیں اُس کے پیچھے نماز کی نیت کر لینے سے ایمان جاتا رہے گا اور مرتد ہو جائے گا۔ اُس کی بیوی مسلمان ہونے کی حیثیت سے اُس کی بیوی نہیں رہے گی اُسے طلاق واقع ہو جائے گی۔ بحیثیت مسلمان جو اُس کے حقوق تھے اُن سب سے وہ محروم ہو جائے گا۔ اگر کسی کو قرض دیا ہوا تھا مرتد ہو جانے کے بعد اپنے قرضے کی رقم کی واپسی کا بھی وہ تقاضا نہیں کر سکتا۔ ارتداد کے بعد سچے دل سے توبہ کر لے تو پھر وہ اسلام میں داخل ہو جائے گا اور اُس کے حقوق اُسے واپس مل جائیں گے۔ اور بیوی کے ساتھ بھی ازدواجی تعلق (تجدید نکاح کے ساتھ) بحال ہو جائے گا۔ اس لیے امامت کے لیے پہلی شرط صحیح العقیدہ ہونا ہے۔ دوسری شرط ایک طبقے کے نزدیک یہ ہے کہ جو قرآن کا اچھا قاری ہو وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے۔ اس سے ایک طبقے نے اختلاف کرتے ہوئے کہا ہے کہ امامت اُسے کرانی چاہیے جس کو قرآن مجید کا زیادہ علم حاصل ہو۔ یہ رائے (Opinion) زیادہ وزنی ہے۔ کیونکہ نماز میں صرف قرآن کا پڑھنا کافی نہیں ہے۔ اُس میں قیام، رکوع قومہ، سجدہ، جلسہ، تحیت، تشہد اور سلام، تسبیحات اور دیگر ارکان نماز کا علم ہونا ضروری ہے اور یہ محض قرآن کا قاری نہیں سمجھتا بلکہ عالم جانتا اور سمجھتا ہے۔

نابالغ کی امامت

اگر مردوں کی جماعت ہے تو اُن کی امامت بالغ مرد ہی کرا سکتا ہے۔ نابالغ کی اقتداء میں بالغ مردوں کی نماز

درست نہیں ہے۔اس لیے کہ نابالغ پر نماز فرض نہیں ہے۔اُس کی نماز مستحب ہے اور نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کا امام نہیں ہوسکتا۔ایک ٹرک لدا ہوا ہو اور اُسے کار کھینچنا چاہے تو نہیں کھینچ سکے گی۔اگر نفل پڑھنے والا امام ہو تو فرض پڑھنے والے اُس کے پیچھے ہوں تو فرض نماز ادا نہیں ہوگی۔اس لیے عاقلوں بالغوں کی امامت مرد ہی کرا سکتا ہے جبکہ امام بھی فرض نماز ادا کرتا ہو۔

دین کے مسائل کی مکمل تحقیق

آج کل عورت کی امامت سے متعلق بحث چل رہی ہے۔ایک طبقہ یہ شور مچا رہا ہے کہ فرض واجب، سنت اور نفل میں مردوں اور عورتوں سب کی عورت امام بن سکتی ہے۔اور ایک طبقہ یہ موقف پیش کرتا ہے کہ عورت کسی صورت میں بھی امام نہیں ہوسکتی۔فرض، سنت، نفل میں عورتوں بچوں کسی کی بھی امامت نہیں کرا سکتی۔

اس مسئلے میں تفصیل درکار ہے۔محض جذبات میں آ کر کوئی فیصلہ نہیں دیا جا سکتا یہ اللہ کا دین ہے اور دین کے مسائل میں بلا تحقیق کچھ بھی کہہ دینا بندگانِ خدا کا شعار نہیں ہے۔پہلے دین کو اچھی طرح سمجھیں اور پوری سوچ اور سمجھ سے کام لے کر کسی دینی مسئلے پر بات کریں۔اگر جلد بازی میں کوئی ایسی بات کر دی جائے جو دینی تعلیمات کی روشنی میں غلط ہو تو خواہ مخواہ بعد میں پریشانی اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اگر کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور مسئلہ پوری طرح علم میں نہ ہو، یاداشت سے محو ہو تو اہل علم یہ کہتے ہیں: اَلقَوْلُ لَا اَعْلَمُ مِنَ الْعِلْمِ (میں نہیں جانتا یہ بھی علم ہے)۔اس بات کا اندیشہ نہ کریں کہ لوگ کیا کہیں گے اور میری عزت میں فرق آئے گا۔آپ کے نزدیک رضائے الٰہی مقصود ہونی چاہیے کہ ہمیشہ وہ بات بتانی ہے جو معیار صحت پر پوری اُترتی ہو۔کوئی بھی یہ دعوے سے نہیں کہہ سکتا کہ میں ہر بات کا علم رکھتا ہوں مسائل دینیہ کی معتبر اور مستند کتب کو دیکھنا (Consult) چاہیے۔اور تحقیق کرنے کے بعد مسئلہ بیان کرنا چاہیے۔

مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) کے تقابلی مطالعے کے مطابق فقہا کی یہ تحقیق ہے کہ عورت مردوں کی امام کسی بھی طرح نہیں ہوسکتی۔دو شخص امام نووی اور امام طبری اس بات کے قائل ہیں کہ مطلقاً عورت مردوں عورتوں سب کی امام ہوسکتی ہے۔فرض، سنت مستحب سب میں امامت کرا سکتی ہے۔یہ ان کی اکیلی رائے (Single Opinion) ہے۔اس رائے کو مذہب کے طور پر مسلمانوں نے تسلیم نہیں کیا۔کئی احادیث جو پیش کی جائیں گی جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت

عورتوں کی فرض سنت اور نوافل میں امام ہوسکتی ہے۔

امام علی بن ابوبکر مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ

فقہ اسلامی کے بہت بڑے امام ہوگزرے ہیں۔ بڑے ہی صاحب تقویٰ عالم دین تھے متواتر بارہ سال آپ روزہ رکھتے رہے۔ سوائے عیدین اور ایام تشریق (ایام منہیہ) کے۔ ایسے مخلص انسان تھے کہ بارہ سال تک روزے رکھتے رہے اور اپنے گھر میں اپنی بیوی تک کو پتہ نہ چلنے دیا۔ اپنے اس عمل کو اتنا مخفی رکھا۔ اپنی نیکی کو چھپانا اخلاص ہے۔ یہ اہل اللہ کا طریقہ ہے۔ آپ کا سن وفات ۵۹۲ھ یا ۵۹۳ھ ہے۔ چھٹی صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ آپ کی تصنیف ''البدایہ فی شرح ہدایہ'' ہے۔ یہ فقہ حنفی کی بڑی معتبر کتاب ہے۔ انہوں نے بارہ سال کے طویل عرصے میں بڑی محنت اور جانفشانی سے اس کتاب کو تصنیف فرمایا اور یہی بارہ سال ہیں جن میں آپ مسلسل روزے سے رہے۔

شارح بخاری امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ

جناب امام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ہدایہ'' (جس کتاب کا پہلے ذکر ہو چکا) کی بارہ جلدوں میں شرح لکھی ہے۔ آپ بے شمار کتابوں کے مصنف ہیں۔ حدیث کی مشہور کتاب بخاری شریف کی شرح ''عمدۃ القاری'' پچیس جلدوں میں لکھی ہے۔ (یہ ساری جلدیں حضرت سیّدی مرشدی قبلہ علام حضرت مفکر اسلام کے مطالعے سے گزری ہیں آپ کے ارشاد کے مطابق ایسی مضبوط باتیں بیان کی گئی ہیں جن کو چیلنج نہیں کیا جاسکا)۔ امام بدرالدین عینی نے سنن ابوداؤد کی شرح بارہ جلدوں میں لکھی ہے۔ ''کنزالدقائق'' کی شرح ''رمزالحقائق'' کے نام سے تصنیف کی ہے۔ جو بات لکھی ہے بعد میں ان کے مقابلے میں قلم اُٹھانے کی کسی کو ہمت نہیں ہوئی ہے۔

حضرت علامہ عینی علیہ الرحمۃ کا سن ولادت ۷۵۸ھ ہے اور سن وفات ۸۵۴ھ ہے چھیانوے سال کی عمر پائی ہے۔ شام کے رہنے والے تھے۔ مصر آ کر آباد ہوئے عین طاب اُن کی بستی کا نام ہے۔ عین اور طاب علیحدہ بستیاں ہیں۔ امام موصوف کے ساتھ عینی مشہور ہوا۔

ان دو بزرگ شخصیات (امام مرغینانی اور امام عینی) کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ عورت کی امامت کے مسئلے میں ان کی کتابوں میں تفصیل بیان کی گئی ہے۔ ان کے حوالے سے مسئلہ امامت کو بیان کیا جارہا ہے۔ ابوداؤد شریف صحاح ستہ میں سے ہے (حدیث شریف کی چھ مسلمہ کتب ہیں جن کی عالم اسلام میں ہمیشہ سرکاری، امتیازی اور مرکزی حیثیت رہی ہے)

حضرت ام ورقہ شہیدہ رضی اللہ عنہا

یہ محترم خاتون حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحابیہ ہیں۔ مدینہ طیبہ کی رہنے والی تھیں اس لیے انصاریہ ہیں۔جس وقت جنگ بدر ہوئی تو انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میدان جہاد میں جانے، زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے اور پانی پلانے کی اجازت چاہی اور عرض کیا کہ اگر میرے مقدر اچھے ہوئے تو اللہ تعالیٰ مجھے شہادت کا درجہ عنایت فرمادے گا۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شمولیت کی اجازت تو نہیں دی لیکن دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ام ورقہ کو شہادت کا مرتبہ عطا فرمائے۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے یہ بات سنی تو اُنہوں نے اُن کی زندگی میں ام ورقہ شہیدہ کہنا شروع کر دیا کیونکہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کا یہ عقیدہ تھا کہ زبان رسالت مآب علیہ الصلوۃ والسلام سے جو بات نکلی ہے اُس نے اُسی طرح ہو کے رہنا ہے۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے علوم غیبیہ عطا فرمائے ہیں۔لہٰذا جو بات فرماتے ہیں وہ صحیح اللہ کے علم میں ہونے والی ہوتی ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے مطابق اُن کا نام ام ورقہ شہیدہ ہو گیا۔حضرت ام ورقہ شہیدہ بیٹی ہیں عبداللہ بن حارث بن نوفل کی غزوہ بدر میں حاضری کی اجازت لینے سے متعلق واقعہ ابوداؤد کی مذکورہ شرح باب الامت نِس آء میں نہیں ہے۔دوسری کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔

حضرت ام ورقہ شہیدہ نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں باقاعدہ تعلیم (Qualification) حاصل کی تھی اور بہت اچھی طرح قرآن پڑھ سکتی تھیں۔

موذن مرد ہونا چاہیے

حضرت ام ورقہ شہیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگی کہ یارسول اللہ میں اپنے گھر میں موذن مقرر کرنا چاہتی ہوں جو ہمارے لیے اذان اور اقامت کہے۔ابوداؤد شریف کی مذکورہ شرح میں اقامت کا لفظ نہیں آیا ایک اور محدث نے بیان کیا ہے۔ایک عمر رسیدہ شخص کو اُن کے گھر میں موذن مقرر کر دیا گیا۔مذکورہ شرح ابوداؤد کے سوا دوسرے شارحین نے لکھا ہے کہ بعض اصحاب رضوان علیہم اجمعین نے کہا کہ اُس موذّن کو ہم نے دیکھا وہ اتنا عمر رسیدہ تھا کہ جوڑے کی زندگی پر قادر ہونا فطرتاً ممکن نہیں تھا۔وہ خوش آواز تھا اور اونچی آواز سے آذان کہہ سکتا تھا۔یہاں غور کیجئے کہ آذان کے لیے مرد کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جس طرح کسی ماں بہن بیٹی کے چہرے کا پردہ ہے اُس کے جسم (Body) کا پردہ ہے اسی طرح عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے۔کیونکہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی آواز زیادہ لطیف ہے۔جسے سن کر مردوں کے ذہن میں بدی کی سوچ آ سکتی ہے اس لیے عورتوں کو اونچی آواز سے بولنے کی اجازت نہیں ہے۔لہٰذا موذّن مقرر کرنے کی شرائط لگائی گئیں کہ ایسی

صفت کا آدمی گھر میں عورتوں کی جماعت کے لیے آذان دے جس کا آنا جانا قابلِ اعتراض نہیں ہے۔ ایسا عمر رسیدہ شخص یا ایسا چھوٹا بچہ جو جوڑے کی زندگی پر قادر نہ ہوں اُن سے عورتوں کو پردہ کرنا ضروری نہیں۔ اس واقعہ سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ عورت آذان نہیں دے سکتی۔ جب حضرت ام ورقہ شہیدہ نے حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اے ام ورقہ خود اذان کہہ لیا کرو۔ اذان کے لیے چند شرائط ہیں جو سنت ہیں۔

۱) کسی نمایاں جگہ کھڑا ہو کر آذان دے

۲) کانوں میں انگلیاں دینا

۳) اپنی آواز انتہائی بلند کرنا (On the top of voice)

۴) جتنی دیر تک سانس روک سکے اتنی دیر سانس روکے۔

یہ سارے امور اس لیے ہیں کہ دیکھنے سننے والوں کو اطلاع ہو جائے کہ نماز کا وقت ہو گیا اور نماز کے لیے اذان کہی جا رہی ہے۔

حضور سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ام ورقہ کی درخواست پر ایک عمر رسیدہ مرد کو موذّن اور امام مقرر کرنا اور اُنہیں خود آذان اقامت اور امامت کی اجازت دینا واضح کرتا ہے کہ عورت اذان نہیں کہہ سکتی اور مردوں کی امامت نہیں کرا سکتی۔ ایک نمایاں جگہ کھڑا ہونے اُونچی سے اونچی آواز سے اذان کے کلمات کہنے سے عورت کا حجاب اور پردہ مجروح ہوتا ہے۔

یہ حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اظہار شفقت بھی ہے کہ میری روحانی بیٹی کے جسمانی اعضاء کو اللہ تعالیٰ نے بہت نرم (Soft) بنایا کہ بہت اُونچا بولنے سے اُس کے گلے کو تکلیف پہنچے گی۔ اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو نرم قسم کی مسواک استعمال کرنے کا حکم دیا تا کہ سخت مسواک کے استعمال سے عورت کے نرم مسوڑوں کو نقصان نہ پہنچے جیسا کہ حدیث صحیح میں بیان ہوا۔ (۱)

عورت کا تقدس پردے میں ہے

عورت عورتوں کی جماعت کرائے یہ جائز ہے اور اس کا ثواب بھی ہوگا۔ مردوں کا عورت کی اقتداء میں نماز پڑھنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیز عورت کے حجاب اور شرم وحیا کے لیے مانع ہے۔

حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

عن عائشة لا أنها كانت تؤذن و تقيم و تؤم النسآء و تقوم وسطهن

(مستدرک، جلد اول، کتاب الصلوۃ)

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نماز پڑھایا کرتی تھیں۔ اس حدیث کو وکیع نے اُنہوں نے ابی لیلیٰ سے اُنہوں نے جناب عطا سے (یہ تابعی ہیں) اُنہوں نے جناب عائشہ صدیقہ سے روایت بیان کی کہ وہ عورتوں کی امامت کرایا کرتی تھیں لیکن عورتوں کے درمیان میں کھڑی ہوتی تھیں۔

معلوم ہوا کہ عورت عورتوں کی امام کی حیثیت سے صف سے الگ آگے مصلیٰ پر کھڑی نہیں ہوسکتی بلکہ صف میں درمیان میں امامت کرا سکتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک تعلیمات ہیں کہ اپنی روحانی بیٹی کے حجابات مردوں کا دیکھنا تو دور کی بات عورتوں کو بھی نہیں دکھانا چاہتے۔ عورت کا عورت سے بھی تقدس ہے۔ عورتوں کو بھی ایک دوسرے کے سامنے تقدس، طہارت اور بزرگی کو زندہ رکھنا ہے اسلام کی نظر میں عورت کی بے پردگی اُس کی بے حرمتی ہے۔ اُس کی بے پردگی کو آزادی کا نام دینا ایک بہت بڑی جہالت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ}۔ (بنی اسرائیل۔ ۷۰)

انسان کو رب تعالیٰ نے بزرگی دی ہے۔ جانور ننگے رہتے ہیں۔ اگر انسان ننگا ہو جائے تو جانور میں اور انسان میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ لیکن انسان کو عقل اور فطرت سلیم دی ہے جو یہ تقاضا کرتی ہے کہ انسان لباس سے اپنے آپ کو ڈھانپ کر رکھے۔ اس میں اُس کی بزرگی ہے انسان کو اللہ نے وہ عزت دی ہے کہ اُسے فرشتوں جیسی نورانی اور پاکیزہ مخلوق کا مسجود الیہ بنایا ہے۔ سب مخلوق کو خدمت کے لیے بنایا ہے اور انسان کو مخدوم بنایا ہے۔ اگر انسان کو بے لباس اور ننگا ہونے کی چھٹی دے دی جائے تو اس سے انسانیت اور اُس کی عزت اور بزرگی زخمی ہوں گے۔ عورت کی آزادی کے نام پر اُسے بے پردہ کر دینا اور اُسے وقت کا فیشن قرار دینا عورت کی عزت اور بزرگی کے ساتھ مذاق ہے۔

امام کا صف سے آگے مصلیٰ پر امامت کرانا ضروری ہے بلا عذر صف میں درمیان میں امام کا کھڑا ہونا مکروہ تحریمہ ہے۔ (مکروہ تحریمی ایسا مکروہ ہے جو حرام کے قریب ہو اور مکروہ تنزیہی جو جائز کے قریب ہو) مصلیٰ امامت کا جماعت کی صفت سے آگے ہونا بزرگی کی بات ہے اور یہ اسلام کا عطیہ ہے۔ لیکن عورت بحیثیت امام عورتوں کی صف کے درمیان کھڑی ہو کیونکہ عورت کے پردے والے اعضاء کا عورتوں سے بھی پردہ قائم رہنا چاہیے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ماہ رمضان شریف میں تراویح کی جماعت بھی کرایا کرتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات (امہات المؤمنین) کے ناخنوں تک کا بھی پردہ تھا۔ ان کے علاوہ مسلمان خواتین کے ہاتھوں کا پردہ نہیں ہے۔

عورت کی امامت کبھی منسوخ نہیں ہوئی

جو طبقہ یہ کہتا ہے کہ عورت کو کسی صورت بھی امامت کرانے کی اجازت نہیں ہے وہ اپنے موقف میں بیان کردہ احادیث کے متعلق کہتے ہیں ابتدائے اسلام میں عورتوں کو جماعت کی اجازت تھی لیکن بعد میں عورتوں کو اپنی جماعت قائم کر کے نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔ اس کا جواب علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ یہ دعویٰ غلط ہے کہ اسلام میں بعد میں عورت کو عورتوں کی جماعت کی امامت کرانا منسوخ ہو گیا اسلام کے شروع کا دور یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا اس وقت تک حضرت عائشہ صدیقہ پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں۔ ہجرت مدینہ سے کچھ عرصہ پیشتر جب حضرت عائشہ کی عمر شریف چھ برس تھی آپ کا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاح ہوا۔ پھر مدینہ شریف ہجرت کی۔ دوسرے سال ہجرت نو سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کی رخصتی ہوئی۔ ہجرت کے بعد مدینہ شریف کا دور اسلام کا بتدائی دور نہیں ہے بلکہ آخری دور ہے۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک اٹھارہ برس ہوئی اُس وقت سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات شریف ہو گئی تھی۔ دوسرے سال ہجرت کو رمضان شریف کے روزے فرض ہوئے تھے۔ یہ کہنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ابتدائی دور میں نماز پڑھاتی تھیں، بعد یہ طریقہ منسوخ ہو گیا۔ یہ تاریخی حقائق سے بھی بے خبری ہے۔

رمضان شریف کی راتوں میں نماز تراویح پڑھی جاتی ہے۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ کے دور میں تراویح جماعت سے نہیں پڑھی جاتی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں بھی تراویح کی جماعت نہیں ہوتی تھی۔ تراویح کی باقاعدہ جماعت کا آغاز حضرت فاروق اعظم کے دورِ خلافت میں ہوا۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے جماعت تراویح کی امامت کی۔ بخاری شریف کے متن میں حدیث ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: نِعمَ الْبِدْعَۃُ ھٰذِہٖ (یہ کیا ہی اچھی بدعت ہے)۔ یعنی حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں کیا نہ ہی تراویح کی جماعت کے بارے میں کچھ ارشاد فرمایا اور خلیفہ اوّل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ

عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں نماز تراویح کی جماعت قائم کرنے کو نہیں کہا۔لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے تراویح جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں پڑھائیں اور اُس وقت سے اُمت مسلمہ نے اسی طریقے کو اپنایا اور تمام طبقے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اس پر کاربند ہیں۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے ہمیشہ بیس رکعت نماز تراویح ادا کی ہے اور اُس کے بعد مسلمانوں کے تمام مذاہب سوائے شیعہ کے اسی پر کاربند ہیں اور بیس رکعت جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

پانچوں خلفائے راشدین کے زمانے میں نماز تراویح بیس رکعتیں ہی پڑھی جاتی رہیں تمام عالم اسلام کے نزدیک متفقہ طور پر پانچ خلفائے راشدین ہیں۔آخری چھ ماہ حضرت امام حسن علیہ السلام خلیفہ راشد رہے اور آپ پانچویں خلیفہ راشد ہیں۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کا مناظرہ

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے مناظرہ ہوا کہ آپ تراویح بیس (۲۰) رکعتیں کیوں پڑھتے ہیں جب کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آٹھ رکعتیں پڑھنا ثابت ہے۔امام صاحب نے جواب دیا کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آٹھ پڑھنا ثابت ہے لیکن اس کے ساتھ بارہ رکعتیں پڑھنا بھی ثابت ہے۔سوال کیا گیا کہ اگر آٹھ رکعتیں پڑھنے کی روایت معتبر ہوئی تو پھر آپ اللہ کی بارگاہ میں کیا جواب دیں گے۔حضرت امام صاحب نے فرمایا کہ بارگاہ الٰہی میں عرض کریں کہ یا اللہ آٹھ سے کم تو نہیں پڑھیں زیادہ پڑھی ہیں اگر ایسا ہے تو تُو کرم فرمانے والا ہے تیری رحمت سے بعید نہیں کہ تیری رضا جوئی میں پڑھی ہیں لہٰذا بیس (۲۰) ہی کا ثواب اپنے فضل سے عطاء فرمادے۔اگر ایسا نہیں ہوسکتا تو آٹھ تو سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق پڑھ لی ہیں لہٰذا آٹھ کا ثواب دے باقی بارہ رکعتیں کاٹ لے۔لیکن اب تم یہ بتاؤ کہ اگر بیس رکعتوں والی روایت صحیح نکل آئی تو تمہارے پاس کیا جواب ہوگا کس طرح کمی پوری کرو گے۔حضرت امام سے ایک اور سوال کیا گیا کہ آپ نماز شروع کرتے وقت کانوں تک ہاتھ لے جاتے ہیں۔جبکہ ہمارے پاس ایسی روایات ہیں جن میں کندھوں تک ہاتھ اُٹھانا سنت سے ثابت ہے۔اگر کندھوں تک ہاتھ اُٹھانے والی روایت صحیح ہوئی تو پھر بارگاہ الٰہی میں آپ کے پاس کیا جواب ہوگا۔حضرت امام صاحب نے فرمایا میں عرض کروں گا۔یا اللہ کندھوں سے گزار کر ہی ہاتھ کانوں کی لو تک لے گئے ہیں اگر تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کندھوں تک ہاتھ اُٹھانا تھی تو ہم نے کندھوں سے اوپر جو لے گئے ہیں اُس کا ثواب کاٹ لے اور باقی ثواب اپنے کرم سے بخش دے۔لیکن تمہارے پاس کیا جواب ہوگا کہ اگر کانوں

کی لوتک ہاتھ لے جانا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہوئی۔ سائل مجبور ہو گئے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میرا مذہب تمہارے مذہب سے زیادہ قوی ہے۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ عورتوں کی جماعت اور عورت کی امامت کے بارے میں جس طبقے کا یہ موقف ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں یہ عمل ہوا تھا لیکن آخر میں منسوخ ہو گیا۔ پہلے تفصیلاً نماز تراویح کی جماعت سے متعلق اس لیے بیان ہوا کہ نماز تراویح کی جماعت عہد فاروقی میں شروع ہوئی اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نماز تراویح کی جماعت کی امامت کراتی تھیں۔ ظاہر ہے یہ جماعت آپ نے اُسی وقت سے شروع کی تھی جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں نماز تراویح کی باقاعدہ جماعت قائم ہوئی اور یہ اسلام کے کامل ہو جانے کے بعد کا دور ہے۔ اس لیے عورتوں کی باجماعت نماز کو منسوخ کہنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ عورت عورتوں کی امام ہو سکتی ہے اور بلا کراہت اُس کی اقتداء میں نماز صحیح ہے۔

بوقت ضرورت عورت نماز جنازہ بھی پڑھا سکتی ہے

محققین کی تحقیق ہے فرضوں، سنتوں اور نفلوں سب کی جماعت ہو سکتی ہے اور عورت اُن کی امام بن سکتی ہے۔ اگرچہ عورتوں کی فرض نماز کی جماعت کرانے سے متعلق علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

ہمارے فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے جنازے کے وقت مرد نہ ہوں اور صرف عورتیں ہوں تو وہ نماز جنازہ اکٹھے پڑھ سکتی ہیں اور عورت نماز جنازہ کی امام ہو سکتی ہے اگر کوئی مرد پیچھے آ کر کھڑا ہو جائے تو مرد کی نماز نہیں ہوگی۔ اور وہ بعد میں پڑھ نہیں سکتا۔ عورتوں نے جو نماز جنازہ پڑھ لی ہے وہ نماز ہو گئی ہے۔

امام کا خلیفہ ہونا

اگر باجماعت نماز ہو رہی ہو اور امام کو اپنے وضو فاسد ہونے کا یقین ہوا۔ تو امامت کے مصلیٰ پر نماز جاری رکھنے کے لیے کسی شخص کو امام اپنا خلیفہ (Assistant) بنا سکتا ہے اور خلیفہ نماز مکمل کرے گا۔ اگر مرد امام تھا اُس نے عورت کو اپنا خلیفہ بنایا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ عورت میں مردوں کی امامت کرانے کی صلاحیت نہیں ہے۔ یہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے ہیں جن کا ماننا اور پابندی کرنا مسلمانوں پر لازم ہے۔

مسلمانوں کے مذہبی پیشواؤں کی اکثریت کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت عورتوں کی امام ہو سکتی ہے۔ فرض و نوافل

سب پڑھا سکتی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورتوں کی امامت کا موقف کمزور ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عورت کا امام ہونا مطلقاً منع ہے۔

امام ثوری اور امام طبری رحمہتہ اللہ علیہما کے نزدیک عورت مردوں اور عورتوں سب کی امامت کرا سکتی ہے۔

یہ اکیلی اکیلی آراء ہیں جسے کثیر اُمت نے تسلیم نہیں کیا۔ مذہب جمہور وہی ہے جس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔

''**البدایۃ المجتھد و نھایۃ المقتصد**'' مذہب اربعہ کی متفقہ کتاب ہے۔ مدینہ شریف یونیورسٹی میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کی جلد دوم صفحہ ۱۰۵ میں عورت کی امامت سے متعلق مکمل بحث ہے۔ اس کتاب کے مصنف کا نام ابنِ رشد ہے جو سپین کے رہنے والے تھے۔

بحر الرائق شرح کنز الدقائق نویں اور دسویں صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ مصنف کا نام ابن نجیم، م 970ھ 1563ء) ہے۔

فتح القدیر ہدایہ شریف کی شرح ہے مصنف ابن الہمام مصر کے رہنے والے تھے سن وفات ۶۸۱ھ ہے۔

عین الہدایہ، اُردو زبان میں ہدایہ کی شرح ہے۔ ایک مشہور کتاب بہار شریعت ہے اِن سب کتب میں عورت کی امامت کا مسئلہ بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ سچے دین پر کرے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ

حواشی

۱ عبدالرحمن بن خالد انصاری روایت کرتے ہیں: عن ام ورقۃ الانصاریۃ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کان یقول: أنطلقوا بنا الی الشھیدۃ فنزورھا وامر أن یؤذن لھا وتقام وتؤم اھل دارھا فی الفرائض

(مستدرک، جلد اول، کتاب الصلوۃ)

بارہواں درس قرآن: ۱۱ مئی ۲۰۰۵ء

آیات قرآنی کی روشنی میں ایمان، استقامت
انفاق فی سبیل اللہ اور نیکی کی اشاعت کی تعلیم

عنوان

☆.....کفار کے بہانے ۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات دیکھ کر بھی ایمان لانے میں حیل وحجت

☆.....ہدایت انسانی کے لیے انبیاء کرام کی بعثت ہوتی رہی

☆.....شاہ نجاشی کے ایمان اور کعبۃ اللہ کی حفاظت کا واقعہ

☆.....کعبہ جھکا اور اُس کے اندر بت گرے

☆.....کتاب اللہ پر ایمان لانے والوں کا دوہرا اجر

☆.....اللہ کا قرب ۔ نفلی عبادت کا فائدہ

☆.....بدی کا تدارک نیکیوں کے ذریعے

☆.....صحابیہ رضی اللہ عنہا کا جذبہ ایثار

☆.....سلام متارکت

☆.....ہدایت دینا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری نہیں

☆.....حرم کے پاس رہنے والوں کی بزرگی

آیات قرآنی کی روشنی میں ایمان، استقامت

انفاق فی سبیل اللہ اور نیکی کی اشاعت کی تعلیم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

{وَلَقَدۡ وَصَّلۡنَا لَهُمُ الۡقَوۡلَ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُونَ} (51الَّذِيۡنَ آتَيۡنَاهُمُ الۡكِتَابَ مِن قَبۡلِهِۦ هُم بِهِۦ يُؤۡمِنُونَ) (52وَإِذَا يُتۡلَى عَلَيۡهِمۡ قَالُوا آمَنَّا بِهِۦٓ إِنَّهُ الۡحَقُّ مِن رَّبِّنَآ إِنَّا كُنَّا مِن قَبۡلِهِۦ مُسۡلِمِيۡنَ) (53أُوْلَٰٓئِكَ يُؤۡتَوۡنَ أَجۡرَهُم مَّرَّتَيۡنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدۡرَءُونَ بِالۡحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقۡنَاهُمۡ يُنفِقُونَ) (54وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغۡوَ أَعۡرَضُوا عَنۡهُ وَقَالُوا لَنَآ أَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ أَعۡمَالُكُمۡ سَلَامٌ عَلَيۡكُمۡ لَا نَبۡتَغِي الۡجَاهِلِيۡنَ) (55إِنَّكَ لَا تَهۡدِي مَنۡ أَحۡبَبۡتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهۡدِي مَن يَشَآءُ وَهُوَ أَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ) (56وَقَالُوٓا إِن نَّتَّبِعِ الۡهُدَىٰ مَعَكَ نُتَخَطَّفۡ مِنۡ أَرۡضِنَآ أَوَلَمۡ نُمَكِّن لَّهُمۡ حَرَمًا آمِنًا يُجۡبَىٰٓ إِلَيۡهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيۡءٍ رِّزۡقًا مِّن لَّدُنَّا وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُونَ) (57وَكَمۡ أَهۡلَكۡنَا مِن قَرۡيَةٍ بَطِرَتۡ مَعِيۡشَتَهَا فَتِلۡكَ مَسَاكِنُهُمۡ لَمۡ تُسۡكَن مِّن بَعۡدِهِمۡ إِلَّا قَلِيۡلًا وَكُنَّا نَحۡنُ الۡوَارِثِيۡنَ) (58وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهۡلِكَ الۡقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبۡعَثَ فِيٓ أُمِّهَا رَسُولًا يَتۡلُوا عَلَيۡهِمۡ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهۡلِكِي الۡقُرَىٰٓ إِلَّا وَأَهۡلُهَا ظَالِمُونَ) (59وَمَآ أُوتِيۡتُم مِّن شَيۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَيَاةِ الدُّنۡيَا وَزِيۡنَتُهَا وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيۡرٌ وَأَبۡقَىٰٓ أَفَلَا تَعۡقِلُونَ}۔ (القصص:60-51)

حضرت جل جلالہٗ وعز اسمہ واتم برہانہ ارشاد فرماتے ہیں۔

ہم نے سلسلہ گفتگو بذریعہ وحی جاری رکھا تا کہ وہ لوگ نصیحت حاصل کرلیں جن کو اس سے پہلے کتاب دی گئی تھی۔ وہ اُس کتاب یا صاحب کتاب پر ایمان لاتے تھے جس وقت یہ کتاب (قرآن مجید) اُنہیں سنائی جائے تو وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لے آئے واقعی وہ ہمارے پالنے والے کی جانب سے نازل کی گئی ہے اور ہم اس سے پہلے ہی اس کو ماننے والے ہیں۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ دوہرا اجر عطاء فرمائے گا۔ اُنہوں نے صبر کیا سابقہ دین پر عمل کرنے، تبلیغ کرنے اور قوم کی مزاحمت برداشت کرنے پر۔ وہ برائی اچھائی سے روکتے ہیں۔ اور جو ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اگر وہ کوئی بیہودہ بات سن لیں تو اُس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے اعمال ہمارے لیے اور آپ کے اعمال آپ کے لیے ہیں۔ تم پر سلام ہو ہم جاہلوں کی جستجو میں نہیں ہیں۔ اے میرے پیارے تو جسے چاہے ہدایت نہیں دے سکتا۔ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت قبول کرنے والوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اور وہ (کفار) کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو ہمیں ہماری زمینوں سے اچک (Kidnap) لیا جائے گا۔ رب تعالیٰ نے جواب ارشاد فرمایا کہ ہم نے اُن کے پاؤں امن دینے والے حرم میں جما نہیں دیئے۔ اس میں ہر طرح کے پھل اکٹھے کیے جاتے ہیں۔ لیکن اُن کی

اکثریت حقیقت کو نہیں جانتی اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کی ہیں جو اپنی معاشی خوشحالی اور طرز زندگی پر نازاں تھے۔ تو یہ رہیں اُن کی قیام گاہیں کہ کبھی کوئی بس سکا ہی نہیں اور ہم اُن جگہوں کے وارثوں میں سے تھے۔ آپ کا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو ہلاک کردے جب تک کہ اُن کے مرکزی شہروں (Central Cities) میں کوئی رسول نہ بھیجے جو اُن پر ہماری آیتیں پڑھے۔ اور یہ کہ اُن کے رہنے والے حد سے تجاوز کرنے والے ہو جائیں۔ جو بھی چیز تمہیں دی جاتی ہے وہ اس دنیوی زندگی کی متاع ہے اور زیبائش و آرائش ہے اور جو اللہ کے حضور ہے وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور زیادہ پائیدار ہے کیا تم جانتے نہیں۔

آیات طیبات کا تحت اللفظ ترجمہ بیان کیا گیا۔

کفار کے بہانے ۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات دیکھ کر بھی ایمان لانے میں حیل و حجت کرنا

پیچھے سے ایک سلسلہ گفتگو چلا آ رہا ہے کہ بنی اسرائیل کے کچھ طبقات نے یہ سوال اُٹھایا تھا کہ اگر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واقعی اللہ کی طرف سے نبی بن کے آئے ہیں تو پھر اِن کے ایک ہاتھ میں عصاء اور دوسرا ہاتھ ید بیضا ہونا چاہیے تھا۔ اِن سے حسی (Perceivable) معجزات ظاہر ہونے چاہئیں۔ جن کو ہر آدمی اپنے حواس سے محسوس (Feel) کر سکے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم تسلیم کر لیتے اور ماننے میں ذرا بھی دیر نہ کرتے۔ گزرے ہوئے رکوع میں پروردگار عالم نے اُن کی اس بات کی تردید فرمائی۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ید بیضا اندھیاری رات میں چمکتا اور ماحول کو روشن کر دیتا تھا۔ دِن کو اگر چمکے تو سورج کی روشنی اُس چمک کے سامنے ماند پڑ جاتی تھی۔ اور آپ کی لاٹھی سمندر کی گہرائی اور آسمان کی بلندیوں تک لمبی ہو جاتی تھی۔ چھوٹی کرنا چاہو تو چھوٹی ہو جاتی تھی۔ ٹیک لگانے، بکریوں کے لیے درخت سے پتے جھاڑنے اور دشمن کو مارنے کے کام آتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے یہ معجزات دیکھ کر اُس وقت بنی اسرائیل بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ایمان نہیں لائے تھے۔ دریا میں اُن کے خشک راستے بنا کر اُن کو فرعونیوں سے بچایا۔ من و سلویٰ اُنہوں نے کھایا۔ بچوں کو سلے سلائے کپڑے پہنائے کپڑے میلے نہیں ہوتے تھے حجامت نہیں بڑھتی تھی۔ اتنا کچھ دیکھنے اور زندگی کی سہولتیں حاصل ہونے کے باوجود وہ ایمان لانے کے بارے میں کج بحثی کرتے رہے کبھی کہتے موسیٰ علیہ السلام جوڑے کی زندگی کے قابل نہیں۔ کبھی کہتے یہ پھلبہری کے مریض ہیں۔

جب صحرائے سینا میں بنی اسرائیل پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہنے لگے یہاں رہنے والوں کا رواج

(Fashion) دیکھو بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ ایک آدمی نے کئی کئی بت رکھے اور اپنی طرح طرح کی حاجات کے لیے اُنہیں پوجتے ہیں۔ یہ مقامی رواج (Local Custom) اور ماحولیات (Local Ecology) سے اتنے متاثر ہیں کہ اللہ کے نبی کو کہتے ہیں ہمیں بت بنا کر دے دیں تاکہ آج کل کے فیشن کی پیروی کرتے ہوئے ہم بھی بت پوجیں۔ نت نئے فیشن کا دباؤ (Pressure) بھی ایک لعنت ہے اور جو اس لعنت میں گرفتار ہو جائے تو یہ جنوں دین وایمان کو برباد کر دیتا ہے۔ اللہ کا نبی توحید الٰہی کی تبلیغ کرتا ہے اور شرک کو حتی المقدور مٹانے کی سعی کرتا ہے اُسی نبی سے یہ تقاضا کیا جائے کہ ہمیں بت پرستی کرنے دو کیونکہ یہ فیشن ہے رواج (Fashion) کی لعنت پرانی چلی آتی ہے۔ مگر پیغمبر خدا ایسی لعنت سے انسانیت کو آزاد کرانے کے لیے آتا ہے۔

آئین نو سے لڑنا طرز کہن پہ اَڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بتایا کہ آج تم ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اُن معجزات کا مطالبہ کر رہے ہو تم اپنے اَباواجداد کے اُس گھٹیا طرز عمل پر غور کر لو کہ اُنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر بھی ماننے کے لیے کئی عذر اور بہانے کیے تھے اور اُنہیں کی تقلید کرتے ہوئے تم ایمان لانے میں بے ہودہ عذر کر رہے ہو۔

ہدایتِ انسانی کے لیے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوتی رہی

اللہ تعالیٰ اُنہیں (بنی اسرائیل) کو بتا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجتے رہے لیکن جب وہ پے در پے نافرمانیاں کرتے رہے تو اُنہیں کئی طرح کی سزاؤں سے گزارا گیا اور اپنی بداعمالیوں کی سزا اُنہیں بھگتنا پڑی۔ اللہ کی طرف سے سلسلہ وحی منقطع نہیں ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء ومرسلین کی آمد ہوتی رہی۔ حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت ذکریا علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے۔ جن کے مقدر میں تھا وہ اُن نبیوں پر ایمان لائے مگر اکثر اُن پر ایمان لانے میں پہلو تہی کرتے رہے۔ {وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ}

انسان کا حق ہے کہ اُسے ہدایت کا سامان مہیا کیا جائے۔ پروردگار عالم نے اپنے ذمہ رحمت یہ بات لی ہوئی ہے کہ

کسی بندے کو اُس وقت ہر آزمائش میں نہیں ڈالیں گے جب تک کہ اُسے تعلیمات سے بہرور نہیں کریں گے۔ ڈیوٹی سمجھانے سے پہلے ڈیوٹی نہیں لیں گے۔ اس کے بعد اگر اُس نے نافرمانی کی اور اللہ کے حکم نہیں مانے تو پھر توبہ کا موقع (Chance) دیا جائے گا۔ لیکن پھر بھی گناہ اور گمراہی کی طرف بڑھتا ہی چلا گیا تو پھر اُسے سزا دی جائے گی۔ آج ہمیں اپنے بارے میں غور وفکر کرنی چاہیے کہ ہم گناہ کر رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ عطا کردہ نعمتیں ہم سے چھینتا نہیں۔ ہمارے جسمانی اعضاء آنکھ کان زبان ہاتھ پاؤں سب برقرار رہتے ہیں۔ زندگی کی آسانیاں بھی میسر ہوتی ہیں۔ اگر گناہ کر رہے ہیں تو سب کچھ چھن جانا چاہیے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ میری عادت نہیں ہے کہ انسان کو زندگی کی سہولتوں سے محروم کردوں البتہ جب وہ ساری حدوں کو پھلانگ جائے تو پھر وہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ یہ ہمارے لیے عبرت ہے کہ پہلی قوموں نے اللہ تعالیٰ کی مہلت سے ناجائز فائدہ اُٹھایا اور غلط نتیجہ اخذ کیا اور گناہوں پر قائم رہے ہمیں بھی اُن کی طرح خدا کی چھوٹ پر مغرور ہو کر بدی کو جاری نہیں رکھنا چاہیے۔ اقوام عالم کے حالات وواقعات جن کا تذکرہ قرآن حکیم میں ہوا ہے اُنہیں سن کر نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔

شاہ نجاشی کے ایمان اور کعبۃ اللہ کی حفاظت کا واقعہ

اللہ کریم فرماتے ہیں: {اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ}

اُس قوم کو گلہ کیا گیا جو نافرمان تھی۔ لیکن چند لوگ ایسے تھے جنہوں نے حق بات کو مان لیا۔

اس سے مراد حبشہ کے لوگ ہیں جنہوں بخوشی اسلام قبول کیا۔ اُنہوں نے اپنے بادشاہ نجاشی کو مسلمان ہوتے دیکھا۔ سب سے پہلا بادشاہ جو مسلمان ہوا وہ حبشہ کا بادشاہ ہے۔ اُس کے اسلام لانے کا اہم سبب یہ تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلادِ پاک کی تاریخ پر ابرہہ ہاتھی لے کر کعبہ شریف پر حملہ آور ہوا۔ لیکن ابابیلوں نے کنکریوں سے اُس کے پورے لشکر کو ہاتھیوں سمیت مار ڈالا تھا۔ ایک ہاتھی جس کا نام محمود تھا بچ گیا اُسے سزا نہ ملی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد کریم حضرت عبدالمطلب جب ابرہہ کے پاس تشریف لائے تو یہ ہاتھی (محمود) اُن کے سامنے سجدے میں گر گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سبب سے اُسے عذاب سے نجات عطاء فرمائی۔

ایک آدمی جس کا نام ابوخیثوم تھا اپنے ہاتھی سمیت ابابیلوں کے حملے سے بچ گیا یہ ابرہہ کا وزیر اعظم تھا۔ ابرہہ کی یمن میں حکومت تھی اور یمن شاہ حبشہ (Negus) کے تحت تھا۔ اس پورے خطے پر حکومت نجاشی (شاہ حبشہ) کی تھی۔ ابرہہ یمن میں شاہ حبشہ کا نائب سلطنت (Viceroy) تھا۔ ابوخیثوم اپنے ہاتھی پر سوار ہو کر یمن پہنچا اور وہاں لوگوں کو ابرہہ اور سارے لشکر کی ابابیلوں کے حملے سے تباہی کا سارا واقعہ سنایا۔ اور اُس کے فوراً بعد بحر احمر (Red Sea) عبور کر کے وہ حبشہ

پہنچا۔ آج کل حبشہ کا نام ایتھوپیا ہے۔ اُس نے بادشاہ (نجاشی) کے دربار میں بتایا کہ ہم پر کس طرح پرندے حملہ آور ہوئے اور کسی طرح چھوٹے چھوٹے پرندوں (ابابیل) نے چونچوں میں کنکر لے کر اُن کے لشکر پر بمباری کی اور سارے لشکر کو تہس نہس کر کے رکھ چھوڑا۔

جب ابوخیثوم مکہ شریف سے بچ کر نکلا تو ایک ابابیل اپنی چونچ میں کنکر لے کر اُس کا پیچھا کرتا ہوا یمن پہنچا اور پھر حبشہ پہنچ گیا۔ جب وہ بادشاہ کو اطلاعات دے کر اُس کے دربار سے باہر نکلا تو وہ ابابیل باہر فضا میں چکر لگا رہا تھا۔ جیسے ہی وہ باہر آیا اور نجاشی اپنے دربایوں سمیت اُسے الوداع کہنے کے لیے آیا عین اس موقع پر ابابیل نے ابوخیثوم پر کنکر گرایا اور اُسے وہیں ڈھیر کر دیا۔ اس واقعے سے نجاشی کو یہ باور کرا دیا گیا کہ تم نے ابابیلوں کے ذریعے سے ابرہہ اور اُس کے پورے لشکر کی ہلاکت کا منظر تو نہیں دیکھا تھا اس لیے یہاں تمہیں دکھا دیتے ہیں کہ اللہ چاہے تو ابابیل ہاتھیوں کو مار سکتے ہیں۔

اس سے یہ واضح کیا گیا میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ کعبہ شریف اور مکہ کی اللہ تعالیٰ نے حفاظت فرمائی۔ اور بتایا اللہ حقیر ترین جانوروں کے ذریعے سے کیسے دفاع (Defence) فرماتا ہے۔ اس وقت سے نجاشی کے دِل میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقدس کا ایک نقشہ قائم ہو گیا تھا۔

ابابیل محض کعبہ کی حرمت کی وجہ سے حملہ کرنے نہیں آئے تھے۔ بخت نصر بابل کا بادشاہ (Babylon King) بیت المقدس پر حملہ آور ہوا اُس نے اُس کی حرمت پامال کی۔ وہاں گندگی پھینکی دیواروں کو گندگی سے لیپ دیا لیکن اس موقع پر ابابیل نہیں آئے۔ پتہ چلا محض کعبہ کی حرمت کے لیے ابابیل نہیں آئے بلکہ محبوب کردگار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ کی برکات تھیں کہ دشمنان کعبہ کو اللہ نے ذلیل کر کے ہلاک کر دیا۔

کعبہ جھکا اور اندر رکھے ہوئے بت گرے

اہل مکہ اس موقع پر یہ بتاتے تھے کہ میلاد النبی کی تاریخ ہم نے دیکھا کعبہ جھک گیا اور اُس کے اندر موجود بت اوندھے ہو کر گر پڑے تھے۔ ممکن ہے ابابیلوں نے کعبہ کے تقدس کے لیے ابرہہ کے لشکر پر کنکریوں سے بمباری کی ہو لیکن کعبہ کا جھکنا اور بتوں کا گرنا کس وجہ سے ہوا؟ کعبہ شریف کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت گاہ کی جانب خم آیا اور وہ جھک گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دولت کدہ مبارک کعبہ شریف کے مشرق کی طرف ہے۔ کعبہ میں بتوں کا رخ مغرب کی طرف تھا۔ گرتے وقت بتوں کو مغرب کی جانب گرنا چاہیے تھا مگر وہ اس کے برعکس مشرق کی طرف گرے جدھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت گاہ تھی۔ وہاں رہنے والوں نے اس تاریخ دیکھا روشنیاں (Lights) حجرہ مقدسہ کے گرد اگرد گھومتی

تھیں۔ یہ حجرہ مبارکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جائے پیدائش تھا۔

غلامان مصطفی کی سب سے پہلی جماعت اعلانِ نبوت کے بعد حبشہ ہجرت کر کے گئی اس جماعت کے قائد حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ تھے۔ یہ حضرت مولا مرتضیٰ کے بڑے بھائی تھے۔ اِن کے پیچھے کفار مکہ کا وفد ابوسفیان کی قیادت میں حبشہ پہنچا۔ ابوسفیان نجاشی سے جا کر ملا اور بتایا کہ ہمارے ہاں سے ایک باغی گروہ (Group) آپ کے ملک میں پناہ گزین ہوا ہے۔ یہ ایک نیا مذہب پھیلا رہے ہیں اور تمہارے مذہب عیسائیت کے بھی سخت مخالف ہیں یہ یہاں کے ملکی حالات خراب کر دیں گے اس لیے اُنہیں ہمارے حوالے کر دیں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلایا اور حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم کوئی نیا دین لے کر آئے ہو۔ حضرت جعفر طیار نے فرمایا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے جسے قرآن مجید کہتے ہیں میں آپ کو یہ قرآن سناتا ہوں جس میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر خیر ہے۔ آپ نے سورۂ مریم تلاوت کی۔ کلام الٰہی سن کر نجاشی پر رقت طاری ہوگئی اور وہ زار و قطار رونے لگا۔ کہنے لگا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن کا یہ بیان اس تنکے کے برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہے۔ یہ پوری طرح حق (Exactly Right) ہے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔

کعبہ جھکا اور اُس کے اندر بت گرے۔ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کے اظہار کے لیے تھا اور ابابیلوں کے ذریعے سے اللہ نے کعبہ کی حفاظت کی یہ بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد شریف کی برکت تھی۔

کتاب اللہ پر ایمان لانے والوں کا دوہرا اجر

ارشاد باری تعالیٰ ہے: {اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ}

نجاشی کے اسلام قبول کرنے کے بعد حبشہ سے ایک جماعت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ حبشہ والے قرآن پر پہلے سے ہی ایمان رکھتے ہیں۔ اُنہیں تورات اور انجیل پڑھائی گئی تھی اور اِن کتابوں میں حضور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری آپ کے اعلان نبوت آپ کی صورت و سیرت اور اوصاف جمیلہ کا مکمل نقشہ بیان کیا گیا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک جسم کے خدوخال، قد کی لمبائی، آنکھوں کے زاویے، مبارک انگلیوں کی موٹائی اور لمبائی، چھاتی کی چوڑائی، ناخنوں کا لمبوترا پن، داڑھی مبارک، گردن کی اونچائی وغیرہ سارے احوال تورات شریف میں بیان ہوئے۔ اب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک وجود سامنے ہے اور کتب سابقہ میں بیان کردہ احوال بھی ہیں اُن سے موازنہ (Compare) کیا جائے تو سرمو بھی فرق نہیں۔

قرآن ارشاد فرماتا ہے: {يَعْرِفُوْنَه كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ} (البقرہ:۱۴۶)

جنہوں نے آسمانی کتب کو پڑھا ہوا ہے وہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ علمائے یہود میں سے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ میرے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچاننا بیٹوں کو پہچاننے سے کہیں بالاتر ہے۔ اپنے بیٹے کے بارے میں پھر بھی شبہ ممکن ہے کہ بیوی نے کوئی خیانت ہی نہ کی ہو لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہچان میں کوئی شائبہ تک نہیں ہوسکتا کیونکہ اِن کی پہچان خود خالق و مالک رب تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور اپنی کتابوں کے ذریعے کرائی ہے۔

قرآن پاک کی اکثر سورتیں سورۃ اللیل، سورۃ الضحیٰ، سورۃ الکوثر وغیرہ پوری کی پوری تورات میں اسی ترتیب سے لکھی ہیں فقط زبان کا فرق ہے کہ قرآن عربی زبان میں ہے اور تورات کی زبان عبرانی ہے۔

قرآن نے ان بندوں کی تعریف (Appreciation) کی کہ وہ پہلی کتابوں پر بھی ایمان لائے تھے اور اب قرآن اور صاحب قرآن پر ایمان لانے کی سعادت حاصل کی ہے اس لیے ان کو دوہرا اجر ملے گا۔

اس سے صوفیا کا یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ فالتو عبادات کا ثواب اُسی قدر بڑھتا ہے۔ اسی لیے وہ چلہ کشی کرتے ہیں، مراقبے کرتے ہیں اوراد و ظائف پڑھتے ہیں۔ ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ زائد (Extra) محنت کرتے ہیں اُس کا اجر بھی اُنہیں زیادہ دیا جائے گا۔

اللہ کا قرب ۔ نفلی عبادت کا فائدہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم :'' إن اللہ قال: من عادی لی ولیاً فقد آذنته بالحرب، وما تقرب إلی عبدی بشیء أحب إلی مما افترضت علیه، وما یزال عبدی یتقرب إلی بالنوافل حتی أحبه، فإذا أحببته کنت سمعه الذی یسمع به، وبصره الذی یبصر به، ویده التی یبطش بها، ورجله التی یمشی بها، وإن سألنی لأعطینه، ولئن استعاذنی لأعیذنه'' رواہ البخاری. (صحیح البخاری، کتاب الرقاق)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اُس کے ساتھ میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔ اور میرا بندہ میری طرف سے فرض کی ہوئی چیزوں سے جو مجھے پسندیدہ ہیں میرا قرب نہیں حاصل کرسکتا۔ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے مجھ سے قرب حاصل کرتا

رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اُس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اُس کی آنکھ بن جاتا ہوں جسے وہ دیکھتا ہے اُس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اُس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اُسے دیتا ہوں اور اگر وہ میری پناہ مانگتا ہے تو اسے پناہ دیتا ہوں۔ جو میں کام کرنا چاہتا ہوں اُس میں مجھے پس وپیش نہیں ہوتا جیسا کہ مجھے اس مومن کی جان کے بارے میں پس وپیش ہوتا ہے جو موت کو پسند نہیں کرتا اور میں اُس ناگواری کو پسند نہیں کرتا)۔

فرض نماز کا ثواب نفلوں سے زیادہ ہے اور فرض مقررہ (Prescribed) عبادت ہے اُس میں کمی بیشی نہیں کی جاسکتی۔ یعنی چار رکعت فرض ہیں تو چھ رکعت نہیں پڑھ سکتا۔ مگر نفلوں میں گنجائش ہے اور بندہ نوافل سے اللہ کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قرب زیادہ سے زیادہ چاہے تو اس کو حاصل کرنے کے لئے فرضوں میں اضافہ نہیں کرسکتا۔ لہٰذا نفل زیادہ سے زیادہ پڑھ سکتا ہے۔ اس لیے نوافل کی جتنی ادائیگی کرتا جائے اُسی قدر قرب خداوندی زیادہ ہوتا جائے گا۔

بدی کا تدارک نیکیوں کے ذریعے

{وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ}

ایک جماعت (حبشہ والوں کی جن کا ذکر ہوتا چلا آرہا ہے) مدینہ طیبہ میں حاضر تھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے وہ دین کی باتیں سیکھتے تھے۔ کفار اِن سے طنز واستہزا کرتے تھے لیکن وہ جواب میں ان کو اچھی نصیحتیں کرتے تھے۔ اور اُن کے برے رویے سے درگزر کرتے پروردگار عالم نے اِن نیک بندوں کہ اس رویے (Attitude) کو سراہا۔

وہ بندگان خدا راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ قرآن میں جہاں اقامتِ صلوٰۃ کا حکم ہے وہاں ساتھ ادائے زکوٰۃ کا حکم دیا جاتا ہے۔ نماز ادا کرنے کے لیے بندہ مکمل طور پر پاک ہوکر کھڑا ہوتا ہے لیکن اُس کے فوراً بعد زکوٰۃ دینے کے معنیٰ کیا ہیں۔ ہمارے فقہا کی تحقیق ہے کہ بدنی عبادات کی قبولیت کا مدار مالی عبادت پر ہے۔ محض بدنی عبادت تو منافق بھی کرسکتا ہے۔ مدینہ طیبہ میں منافق اذانیں کہتے اگلی صف میں نماز پڑھتے داڑھیاں رکھی ہوئی تھیں۔ پائنچے پنڈلیوں تک چڑھا لیتے تھے۔ لیکن جس وقت راہ مولیٰ میں خرچ کرنے کو کہا جاتا تو صفوں میں سے کھسک جاتے اور غائب ہوجاتے تھے۔ بدنی عبادت کی قبولیت کا انحصار مالی عبادت پر ہے۔ {فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ}۔ (اے محبوب نماز پڑھ اور قربانی کر)

ارشاد باری ہے: {تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ} (القدر: ۴)

(لیلۃ القدر کو جبرائیل امین اور باقی فرشتے اپنے رب کی اجازت سے زمین پر آتے ہیں)

یہ اللہ کا حکم اُنہیں نہیں ہوتا کہ زمین پر جاؤ بلکہ وہ اپنی مرضی سے آتے ہیں اور آنے کے لیے اپنے رب سے اجازت طلب کر کے زمین پر آتے ہیں۔

یہ اللہ کا حکم اُنہیں نہیں ہوتا کہ زمین پر جاؤ بلکہ وہ اپنی مرضی سے آتے ہیں اور آنے کے لیے اپنے رب سے اجازت لیتے ہیں۔ حکم دینے والا جب حکم دیتا ہے تو وہ اُس کی مرضی ہوتی ہے۔ لیکن جب کوئی اجازت لیتا ہے تو وہ اجازت لینے والے کا اپنا مقصد (Purpose) ہوتا ہے۔ اُس میں اجازت دینے والے کی دلچسپی (Interest) نہیں ہوتی۔

زمین پر بسنے والی مخلوق کتنے ہی گناہوں میں مبتلا ہوتی ہے۔ زمین کئی طرح کی معصیتوں کی جگہ ہے۔ مگر پھر بھی آسمانوں کی بلندیوں کو چھوڑ کر زمین پر آنے کی فرشتے تمنا کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ساتھ ہی ایسے بندے زمین پر رہتے ہیں جو راہ الٰہی میں اپنے جان و مال کی قربانیاں کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ یہ پر کیف نظارے آسمانوں پر دیکھنے کو نہیں ملتے۔ یہاں عاشقوں کی جماعت ہے جو عشق الٰہی اور للّٰہیت سے سرشار ہے۔ شب قدر اُن کا تماشا دیکھتے ہیں کہ کس طرح اپنے مولا کو یاد کر کر کے اپنے گناہوں پر شرم و ندامت کے آنسو بہاتے ہیں، گریہ وزاری کرتے ہیں اور توبہ و استغفار کرتے ہیں۔ فرشتوں کو زمین پر آ کر یہ محبت بھرے پر کیف مناظر دیکھ کر لذت حاصل ہوتی ہے۔

حدیث قدسی ہے: لَاَنِیْنُ الْمُذْنِبِیْنَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ زَجَلِ الْمُسَبِّحِیْنَ۔

(ایک گناہگار کا رونا مجھے تسبیحوں کی گونجتی آوازوں کے مقابلے میں زیادہ اچھا لگتا ہے)۔

(کشف الخفاء ومزیل الالباس 298، 805/، فی باب حرف الھمزۃ مع النون/ روح المعانی 196/30، القدر، داراحیاء التراث، بیروت)

حدیث قدسی اُس حدیث کو کہتے ہیں جسے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کی طرف منسوب (Refer) کر کے بیان فرماتے ہیں۔ جب کوئی تسبیحیں کہتا ہے تو بندے کا یہ ذوق اللہ کی بارگاہ میں نتیجہ لاتا ہے لیکن اس میں بندے کی اپنی شان کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ جب بندہ گناہوں پر شرمندہ ہو کر روتا ہے تو اللہ کی رحمت موجزن ہوتی ہے اور اس وقت اللہ کی شان ظاہر ہوتی ہے اور اللہ کی یہ شان زمین پر دیکھی جاتی ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہا کا جذبہ ایثار

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی جانی و مالی ایثار کی مثالوں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک مشن کی خاطر اپنا سب کچھ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے قدموں میں لاکر رکھ دیا۔ پوچھنے پر بتایا کہ گھر میں اللہ اور اُس کا رسول چھوڑ کے آیا ہوں۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تو سامنے تشریف فرما ہیں پھر بھلا رسول کو گھر کے چھوڑ آنے کے کیا معنیٰ ہیں؟ معلوم ہوا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ ہے کہ میرے رسول حاضر و ناظر ہیں۔ ادھر بھی میرے رسول موجود ہیں اور اُدھر بھی میرے رسول موجود ہیں۔ ہر صحابی نے مقدور بھر مال پیش کیا۔ ایک صحابیہ جس کا خاوند اور بیٹے مختلف جہادوں میں شہید ہو گئے تھے اور اُس کے پاس دینے کو کچھ نہیں تھا۔ اُس نے اپنے بال کاٹے اور مینڈھیاں بنا کر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس اس وقت کچھ نہیں لہٰذا اپنے بالوں کی مینڈھیاں پیش کر کے اپنی حاضری بارگاہ اقدس میں لگا رہی ہوں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے کہ میری محبت میں ایسا جذبہ ایثار کہ میری ملت کی بیٹیوں نے میرے مشن کی سربلندی کے لیے اپنے سر کے بال پیش کر دیئے ہیں۔ آج کے دور میں عورتوں کا بال کٹوانا ایک فیشن بن گیا ہے۔ یہ عورت کے لیے حرام ہے۔ سر کے بال عورت کی زینت ہے۔ دنیا کے سارے زبان وادب (Literature) عربی فارسی اُردو پنجابی انگریزی میں شعراء نے عورت کے بالوں کو ایک حسن اور زیور کی حیثیت سے بیان کیا ہے۔ بالوں کی لمبائی گھنگریالے پن، گھنے اور سیاہ بال ہونا یہ باتیں بطور حسن ذکر ہوتی چلی آئی ہیں۔ لیکن ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے یہی بال خلوص نیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دین کی عزت کے لیے پیش کیے۔ حضرت صدیق اکبر حضرت فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی اور دیگر اصحاب رضی اللہ عنہم کے سارے مال کو اکٹھا کر کے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے اُس خاتون کی مینڈھیاں نمایاں طور پر سب سے اوپر رکھ کر واضح کیا کہ ہماری روحانی بیٹی کی اِن باتوں کی قیمت سب قربانیوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

ہمارے مشائخ عبادات و ریاضات، مراقبات کے ساتھ صدقات و خیرات کی تلقین کرتے ہیں۔ یہ اُسی کی بنیاد پر ہے کہ رمضان کے روزے رکھ کر صدقہ فطر ادا کرو۔ بدنی عبادت کے ساتھ مالی عبادت بھی کرو۔ حج کے موقع پر مناسک حج کی ادائیگی بدنی عبادت ہے لیکن ساتھ قربانی بھی دو تا کہ سوسائٹی کو بھی فائدہ پہنچے۔ رزق حلال کمانا عبادت ہے سارا سال نمازیں پڑھی ہیں اس کے ساتھ اپنے مال کا اڑھائی فیصد (چالیسواں حصہ) زکوٰۃ ادا کرو۔ آپ نے فصل کاشت کی اس کے لیے ایک عرصہ محنت کی۔ اُس محنت کا پھل آپ کو ملا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا اس میں سے عشر (دسواں حصہ) غریبوں میں تقسیم کرو۔ رزق حلال کمانا یہ بدنی عبادت ہے لیکن اس میں سے غریبوں کو دینا یہ مالی عبادت ہے۔ رب کی رضا جوئی اس میں ہے کہ اُس کی راہ میں مال خرچ کیا جائے۔

سلام متارکت

قرآن فرماتا ہے:

{وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ}

پہلے بیان ہو چکا کہ کفار مسلمانوں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے اور پھبتیاں اُڑاتے تھے۔ اہلِ ایمان نے اُن کی طرف سے منہ موڑ لیا اور اُن سے صرف یہی کہتے کہ ہمیں تم سے کیا غرض۔ تمہارے اعمال تمہارے لیے اور ہمارے اعمال ہمارے لیے۔ اور اُنہیں دور سے سلام کہتے ہیں۔ یعنی سلام متارکت کرتے ہیں۔ یہ سلام متارکت سلامتی کی دعا نہیں بلکہ اُن سے علیحدگی کی بات ہوتی ہے۔ یہ بھی صوفیا کا طریقہ ہے کہ جاہل لوگوں کے ساتھ بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہوتا ہے اور وقت کا ضیاع ہے تو اُنہیں سلام متارکت کہیں:

اگر بینم کہ بینا چاہ است
اگر خاموش برشینم خطا است

لیکن یہ اُس وقت کا کردار تھا جب کہ ابھی اسلام پوری طرح قوی نہیں تھا۔ اسلام کی ترقی کے لیے اہل باطل کے طعن و استہزا سے چشم پوشی کرنا پڑتی تھی یہی وجہ ہے کہ اُس وقت تک مسلمانوں پر کفار کے خلاف جہاد فرض نہیں ہوا تھا اور مسلمانوں کو کفار کی ریشہ دوانیوں پر صبر کرنے کی تلقین کی جاتی رہی لیکن جب مسلمانوں کی جماعت مضبوط ہوگئی اور اسلام و ایمان کی محبت پوری طرح اُن کے دلوں میں راسخ ہوگئی تو پھر کفار و منافقین کے خلاف آوازِ حق بلند کرنے اور اُن سے اپنے دفاع میں جنگ و جدل کرنے کا حکم دے دیا۔ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

{وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا} (النساء:۷۵)

(اور تم کو کیا ہوا ہے کہ خدا کی راہ میں اور اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو اس شہر سے جس کے رہنے والے ظالم ہیں نکال کر کہیں لے جا اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما)

اس طرح کی آیاتِ قرآن سے اُن احکام کو منسوخ کر دیا گیا جن میں کفار کی ایذاء رسانیوں پر مسلمانوں کو صبر اختیار کرنے کی تلقین کی گئی یا مسلمانوں کا عمل کہ جو اُس وقت کے لیے قابل تعریف تھا کہ وہ دشمنانِ حق کی شرارتوں سے تعرض

کرتے اور اُن سے سلام متارکت کرتے تھے۔

ہدایت دینا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داری نہیں

ساری انسانیت کو ہدایت دے دینا یہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ پر نہیں چھوڑا گیا یہ اللہ کی مرضی ہے وہ جسے چاہے ہدایت دے اور وہ ہدایت والوں کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُسے ہدایت عطا کرے گا جو حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چاہے گا۔

بعض لوگوں نے کہا کہ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت ابوطالب کے بارے میں ارشاد ہو اہے۔ یہ رائے (opinion) نہایت ہی کمزور ہے۔ جب حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا آخری وقت تھا تو کفار مکہ اُن کے پاس آئے اور کہا اے ابوطالب اپنے بھتیجے کو نئے دین کی تبلیغ سے باز کراؤ۔ وہ ہمارے باپ دادوں کے مذہب کی مذمت کرنا بند کردے۔ اگر وہ باز نہیں آتا تو پھر ہمارا سلوک اُس کے ساتھ اچھا نہیں ہوگا۔ حضرت ابوطالب نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلایا اور بتایا کہ آپ کے دین کے دشمن آپ کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ میرے بعد یہ آپ کو نقصان پہنچائیں گے اس لیے آپ ایسا طریقہ کار اختیار کریں کہ اِن (کافروں) کے شر سے محفوظ رہیں سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اگر آپ کلمہ ایمان پڑھ لیتے تو پھر آپ کی باتوں پر میں غور کرتا۔ جب کفار وہاں سے چلے گئے تو بعد میں دیکھا کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ہونٹ ہلتے دیکھے گئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا کان حضرت ابوطالب کے ہونٹوں سے لگایا تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ یہ وہی بات کہہ رہے ہیں جو آپ اِن سے فرما رہے تھے۔ یعنی حضرت ابوطالب نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ (یہ واقعہ سیرت ابنِ ہشام اور اس کی شرح الروض الانف، جلد اول، باب وفاۃ ابی طالب میں درج ہے)

ہدایت کا سلسلہ حضور سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہیں چھوڑا گیا۔ کیونکہ آپ رحمت عالم ہیں۔ اور اس رحمت کا تقاضا ہے کہ دوست ہو دشمن ہو، پتھر مارنے والے ہوں، گالیاں دینے والے ہوں۔ ایذائیں دینے والے ہوں اپنے شہر سے نکالنے والے ہوں سب کے لیے دعائیں کی جاتی ہیں سب کے لیے ہدایت کی تمنا رکھتے ہیں اور سب کو جہنم سے آزاد دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اگر ہدایت سرکار دو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاہت پر چھوڑی جاتی تو پھر کوئی کافر نہ رہتا۔ لیکن رب فرماتا ہے کہ دوزخ کس لیے بنائی ہے لہٰذا جو میرے محبوب کو دُکھ دینے والے ہیں اُسے زخمی کرنے والے ہیں اُن کے لیے ہدایت ہے ہی نہیں۔ اُن کا ٹھکانا جہنم ہے۔

حرم کے پاس بسنے والوں کی بزرگی

ارشاد ہوتا ہے: {اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا}

انتقالات کلام کے تحت کفار مکہ کی پھر بات شروع ہوئی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی ہم سمجھ گئے ہیں اور واقعی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے ماننے والے سچے ہیں۔ ہمارا بھی جی چاہتا ہے کہ ہم پکے اور سچے مسلمان بن جائیں مگر ہماری سیاسی، معاشرتی اور کاروباری مجبوریاں ہیں۔ اس طرح کے عذر اور بہانے ہمیشہ ہر دور میں ہوتے رہے ہیں اور آج بھی یہی حال ہے۔ مرد اور عورتیں سب کہا کرتے ہیں کہ اس معاشرے میں سوشل بن کر رہنا پڑتا ہے۔ جیسا ماحول ہو اُس کو اپنائے بغیر بھی گزارہ نہیں اگر ہم صرف دین کی پابندی کریں تو عام معاشرے سے کٹ کر رہ جائیں اور جدید طرزِ زندگی اختیار کرنے کے لیے دینی و مذہبی پابندیوں سے آزاد ہونا ہماری مجبوری ہے۔

یہی بات کفار نے کہی کہ یارسول اللہ! اگر ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو یہ گردونواح میں بسنے والے ہمارا جینا دوبھر کر دیں گے اور ہمیں اُچک (Kidnap) کر لے جائیں گے۔ قرآن مجید نے بڑا خوبصورت جواب ارشاد فرمایا:

{أَوَلَمْ نُمَكِّن لَّهُمْ حَرَماً آمِناً يُجْبَى إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقاً مِّن لَّدُنَّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ}۔

اس سے پیشتر ہم نے اُنہیں پرامن حرم میں ٹھکانا دیا۔ کل کی بات ہے ابرہہ اپنی پوری قوت کے ساتھ کعبہ شریف کو گرانے آیا تھا۔ ابابیل کے لشکر بھیج کر حرم اور اُس کے یہاں بسنے والوں کو بچایا۔ کون ہے جو تمہیں اُچک لے جائے اور تمہیں نقصان پہنچا سکے۔ {لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ إِلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ}۔ اس واقعے سے قریشیوں کو اپنی عزت کا بڑا احساس ہونے لگا اور یہ بات اُن کے لیے باعث فخر ٹھہری کہ باہر کی قوموں کے دِلوں میں ہماری عزت پیدا ہوگئی ہے کہ یہ لوگ بزرگ ہیں سرزمین حرم کے رہنے والے ہیں اگر کوئی اِن سے چھیڑ چھاڑ کرے تو پرندے مارنے کے لیے آجاتے ہیں۔

انہیں بتایا کہ اللہ نے تمہیں امن اور عزت عطاء فرمائے ہیں۔ یہاں زراعت کے لیے کھیت نہیں، باغات نہیں ہر طرف پہاڑ ہیں پتھریلی زمین ہے نہ فصلیں پیدا ہوتی ہیں اور نہ پھل پھول اُگتے ہیں اس کے باوجود پینے کے لیے اور دیگر ضروریات کے لیے زمزم کا چشمہ دیا جس کا پانی کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ پھلوں اور کھانے پینے کی چیزوں کی مکہ اور مدینہ شریف میں بھرمار ہے بڑے بڑے کاروباری مراکز (Shopping Centre) یہاں ہیں۔

بعض لوگوں کو جن میں اکثریت عورتوں کی ہے کہ جن میں دینداری نام کی چیز کم ہی ہے۔ شاید ہی کبھی یہ نماز پڑھتے ہوں، روزے رکھتے ہوں لیکن عمرے کے بہانے مکہ شریف اور مدینہ شریف پہنچے ہوتے ہیں اُنہیں صرف سیر و سیاحت اور

وہاں خرید وفروخت کا شوق کھینچ کے لے آتا ہے۔ اُن کا اصل مقصد حج یا عمرہ کرنا نہیں ہوتا۔

اگر کوئی اِن مقدس مقامات پر حج یا عمرے کی نیت سے جاتا ہے۔ وہاں عبادت کرتا ہے اخلاص نیت سے ارکان حج وعمرہ پورے کرتا ہے لیکن ساتھ ہی خرید وفروخت بھی کرتا ہے تجارت کی غرض سے بھی کوئی کام کر لیتا ہے تو یہ شرعاً درست ہے۔ لیکن جو صرف دنیا کی ہی نیت سے جاتا ہے اور دین سے اُسے کوئی غرض نہیں تو یقیناً وہ اسلام کی نظر میں مجرم ہے اور گناہگار ہے۔

بیان یہ کیا جا رہا تھا کہ کفار کا یہ بہانہ کہ ہم ایمان لے آئیں، اسلام قبول کر لیں تو سیاسی، معاشی اور خاندانی ابتری کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ہم مشکلات کا شکار ہو سکتے ہیں۔ اتنا سوچنا چاہیے کہ سب کچھ اُس قادر مطلق اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اُس کے احکام سے بغاوت کرو گے تو تمہارا کہیں ٹھکانا نہیں ہوگا۔ وہ بات کرنی چاہیے جو اللہ کو پسند ہو۔ دین وایمان کے معاملے میں عذر لنگ (Lame Excuse) سے بچنا چاہیے۔

اللہ ہمارا خاتمہ سچے دین پر کرے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ

تیرھواں درس قرآن: ۶ جون ۲۰۰۵ء

متاع دنیا کی حیثیت ۔ قیامت کے دِن کفار ومشرکین کا حال

ہوائے نفس کی غلامی

عنوان

☆.....متاع دنیا عارضی ہے

☆.....کفر وشرک کا رد ۔ روز قیامت کفار ومشرکین کا حال

☆.....نفسانی خواہشات کی غلامی

☆.....اسلام میں زُہد کی اہمیت

☆.....قیامت کے دِن نافرمانوں کی حسرت و یاس

☆.....توبہ

☆.....کفار ومشرکین کے متعلق آیات کا اطلاق مسلمانوں پر کرنا

☆.....حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

متاع دنیا کی حیثیت ۔ قیامت کے دِن کفار ومشرکین کا حال
ہوائے نفس کی غلامی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

{أَفَمَن وَعَدْنَاهُ وَعْداً حَسَناً فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَن مَّتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ) (61

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ) (62قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَؤُلَاء الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ) (63وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ) (64وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ) (65 فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنبَاء يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَاءلُونَ) (66فَأَمَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَعَسَى أَن يَكُونَ مِنَ الْمُفْلِحِينَ) (67وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءِ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللّهِ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ) (68 وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ) (69وَهُوَ اللّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَى وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ)(70قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن جَعَلَ اللّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَداً إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللّهِ يَأْتِيكُم بِضِيَاء أَفَلَا تَسْمَعُونَ) (71قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِن جَعَلَ اللّهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَداً إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللّهِ يَأْتِيكُم بِلَيْلٍ تَسْكُنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ) (72وَمِن رَّحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ) (73وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ) (74وَنَزَعْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيداً فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا أَنَّ الْحَقَّ لِلّهِ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ }(القصص:٦١۔٧٥)

حضرت جل جلالہٗ وعزاسمہ واتم برہانہ ارشادفرماتے ہیں:

کیا وہ شخص جس سے ہم نے وعدہ کیا ہے بہت اچھا وعدہ یعنی بطور اجر جنت کا۔ یہ جانے کہ جس سے ہم نے یہ وعدہ کیا ہے اور ہم وعدہ پالنے والے ہیں، کیا یہ اُس شخص کی مانند ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا سامان استعمال کرنے کے لیے دیا ہے۔ اس کے بعد وہ قیامت کے دِن اللہ کی بارگاہ میں حاضر کیے جانے والوں میں سے ہے۔ اور محبوب! آپ اُس دِن کو یاد کریں جس دِن پروردگار اُنہیں پکارے گا کہاں ہیں وہ میرے شریک جن کو اپنے زعم باطل سے میرا ساجھی گردانتے تھے۔ وہ قوم بول اُٹھے گی جس کے خلاف بارگاہ خداوندی سے فیصلہ ہوجائے گا۔ اے مولا کریم! یہ ہیں وہ لوگ جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے تھے۔ یعنی ہمارے اشارے پر اپنی باطل آرزوؤں کے ایما پر اُنہوں نے اصل راستہ چھوڑا تھا۔ مولا کریم! ہم اُنہیں چھوڑ کے تیری بارگاہ سے رجوع کرتے ہیں۔ یہ ہماری پوجا نہیں کرتے۔ یہ اپنی تمناؤں کے پجاری ہیں۔ کہا جائے گا اپنے معبودان باطلہ کو بلاؤ جن کو اللہ کا شریک جان کر پوجتے تھے۔ وہ اُن کو بلائیں گے۔ پس وہ اُن کی بات قبول نہیں کریں گے۔ یعنی اُن کی بات نہیں مانیں گے۔ (اِسْتَجَابَ یُسْتَجِیْبُ اِسْتِجَابَۃً کے معنیٰ دعا قبول کرلینا) وہ اُن کی دعا قبول نہیں کریں گے۔ وہ عذاب کو دیکھیں گے۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر وہ ہدایت کو قبول کرلیتے۔ اے پیارے! اُس دن کو یاد کرو

کہ جس دن پروردگار اُنہیں بلائے گا اور ارشاد فرمائے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا اُن کی خبریں اُن پر اندھی ہو جائیں گی گویا اُن کے سامنے اس طرح کی کوئی بات گزری ہی نہیں ہے۔ پھر وہ بات سننے سمجھنے اور بتانے کے لیے ایک دوسرے سے پوچھ گچھ بھی نہیں کریں گے۔ پس جو آدمی اپنی بدعقیدگی اور بدعملی سے توبہ کرلے اور سچے طریقے سے ایمان لے آئے یعنی ضروریات دین کو دِل سے تسلیم کرلے اور اچھے کام کیے بہت ممکن ہے وہ نجات پانے والوں اور کامیاب ہوجانے والوں میں سے ہو۔ پروردگار عالم جو چاہتا ہے سو پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے اُن کو اس بارے میں کوئی اپنا اختیار حاصل نہیں۔ اللہ کی ذات پاک بھی ہے اور بلند و بالا بھی ہے اُس چیز سے جس کو وہ خدا کا شریک گردانتے ہیں۔ آپ کا پروردگار اُن چیزوں کو اچھی طرح سے جانتا ہے جو اُن کے دلوں میں پنہاں ہے اور جن باتوں کا وہ اعلان کرتے ہیں۔ وہ اللہ ہے کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اُس کی ذات کے۔ ابتداء میں بھی اور انتہا میں بھی اُسی کی تعریف ہے۔ حکومت بھی اُسی کی ہے اور اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ فرما دیجئے کہ مجھے بتاؤ (اَرَءَیْتُمْ کا لفظی ترجمہ یہ بنتا ہے کہ تم نے دیکھا ہے۔ امام بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے ''البرہان فی علوم القرآن'' میں کہا ''اَرَیْتَ یا اَرَءَیْتُمْ '' جب اس طرح قرآن مجید میں آئے تو اَخبرنی کے معنیٰ دیتا ہے۔ حضرت امام زرکشی اصول تفسیر کے ائمہ میں سے ہیں) مجھے بتاؤ کہ اللہ رب العزت تمہارے لیے رات کو ہمیشہ رہنے والی بنا دے قیامت کے دِن تک۔ تو کون ہے جو اللہ کو چھوڑ کر تمہارے پاس روشنی لائے۔ (ایسی صورت میں اللہ کے سوا رات کی تاریکی کو دور کرنے والا اور دن کی روشنی لانے والا کوئی نہیں ہے) اور فرما دیجئے کہ مجھے بتاؤ کہ دِن کو قیامت کے دِن تک ہمیشہ رہنے والا بنا دے تو پھر کون ہے جو رات کو لے آئے سوائے اللہ کے۔ اس بات کو تم سمجھتے نہیں ہو ''اَبصَرَ یُبصِرُ اِبصَارًا'' کے لفظی معنیٰ ہوتے ہیں آنکھوں سے دیکھنا۔ یہ عام بول چال میں مراد ہوتی ہے جیسا کہ کوئی آدمی کسی سے کہتا ہے کہ تمہیں نظر نہیں آتا کہ آج کل دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ حالانکہ دنیا میں سب کچھ نظر آتا ہے لیکن آدمی سمجھتا سب کچھ ہے۔ اس لیے یہاں ''تُبصِرُونَ'' کے معنیٰ سمجھنے کے ہیں) کیا تم سمجھتے نہیں ہو کہ اُسی نے تمہارے لیے رات اور دن کو بنایا ہے تاکہ تم رات کو آرام کرو اور دن کو فضل (رزق) تلاش کرو۔ پہلے لیل اور اُس کے بعد نہار کا ذکر کرکے اُسی ترتیب سے اِن دونوں کے ساتھ مناسبت رکھنے والی چیزوں کا ذکر کیا علم بدیع کی زبان میں اسے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جیسے یہ میرا بڑا بیٹا ہے یہ چھوٹا بیٹا ہے۔ اسی ترتیب سے بڑے اور چھوٹے بیٹے سے تعلق رکھنے والی چیزوں کا ذکر کیا جائے تو قرآن مجید میں رات اور دن کے متعلق بتایا اور اسی ترتیب سے اِن کی مناسبتوں کا ذکر ہوا۔ کہ تم رات کو آرام کرو اور دن کو اللہ کا فضل تلاش کرو تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ پروردگار ارشاد فرمائے گا کہ جن کو تم نے میری الوہیت میں شریک گردانا تھا اور جنہیں اپنی کم فہمی کی وجہ

سے اپنا خدا بنائے ہوئے تھے وہ کہاں ہیں۔ اور ہم ہر ایک جماعت سے ایک گواہ نکالیں گے اور اس کے بعد کافروں سے کہیں گے کہ میری ذات کو تسلیم نہ کرنے والو تمہارے پاس اوروں کو خدا ماننے کا کیا ثبوت ہے اور وہ سب چیزیں اُن سے کھو جائیں گی جو اُن کی من گھڑت (Fabricated) تھیں۔

یہ اِن آیات کا تحت اللفظ بمعہ بامحاورہ ترجمہ آپ کی خدمت عالیہ میں بیان کیا گیا۔

متاع دنیا عارضی ہے

قرآن مجید میں یہاں پیچھے سے ایک بحث چلی آ رہی ہے۔ یہ بتایا جا رہا ہے کہ تم اپنے جن مکانات، ساز و سامان اور اپنی آرائش و زیبائش پر نازاں ہو یہ سب ایک فریب نگاہ ہے۔ پہلی قوموں کی عالیشان عمارات اور اُن کے شاندار تمدن کے آثار ہیں جن سے ابھی تم گزرے ہو۔ اِن لوگوں کو اپنے وقت میں جدت پسندی (Modernization) رہن سہن، طرز بود و باش مزاج زندگی پر بڑا ناز تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم اعلیٰ تہذیب کے حامل ہیں۔ ہمارا معیار زندگی (Standard) اعلیٰ درجے کا ہے۔ لیکن آندھی کا ایک جھونکا آیا، بجلی کی کڑک ہوئی تو اُن کا سب کچھ آناً فاناً تباہ و برباد ہو گیا اور اس طرح وہ معدوم ہوئے جیسا کہ اُن کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ آج وہ جگہیں ایک ہیبت ناک منظر پیش کر رہی ہیں۔ ہر طرف ایک وحشت طاری ہے۔ غضب الٰہی کے آثار آج بھی موجود ہیں۔

قرآن مجید ہر زمانے میں آنے والی نسلوں کو یہ درس عبرت دے رہا ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ فلاں قوم بڑی ترقی یافتہ (Developed) اور روشن خیال (Advanced) ہے۔ حالانکہ وہ خدا کی فرنبردار نہیں ہیں۔

آج کے دور میں بھی اکثر آزاد خیال لوگ یہ کہا کرتے ہیں۔ دین و مذہب کا پابند رہ کر آج کی دنیا میں ترقی کرنا ممکن نہیں۔ عالمی سطح پر سیاسی اور معاشرتی معاملہ فہمی (Diplomacy) اختیار کرنے کے لیے اور زمانے کی دوڑ میں ہم دین (اسلام احکام) کو ساتھ رکھ کر نہیں چل سکتے۔ ہمارے مذہبی پیشوا انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور مسلمانوں کو اسلام کے نام پر اس طرح چلانا چاہتے ہیں کہ بس وہ صرف مسجد کے ہو کر رہ جائیں۔ یہ چیز اس دنیا میں رہ کر قوم کی ترقی میں بڑی رکاوٹ ہے آج آپ ترقی یافتہ قوموں کو دیکھیں وہ کوئی کلمہ نہیں پڑھتے اور نہ کسی خدا کو مانتے ہیں لیکن اُن کا سیاسی اور معاشی عروج سب کے سامنے ہے۔

مذہبی آزاد خیال طبقہ یہ کہتے ہوئے نہیں سوچتا کہ احکام الٰہیہ سے بغاوت اور تعلیمات دینیہ سے آزادی کو ترقی اور عروج کا موجب سمجھنا کمال درجے کی جہالت ہے قرآن مجید کی تاریخی روئداد (Record) پر غور کرو اور پھر اُس کی روشنی

میں اپنا مقام متعین (Determine) کرو کہ تم کہاں کھڑے ہو اگر تمہاری زندگی کے خدوخال اُن گزشتہ قوموں کے احوال سے مماثلت رکھتے ہیں جو اللہ کے عذاب سے دوچار ہو کر مٹ گئیں تو پھر قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں تم جیسے نام نہاد آزاد اور روشن خیال لوگوں کے مٹنے کا وقت بھی قریب ہے۔ گزری ہوئی نافرمان اور گمراہ قوموں کے عروج اور اُن کے بدترین زوال کا ایک نتیجہ (Conclusion) اخذ کرنے کے بعد یہاں سے بات شروع کی گئی ہے۔

{أَفَمَن وَعَدْنَاهُ وَعْداً حَسَناً فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَن مَّتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْمُحْضَرِينَ

{

کیا ایسا آدمی جسے اللہ نے جنت دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے (اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَاد) وہ اُس آدمی کی مانند ہوگا جس کو دنیوی سامان برتنے کو دیا ہے۔ جتنا بھی کسی کے پاس متاع زندگی ہے اُس کیلیے لفظ ''برتنا'' استعمال کیا جاتا ہے۔ متع (برتنا) ثابت کرتا ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ آدمی کے پاس ہے وہ بالکل عارضی ہے۔ محض ایک مقررہ وقت تک کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ موت آتی ہے سب دنیا کا مال یہیں رہ جاتا ہے۔ مرنے کے بعد نہ وہ متاع دنیا کو ساتھ لے کر جاسکتا ہے اور نہ یہ متاع اُس کی موت کو روک سکتی ہے۔ اسے ایک مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک آدمی ایک مسافر کی حیثیت سے کسی ہوٹل میں ٹھہرتا ہے۔ اُسے وہاں رہائش کی ساری سہولتیں بستر، میز، کرسی، تولیہ، صابن وغیرہ ملتے ہیں۔ جتنے رات دن وہ وہاں قیام کرتا ہے وہ اِن ساری چیزوں کو استعمال میں لاتا ہے اور وہاں سے جاتے ہوئے وہ سب کچھ اُسی ہوٹل میں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ یہی اس دنیا کا حال ہے۔ آدمی اس دنیا میں مسافر کی طرح ہے اُسے برتنے کے لیے اللہ نے سب کچھ دیا اگر وہ اللہ کی دی ہوئی چیزوں کا ناجائز استعمال (Misuse) کرے تو اُس سے زندگی کی آسائشات واپس لے لی جائیں گی اور اِن سب کا حساب دینے کے لیے اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہوگا۔

جس سے رب نے جنت کا وعدہ کیا ہے اور اُسے جنت عطاء کی جائے گی۔ جنت اور وہاں کی ساری نعمتیں محض برتنے (عارضی استعمال) کے لیے نہیں ہوں گی بلکہ ہمیشہ کے لیے عطاء کی جائیں گی۔ دونوں میں (جس سے جنت کا وعدہ کیا گیا اور دوسرا جو رب کا نافرمان اور اس دنیا کو عزیز رکھتا ہے) ایک تقابل (Comparison) رکھا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ برابر نہیں ہو سکتے۔

کفر و شرک کا رد ۔ روز قیامت مشرکین و کفار کا حال

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ}۔

یہاں کفار مکہ مخاطب ہیں۔جس قوم میں جس طرح کی اعتقادی، عملی اور اخلاقی بیماری ہو اُس پر گفتگو کرنا یہ انداز تبلیغ ہے۔قرآن مجید اس کو تقاضائے حال شمار کرتا ہے۔ بلاغت (Eloquence) ایک علم ہے جس کا موضوع یہ ہے کہ حال مخاطب کو دیکھ کر اس پر کلام وارد کرنا۔اگر پیٹ میں درد ہو تو علاج پیٹ کے درد کا کیا جائے گا۔وقت کے ساتھ کسی قوم میں پائی جانے والی بدعقیدگی اور بدعملی کو پیش نظر رکھ کر مبلغ کو وعظ کرنا چاہیے۔

کفار مکہ کا یہ حال تھا کہ وہ کفر و شرک میں مبتلا تھے۔ بتوں کی پوجا کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہم کتنی بھی برائیاں کریں تو آخر یہ بت جنہیں ہم اپنا خدا مانتے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہیں۔کس لیے ہیں۔ یہ ہماری کسی بھی پریشانی اور مصیبت میں مدد کریں گے۔رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن اُن سے کہا جائے گا کہ جن کو تم روز جزا کے لیے شفیع مانتے تھے وہ تو تمہارے ہی ہاتھوں بنائے ہوئے تھے ۔ آج ان کو بلاؤ کہ اللہ کے حضور حساب (Accountability) اور اللہ کے عذاب سے تمہیں بچائیں۔ یہ اُن لوگوں کا حال ہے جو بتوں کو پوجتے ہیں۔اور بتوں کی بے بسی کو بیان کر کے اُن کا رد کیا گیا ہے۔

اس کے بعد اللہ کے ساتھ ٹھہرائے گئے دوسرے شرکاء کے فریق (Section) کو بیان کیا جاتا ہے۔

نفسانی خواہشات کی غلامی

قرآن عظیم فرماتا ہے: {هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا}

یہ وہ فریق ہے جن کے پیچھے عام مشرکین مکہ چلتے ہیں۔وہ اپنے آپ کو کعبہ شریف کا متولی اور سجادہ نشین سمجھتے ہیں۔ وہ اُن لوگوں کو یہ بتاتے ہیں کہ ہماری بات ہی ٹھیک ہے اس لیے ہماری پیروی کرو اگر تمہارے ساتھ کچھ ہوا تو قیامت کے دن ہم تمہیں بچا لیں گے تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔رب کریم فرماتے ہیں کہ تم جن گمراہوں کی پیروی کرتے تھے آج اُن کو اپنی مدد کے لیے بلاؤ تو وہ کہیں گے اے پروردگار عالم! ہم نے ان کو اسی طرح گمراہ کیا تھا جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے تھے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی خواہشات نفس کو اپنا خدا تسلیم کر رکھا ہے۔دل میں جو تمنا آئی اسے کسی طرح پورا کرنا ہے۔حلال و حرام کی کوئی تمیز نہیں کرنی۔حقوق العباد زخمی ہوتے ہیں تو ہو جائیں۔ماں باپ اولاد بیوی کے حقوق پامال ہوتے ہیں تو ہوں۔اخلاقی اقدار کا لحاظ نہیں ہے۔ جو دل میں آتا ہے کرتا چلا جاتا ہے۔بس خواہشات ہی خدا ہیں اور اُن کی غلامی

اختیار کی ہوئی ہے۔ یہ اتنی بڑی اور بنیادی برائی ہے کہ اگر انسان میں پیدا ہو جائے تو پھر مذہباً اگر وہ مسلمان، یہودی، عیسائی، ہندو ہونے کا دعویدار بھی ہو وہ کسی کام کا نہیں رہتا۔ ایسا شخص نکارہ ہے۔

اسلام میں زہد کی اہمیت

زہد (نفس پر قابو پانا) تصوف میں ایسا لفظ ہے جس پر ہمارے صوفیاء بہت محنت کرتے چلے آئے ہیں۔ زہد (Asceticism) کے معنیٰ ہیں خواہشات نفس کے خلاف چلنا۔ خواہشات نفس کی مخالفت قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اس بات کو ہر مذہب کو ماننے والا (مسلمان، عیسائی، یہودی، ہندو، بدھ مت) تسلیم کرتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ ہر ایک کے پاس خواہشات کو ماپنے کا پیمانہ (Formula) نہیں ہے ہندوازم میں یوگا کمانے کی کتابیں ہیں اُن میں بتایا گیا ہے کہ آدمی یوگا کما کر ہوا میں پرواز کر سکتا ہے۔ بہت ساری غیب کی باتیں جان سکتا ہے لیکن اُس کی قبر اور قیامت اچھے نہیں ہو سکتے کیونکہ اُس نے نفس کی مخالفت کی بھی تو اپنی ذات کے لیے کی ہے۔ اللہ کی رضا مقصود نہیں۔

مسلمان کے پاس خواہشات نفسانیہ کو ماپنے کا پیمانہ ہے اور وہ یہ کہ جس بات کے کرنے سے خدا راضی ہوتا ہے وہ خواہشات کے زمرے میں نہیں آتی۔ حدیث قدسی ہے حضور سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مومن کو روزہ افطار کرنے کے وقت خوشی ہوگی اور جنت میں داخلے کے وقت خوشی ہوگی اور مومن کے روزہ کھولنے سے مجھے (اللہ کو) خوشی ہوتی ہے۔ اگر روزہ وقت معینہ پر افطار نہ کرے تو مجھے ناراضگی ہوتی ہے۔ اگر روزہ صحیح وقت پر افطار نہ کیا جائے اور جان بوجھ کر دیر کرتا جائے تو ایسا کرنا حرام ہے۔ حالانکہ کھانا پینا نفس کے لیے ہے بھوک اور پیاس کا احساس نفس کراتا ہے۔ کھانا پینا آرزوئے نفس ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وقت معین پر روزہ افطار کرنا کھانا پینا یہ بندے کے نفس کی حاجت ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہاں رب کی رضا بھی شامل ہے اور جب رب تعالیٰ کی رضا شامل ہو جائے تو پھر وہ نفسانی خواہش سے خارج ہو جاتی ہے۔ اسی طرح مرد و عورت کا جوڑے کی زندگی اختیار کرنا خواہش نفس ہے مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تعلیم دی ہے کہ میاں اور بیوی کا ازدواجی تعلق رکھنا واجبات شریعہ سے ہے اس لیے یہ خدا کی رضا کا معاملہ ہے۔ جب نفس کی خواہشات کی باگ ڈور اللہ کے ہاتھ میں ہو اور خواہشات کے پورا کرنے میں مولا کی رضا شامل ہو تو خواہشات نفس کے زمرے سے خارج ہے اور رضائے الٰہی کا معاملہ بن جاتا ہے۔ دو جہانوں کی بہتری کا راز اسلام کے پاس ہے۔

قیامت کے دن نافرمانوں کی حسرت و یاس

{تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ}

وہ (کفار ومشرکین) قیامت کے دن اللہ کے حضور اُن سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور کہیں گے کہ ہم نے اُنہیں چھوڑ دیا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اب بیزاری اختیار کرنے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے۔

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیا جگ گئیں کھیت۔

وقت پر کافی ہے ایک قطرہ آبِ خوش ہنگام کا
جل گیا جب کھیت برسامینہ تو پھر کس کام کا

پیچھے سے ایک بات چلی آرہی ہے کہ قیامت کے دن مشرکین سے کہا جائے گا کہ بلاؤ اُن کو جنہیں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے اس طرح کی آیات قرآن مجید میں جہاں بھی بیان ہوئیں وہ کافروں اور مشرکوں سے متعلق ہیں۔ اُنہیں مسلمانوں کے عقائد واعمال پر چسپاں کرنا صریح بد دیانتی اور جہالت ہے۔

بخاری شریف جلد دوم میں ہے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں اُس شخص کو بدترین خلائق سمجھتے تھے جو کافروں والی آیتیں مومنوں کے بارے میں پڑھتا ہے۔

دور حاضر میں یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جانا بزرگانِ دین سے ملاقات کرنا یہ شرک ہے۔ یہ اُن کی پوجا کی جاتی ہے۔ قرآن پاک کی انہیں آیات سے استدلال کیا جاتا ہے کہ مشرکوں کے اس طرح کے عقیدے تھے لہٰذا آج مسلمان قبروں پر جاتے ہیں اور ولیوں پیروں سے مدد چاہتے ہیں۔

آیت یہ فرمارہی ہے کہ اُنہوں نے ہمیں اس طرح گمراہ کیا جس طرح وہ خود گمراہ ہوئے۔ اُن گمراہوں کی حالت کے ساتھ مسلمانوں کا موازنہ کرنا بالکل باطل ہے۔ حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ (جنہیں دوست دشمن سب نے غوث اعظم مانا ہے) حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ (جن کو دیکھ کر نوے لاکھ کافروں نے کلمہ اسلام پڑھا) حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، علی مرتضیٰ، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر اولیائے کاملین جن کے مزاروں پر مسلمان ہمیشہ سے حاضری دیتے چلے آرہے ہیں اور بارگاہ الٰہی میں اِن اللہ کے مقبول بندوں کو حاجات کا وسیلہ مانتے ہیں انہیں کفار ہی کی طرح گمراہ کہنے والا خود بہت بڑا گمراہ ہے۔ یہ ہستیاں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا خوبصورت نمونہ تھیں نہ وہ خود گمراہ تھے اور نہ اُن کو ماننے والے گمراہ ہیں۔ وہ سچے مومن تھے اور ان کو ماننے والے اور اُن کی راہ پر چلنے والے بھی سچے مومن ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے تشریف لے جاتے وقت اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب کر کے فرمایا:

أنا تارک فیکم ثقلین أو لهما کتاب اللّٰہ فیه الهدی و النور فخذوا بکتاب اللّٰہ و استمسکوا به فحث علی کتاب اللّٰہ و رغب فیه ثم قال و لعل بیتی أذکر کم اللّٰہ فی أهل بیتی، أذکر کم اللّٰہ فی أهل بیتی اذکر کم اللّٰہ فی أهل بیتی۔

(مسلم شریف، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حدیث نمبر 6225)

''میں تم میں دو بلند پایہ چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ان میں سے پہلی اللہ کی کتاب ہے۔ جس میں ہدایت اور نور ہے پس اللہ کی کتاب کو تھام لو اور اس سے تمسک رکھو۔ پھر آپ نے کتاب اللہ پر ابھارا اور اس کی ترغیب دلائی پھر فرمایا اور دوسری میری اہل بیت۔ میں تمہیں اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ میں تمہیں اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد میں دلاتا ہوں''۔

میں تم میں اُونچی شان والی دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں وہ اللہ کی کتاب (قرآن پاک) اور میری عترت (آل پاک) ہیں اگر ان کے ساتھ وابستہ رہے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت تمہیں گمراہ نہیں کر سکتی۔

اور دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

و انهما لن یتفرقا حتی یردا علی الحوض۔

(مسند امام احمد بن حنبل، ۵/۱۸۱، حدیث نمبر ۲۱۶۱۸)

(قرآن اور اہلِ بیت کبھی جدا نہ ہوں گے حتیٰ کے حوض کوثر پر مجھ سے اکٹھے ملیں گے)۔

میں (حضرت سیّدی قبلہ عالم حضرت مفکر اسلام امام جیلانی مدظلہ العالی) آپ کے پاس آ کر قرآن تعلیمات کو بیان کر رہا ہوں۔ قرآن کی اصل تصویر کو پیش کر رہا ہوں اُس کے معانی بیان کر رہا ہوں۔ دین حق کی تبلیغ کی یہ وہ عظیم ذمہ داری (Duty) ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے جاتے وقت اپنی اہل بیت کے سپرد کی ہے۔

ثابت ہوا کہ اہل بیت اطہار اولیاء اللہ اور صالحین اُمت جو لوگوں کو ہدایت کا درس دیتے رہے ہیں وہ خود ہدایت پر ہیں اور جن اہل ایمان نے اُنہیں مانا ہے اور اُن کی پیروی کی ہے وہ بھی ہدایت سے خالی نہیں ہیں۔

لہٰذا کفار اور گمراہوں والی آیات کا مصداق مسلمانوں کو کہنا دین کے ساتھ کھلا مذاق ہے۔

اولیاء اللہ حضرت غوث الاعظم ،خواجہ غریب نواز، مجدد الف ثانی، سیّد بہاؤ الدین نقشبندی شہنشاہ بخارا رضی اللہ عنہم نے انسانیت کو ہدایت کی طرف بلایا اور خدا سے آشنا کیا۔ اور راہ راست سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو سیدھے راستے پر لگا کر رب سے ملایا۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ اولیاء اللہ کی بارگاہ سے گمراہ کن نظریات رکھنے والوں کو ہدایت ملی۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ(ا) فلسفہ اور منطق میں بہت محو تھے۔ یہ منطق وفلسفہ اُن کے ایمان پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ خدائی تک کا انکار کرنے لگے۔ اُن کے سگے چچا اور سسر شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اُنہیں متنبہ کیا کہ تمہارے عقائد ونظریات کافرانہ قسم کے ہیں۔ اِن سے بچو اور اللہ کے حضور توبہ کرو تم اپنا ایمان برباد کر رہے ہو۔ اُنہیں اپنے علم الکلام پر بڑا تکبر تھا کہنے لگے یہ جو تم عقیدہ رکھتے ہو اور جو باتیں کرتے ہو ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے۔ یہ مولویوں اور پیروں کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔

شیخ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تم سب چیزوں کے منکر ہو لیکن میرے داماد ہونے کا جو رشتہ ہے اس کا تمہیں یقین ہوگا اور میں اسی رشتے کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ ایک بار مہربانی کر کے سرکار غوث پاک کے پاس میرے ساتھ چلو اور وہاں یہ ساری باتیں کرو۔ شیخ شہاب الدین سہروردی نے مہینہ بھر لگا کر اپنے جھوٹے نظریات کو سچ ثابت کرنے کی تیاری کی۔ کتابوں کے حوالہ جات تیار کیے اُنہیں نشانات لگائے اور بارگاہ غوث پاک پہنچ گئے۔ سرکار غوث پاک کی ایسی نگاہ پڑی کہ حضرت شیخ شہاب الدین کو اپنا ہوش ہی نہ رہا۔ نام، گھر کا پتہ تک نہ بتا سکے۔ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ نے فرمایا، گدھوں پر کتابوں کے انبار لاد کر لائے ہو تو اب کچھ بات تو کرو۔ عرض کیا مجھے اپنی خبر نہیں کتابوں کی کیا بات کروں۔ سرکار بغداد کے قدموں میں گرے عرض کیا آپ مجھے اپنے فیضان علم ومعرفت سے نواز دیں۔ اس کے بعد شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ صوفیاء کے مستقل سلسلے (سلسلہ سہروردیہ) کے بانی ہوگئے۔ حضرت شیخ بہاؤ الحق زکریا ملتانی، حضرت شیخ سعدی شیرازی، حضرت شیخ رکن عالم، حضرت سیّد جلال الدین بخاری رحمہم اللہ تعالیٰ سہروردی سلسلے میں آپ کے مرید ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ دنیا میں پھیلا۔ اولیاء اللہ نے ساری زندگی حق وہدایت کی روشنی پھیلائی اور آج اُن کی قبروں سے بھی دین کا فیضان جاری ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ سچے دین پر فرمائے۔ آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ

حواشی

ا: حضرت شیخ شہاب الدین عمر ابو حفص سہروردی بغدادی (پیدائش: 539ھ/1145ء وفات: یکم محرم الحرام 632ھ/ 25 ستمبر 1234ء) بانی سلسلہ سہروردیہ۔

چودھواں درس قرآن، ۱۵ نومبر ۲۰۰۵ء

رضائے حق میں مصائب ومشکلات کا درجہ

عنوان

☆.....سورۂ عنکبوت کا نزول ۔ مضمون کا ربط

☆.....راہ حق میں آزمائشیں

☆.....اولاد فاطمہ سلام اللہ علیہا کی قربانیاں

☆.....حضرت عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ

☆.....حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ

☆.....حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ

☆.....حضرت حبیب ابن عدی رضی اللہ عنہ

☆.....بے موسم پھل

☆.....صوفیائے کرام کی تعلیمات مشقتوں میں اپنے آپ کو ڈالنا

☆.....صحبت صالحین

رضائے حق میں مصائب ومشکلات کا درجہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

{ الم) (1أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ) (2وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ) (3أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَن يَسْبِقُونَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ) (4مَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ) (5وَمَن جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ)(6وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ

) (7وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْناً وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ) (8وَالَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِيْ الصَّالِحِيْن}(العنکبوت:۱۔۹)

حضرت جل جلالہٗ وعزاسمہ واتم برہانہ ارشادفرماتے ہیں۔

الٓمٓ (یہ حروف مقطعات ہیں۔اہلِ علم کا اس میں اختلاف ہے کہ اس کے معنیٰ اللہ کے سوا کوئی جانتا ہے یا نہیں۔ اہل علم کی اکثریت اس طرف ہے کہ اللہ جانتا ہے اور عطائے الٰہی سے اللہ والے بھی جانتے ہیں لیکن اس کے کسی معنیٰ پر جزم کرنا صحیح نہیں ہے)

کیا لوگوں کا یہ گمان ہے کہ اُنہیں چھوڑ دیا جائے اور اُن کی نجات ہو جائے حالانکہ اُنہیں امتحانوں میں آزمایا نہ گیا ہو۔ایسا نہیں ہوتا اور بلاشبہ ہم نے اُن سے پہلے لوگوں کو آزمایا نہ گیا ہو۔ایسا نہیں ہوتا اور بلاشبہ ہم نے اُن سے پہلے لوگوں کو آزمایا ہے۔ضرور اللہ تعالیٰ انہیں دیکھے گا جو سچے ہیں اور اُنہیں بھی جو جھوٹے ہیں۔کیا وہ لوگ جنہوں نے برے کام کیے وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہم سے آگے نکل جائیں گے اور ہماری جانچ پڑتال کی زد میں نہیں آئیں گے۔بہت برا فیصلہ ہے جو وہ کر رہے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی اُمید کرتا ہو واقعی اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے۔اللہ اُن کی ساری باتیں سنتا ہے اور دل کی ساری باتیں جانتا ہے۔جو آدمی راہ مولیٰ میں جہاد کرتا ہے وہ اپنی جان ہی کے لیے جہاد کرتا ہے۔اللہ کی ذات پاک اہل جہاں سے بے نیاز ہے اور جنہوں نے اپنے عقائد و اعمال صحیح کر لیے ہم اُن کے گناہ اُن سے دور کر دیں گے اور یقیناً اُن کے اعمال سے کہیں بہتر جزا مرحمت فرمائیں گے۔اور ہم نے انسان کو اُس کے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا تاکیدی حکم فرمایا۔اے سننے والے۔اگر دونوں (ماں باپ) یہ کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ اُس کو شریک کرے جس کا تجھے علم ہی نہیں ہے تو اُن کی پیروی نہ کر۔میری بارگاہ میں تم نے لوٹ کے آنا ہے اُس وقت میں تمہیں تمام باتیں بتاؤں گا جو تم کیا کرتے تھے۔اور وہ لوگ جنہوں نے عقائد درست کر لیے اور اچھے کام کیے یقیناً یقیناً اُنہیں نیک لوگوں کے زمرے میں شامل کر لیں گے۔

تلاوت کی گئی آیات طیبات کا تحت اللفظ بمعہ بامحاورہ ترجمہ بیان کیا گیا۔

سورۂ عنکبوت کا نزول ۔ مضمون کا ربط

سورۂ عنکبوت کی آیت نمبر ۴۱ میں عنکبوت کا لفظ آیا ہے۔عنکبوت مکڑی کو کہتے ہیں۔کفار مکہ اُن کے عقائد باطلہ اور

اُن کے جھوٹے خداؤں پر دائرہ ہے وہ { إِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنكَبُوتِ } ہے یعنی کفار کے پورے نظامِ زندگی کی حیثیت اور حقیقت ایک مکڑی کے جالے سے بھی کہیں زیادہ کمزور ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ سورۂ عنکبوت کا نزول مدینہ شریف میں ہوا۔ جبکہ حضرت شاہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (ا) کہتے ہیں یہ سورۂ مکہ مبارکہ میں نازل ہوئی۔ اسلاف کے اِن مختلف اقوال میں تطبیق کی صورت یہ ہے۔ سورۂ عنکبوت کی اکثر آیات مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اس اعتبار سے یہ کہا کہ یہ سورت مکی ہے۔ چونکہ اس سورت کا مرکزی مضمون پہلی دس آیات میں بیان ہوا ہے اور وہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہیں اس لیے مرکزی مفہوم کی مناسبت سے کہا گیا کہ یہ ساری سورت مدینہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ ساری سورۂ مبارک کے مکمل مضمون کا انحصار اساسی مفہوم پر ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو جائے نزول کے اعتبار سے مکی کہنا یا مدنی کہنا دونوں طرح صحیح ہے۔

علم تفسیر میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ سورت کے حسن ابتداء اور حسن اختتام (ختام) کا خاص خیال رکھا جائے۔ ایک اچھا قادر الکلام یہ سمجھتا ہے کہ کوئی مضمون کتنا ہی طویل ہو اُسے بیان کرتے کرتے گھنٹوں، دنوں، ہفتوں، مہینوں بلکہ سالوں تک کا عرصہ صرف ہو جائے تو ابتداء سے انتہا تک اُس میں ربط (Linkup) ہونا چاہیے۔ اُس کے شروع کی بات آخر کے بیان سے مربوط ہو۔ اگر کسی کے بیان میں یہ بات نہ ہو تو وہ ایک بکھری ہوئی معلومات کا مجموعہ تو ہو سکتا ہے لیکن ایک خطبے کی حیثیت اُس کی نہیں ہو سکتی۔

راہ حق میں آزمائشیں

سورۂ عنکبوت کی ابتداء اس بات سے ہو رہی ہے کہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ ہم نے کلمہ ایمان پڑھ لیا ہے مسلمانوں میں ہمارا شمار ہو گیا ہے اس لیے ہر اندیشے سے آزاد ہو گئے ہیں بس ہم بخشے ہوئے ہیں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے: {أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ}

کیا لوگ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم نے کہہ دیا کہ ہم ایمان لے آئے لہٰذا ہمارے لیے آسانیاں ہی آسانیاں ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ اللہ فرماتا ہے جس نے ہم پر ایمان لانے کا دعویٰ کیا ہے۔ ہمیں مانا ہے اور دوستی کا دم بھرا ہے۔ ایمان اور ہماری محبت کی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے اسے مصائب و آلام کے کانٹے پر چڑھا کر دنیا کو دکھائیں گے کہ واقعی یہ محبت کے معیار پر پورا اُترا ہے۔ تلخ حالات، آفات و بلیات یہ فیصلہ کریں گے کہ سچا مسلمان کون ہے اور جھوٹا کون ہے۔ جس کی راہ میں ایمان کی خاطر مصیبتیں زیادہ ہوتی ہیں اُسی قدر سچائی کے درجے کو بلندی حاصل ہوتی ہے۔

اس سورت کا حسن اختتام یوں ہے کہ حالات کی تلخیوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنے والوں کی اپنے قرب کی طرف رہنمائی کرتے ہیں {لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا} ۔ ہماری بارگاہ کی طرف جو راستے براہ راست (Direct) آتے ہیں ہم وہ صاحب استقامت بندوں کو دکھاتے ہیں۔ اُنہیں دنیوی واخروی عزت عطا کرتے ہیں۔ قرب الٰہی کے حصول میں دشوار گزار منازل سے گزرنا بندگانِ خدا کے نزدیک اتنا محبوب ہو جاتا کہ وہ بار بار اُن آزمائشوں سے گزرنے کی تمنا کرتے ہیں۔ رضائے الٰہی میں شہید ہو جانے والے اپنے رب کے حضور عرض کرتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ! دِل چاہتا ہے کہ تیری دنیا میں پھر جائیں اور پھر تیرے راستے میں کٹ جائیں، خاک وخون میں تڑپیں اور پھر تیرا پیار اور رضای مندی حاصل ہو اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہے

صحتیں لاکھوں میری بیماری غم پہ نثار
جس میں اٹھے بارہا اُن کی عیادت کے مزے

حالانکہ مرنے کے بعد قیامت میں جانے والا یہ نہیں چاہے گا کہ دوبارہ دنیا میں جاؤں۔

اولادِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی قربانیاں

سب سے زیادہ دکھ نبیوں اور اُن کے اہل بیت اور اصحاب نے جھیلے ہیں انسانیت کی پوری تاریخ (History) میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تیسری اور چوتھی صدی ہجری تک جتنا کشت وخون اولاد فاطمہ علیہا السلام کا ہوا اتنا کسی دوسری قوم کا نہیں ہوا۔ اہل بیت رسول میں ہمیشہ بندہ گان خاص نوک نیزہ پر چڑھتے رہے۔ اسی دعوے کی تکرار کرتے ہوئے مدینہ طیبہ سے چل کر ریگزار کربلا میں اپنی شہ رگ کا لہو پیش کرنے نوک نیزہ پر چڑھنے کے بعد بھی اُس مدعا کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ بدستور آپ آپ ثابت قدم رہے اور مرنے کے بعد بھی اپنے مدعا کو دہرا کے چھوڑا۔

(یہ تاریخ امام ابوالحسن اشعری نے اپنی کتاب ''مقالات الاسلامین'' میں بیان کی ہے۔ یہ عقائد کی کتاب ہے اور امام موصوف عقائد اہلسنّت کے امام ہیں اشعری طبقہ عقیدے کا مکتب ہے جس کا تعلق مذکورہ امام صاحب سے ہے غالباً ۳۳۰ یا ۳۳۱ ہجری آپ کا سن وفات ہے)

اسلام کو کاروبار سمجھ کر قبول نہیں کرنا بلکہ اُسے اللہ کے قرب کا ذریعہ سمجھنا ہے۔ قرب الٰہی کے راستے میں بے شمار مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے ہم اس وقت جن حالات سے گزر رہے ہیں اُس سے آدمی کو یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ مسلمان اب مٹنے لگا ہے۔ اسلام اب ابھر نہیں سکے گا۔ لیکن اسلام مٹنے کے لیے نہیں آیا۔ اسلام پر جس قدر مصیبتوں

کے پہاڑ ٹوٹے ہیں اُن کی بنا پر تو اسلام کبھی کا ختم ہو گیا ہوتا۔لیکن شدید حالات سے گزرنے کے باوجود اسلام زندہ ہے۔

سلاطین عباسیہ پوری دنیا میں بڑے زور اور قوت والے تھے۔ اِن کا دور حکومت برتر قوت (Super Power) تھی۔لیکن تاتاری ایسی خوفناک طاقت ثابت ہوئے کہ اُنہوں نے مسلمانوں کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا مسجد و خانقاہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔کتب خانے تباہ کر دیئے۔قبیلوں کے قبیلے تہس نہس کر کے رکھ دیئے۔علمی خزانوں کے ورق اُڑا دیئے مسلمانوں کی سیاسی، تمدنی، اخلاقی اقدار کو حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا۔بظاہر وقت یہ بتا رہا تھا کہ مسلمان بھی اور اُن کا اسلام بھی سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔

لیکن تاریخ نے پھر یہ ثابت کر دیا کہ اسلام بدستور موجود ہے۔وہی تاتاری اور چنگیز خان کی اولاد میں سے مسلمان ہو گئے۔حالانکہ وہ فاتح تھے اور مسلمان مفتوح ہو چکے تھے۔مفتوح فاتح کی بالادستی کو قبول کرتا ہے۔فاتح قوم کے فیشن کی پیروی اختیار کرتا ہے مگر بچے کچھے مسلمانوں نے پھر بھی اپنے ایمانوں کی حفاظت کی۔چنگیزی اور تاتاری کسی مسلمان کو اپنے مذہب اور عقیدے پر نہ لا سکے بلکہ اُنہیں خود اسلام کی سچائی کو تسلیم کرنا پڑا۔

مسلمان اکھاڑے میں کتنی بھی مار کھائے لیکن آخر میں جیت اُسی کی ہوتی ہے لہٰذا ابتلاء و آزمائش سے گزر کر ہی کامیابی کی منزل ملتی ہے۔

سورۂ عنکبوت کی یہ آیات طیبات حضرت عمار بن یاسر، اُن کی والدہ حضرت سمیہ، حضرت بلال حبشی، حضرت خباب بن الارت اور حضرت صہیب رومی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حق میں نازل ہوئیں۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات (Biography) اسماء الرجال کی کتابوں میں ہے جن میں محدثین کی زندگیوں پر گفتگو ہوئی ہے کہ کون سا راوی کس درجے کا ہے۔اگر حضرت عمار حدیث بیان کریں تو اُن کی حدیث ثقہ ہوتی ہے اُس پر محدثین جرح نہیں کر سکتے۔حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا سرفروش اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر دل و جان سے قربان ہو جانے والا کمزور بات نہیں کر سکتا۔قول میں سچا اور پکا ہوتا ہے۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ فتح مکہ سے قبل دین و ایمان کی خاطر مصائب برداشت کئے۔قرآن مجید فرماتا ہے: {لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ}۔(الحدید:۱۰)

جنہوں نے مکہ فتح ہونے سے پہلے اپنی جانیں اور مال خرچ کیے آنے والی قومیں اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

کیونکہ مصیبت مرتبے کا ترازو ہے جو درجہ تکلیف اور مصیبت برداشت کرنے سے ملتا ہے راہ مولیٰ میں وہی مرتبہ اس شخصیت کا بنتا ہے۔

حضرت عمار کے باپ یاسر یمن کے رہنے والے تھے۔ان کے دو بھائی حارث اور مالک تھے۔ان کا ایک چوتھا بھائی بھی تھا جو مکہ میں آیا تھا اور یہاں کہیں کھو گیا۔یہ تینوں بھائی اُسے تلاش کرنے کے لیے مکہ شریف آئے۔اس بارے میں تاریخ خاموش ہے کہ اُن کا بھائی اُنہیں ملا یا نہیں بہرحال دو بھائی یمن واپس چلے گئے۔لیکن یاسر مکے میں ہی رہ گئے اُنہیں یہ شہر اچھا لگا۔دراصل اُن کے مقدر کا ستارہ چمکا۔اُن کی ملاقات حضور نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہونے والی تھی۔ ان کی دوستی ابوحذیفہ نامی شخص سے تھی۔ابوحذیفہ کی کنیز تھی جس کا نام سمیہ تھا اُس نے سمیہ کا نکاح حضرت یاسر سے کر دیا۔اس سے بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عمار رکھا۔جب عمار بڑے ہوئے تو ابوحذیفہ نے ان کو آزاد کر دیا۔حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔یہ اُس اوّل طبقے میں سے ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو شدید اذیتوں (Torture) سے دوچار ہونا پڑا۔اگرچہ آپ آزاد تھے لیکن پھر بھی پہلے غلام ہونے کی وجہ سے آپ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا تھا یہاں تک کہ آگ تیار کر کے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو آگ میں ڈال دیا گیا۔حضرت عمار کہنے لگے کاش سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لا کر یہ منظر ملاحظہ فرمائیں کہ آپ کا کلمہ پڑھنے والا اس کلمے کی لاج رکھنے کے لیے ظلم کی آگ میں کس طرح جل مرنے کے لیے تیار ہے۔مقصد کے حصول کے لیے امتحان دینے والے امتحان کے ٹلنے کی دعائیں نہیں کرتے بلکہ اُس امتحان کو کامیابی سے کر گزرنے کی تمنائیں کرتے ہیں اور پاس ہو جانے کی دعائیں کرتے ہیں۔مردانگی یہ ہے کہ امتحان میں ثابت قدم رہو۔عمار ابن یاسر شوق رکھتے ہیں کہ آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے جانثار غلام کے امتحان کا نظارہ فرمائیں:

به جرم عشق توام می کشند و غوغائی است
تو نیز برلبِ بام آ که خوش تماشا است

اُنہوں نے جیسے ہی یہ کلمات کہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اچانک وہاں جلوہ فرما ہو گئے اور اُن پر دست مبارک پھیرتے ہوئے فرمایا: ''یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا کَمَا کُنْتِ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ الصلوٰۃ والسلام''۔اے آگ عمار کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔صرف ٹھنڈی نہیں کہ اُس کی ٹھنڈک سے جسم کو تکلیف ہونے لگے بلکہ ساتھ سلامتی والی ہو جاتا کہ اُسے سکون حاصل ہو۔دشمن نے آگ عمار کو جلا کر خاکستر کرنے کے لیے بھڑکائی ہے مگر حضور پرنور صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے وہ آگ پھولوں کا بستر بن کر بچھی ہوئی ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آگ میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو حکم دیا:

{یَانَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلٰی اِبْرٰھِیْم}۔(انبیاء:۶۹)

نار اسم نکرہ (Common noun) ہے۔ اسم معرفہ (Proper Noun) نہیں۔ یعنی صرف اُسی چتا کی آگ کو مخاطب نہیں کیا۔ لہٰذا جو بھی آگ ہے اور جہاں کہیں ہے وہ سب اس حکم کے تحت آ گئی۔ امام نسفی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اُس تاریخ پوری روئے زمین پر جہاں کہیں آگ تھی اُس نے آگ والا کام نہیں کیا۔ کہیں کھانا نہیں پک سکا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعزاز کی بدولت ہر جگہ آگ کی خاصیت (Nature) بدل گئی۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے عزت عطاء فرمائی سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمار کو اپنے پاس بٹھاتے اور فرماتے: تَقْتُلُکَ اَلْفِئَۃُ الْباغِیَۃُ (بخاری شریف، کتاب الصلوۃ، باب التعاون فی بناء المسجد، حدیث 447)

اے عمار تو جام شہادت نوش کرے گا اور علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی سنگت تجھے نصیب ہوگی۔ تجھے قتل کرنے والے باغی ہوں گے اور تو جنت میں اعلیٰ منزلیں پائے گا۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا بھی بڑا درجہ ہے اسلام کے اندر عورت کا یہ طرہ امتیاز ہے۔ سب سے پہلے حضور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ عورت نے پڑھا اور اسلام قبول کیا سب سے پہلے مالی امداد عورت نے کی اور یہ پہلی خاتون ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اور اسلام کی سب سے پہلی شہید بھی عورت ہے اور وہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ حبشہ کے رہنے والے تھے۔ بکتے بکاتے مکہ پہنچے یہاں امیہ ابن خلف نے آپ کو خریدا۔ جب اُنہوں نے کلمہ پڑھ لیا مسلمان ہو گئے تو آپ کے مالک امیہ نے آپ کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا امیہ نے ظلم وجور کی انتہا کر دی۔ مکہ مکرمہ میں گرمی کی شدت الحفیظ الامان پانی باہر رکھو تو ابل جائے۔ تپتی ہوئی ریت پر لٹا دیا جاتا گرم پتھر سینے پر رکھ دیئے جاتے تھے۔ جوں جوں امیہ کے ظلم بڑھتے چلے جاتے ہیں اُتنے زور وشور سے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کلمہ توحید پڑھتے چلے جاتے ہیں ظالموں نے اذیت رسانی (Torture) کی حد کر دی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظالم اُمیہ

کے ظلم وستم سے حضرت بلال کو آزاد کرانے کے لیے بیقرار تھے۔ آخر موقع ہاتھ آیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امیہ سے سودا طے کیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ایک ملازم تھا جس کا نام نسطاس تھا اور وہ عیسائی تھا۔ تجارتی اور کاروباری معاملات (Accoutancy) میں وہ بڑی مہارت رکھتا تھا۔ ہر طرح کا حساب و کتاب کرنے میں بڑا لائق (Efficient) تھا۔ امیہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ غلام مجھے دے دو اور ساتھ اتنا پیسہ ادا کر دو تو میں بلال کو آپ کے حوالے کر دوں گا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے موقع غنیمت جانا۔ اگرچہ نسطاس کو دینا آپ کے لیے بڑے نقصان کا باعث تھا۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق زار بلال کو حاصل کرنے کے لیے یہ نقصان برداشت کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ اپنی منفعت کو قربان کر دیا لیکن بلال حبشی کو امیہ سے خرید کر اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر دیا اور عرض کیا:

گفت ما دو بندگان کوئے تو
کردمش آزاد ہم برروئے تو

(عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ)

غزوہ بدر میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر تھے۔ امیہ ابن خلف آپ کے مقابلے میں آ گیا اور حضرت بلال کی تلوار کے وار سے وہ مرا اور واصل جہنم ہو گیا۔ جب امیہ گرا اور حضرت بلال نے اُس کی چھاتی پر قدم رکھا اور گردن پر تلوار رکھی تو امیہ حیران تھا کہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسا انقلاب لائے ہیں کہ غلاموں کو آقاؤں کے سینے پر چڑھا دیا ہے۔ حضرت بلال اُسے بتاتے ہیں کہ جو محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی خاک ہو جائے وہ افلاک پر پہنچ جاتا ہے:

بوریا ممنون خواب راحتش
تاج کسریٰ زیر پائے اُمتش

یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان ہے کہ عرش کے کرسی نشیں ہیں اور زمین پر بوریئے پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اور غلاموں کو اُٹھا کر بڑے بڑے متکبرین کی گردنوں پر بیٹھا دیا ہے۔ (۲)

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات (Biography) اس طرح ہے کہ آپ موصل کے رہنے والے

تھے۔عراق کے علاقے دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے درمیان موصل واقع ہے۔رومیوں (Romans) نے اس علاقے پر حملہ کیا اور تخت و تاراج کیا۔سب کچھ یہاں سے لوٹ کر لے گئے۔حضرت صہیب کو بھی غلام بنا کر روم لے گئے انہوں نے روم میں پرورش پائی تھی قبیلہ بنی کلب نے اُن کو خرید لیا اور پھر ایک منڈی میں اُن کو بیچ دیا۔کسی موقع پر آپ آزاد ہو گئے۔مکہ میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔آپ نے غلامی کی زندگی گزاری تھی اب آزاد تو تھے لیکن والی وارث کوئی نہیں جو آپ کی حفاظت (Defence) کرتا۔کلمہ پڑھنے کے بعد وہ دشمنوں کی اذیتوں کا پہ در پہ نشانہ بنے۔لیکن پوری ثابت قدمی سے حق کی منزل کی طرف اپنا سفر جاری رکھا۔

حضرت خبیب ابن عدی رضی اللہ عنہ

حضرت خبیب ابن عدی اوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدنی صحابی ہیں۔۴ ہجری میں ''سریہ الرجیع'' میں کفار مکہ نے آپ کو گرفتار کر لیا اور مکہ میں لا کر قید کر دیا۔یہاں ایک خاندان بنو حارث نے خرید لیا۔اُن کی مراد یہ تھی کہ بدر کی جنگ میں ان کا باپ حضرت خبیب کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔اُنہوں نے اپنے باپ کا انتقام لینے کے لیے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو خرید لیا اور مشق ستم بنایا۔حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن سے کہا کہ مراد نگی یہ تو نہیں کہ اکیلے آدمی کو یوں قید کر کے انتقام لو۔اگر اپنے باپ کا انتقام لینا ہے تو حارث کے بیٹے بن کر مردوں کی طرح باہر میدان میں مقابلہ کرو۔پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔مرد مردوں سے بدلے لیتے آئے ہیں۔مگر میدان میں آمنا سامنا کر کے ایسا کرتے رہے ہیں۔تم جو چاہو کرو مگر تاریخ تمہیں اچھائی سے یاد نہیں کرے گی مگر بنو حارث اپنی ذاتی عداوت پر قائم رہے۔

اس خاندان کا ایک بچہ اتفاقاً حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس چلا گیا حضرت خبیب نے بچے کو پیار سے اپنی گود میں بٹھا لیا۔حالانکہ آپ کے دشمن کا بچہ ہے جنہوں نے آپ کو قید کر رکھا ہے اور ظلماً آپ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا ہوا ہے۔حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس انگور آ گئے وہ انگور کھانے کے لیے بچے کو دے دیئے۔یہ ہیں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کہ بچے دشمن کے بھی ہوں تو اُن سے پیار کرو۔اس بچے کی ماں بڑی بے قرار ہوئی کہ ہمارے خاندان کی دشمنی ہے یہ ہمارے بچے کو مار نہ ڈالے۔حضرت خبیب نے کہا کہ میں مسلمان ہوں۔اسلام کا داعی ہوں حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھا ہے۔میرا دین کسی ظلم، دہشت گردی بدامنی کی اجازت نہیں دیتا۔ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے کچھ بھی ہو مجھے کسی معصوم اور بے گناہ کی جان لینے کا کوئی حق نہیں۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ انگور آپ کے پاس کس طرح آئے جبکہ یہ انگوروں کا موسم نہیں ہے

آپ نے کہا ''ھٰذَا رِزْقٌ مِّنَ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ تعالٰی'' یہ اللہ کی طرف سے مجھے بے موسم رزق ملا ہے۔

بے موسم پھل

رب تعالیٰ فرماتا ہے: {کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْھَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَھَا رِزْقًا قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ ھٰذَا قَالَتْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ}۔ (آل عمران: ۳۷)

(جب زکریا اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس کے پاس نیا رزق پاتے، کہا اے مریم یہ تیرے پاس کہاں سے آیا بولیں وہ اللہ کے پاس سے ہے)

یہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا کی بات ہے جو اللہ کے نبی کی ماں ہیں اور اللہ کے نبی حضرت زکریا علیہ السلام کی نگرانی میں ہیں جو کہ آپ کے خالو لگتے ہیں۔ اسلام سے قبل بنی اسرائیلی سیّد تھے۔ {وَاَنِّی فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ}۔ حضرت مریم علیہا السلام سیّد خاندان سے ہیں۔ اُن کے پاس تو بغیر موسم کے پھل آ سکتے ہیں لیکن حضرت خبیب ابن عدی رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں آباد اوس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اسلام کی آمد سے قبل اوس اور خزرج دونوں قبیلے مشرک تھے۔ اُن کے پاس بے موسم پھل کیونکر آ گئے۔ حقیقت یہ کہ جب رب سے کسی کا تعلق پیدا ہو جائے تو پھر رب کی عنائیتیں ہر کسی کے لیے ہو سکتی ہیں

نہ شاخ گل ہی اونچی ہے نہ دیوار چمن بلبل
تیری ہمت کی پستی ہے تیری ہمت کی کوتاہی
آج بھی ہو جو براہیم کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستان پیدا

حضرت خبیب ابن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ غریب الوطن، فاقہ مست، بے یار و مددگار ہونے کے باوجود ثابت قدم رہے اور پرچم محبت کو سربلند رکھا۔ ''تنعیم'' ایک مقام ہے جہاں حدود حرم ختم ہوتی ہیں وہاں پھانسی کا پھندہ تیار کیا گیا۔ جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو پھانسی دینے کے لیے وہاں لایا گیا تو آپ نے پھندے کے نیچے کھڑے ہو کر کہا ''ذَرُوْنِی اَرْکَعْ رَکْعَتَیْ'' مجھے دو رکعت نماز پڑھنے کا موقع دو۔ یہ اہل عشق کی نماز ہوتی ہے جس میں وہ اتنی لذت محسوس کرتے ہیں کہ اُس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا

نماز زاھداں محراب و منبر
نماز عاشقاں بر دار گیرد

(حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ)

که پرسی از نماز عاشقانه
رکوعش چوں سجودش محرمانا
تب و تاب یک اللہ اکبر
نه موجد در نماز پنجگانه

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

نماز عاشقانہ کے رکوع وسجود پر اسرار ہوتے ہیں۔ یہ نمازیں محرابوں میں نہیں بلکہ تلواروں کی چھاؤں میں ہوتی ہے۔ حضرت خبیب ابن عدی رضی اللہ عنہ نے پھندے کے نیچے سجدہ ریز ہوکر اپنے نامہ اعمال میں اللہ کی بارگاہ میں آخری اندراج (Entry) نماز کی کرائی۔

جب حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو پھانسی دیا جانے لگا تو کفار نے پوچھا اے خبیب! کیا یہ اچھا نہ ہوتا کہ تم اپنے گھر اپنے خاندان میں اپنے بیوی بچوں کے پاس ہنسی خوشی بیٹھے ہوتے اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمہاری جگہ پھانسی دی جارہی ہوتی۔ حضرت خبیب ابن عدی اُس وقت اپنے تاثرات بیان کرتے ہیں کہ اس دنیا کی نعمتیں اپنی جگہ اگر مجھے جنت دے دی جائے تو میں جنت سے دست بردار ہوجاؤں لیکن اپنے آقا حضرت محمد صلی للہ علیہ وآلہ وسلم پر آنچ بھی نہ آنے دوں اُس وقت بارگاہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یوں پیغام دیتے ہیں:

یا نسیم الصبح بلغ تقتنی
اِلیٰ مَن فداہ حیاتی و منیتی

حضرت خبیب ابن عدی رضی اللہ عنہ نے جو عزم، اخلاص اور حسن وفا کا جذبہ پیش کیا اُس نے اسلام کی عظمت و حقانیت کو اُجاگر کیا۔ بہت سارے کفار بعد میں حضرت خبیب کے اسی جذبہ ایثار سے متاثر ہوکر مسلمان ہوگئے۔

سورۂ عنکبوت کی جن آیات کی تفسیر بیان ہورہی ہے وہ حضرت خبیب ابن عدی رضی اللہ عنہ کی اس قربانی سے بہت پہلے نازل ہوئی تھیں جبکہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سن ۴ ہجری میں شہید کیا گیا۔ اس لیے اُن آیات کے شان نزول میں حضرت خبیب ابن عدی کا نام تو نہیں آتا لیکن مفسرین کے نزدیک ایسی آیات قرآن کا حکم عام ہوتا ہے۔ بعد میں پیش ہونے والے حالات وواقعات اگر آیات کے نزول کے موقع پر ہونے والے واقعات سے مماثلت رکھتے ہیں تو آیات میں بیان

کردہ حکم اور احوال کا اطلاق (Application) بعد کے واقعات پر ہوگی۔ کیونکہ اُن کے مضمون میں عمومیت پائی جاتی ہے۔ وہ کسی ایک طبقے کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

صوفیائے کرام کی تعلیم ۔ مشقتوں میں ڈالنا

رضائے حق کی خاطر کبھی بندہ مومن دشمنانِ حق کے سامنے سینہ سپر ہوکر مصائب اور تکالیف سے گزرتا ہے اور اپنی جان تک کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اس راہ میں آنے والے پریشان کن حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے۔ سورۂ عنکبوت کی روشنی میں بعض مردانِ حق کے حالات مختصراً بیان کئے گئے۔ راہ مولیٰ میں مشقتیں برداشت کرنے سے اللہ کی بارگاہ میں مرتبہ ملتا ہے۔ اسی طرح نفس امارہ کے خلاف جہاد کرنا اور اُس میں مشقت اور تکلیف سے گزرنا بڑے مرتبے کا موجب ہے۔ مقابلے میں جو دشمن کھڑا ہے اُس کے وار کو روکنا یا اُس پر وار کرنا یقیناً مشکل ہے لیکن اپنے اندر جو دشمن ہے (یعنی نفس اور نفسانی خواہشات کے وار سے اپنے آپ کو محفوظ کرنا اور اُسے مارنا ظاہری دشمن کو مارنے کے مقابلے میں زیادہ مشکل ہے۔

بیہقی شریف میں حدیث ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم چھوٹے جہاد (دشمنوں کے خلاف جنگ) سے واپس آ گئے ہیں اور اب بڑے جہاد (نفس امارہ کے خلاف جنگ) کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔

اس بات کا تعلق تصوف سے ہے اور صوفیاء اپنے آپ کو مشکلات میں مبتلا کرتے ہیں۔ اپنے نفس کو قابو میں کرنے اور توبہ واستغفار کے لیے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالنا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہے۔ جو اصحاب غزوہ تبوک پر حاضر ہونے سے رہ گئے تھے۔ حضرت کعب بن مالک اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بول چال ختم کر دی۔ فرمایا منافق تو نفاق کی وجہ سے اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے کیونکہ منافقت کی وجہ سے وہ ہمارے نہیں لیکن جو مخلص ہیں اُن کی کوتاہی قابلِ گرفت ہے۔ وہ صحابہ بہت پشیمان ہوئے اور خود اپنے آپ کو یہ سزا دی کہ مسجد نبوی کے ستونوں سے اپنے آپ کو باندھ لیا۔ کہا کہ اُس وقت تک بندھے رہیں گے تاوقتیکہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود کرم فرمائیں اور ہماری تقصیر کو معاف فرما دیں اور اپنے دست مبارک سے ہمیں کھول دیں۔ نماز کے وقت اپنے آپ کو کھلواتے نماز پڑھ کر پھر باندھ لیتے۔ مسجد نبوی کے اُن ستونوں کا نام: اُسْتَوَانَۃُ الاَسِیر (قیدی والے ستون) ہے۔ کئی دن وہ اسی حالت میں رہے۔ بالآخر رب تعالیٰ نے اپنے محبوب پاک کی تسکین فرمائی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں معاف فرمایا اور ستونوں سے کھول دیا۔ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیار اور آپ کی طرف سے معافی اس وقت ملی اور توبہ منظور ہوئی جب اپنے آپ

کو مشکلات میں ڈال چکے۔

صوفیاء چلے کاٹنے، روزے رکھنے، شب بیداری کرنے اور عبادت الٰہی میں مشغول رہنے کی مشقت اُٹھاتے ہیں تاکہ اللہ راضی ہو۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے بارہ برس تک اپنے آپ کو کنویں میں اُلٹا لٹکائے رکھا اور یہ صرف رضائے الٰہی کے لیے اپنے نفس کو مغلوب کرنے کے لیے کیا تھا۔

عوام مسلمین کے لیے اس میں یہ تعلیم کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ادا کریں۔ اپنے ماں باپ کی خدمت، حقوق زوجیت۔ بچوں کی پرورش، ہمسایوں کے ساتھ نیک سلوک اِن سب امور کو پورا کرنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں مگر اپنے رب کو راضی کرنے کے لیے یہ سب حقوق ادا کرنے چاہئیں۔

صحبتِ صالحین

مومنین وصالحین جنہوں نے جذبہ اخلاص سے آفات وشدائد کی وادی ہفت خواں کو طے کیا ہے اُنہیں ہم اس کا ثمر یہ عطا کریں گے کہ اُنہیں اللہ کے صلحاء بندوں کی انجمن میں داخل کریں گے۔

{وَالَّذِیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصَّالِحِیْن}

صوفیاء کے نزدیک صحبت شیخ کا یہ مقام ہے۔ شیخ کی صحبت اور نظر سے تزکیہ نفس حاصل ہوتا ہے اور طریقت کی منازل طے ہوتی ہیں۔ صالحین سے تعلق اور اُن کی صحبت نبیوں کا منتہائے تمنا ہے۔ وہ اچھے لوگوں کی سنگت چاہتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی:

{وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ} (النمل:۱۹)

(اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما)۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا ہے:

{تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ} (یوسف:۱۰۱)

(اور آخرت میں اپنے نیک بندوں میں داخل کیجئے)

یہ اللہ کے نبی تھے صاحبان مرتبہ تھے۔ پوری روئے زمین کے بادشاہ تھے مگر دعا کرتے ہیں تو اللہ کے نیک بندوں کی سنگت مانگتے ہیں۔

ارشاد باری ہے:{یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ}(التوبہ:۱۱۹)

(اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور نیکوں کی سنگت میں ہو کے رہو)۔

یہ واجبات شرعیہ میں سے ہے کہ ایمان اور عمل درست ہوں اور پھر اللہ والوں کی سنگت بھی حاصل ہو۔عبادات میں سب سے افضل عبادت صالحین کی سنگت ہے۔صحابیت اسلام میں بہت بڑا درجہ ہے لیکن یہ تلاوتِ قرآن نماز، روزے، حج یا کسی اور عبادت سے حاصل نہیں ہوا یہ صحبت اور سنگت سے حاصل ہوا ہے

بامحباں باش دائم همنشیں

تاتوانی روئے اعداء را مبین

اچھی سنگتوں سے بیڑے پار ہوتے ہیں اور بروں کی سنگت سے سب کچھ برباد ہو جاتا ہے۔ جہاں تک ہو سکے اہل محبت کے ساتھ بیٹھا اُٹھا کرو۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن جو درجہ بندی (Classfication) ہوگی اُس میں یہ دیکھا جائے گا کہ کس کا کس سے محبت کا تعلق ہے۔اور پھر جدائیاں ختم کر کے اُن کو اکٹھا کیا جائے گا۔

قرآن فرماتا ہے:{وَ اِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِیْمَ}۔(الصّٰفّٰت:۸۳)

(ابراہیم علیہ السلام نوح علیہ السلام کی جماعت کے تھے)۔دونوں کے درمیان دو ہزار دو سو چھبیس برس کا زمانہ حائل ہے مگر عقیدے، عمل اور کردار کی یکسانیت کی وجہ سے جماعت ایک ہی ہے۔

صحابہ اور اہلِ بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین (اہل بیت رسول کو صحابیت کا بھی شرف حاصل ہے) اسے زمانے کی دوری کے باوجود اُن کے عقیدے اور عمل کی پیروی سے ہم اُن کی سنگت میں شمار ہوں گے۔

امید ہے اس پیغام کو اپنے دل کی گہرائیوں میں جگہ دے کر ہمیشہ اہلِ اللہ کی مجلس کریں گے۔صوفیاء کہتے ہیں جب کسی کی منزل ٹوٹ جائے تو شیخ کی صحبت کریں اس سے حالات میں فوراً تبدیلی آتی ہے اور ٹوٹی ہوئی منزل بحال ہو جاتی ہے۔

وَ مَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنَ

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اجمعین

حواشی

(۱) صوفی بزرگ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، پیدائش:21ھ بمطابق 642ء وفات:110ھ بمطابق 728ء

خرقہ خلافت: آپ علی بن ابی طالب علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہوئے اور ان سے خرقہ فقر پایا۔ شاہِ ولایت امیر المومنین علی ابن ابی طالب نے حسن بصری کو وہ خرقۂ خاص مع کلاہِ چہارترکی عنایت فرمایا جو انہیں محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عطا ہوا تھا اور ساتھ ہی اپنی نگاہِ فقر سے ظاہری و باطنی علومِ اسرارِ الٰہیہ عطا کر کے خلافتِ کبریٰ سے نوازا اور ذکرِ کلمہ طیبہ بطریق نفی اثبات جیسا کہ حضرت علی علیہ السلام کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل ہوا تھا، وہ آپ کو سکھایا اور آپ کے ذریعہ سے وہ طریقہ تمام دنیا میں رائج ہوا۔

تذکرۃ الاولیاء میں خواجہ شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ خواجہ حسن بصری نے ایک سو بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی جن میں سے ستر بدری صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔

سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ آپ کے وسیلہ سے علی بن ابی طالب سے جاملتا ہے۔ تصوف میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ سنت نبوی کے سخت پابند تھے۔

۲: علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جس عشق و مستی کا ذکر کیا ہے اسے انسانی ارتقاء کیلئے لازم گردانتے ہیں اور وہ صرف عشق رسول سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ پر یہ حقیقت آشکار ہو چکی تھی کہ معرفت رسول ہی معرفت دین کا دوسرا نام ہے۔ علامہ اقبالؒ کے نزدیک عشق مصطفےٰ سر دین بھی ہے اور وسیلہ نجات بھی۔ یہ شعر ''اسرار خودی'' کی ایک نظم کا ہے۔

بوریا ممنونِ خواب راحتش — تاجِ کسریٰ زیر پائے امتش
در شبستان حرا خلوت گزید — قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شبہا چشم او محروم نوم — تا بتخت خسروی خوابید قوم
از کلید دیں درِ دنیا کشاد — ہمچو او بطنِ اُم گیتی نزاد

ان اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ جس نے خود بوریے پر لیٹ کر زندگی گزاری مگر امت کو فروغ بخشا کہ تاج کسریٰ ان کے قدموں تلے روندا گیا۔ انھوں نے غار حرا میں تنہائی میں راتیں بسر کیں تا کہ آپکی امت تخت خسروی پر متمکن ہو۔ آپ نے یہ راز آشکار کیا کہ دین کی کنجی سے دنیا کا دروازہ کھولو گے تو راہ راست پاؤ گے۔

پندرھواں درس قرآن: ۱۹، اپریل ۲۰۰۶ء

دنیا کی زندگی۔ ایمان کی حفاظت۔ جائے امن

عنوان

☆.....حفاظت ایمان کے لیے ہجرت

☆.....خواہشات نفسانیہ کو چھوڑنا

☆.....ناپائیدار دنیا

☆.....مشرکین کا مصیبت کے وقت اللہ کو پکارنا

☆.....اہل ذکر کی فضیلت

☆.....رزاق حقیقی اللہ ہے

☆.....سرزمین حرم جائے امن ہے

☆.....مدینہ طیبہ کی عزت وحرمت

☆.....ناموس رسالت کا تحفظ

☆.....ہجرت نہ کرنے کے لیے بہانے

☆.....اہل ایمان کی کوششوں کا ثمر

☆.....ہدایت میں ارتقاء ۔ تطہیر اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دنیا کی زندگی۔ایمان کی حفاظت۔جائے امن

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

{وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ) (64فَإِذَا رَكِبُوا فِي

الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ) (65لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ) (66أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَماً آمِناً وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُونَ) (67وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللّٰهِ كَذِباً أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْكَافِرِيْنَ) (68وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ} (العنکبوت: ۶۴۔۶۹)

حضرت جل جلالہٗ وعزاسمہ واتم برہانہ ارشاد فرماتے ہیں:

اورنہیں ہے یہ دنیوی زندگی مگر کھیل کود اور بلاشبہ جو آخرت کا گھر ہے وہی اصل میں زندگی ہے۔ اگر اس بات کو جانتے ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ اُس وقت کہ وہ کشتی پر سوار ہوں تو وہ پکارتے ہیں درآں حال کہ یہ دین کو خالص کرنے والے ہیں۔ جس وقت پروردگار عالم اُن کو دریا یا سمندر سے نجات عطاء فرماتے ہیں۔ اچانک وہ شرک کا ارتکاب کرتے ہیں تاکہ وہ اُس چیز کی ناشکری کریں جو ہم نے اُن کو عطاء فرمائی ہے تاکہ وہ فائدہ حاصل کریں۔ عنقریب اُنہیں پتہ ہی چل جائے گا۔ کیا اُنہوں نے اس بات کو نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم شریف کو ایک امن کی جگہ بنادیا ہے۔ اور اُن کے گردونواح سے لوگوں کو اُچک لیا جاتا ہے۔ کیا وہ باطل پر ایمان رکھتے ہیں؟ اور اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اور اُس سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ کے بارے میں جھوٹی باتیں تراشتا ہے یا سچائی کو جھٹلاتا ہے۔ جس وقت اُس کے پاس آجائے۔ کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں ہے؟ وہ لوگ جنہوں نے ہماری راہ میں مجاہدات کیے یا کرتے ہیں اُنہیں یقیناً ضرور بضرور اپنے راستوں کی راہنمائی فرمائیں گے۔ بیشک اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

آیات طیبات کا تحت اللفظ ترجمہ حاضرین کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

حفاظت ایمان کے لیے ہجرت

سابقہ آیات سے اِن آیات کا تعلق ہے۔ جب مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے کا فرمان جاری فرمایا۔ اُس وقت بعض لوگ سوچنے لگے کہ اس شہر (مکہ) میں اپنے آباؤ اجداد سے جمے ہوئے (Well Established) ہیں۔ یہاں کے باشندے ہیں۔ اثر ورسوخ ہے۔ راہ ورسم ہے۔ ہر طرح کی زندگی کی سہولتیں حاصل ہیں۔ اپنی بنی بنائی جگہ چھوڑ کر ایک نئی جگہ نئے سرے سے آباد ہونا خاصا مشکل ہے۔ مدتیں لگیں گی پھر ہم کہیں جا کر صحیح قیام کرسکیں گے۔ تو رب تعالیٰ نے فرمایا:

{یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ} (العنکبوت: ۵۶)

(اے ایمان والے بندوں میری زمین کھلی ہے)

مکہ شریف میں بھی غذائیں دینے والا اللہ ہے، اللہ تمہارا خالق ہے۔ وہ ہر جگہ تمہیں رزق فراہم کرسکتا ہے۔ یہ صرف مکہ شریف ہی کی خصوصیت نہیں ہے کہ تمہیں خوراک صرف یہاں ہی ملتی ہے۔ مکہ شریف میں رہ کر بھی رزق کا فقدان ہوسکتا ہے۔ اس لیے چاہیے کہ اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لیے ہجرت کریں۔ حدیث شریف ہے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من فر بدینہ من ارض وان کان شبرا من الارض استوجبت لہ الجنۃ (مدارک التنزیل ۱/ ۲۴۷ (تفسیر النسفی) تحت آیت ۹۷/ ۴ دار الکتاب العربی بیروت)

ایک سرزمین سے دوسری سرزمین کی طرف سفر کرے خواہ ایک بالشت کا فاصلہ ہو اگر دین کو بچانے کے لیے سفر کیا تو اتنے عمل سے اُس نے اپنے اوپر جنت واجب کرلی۔ اگر کسی علاقے میں برائی اور بے حیائی کا ارتکاب کثرت سے ہو۔ لوگ گناہوں میں مبتلا ہوں تو ایمان والے کو چاہیے کہ اُس جگہ کو چھوڑ کر ایسی جگہ چلا جائے جہاں نیک لوگ بستے ہوں۔

خواہشات نفسانیہ کو چھوڑنا

اسی طریقے سے نفسانی خواہشات کی پیروی سے دین کو خطرہ ہے۔ تو وہ تقویٰ کی طرف مائل ہو کر نفس کی پیروی سے بچتا ہے۔ صوفیا کے نزدیک یہ خواہشات نفس کو چھوڑ کر تقویٰ، طہارت اور نیکی کی طرف ہجرت ہے۔ وہ خوراک، ماحول اور سنگت جو معصیت کا موجب ہیں آدمی اُن کو ایمان کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ اور ایسا ماحول اختیار کرتا ہے جس میں دشواریاں تو ہوتی ہیں لیکن اپنے رب کی رضا جوئی ہے اور ایسا نیک بندہ بھی جنت کا مستحق قرار پاتا ہے۔

ناپائیدار دنیا

انسان اپنے وطن، گھر بار اور وہاں کی سہولیات کو چھوڑنے سے گریز کرتا ہے صرف اپنی اس غرض کو پورا کرنے کے لیے دین وایمان کی پرواہ نہ کرنا اپنی آخرت کو برباد کرنا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ}

جس دنیا کی محبت میں انسان اپنا دین ڈبو دیتا ہے اُسے سمجھنا چاہیے کہ یہ دنیا بچوں کے کھیل کود سے کم نہیں۔ بچے باہر کھیلتے ہیں مٹی کے گھر بناتے ہیں۔ لیکن جیسے ہی گھر سے آواز آتی ہے کہ کھانا تیار ہے جلدی آؤ اور روٹی کھالو۔ تو مٹی کے اپنے ہاتھوں بنائے ہوئے گھروندے وہ اپنے ہاتھ پاؤں سے پامال کرکے دوڑ کر اپنے گھر چلے آتے ہیں۔ رب فرماتا ہے کہ یہاں

تمہارے آراستہ مکان (Docorated House) اور اُس میں قرینے سے رکھے ہوئے ساز وسامان یہیں رہ جائیں گے جب موت کا بلاوا آ جائے گا۔ موت کے وقت اُن مکانوں، جائیدادوں، زمینوں منقولات اور غیر منقولات سے آدمی کو کوئی دلچسپی نہیں ہوگی۔ دنیا کے وہ سارے سامان مرنے والے کے نزدیک بے قیمت ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی سب سہولتیں عارضی (Temporary) ہیں۔ لہٰذا عارضی اور فانی دنیا اور اس کی زندگی کے لیے آخرت کی دائمی (Permanent) زندگی کو پامال نہ کرو۔ اس لیے دین کے لیے اللہ کی راہ میں ہجرت کرو اور ظاہری آسائشات پر فریفتہ نہ ہو۔

جس زندگی کے بعد موت ہے وہ زندگی تو زندگی نہ ہوئی۔ اصل زندگی تو وہ ہے جس کے بعد موت نہیں۔ اگر تم بارگاہ الٰہی میں کامیاب ہوئے تو تمہارا مقدر جنت ہے۔ جنت میں ہمیشہ رہنا ہے وہاں سے نکلنا نہیں ہے۔ قطرے کو سمندر سے کچھ نسبت ہوتی ہے لیکن اس دنیا اور یہاں کی زندگی کو اگلی زندگی کے مقابلے میں کچھ بھی نسبت نہیں ہے۔ اگلے گھر کی زندگی اصل زندگی ہے اُس کی فکر کرو۔

مشرکین کا مصیبت کے وقت اللہ کو پکارنا

انسان موقع پرست واقع ہوا ہے۔ اچھے وقت میں وہ اپنی من مانی کرتا ہے اُس وقت عموماً وہ خدا کو بھول جاتا ہے۔ اپنی موت اُسے یاد نہیں ہوتی، آخرت کی فکر نہیں کرتا۔ لیکن جیسے ہی کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو اُسے اللہ یاد آ جاتا ہے اور مصیبت سے بچنے کے لیے اللہ کو پکارتا ہے۔

{فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ}

مشرکین مکہ حبشہ کی طرف سفر کرتے تو بحیرہ احمر (Red Sea) کشتی کے ذریعے سے عبور کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کشتی ہچکولے کھانے لگی اور سواروں کو ڈوبنے کا خطرہ ہونے لگا تو اُس وقت براہ راست اللہ وحدہٗ لاشریک کو پکارنا شروع کر دیا۔ حالانکہ وہ کعبہ شریف میں تین سو ساٹھ بتوں کو پوجنے والے تھے اُس وقت اُن کے اپنے بنائے ہوئے خدا یاد نہیں آئے۔ اس کا مطلب ہے کہ فطرتاً آدمی کے ضمیر میں یہ داعیہ موجود ہے جو سچے الٰہ (خدا معبود) کی نشاندہی کرتا ہے۔ آدمی اس دنیا میں اپنی ذات کیلئے دنیا کے لالچ میں ہیرا پھیریاں کرتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے۔ اپنے دوستوں، رشتہ داروں تک کو معاف نہیں کرتا۔ لیکن جب موت آ کر گھیر لیتی ہے تو اُس وقت اُسے سوجھتا ہے کہ کاش میں نے اپنی زندگی اپنے رب کی رضا میں گزاری ہوتی۔ مشکل وقت میں تو اللہ یاد آئے اور آسانی میں دوسروں کو خدا بنا رکھا ہو۔

اسی لیے صوفیاء کا مسلک یہ ہے کہ بندوں کو خدا کی طرف راغب رکھا جائے۔ حالات کیسے بھی ہوں آدمی خالصتاً اللہ

کو یاد کرے۔ پاس انفاس، صلوٰۃ دائمی اور سانس کی آمد و رفت میں بندہ وقت کی رفتار کے ساتھ نہیں چلتا بلکہ ہمہ وقت اپنے رب کا وفادار ہوتا ہے۔ رب سے تعلق جوڑے رکھنا (Fully Committed) اُس کا شعار ہوتا ہے۔

اہل ذکر کی فضیلت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :ان للہ ملائکۃ یطوفون فی الطرق یلتمسون اھل الذکر، فاذا وجدوا قوما یذکرون اللہ تنادوا، ھلموا الی حاجتکم فیحفونھم باجنحتھم الی السماء الدنیا، قال: فیسئلھم ربھم، وھو اعلم منھم، مایقول عبادی؟ قال: تقول :یسبحونک ویکبرونک ویحمدونک ویمجدونک، قال فیقول: ھل راونی؟ قال: فیقولون: لا واللہ! ما راوک، قال: فیقول: کیف لو راونی؟ قال :یقولون: لو راوک کانوا اشد لک عبادۃ و اشد لک تمجیدا و اکثر لک تسبیحا، قال :یقول :فمما یسئلون؟ قالوا :یسئلونک الجنۃ، قال: یقول: وھل راوھا؟ قال :یقولون: لا واللہ یا رب! ما راوھا، قال :یقول :فکیف لو انھم راوھا؟ قال :یقولون: لو انھم راوھا، کانوا اشد علیھا حرصا و اشد لہ طلبا و اعظم فیھا رغبۃ، قال: فممما یتعوذون قال :یقولون :من النار، قال :یقول :وھل راوھا؟ قال :یقولون :لا واللہ یا رب !ما راوھا، قال :یقول فکیف لو راوھا؟ قال :فیقولون :لو راوھا کانوا اشد منھا فرارا و اشد لھا مخافۃ، قال: فیقول :فانی اشھدکم انی قد غفرت لھم، قال: یقول :ملک من الملائکۃ فیھم فلان لیس منھم انما جاء لحاجۃ، قال: ھم الجلساء لا یشقی جلیسھم۔ (صحیح بخاری، باب فضائل الذکر)

(اللہ کے بعض فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں گھومتے پھرتے ہیں اور اللہ کی یاد کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں۔ جس وقت وہ اہل ذکر کو پا لیتے ہیں تو فرشتے ایک دوسرے کو بلاتے ہیں کہ آؤ اپنی ضرورت کی طرف۔ پھر فرشتے زمین سے آسمان تک اُنہیں اپنے پروں میں گھیر لیتے ہیں۔ اللہ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کیا کہتے ہیں۔ فرشتے جواب دیتے ہیں مولا کریم یہ تیری حمد، تسبیح، تکبیر اور تمجید بیان کرتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے کیا اُنہوں نے مجھے دیکھا ہے۔ عرض کی تجھے دیکھا نہیں۔ رب فرماتا ہے اُن کا کیا حال ہوتا اگر وہ مجھے دیکھ لیتے۔ فرشتے کہتے ہیں یا اللہ اگر وہ تیرا دیدار کر لیتے تو تیری عبادت سب سے زیادہ کرتے اور سب سے بڑھ کر تیری تسبیح بیان کرتے۔ اللہ کریم فرماتا ہے کہ وہ مجھ سے مانگتے کیا ہیں فرشتے کہتے ہیں اے اللہ تجھ سے جنت مانگتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُنہوں نے جنت دیکھی ہے۔ عرض کرتے ہیں

جنت دیکھی ہوئی تو نہیں۔ اگر جنت دیکھی ہوئی ہوتی تو پھر کیسی حالت ہوتی۔ پھر تو یہ بہت زیادہ اُس کے طلبگار رہوتے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں۔ جواب دیں گے دوزخ سے۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کیا اُنہوں نے دوزخ کو دیکھا ہے۔ جواب دیں گے واللہ اُنہوں نے دوزخ کو دیکھا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اُنہوں نے دوزخ دیکھی ہوتی تو پھر کیا حال ہوتا۔ فرشتے جواب دیتے ہیں وہ جہنم سے فرار میں سب سے آگے ہوتے اور سب سے زیادہ خوف کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اپنے اِن بندوں کی مغفرت فرمادی۔ اس پر ایک فرشتہ بول اُٹھے گا اُن ذاکرین میں فلاں بیٹھا ہوا تھا جو ذکر والوں میں سے نہیں تھا کسی ضرورت سے آ گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ذاکرین اللہ کے وہ بندے ہیں جن کی مجلس میں بیٹھنے والا نامراد نہیں ہوتا)۔

اس حدیث پاک میں اہل ذکر کی فضیلت بیان ہوئی۔ ذکر الٰہی کی مجالس کو فرشتے ڈھونڈتے ہیں۔ قرآن مجید کی تلاوت اُس کی تعلیم اُس کے معنی و مطالب کو سمجھنا، ذکر الٰہی کی سب سے اعلیٰ معیاری قسم ہے اور قرآن مجید میں سب اعلیٰ ورد اُس کا نماز میں تلاوت کرنا ہے۔ یہ علما، صوفیا، فقہا کی متفقہ تحقیق ہے سرکار بغداد حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی حیات طیبہ میں چالیس سالہ زندگی ایسی ہے جس میں آپ دو رکعتوں میں پورا قرآن مجید ختم کرتے تھے ان چالیس سالوں میں آپ کی یہ نماز کبھی قضا نہیں ہوئی۔

حضرت امام ابوحنیفہ کا یہ معمول تھا رات کا کچھ حصہ جاگتے تھے اور کچھ سوتے تھے۔ ایک دن بازار سے گزرتے ہوئے آپ نے بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سن لیا کہ یہ نوجوان ساری رات جاگتا ہے اور نماز میں قرآن مجید پڑھتا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ اگر قوم یہ سمجھتی ہے کہ میں ساری رات جاگتا ہوں تو مجھے اُن کی توقعات پر پورا اُترنا چاہیے۔ اُس دن کے بعد آپ نے پوری رات جاگنا اور قرآن پاک کا ختم کرنا اپنا معمول بنالیا۔

ذاکرین کی جستجو فرشتے کرتے ہیں۔ ذکر کرنے والے مل بیٹھ کر ذکر کرتے ہیں۔ اکیلے بھی ذکر ہوسکتا ہے لیکن مل کر ذکر کرنے کی قیمت زیادہ ہے۔ حدیث پاک ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وعنْ أَبی هُریرةَ، أَنَّ رسُولَ اللّٰہِ قالَ: یقُولُ اللّٰہُ تعالی: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِی بِی، وَأَنَا مَعهُ إِذَا ذَکَرَنی، فَإِن ذَکَرَنی فی نَفْسهِ، ذَکَرْتُهُ فی نَفسی، وإِنْ ذَکَرَنی فی ملإٍ، ذکرتُهُ فی ملإٍ خَیْرٍ منْهُمْ متَّفقٌ علیهِ۔ (مشکوٰۃ بحوالہ متفق علیہ)

(میں (اللہ) بندے کے گمان سے بھی زیادہ قریب ہوں جو وہ میری ذات سے رکھتا ہے۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر وہ میرا ذکر دل میں کرتا ہے تو میں بھی دل میں اُس کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر وہ اجتماع بنا کر میرا ذکر کرتا ہے تو اُس سے بہتر اجتماع میں اُس کا تذکرہ کرتا ہوں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی کی مجلس بنانا ہر کسی کا کام نہیں بلکہ کوئی ایسا صاحبِ حال بندہ ہوتا ہے جو ذکر کی محفل سجاتا ہے۔ فرشتے اُن مجالس ذکر کو تلاش کر کے اُن میں شامل ہوتے ہیں۔ اُس میں ذاکرین اللہ کی تحمید، تسبیح، تکبیر اور تمجید کرتے ہیں۔ مسلمان کلمہ تمجید یاد کرتے ہیں:

سُبْحَانِ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم۔ یہ ایک حوالہ (Reference) ہے کہ پورے کلمہ تمجید کا مفہوم اہل ذکر کے ذکر میں بیان ہوتا ہے۔

ذکر کی مجلس بنا کر ذاکرین اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اُس کی تحمید و تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اللہ فرشتوں کو گواہ بنا کر فرماتا ہے کہ میں نے اُن کی بخشش فرما دی ہے۔ وہ گناہوں سے توبہ نہیں کر رہے۔ معافی نہیں مانگ رہے۔ اللہ اللہ کر رہے ہیں۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اُن کی معافی کا انتظار نہیں فرماتا بلکہ یاد کرنے والوں کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ اور رب تعالیٰ اِن بندوں کا ذکر فرماتا ہے۔ {فَاذْکُرُوْنِیْٓ اَذْکُرْکُمْ} یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اُنہیں یاد بھی کروں اور پھر گنہگار بھی ٹھہراؤں۔

ذاکرین کی مجلس میں اتفاق سے ایک بندہ آ گیا وہ اُن کی جماعت میں سے نہیں اور ذکر کے ارادے سے وہاں آیا بھی نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اُس کو بھی معاف کر دیا۔ یہ سب ہم نشیں ہیں اور جو اِن کا کسی طرح بھی ہم نشیں ہو جائے وہ بدبخت کبھی نہیں رہتا۔ اس سے پتہ چلا کہ جو اللہ کے ذکر کا مقام ہے بارگاہ الٰہی میں وہ بہت عظیم ہے۔

رزاق حقیقی اللہ ہے

اللہ رب العزت نے حکم فرمایا کہ دین و ایمان کی حفاظت کے لیے ہجرت کرو منکرین حق کو چھوڑ دو اور یاد حق کرنے والوں کے پاس جا کر ڈیرے لگاؤ۔ تمہیں دنیا میں اپنی معاشی تنگی کی فکر دامنگیر ہے۔ اس کی فکر نہ کرو۔ رزق بہم پہنچانے والی اللہ کی ذات ہے۔

{وَکَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّۃٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَھَا اللّٰہُ یَرْزُقُھَا وَاِیَّاکُمْ} ۔(العنکبوت:۶۰)

(اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے خدا ہی ان کو رزق دیتا ہے اور تم کو بھی)

زمین پر پھیلی ہوئی مخلوق چرند، پرند اور درند اِن سب کو کھانے کے لیے کون دیتا ہے انہیں سردی، گرمی اور موسمی

تغیرات سے کون بچاتا ہے۔ وہ اللہ ہے جو سب کا خالق، مالک اور روزی رساں ہے۔ علامہ بیضاوی اور امام نسفی رحمہما اللہ تعالیٰ کی تحقیق ہے دنیا میں تین حیوان ہیں جو خوراک ذخیرہ (Store) کرتے ہیں۔ ایک انسان دوسرا چوہا اور تیسرے چیونٹی۔ اِن کے علاوہ کوئی حیوان غلہ جمع نہیں کرتا۔ کبھی کسی نے پرندوں کو دانہ دنکا جمع کرتے نہیں دیکھا۔ جتنے مویشی ہیں کبھی گھاس بھوسا وغیرہ جمع کر کے نہیں رکھتے۔

ہمارے مفسرین اور فقہاء نے تحقیق کی ہے۔ صحیح ترتیب کے ساتھ غلہ سٹور کرنے والی چیونٹی ہے۔ چیونٹیوں کی تین اقسام ہیں۔ ایک وہ جو غلہ لانے کا کام کرتی ہیں ایک وہ جو ذخیرہ کر کے رکھتی ہیں اور وقتاً فوقتاً دفاع میں شریک ہوتی ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو رابطے (Communication) کا کام کرتی ہیں۔ آپ نے دیوار پر چیونٹیوں کی قطار دیکھی ہوگی دونوں سمت سے آنے جانے والی چیونٹیاں آپس میں منہ جوڑتی ہیں دراصل وہ ایک دوسرے کو کوئی پیغام (Message) دے رہی ہوتی ہیں کہ وہاں اتنا غلہ ہے اتنا لے کے آرہے ہیں اتنا ذخیرے میں جمع کر دیا ہے۔ کبھی چیونٹیوں کی بل کھودی گئی ہو تو دیکھنے میں آیا ہوگا کہ بل کے اندر سب دانے ٹوٹے ہوتے ہیں۔ اگر دانہ پورا رہے تو وہ اُگ آتا ہے اگر اُسے بیچ میں سے کاٹ دیا جائے تو پھر پھوٹ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹی سی مخلوق کو اتنا شعور دیا ہے کہ اگر پورا دانہ رکھا گیا تو وہ اُگ پڑے گا اور چیونٹیوں کی خوراک نہیں بن سکے گا۔ اللہ کریم نے فرمایا ساری دنیا کے جانوروں اور سارے حشرات الارض کو کھانے کے لیے میں دیتا ہوں۔ اس لیے اللہ کی خوشنودی کے لیے تم نے اپنا شہر چھوڑ دیا تو اللہ تمہیں دوسری جگہ روزی دینے پر قادر ہے تمہیں اُس پر توکل کرنا چاہیے۔

تم مکہ کو اپنا مستقل (Permanent) شہر سمجھتے ہو۔ لیکن غور کرو جب تم سمندروں کی موجوں میں کشتی پر سوار ہوتے ہو تو اُس وقت اللہ کو پکارتے ہو۔ اور اُس وقت اللہ تمہاری مصیبتوں کو ٹالتا ہے۔ جو اللہ مکہ سے دور سمندروں میں تمہاری دستگیری کرتا ہے وہ رب تمہیں مکہ چھوڑنے کے بعد مدینہ میں بسائے گا اور تمہارے سارے کام سنوار دے گا۔

زندگی کی جتنی سہولتیں ہیں وہ نفع حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہیں اُن سے نفع بھی اللہ کی مرضی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ آدمی کے پاس دنیا کی جس قدر آسائشات ہوں وہ اُن سے فائدہ اُسی وقت اُٹھا سکتا ہے جب اللہ چاہے۔ مثال کے طور پر کئی لوگ ایسی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اُنہیں ڈاکٹر بہت ساری کھانے پینے کی لذیذ چیزوں کے استعمال سے منع کر دیتے ہیں۔ وہی خوراک گھر کے نوکر چاکر کھا رہے ہیں لیکن جس کے پاس ہے وہ اُس سے نفع نہیں اُٹھا سکتا۔ کبھی جلد کی ایسی بیماری ہو جاتی ہے کہ قیمتی لباس نہیں پہن سکتے۔ سونے کے زیورات پاس موجود ہیں لیکن نہیں پہن سکتے۔ ان ساری

چیزوں کا نفع بھی اُسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب رب کی رضا ہو۔

سرزمین حرم جائے امن ہے

رب العزت فرماتا ہے:

{اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ}

یقیناً حرم شریف امن والی جگہ ہے لیکن اُس کی اپنی فطرت میں امن نہیں ہے۔

عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام علیہ الرحمۃ نے اس مسئلے پر گفتگو فرمائی ہے کہ حرم مکہ امن والا اور برکت والا ہے۔عزالدین بن عبدالسلام کا سن وفات ٦٦٦ھ ہے۔مصر کے رہنے والے تھے۔ یہ پیری مریدی کے قائل نہیں تھے۔ان کی ملاقات مشہور ولی کامل حضرت شیخ سیّدابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔اُس کے بعد اِن کے دِل کی حالت بدل گئی اوران کی بیعت کرلی۔حضرت ابوالحسن شاذلی حسینی سادات میں سے تھے۔اسلامی علوم کے ماہر عالم تھے۔صاحب کمال درویش تھے۔مصراورافریقہ کےعلاقوں میں آپ کی پیری مریدی کا خاص سلسلہ ہے۔

کوئی جگہ اوروقت بذاتِ خود برکت والانہیں ہے۔اُس جگہ یا وقت کی برکات کی کوئی وجہ ہوتی ہے۔اوروجہ یہ ہے کسی اللہ کے برکت والے بندے نے کوئی برکت والا کام کیا ہے۔ برکت والا کام اُس جگہ ہوا ہے اوراُس وقت ہوا ہے جس نے جگہ کو برکت والا بنادیا اورزمانے کوبھی برکت والا بنادیا۔جتنی ذات میں برکت پائی گئی اُتنی ہی وقت اورجگہ میں برکت ہوگئی ہے۔

کعبہ شریف کوقبلہ بنایا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

بیت المقدس کوقبلہ بنایا حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ ووالسلام نے

سب سے پہلے جائے قبلہ کے لیے کعبہ شریف کوحضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نےتعمیر کیالیکن کعبہ شریف میں پہلے وہ کیفیات نہیں تھیں جوحضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں شروع ہوئیں۔اس سے پہلے مقام ابراہیم نہیں تھا،صفا اورمروہ کے درمیان چکرلگانا(سعی کرنا)نہیں تھا۔مقام ابراہیم پرنوافل اورصفاومروہ کی سعی یہ بعد میں ہوئے۔

چکرلگانا،سعی کرنا،میدان عرفات میں نویں ذالحجہ کوصبح سے لے کرغروب آفتاب سے پہلے پہلے کسی وقت ٹھہرنا، حلال چوپاؤں کوذبح کردینا یہ سب کچھ مزاج عبادت نہیں ہے بلکہ مزاج دیوانگی ہے۔ یہ عشق ومحبت کا اظہار ہے جس کا نام عبادت ہے۔عبادت کی دواقسام ہیں۔ایک عبادت وہ جس کوعقل قبول کرلے۔سمجھ آئے کہ یہ عبادت ہے ایسی عبادت کا

ثواب کم ہے دوسری عبادت وہ ہے جو سمجھ نہ آئے مگر کرنا صرف اس لیے ہے کہ محبوب خوش ہو جائے۔

نماز عبادت ہے اُس کے لیے وضو کیا جاتا ہے، قیام، رکوع، سجود، قرات، تسبیحات وغیرہ کیے جاتے ہیں ان سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ سارے کام رب کی پوجا میں ہو رہے ہیں۔ ایک عبادت کا تصور اُبھرتا ہے۔ کسی کو معبود مان کر اُس کے حضور حق بندگی ادا کر رہے ہیں۔

حج کے جملہ مناسک میں اہم ترین رکن میدان عرفات میں قیام ہے۔ اگر نویں ذوالحجہ کو مقررہ وقت (صبح سے شام غروب آفتاب سے پہلے تک) وہاں نہیں آیا تو حج نہیں ہوگا دوبارہ حج کرنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ جتنے مناسک حج میں اگر اُن میں سے کوئی رکن رہ جائے تو اُس کا ازالہ دم دے کر صدقہ ادا کر کے ہو سکتا ہے۔ عرفات کے میدان میں ٹھہرنا کیسی عبادت ہے۔ عقل انسانی اسے عبادت تسلیم نہیں کرتی لیکن ایک مسلمان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ حج جیسی اہم عبادت کا بنیادی رکن ہے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مائی حوا علیہا السلام اسی مقام (عرفات) میں مدتوں کے بعد ملے تھے۔ تین سو برس کی طویل مدت تک رب کی ناراضگی سے گزرے توبہ کرتے ہوئے یہاں ملے تو رونے لگے۔ اُسی دن اُسی وقت میدان عرفات میں حضرت آدم و حوا علیہا السلام کی رونے کی ادا کی نقل کرنا یہ امر معقول نہیں۔ دراصل یہ عشق و محبت کی ادا ہے جو بارگاہ الٰہی میں عاشقوں کی عبادت ہے۔ یہ عشق کا مزاج ہے کہ اہل عشق مایوس نہیں ہوتے ہیں۔ تین سو برس لگاتار استغفار کرتے رہے۔ مالک قبول نہیں کر رہا لیکن جنہوں نے مانا یہی ایک در ہے بخشش یہیں سے ہے اس لیے یہاں بخشش مانگتے رہیں گے۔ چھوڑیں گے نہیں۔ جن لوگوں نے عقل کی دیواروں کو پھلانگ کر عشق کی دنیا میں قدم رکھا اور اپنے رب کو راضی کر لیا۔ رب العزت نے اپنے پیارے بندوں کی اداؤں کو عبادت بنا دیا۔ میدان عرفات کی یہ عظمت اور برکت محض اُس جگہ کی وجہ سے نہیں بلکہ عرفات والوں کی وجہ سے ہے۔

بحکم الٰہی حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لخت جگر کی گردن پر تیز دھار چھری رکھ دیتے ہیں۔ یہ عمل غیر معقول ہے۔ اگر یہ قرین عقل ہوتی تو دوسروں کو بھی یہ حکم ہوتا۔ بیٹا ذبح کر دینے سے کون سا فائدہ حاصل ہونے لگا ہے۔ انفرادی یا اجتماعی کسی طرح کا کوئی فائدہ حاصل ہونے والا نہیں۔ لیکن عشق بولا ایسے ہی ملتا ہے یار۔ اُس وقت سے مقام منیٰ اہلِ محبت کا مرکز بن گیا۔ عاشق کی غرض نفع اور خسارے سے نہیں ہوتی۔ وہ تو ایک ہی بات سمجھتا ہے کہ میرا یار اس طرح راضی ہوتا ہے

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

اُس وقت سے حج کعبہ فرض ہوا بیت المقدس کا حج کبھی نہیں ہوا۔ کعبہ عشاق کا قبلہ ہے۔ کعبہ اور اُس کے اردگرد کو یہ

خصوصیت عطاء کردی کہ وہاں امن وامان حاصل ہوتا ہے۔ یہ کعبہ کا کردار نہیں بلکہ کعبے والوں کا کردار ہے۔ ایک مسلمان کے لیے یہ بڑی یادگاری بات ہے۔ تاریخ میں یہ بات کئی مرتبہ آزمائی ہوئی ہے کہ شیر وہاں بکری پر حملہ نہیں کرتا۔ جنگل کے جانور جانتے ہیں کہ یہاں سے عاشقوں کا قافلہ گزرا ہے۔ باز تیتر کا یہاں پیچھا نہیں کرتا۔ انسان عقل رکھتا ہے وہ یہ سمجھ کر کہ اللہ کا گھر ہے وہاں شکار نہیں کرتا کہیں نقصان نہ ہو جائے لیکن درندوں اور پرندوں کو کس طرح پتہ ہے کون سی اُن کے سامنے تبلیغ ہوتی ہے کہ وہ اُس کو حرم مانتے ہیں اور وہاں حملہ نہیں کرتے۔ ثابت ہوا کہ بندگان خدا جہاں سے گزرتے ہیں اُن کے احترام کو جانور بھی محسوس کرتے ہیں۔

مدینہ طیبہ کی عزت وحرمت

کتب صحاح کی حدیث ہے:

حدثنا إسماعيل بن عبد الله، قال: حدثني اخي، عن سليمان، عن عبيد الله بن عمر، عن سعيد المقبري، عن ابي هريرة رضي الله عنه، ان النبي صلى الله عليه وسلم، قال: '' حرم ما بين لابتي المدينة على لساني''، قال: واتى النبي صلى الله عليه وسلم بني حارثة، فقال: اراكم يا بني حارثة قد خرجتم من الحرم، ثم التفت، فقال: بل انتم فيه. (صحیح البخاری، کتاب: مدینہ کے فضائل کا بیان، باب: مدینہ کے حرم کا بیان۔ حدیث نمبر 1869)

(ہم سے اسماعیل بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے میرے بھائی عبدالحمید نے بیان کیا، ان سے سلیمان بن بلال نے، ان سے عبیداللہ نے، ان سے سعید مقبری نے اور ان سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ کے دونوں پتھریلے کناروں میں جو زمین ہے وہ میری زبان پر حرم ٹھہرائی گئی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنوحارثہ کے پاس آئے اور فرمایا بنوحارثہ! میرا خیال ہے کہ تم لوگ حرم سے باہر ہو گئے ہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مڑ کر دیکھا اور فرمایا کہ نہیں بلکہ تم لوگ حرم کے اندر ہی ہو)

عن انس رضی اللہ عنہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، قال: **''المدينة حرم من كذا إلى كذا، لا يقطع شجرها، ولا يحدث فيها حدث من احدث حدثا، فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين.''**

(صحیح البخاری، کتاب: مدینہ کے فضائل کا بیان، باب: مدینہ کے حرم کا بیان۔ حدیث نمبر 1867)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مدینہ حرم ہے فلاں جگہ سے

فلاں جگہ تک (یعنی جبل عیر سے ثور تک) اس حد میں کوئی درخت نہ کاٹا جائے نہ کوئی بدعت کی جائے اور جس نے بھی یہاں کوئی بدعت نکالی اس پر اللہ تعالیٰ اور تمام ملائکہ اور انسانوں کی لعنت ہے)

مسند احمد، مسند المدنیین میں حدیث مبارک ہے: **عن السائب بن خلاد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من اخاف اھل المدینۃ ظلماً اخافہ اللہ وعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل اللہ منہ یوم القیامۃ صرفا ولا عدلا۔**

(سیدنا سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے اہل مدینہ کو ظلم کرتے ہوئے خوف زدہ کیا اللہ تعالی اس کو خوف زدہ کرے گا اور اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالی اس سے قیامت کے دن کوئی فرض یا نفل عمل قبول نہیں فرمائے گا- (حدیث نمبر: 15962)

یزید پلید نے مدینہ طیبہ کی حرمت کو پامال کیا تھا۔ اُس نے مدینہ شریف پر حملہ کرنے کے لیے لشکر بھیجا۔ یہ جنگ حرہ کے نام سے مشہور ہے۔ مدینہ شریف میں ایک علاقہ ہے جہاں سرخ رنگ کے پتھر اور ریت ہیں۔ یہاں دو ہسپتال ہیں **مستشفی الصدر** اور **مستشفی الرمق** کہلاتے ہیں۔ یزید کے لشکر نے یزید لعین کے حکم سے کھلم کھلا اہل مدینہ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے۔ غالباً سات سو صحابہ رضوان اللہ علیہم شہید ہوئے اور شہر طیبہ کی پاکباز کنواری بیٹیوں کی عصمت دری کی گئی اور نو ماہ کے بعد ایک ہزار بچے پیدا ہوئے۔

آج بھی یزید کے بعض کاسہ لیس ہیں جو اُس ظالم پلید کو جنتی ثابت کرنے کی ناپاک جسارت کرتے ہیں۔ اگر اس طرح یزید ملعون اور اُس کے پلید اور لعین ساتھیوں کو جنت ملتی ہے تو پھر ابوجہل اور دیگر ظالمین کو بھی کیوں جنت نہ ملے۔

اللہ تعالیٰ نے حرم کی سرزمین کو امن والا بنایا ہے حالانکہ اُس کے اردگرد کے لوگوں کو اُچک لیا جاتا ہے۔ وہاں ڈکیتیاں ہوتی ہیں امن وامان کا مسئلہ رہتا ہے۔ لیکن حرم شریف اس طرح کے خطرات سے پاک ہے۔ اور جس کسی نے حرم شریف کے امن کو خراب کرنے کی کوشش کی اور اُس کی طرف بُرا ارادہ کیا وہ اپنا بُرا انجام دیکھتے رہے۔ اس کی ایک اہم مثال ہاتھی والے لشکر کی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے ذریعے ذلت کے ساتھ ہلاک کیا: **{فَجَعَلَ هُمْ كَعَصْفٍ مَّاكُوْل}**۔ (الفیل: ۵)

اس کے ساتھ ہی اگلی سورت **لِاِیْلٰفِ** ہے۔ قریشیوں کو دور دراز کے سفروں کی طرف راغب کر دیا۔ وہ جہاں جاتے اُنہیں اہل حرم جان کر اُن کی عزت کی جاتی تھی۔ باہر کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ یہ اُس مقدس سرزمین کے باشندے ہیں جن کی حفاظت کے لیے ابابیل بھیج کر ابرہہ اور اُس کے لشکریوں کو ہاتھیوں سمیت اس طرح تباہ کر دیا جیسے چری ہوئی گھاس

ہوتی ہے۔اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے مقرب اور محبوب بندوں کی جگہیں عزت والی ہوتی ہیں اور اُن سے تعلق اور نسبت رکھنے والے لوگ محترم ہوتے ہیں۔اور اُن کے ساتھ زیادتی کرنے والوں کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

ناموس رسالت کا تحفظ

ابرہہ اور اُس کے لشکر کی ابابیلوں کے ذریعے سے تباہی دراصل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادگار ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چچازاد بہن اور جناب حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم کی ہمشیرہ حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بہت ساری کنکریاں ایک مٹکے میں جمع کر رکھی تھیں ابابیلوں نے وہی کنکریاں ایک ایک کر کے چونچ میں لیں اور وہ کنکریاں ہاتھی والوں پر بم ثابت ہوئیں۔

رب کریم کی غیرت کا معاملہ تھا کہ اُس کا محبوب اُس شہر میں قدم رکھے اور کوئی اُس شہر کے امن کو برباد کرنے کی ناپاک جرات کرے۔یہ کیسے ممکن ہے؟ وہ وہی خدا ہے جو اپنے محبوب کو بچپنے کے دور میں ابابیل بھیج کر اُس کے شہر کی حرمت کی حفاظت کرے۔اب تو اُس کی نبوت کا دور ہے اُس کے نظام اور دین کی اشاعت کا زمانہ ہے۔{وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى}۔ جو اس محبوب کو اس کے ماننے والوں کو اس کے دین کو چھیڑے گا تو پھر اُس کا رب اُسے کیونکر چھوڑے گا۔وہ ہرگز عتاب الٰہی سے نہیں بچ پائے۔

ہجرت نہ کرنے کے لیے بہانے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:{اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ}۔

کفار مکہ کی باتوں میں آ کر یہ اُن کی باتوں کا یقین کرنے لگ گئے ہیں اور اپنے رب کی نعمتوں کی ناشکری کر رہے ہیں۔سب سے بڑی نعمت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے جس کے وسیلے سے ساری نعمتیں ملی ہیں۔اُس نعمت عظیمہ کو چھوڑنا اپنا سب کچھ اکارت کرنا ہے۔دین کی خاطر ہجرت نہ کرنے کے لیے من گھڑت عذر پیش کر رہے ہیں:

{وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ}۔

اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر افترا کرتا ہے (جھوٹ گھڑتا ہے) اور سچائی کو جھٹلاتا ہے۔

{اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ}۔ جو ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں اور صریح احکام کے مقابلے میں من گھڑت باتیں کر کے لوگوں کے قلوب واذہان میں مشکوک پیدا کر رہے ہیں یہ اُن کی کافرانہ سوچ ہے۔نبی کے پروگرام کو خراب کرنا بے ایمانوں کا کام ہے اس لیے اُن کا ٹھکانا جہنم ہے۔

اہلِ ایمان کی کوششوں کا ثمر

رب العزت فرماتا ہے: {وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا}

جنہوں نے اللہ کے دین اور مشن کے فروغ، ترقی و بقاء کے لیے محنت اور کوشش کی ہے۔ اپنی جان اپنا مال اپنا سیاسی اثر ورسوخ انفرادی اور اجتماعی قوت کو نیک مقصد کے لیے استعمال کیا ہے تو رب العلمین فرماتا ہے ہم اُن کی اپنی طرف راہنمائی فرمائیں گے۔ اپنا قرب عطاء کریں گے۔ صوفیاء کا مسلک ہے کہ ایک سیر الی اللہ ہے اور ایک سیر فی اللہ ہے۔ سیر الی اللہ کی حد ہے مگر سیر فی اللہ کی کوئی حد نہیں:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

ہدایت میں ارتقا۔ تطہیر اہلِ بیت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام

قرآن میں اہلِ بیت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تطہیر بیان ہوئی:

{اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا} (الاحزاب: ۳۳)

(اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے)۔

آلِ رسول سے بغض وعداوت رکھنے والے اس سے باطل معنیٰ گھڑتے ہیں کہ اگر اہلِ بیت پہلے سے ہی پاک ہیں تو پھر یہاں تطہیر کا ارادہ ہونے کے کیا معنیٰ ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ اہلِ بیت پہلے سے پاک نہیں تھے (نعوذ باللہ من ذالک)۔ جو چیز پہلے سے حاصل ہو اُس کا پھر حاصل ہونا تحصیل حاصل ہے۔ ایسے لوگ اہلِ بیت اطہار کی شان میں یہاں تک دریدہ دہنی کرتے ہیں کہ (خاکم بدہن) اہلِ بیت کے دلوں اور دماغوں میں تکبر کے بت ہو سکتے ہیں جن سے اُن کی تطہیر کی ضرورت ہے (استغفر اللہ العظیم)۔ ایسا شخص بھلا ایمان والا کیسے ہو سکتا ہے یہ سراسر کافرانہ سوچ ہے اور کافرانہ تفسیر ہے۔ اہلِ بیت میں سب سے پہلے مخاطب حضور سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے۔ تکبر اور تکبر کے بت۔ یہ نسبت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرنا کفر صریح ہے۔ ایسے لوگوں کی باطل سوچ کا جواب اسی آیت میں ہے جو ایمان لا چکے اور اخلاص مند ہو کر زندگی کی متاعوں کو راہ حق میں لٹا چکے ہیں اُن کو اپنی طرف سے ہدایات میں اضافہ کرتے جائیں گے۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ پہلے سے ہدایت حاصل ہے لیکن پھر ہدایت کے درجات (Classes) میں ترقی ہوتی

چلی جاتی ہے۔ {اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْم}۔ یہ الفاظ نماز میں پڑھے جارہے ہیں۔ حالانکہ نماز قائم کرنے سے پہلے ہدایت یافتہ ہیں تو نماز قائم کی ہے لیکن اس کے باوجود عین حالت نماز میں صراط مستقیم کی طرف ہدایت کی دعا مانگی جارہی ہے۔ کیا اسے تحصیل حاصل کہا جائے گا؟ تحصیل حاصل وہاں ہوتی جہاں ارتقا ممکن نہیں۔ ایک تعلیم یافتہ آدمی ایم اے کرتا ہے پھر پی ایچ ڈی کرتا ہے۔ پھر اُس سے آگے کسی اور تعلیمی سند کے حصول کی تیاری کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تعلیم (Education) میں ترقی (Progress) ممکن ہے۔ کوئی بندہ مقام ولایت پر پہنچ گیا، ولی اللہ بن گیا لیکن لگاتار عبادت کرتا رہتا ہے۔

اہلِ بیت اطہار کو پاکیزہ کیا اُن کی تطہیر اولی وابدی ہے۔ لیکن طہارت کے درجے آگے سے آگے ہیں اور طہار اہلِ بیت میں ترقی ہوتی رہے گی۔

حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی الانبیاء اور رسول المرسلین ہیں۔ ساری کائنات کے رسول اور امام ہیں آپ کے درجوں میں بھی ارتقا ممکن ہے: {وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی} دِن بدن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجے میں ترقی ہوتی چلی جاتی ہے۔ {اِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ}۔ ہدایت کے راستے دکھانا صرف اُنہیں کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ خدا کا یہ دائمی قانون ہے کہ ہمیشہ نیکوکاروں کو اللہ تعالیٰ اپنی معیت، مصاحبت کے ذریعے سے ترقی عطا فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ اس بیان کو ہمارے لیے قیامت کا توشہ بنادے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت میں سرخرو فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

سولہواں درس قرآن: ۳ مئی ۲۰۰۶ء

حقانیت اسلام کی ظاہری شہادت

عنوان

☆.....جہد پیہم کا ثمرہ

☆.....زندگی کے ہر شعبے میں مشکلات

☆.....امتحانات کے بعد کامیابی کی عملی نظیر

☆.....سلطنت کسریٰ Persian Empire

☆.....سلطنت روم Roman Empire

☆.....قرآن کی پیشین گوئی ۔ روم کا دوبارہ غلبہ

☆..... پانسا پلٹ گیا

☆.....اسلام کی صداقت

☆.....وعدہ حق تعالیٰ

حقانیت اسلام کی ظاہری شہادت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

{الم) (1غُلِبَتِ الرُّومُ) (2فِيۡ أَدۡنَى الۡأَرۡضِ وَهُم مِّن بَعۡدِ غَلَبِهِمۡ سَيَغۡلِبُونَ) (3فِيۡ بِضۡعِ سِنِيۡنَ لِلَّهِ الۡأَمۡرُ مِن قَبۡلُ وَمِن بَعۡدُ وَيَوۡمَئِذٍ يَفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُونَ) (4بِنَصۡرِ اللّٰهِ يَنصُرُ مَن يَشَاءُ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ) (5وَعۡدَ اللّٰهِ لَا يُخۡلِفُ اللّٰهُ وَعۡدَهُ وَلَكِنَّ أَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُونَ) (6يَعۡلَمُونَ ظَاهِراً مِّنَ الۡحَيَاةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ عَنِ الۡآخِرَةِ هُمۡ غَافِلُونَ) (7أَوَلَمۡ يَتَفَكَّرُوا فِيۡ أَنفُسِهِمۡ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمَاوَاتِ وَالۡأَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا إِلَّا بِالۡحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى وَإِنَّ كَثِيۡراً مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمۡ لَكَافِرُونَ) (8أَوَلَمۡ يَسِيۡرُوا فِيۡ الۡأَرۡضِ فَيَنظُرُوا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِن قَبۡلِهِمۡ كَانُوا أَشَدَّ مِنۡهُمۡ

قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ) (9ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاؤُوا السُّوأَى أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ}(الروم:۱۔۱۰)

حضرت جل جلالہٗ وعزاسمہ واتم برہانہ ارشاد فرماتے ہیں۔

ا ل م یہ حروف مقطعات ہیں۔اس کے کسی معنیٰ پر جزم کرنے کی اجازت نہیں۔اس کا معنیٰ اللہ جانے یا اللہ کی عطاء سے اللہ کا رسول اور اللہ والے جانیں۔رومیوں کو مغلوب کر دیا گیا۔قریب کی سرزمین میں (اَدْنَی الْاَرْض فرمایا ہے۔ یہ شام کی سرحد کا علاقہ ہے۔اسی علاقے میں جنگ تبوک ہوئی تھی) وہ اپنے مغلوب ہوجانے کے بعد جلد ہی غالب آجائیں گے چند سالوں میں (عربی زبان میں بضْعٌ کا لفظ تین (۳) سے نو (۹) تک کے لیے استعمال ہوتا ہے) پہلے بھی حکومت اللہ ہی کی تھی اور آج بھی اور اُس کے بعد بھی حکومت اللہ ہی کی ہے۔اور جس دن رومیوں کو غلبہ حاصل ہوگا اُس دن ایمان والے خوشی منائیں گے اللہ کی امداد پر۔اللہ جس کی چاہتا ہے امداد فرماتا ہے۔وہ غالب بھی ہے اور دانائے راز بھی ہے اور رحمن ورحیم بھی ہے۔اللہ کا وعدہ مدنظر رکھو۔اللہ رب العزت اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔لیکن لوگوں کی ایک بھاری اکثریت حقیقت سے بے خبر ہے۔یہ دنیوی زندگی کے ظاہری پہلو سے آشنا ہیں اور یہ لوگ آخرت کے بارے میں بے خبر ہیں۔کیا یہ اپنی جانوں پر غور نہیں کرتے۔اللہ نے آسمانوں اور زمین کو نہیں پیدا کیا اور جو کچھ اُن دونوں کے درمیان ہے۔نہیں پیدا کیا مگر سچائی کے ساتھ۔سچ مچ اُس کو رب نے پیدا کیا ہے۔اور ایک وقت مقرر تک کے لیے اُس کو پیدا کیا ہے۔اور بلاشبہ انسانوں کی بھاری اکثریت اپنے پروردگار کے ساتھ ملنے کا انکار کرتی ہے۔کیا اُنہوں نے زمین میں چل پھر کر کے نہیں دیکھا کہ وہ اس بات پر غور کرتے کہ اُن لوگوں کا انجام کیسا ہوا ہے جو اُن سے پہلے تھے وہ طاقت میں اِن سے کہیں بڑھ چڑھ کے تھے۔ اُنہوں نے زمین کو پھاڑا بھی اور اُسے آباد بھی کیا۔

(اَثَارَ یُثِیْرُ اِثَارًا) کے معنیٰ ہل جوتنا کے ہیں۔مگر یہاں مراد محض ہل چلانا نہیں بلکہ زمین کو کھود کر معدنیات (Minerals) جواہر ثمینہ قیمتی پتھروں اور دھاتوں کا نکالنا ہے) اُس سے کہیں زیادہ جس طرح کہ اب لوگوں نے اُس کو آباد کیا ہے۔پھر اُن کے پاس اُن کے رسول نشانیاں لے کر کے آئے۔اللہ کی شان ایسی نہیں ہے کہ وہ اُن پر ظلم کرے۔جو اُن پر عذاب آئے ہیں وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہیں۔پھر اُن لوگوں کے انجام پر بھی تم غور کرو جنہوں نے کسی بدی کو ابھارا اور اُنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور وہ اللہ کی آیتوں کا مذاق اُڑا رہے تھے۔

فن تفسیر میں یہ بات بڑی اہم ہے کہ قرآن مجید کی کسی سورت کی ابتداء اور انتہا کا ربط ہوتا ہے۔ جب کسی خطبے کی ابتداء کو اُس کی انتہا سے تعلق نہ ہو وہ فن بلاغت، فصاحت اور بیان کی قوت سے محروم ہوتا ہے۔

سورۂ روم کی ابتدائی آیات کا ترجمہ بیان ہو چکا اب اُس کی تفسیر بیان کرنے سے پہلے سابقہ قرآنی مضمون کا جائزہ لیتے ہیں۔ گزری ہوئی سورت سورۂ عنکبوت ہے اُس کے شروع میں ارشاد ہوا۔

{الٓمٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ}۔

کیا لوگوں کا یہ گمان ہے کہ ایمان کا تلفظ زبان سے کر لینے (لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ پڑھ لینے) سے اُنہیں اپنی مرضی پر چھوڑ دیا جائے گا اور اُنہیں کسی آزمائش سے نہیں گزرنا ہوگا۔ اُن کا یہ سمجھ لینا کہ کلمہ اسلام پڑھ لینے کا مطلب مادی مفادات کا حصول ہے۔ دنیوی منفعت ہے۔ دنیا کے معاملات میں کامیابی ہے تو یہ اُن کی بہت بڑی بھول ہے۔ اُنہیں یقین ہونا چاہیے کہ اسلام کوئی کاروباری دین نہیں ہے اگر اسلام قبول کیا ہے کلمہ ایمان پڑھ لیا ہے تو پھر تقاضا یہ ہے:

یہ گلستان چاہتا ہے تیری شہ رگ کا لہو

اسلام میں تمہارے ایمان کی پختگی اور سچائی کو آزمائشوں سے گزار کر پرکھا جائے گا۔ اس میں مصائب و مشکلات کی وادی ہفت خواں کو طے کرنا ہوگا اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان، مال، اولاد اور خاندانی عزت و وقار تک کی قربانی دینی ہوگی:

سنبھل کر قدم رکھنا عاشقو راہ محبت ہے
کہیں ایسا نہ ہو سارا سفر بیکار ہو جائے

جہد پیہم کا ثمرہ

جو اہل ایمان راہ حق میں جس طرح مصروف جہاد ہوئے، تن من دھن کی بازیاں لگا دیں اور متاع زیست کو لٹایا۔ موت و حیات کی کشمکش میں پڑتے چلے گئے اُنہیں رب عزوجل نے عزت و عظمت سے نوازا۔

{وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا}۔ فرمایا اپنے اِن بندوں کو نظر انداز (Neglect) نہیں کریں گے۔ جن لوگوں نے ہمارے راستے میں مشکلات سہی ہیں اُن کو ہم منزل مقصود پر جانے والے راستے دکھائیں گے۔

درد از یار است درماں تیز ہم
دل فدائے اُوشد و جانیز ہم

مشکل پاون والا آپے، آپے ہے حل کردا
عاشق نوں لا روگ پرم دا میل سجن ول کردا

(میاں صاحب عارف کھڑی رحمۃ اللہ علیہ)

مسلمان پر جب کوئی مصیبت آئے تو اُسے رب کی رحمت کا انتظار کرنا چاہیے زندگی میں مشکلات سے نبٹنے کا ڈھنگ آنا چاہیے۔ اس سے انسانی ارادوں میں پختگی پیدا ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک آدمی کشتی سیکھتا ہے تو پھر اُس مارنے اور مار کھانے سے خوف نہیں ہوتا۔ مسلمان کو جب یہ یقین کامل ہے کہ میں رضائے الٰہی کے لیے زندگی گزار رہا ہوں تو پھر اُس کی تسکین ہو جاتی ہے اور مصائب و مشکلات اُس کے لیے روزمرہ کا معمول (Routine Matters) بن جاتے ہیں:

قید حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

زندگی کے ہر شعبے میں مشکلات

دنیا میں زندگی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس میں مصیبتیں، تکلیفیں اور مشکلات نہ ہوں۔ دنیا میں جو طاقت ور طبقے مانے جاتے ہیں اُن کی زندگیاں خطرات سے دوچار ہوتی ہیں۔ حکمران سیاسی اثر و رسوخ والے، قانون دان، امراء اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز شخصیات جس قدر پریشانیوں اور زندگی کے اردگرد خطرات میں مبتلا ہوتے ہیں عام افراد معاشرہ کو وہ پریشانیاں نہیں ہوتیں اور نہ اُن کی زندگی کو کوئی ناگہانی خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس دنیا میں زندگی گزارتے ہوئے کوئی گردش نہ آئے اور کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ ایسا تو ممکن نہیں ہے۔

ہر شئی جہانِ عمر کی ناپائیدار ہے
غم پائیدار ہے نہ خوشی پائیدار ہے

اسلام اللہ کا وہ دین ہے جو حالات کی گردش اور مصائب کے ہجوم میں ثابت قدم رہنے کا ایسا طریقہ سکھاتا ہے کہ مصیبتیں آئیں اور جائیں اور مسلمان پر اُن مصیبتوں کے آنے اور جانے کا کوئی اثر نہ ہو اور ہر طرح کے حالات میں اللہ کا شکر کرتے ہوئے کامیابی سے زندگی گزارے۔

رنج سے خوگر ہوا اِنسان تو مٹ جاتا ہے

مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آسان ہوگئیں

امتحانات کے بعد کامیابی کی عملی نظیر

جو دین یہ بتا رہا ہے کہ کلمہ اسلام مان لینے اور پڑھ لینے سے صبر و ہمت برداشت کی راہ پر خار سے گزرنا پڑے گا۔ وہی دین یہ خوشخبری بھی دیتا ہے کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں، ثابت قدم رہو پھر دیکھو تمہاری اِن مساعی جمیلہ کو کس طرح تاج عزت پہنایا جاتا ہے۔ اس نظریے کی ایک عملی نظیر (Precedence) قرآن مجید سورۂ روم میں بیان فرماتا ہے۔ سورۂ روم اور سورۂ عنکبوت میں اسی مضمون کا ربط پایا جاتا ہے۔

اس جگہ قرآن مجید نے اُن واقعات کا ذکر کیا ہے جس سے مسلمان مطمئن (Satisfied) ہوں۔ جو نظریہ (Theory) اور اصول (Principle) بتائے گئے ہیں اُس اصول کے مطابق سابقہ مسلمان گزرے ہیں اور اُن مسلمانوں کو تاج سروری پہنایا گیا ہے۔

سلطنت کسریٰ (Persian Empire)

قرآن ارشاد فرماتا ہے: {غُلِبَتِ الرُّوْم}۔ (رومیوں کو مغلوب کر دیا گیا)۔

اس کے تاریخی پس منظر (Historical Backgbround) پر غور کریں۔ کسریٰ کی سلطنت (Persian Empire) ایک بہت بڑی عالیشان سلطنت تھی اس کا دارالحکومت (Capital) بغداد تھا۔ جملہ ریاستہائے ملحقہ (Exceeding States) جن میں حجاز مقدس، یمن، ہندوستان، افغانستان اور روس (Rusia) وغیرہ شامل تھیں سب شاہ کسریٰ کے ماتحت تھیں ان کی مرکزی حکومت (Central Government) ایران تھی۔ یہ سب ریاستیں شہنشاہ ایران کی باجگزار ریاستیں (Tributary States) تھیں۔ یہ خراج (Tributary Tax) مرکزی حکومت کو دیتی تھیں۔ مرکز کے نشان اطاعت کے طور پر خراج ادا کرتی تھیں۔

بادشاہ وقت کے محل کا نام قصر مدائن تھا اور قصر ابیض (White House) بھی اسے کہتے تھے۔ یہ شہر مدائن میں واقع تھا۔ امریکہ میں جو وائٹ ہاؤس مشہور ہے 1891ء تک اس کا نام ایڈم ہاؤس (Adam House) تھا۔ امریکہ کی اس عمارت کو آگ لگائی گئی تھی اُس کے دھویں سے ساری عمارت سیاہ ہوگئی۔ اس کی مرمت کے بعد اس کو سفیدی کی گئی جس سے وہ شاہان ایران کا محل لگنے لگا۔ غالباً اسی لیے امریکہ کی اس عمارت کو وہائٹ ہاؤس کہا جانے لگا۔

جب حضور نبی آخر الزمان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی اُس وقت نوشیرواں تخت

سلطنت پر متمکن تھا۔ ابن حبان اور حاکم مستدرک نے ایک مشہور روایت نقل کی ہے کہ جب تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ ہوئی ایوان کسریٰ (شاہی محل) میں زلزلہ آ گیا جس سے محل کے چودہ مینار گر گئے: (فَسَقَاتَتْ اَرْبَعَ عَشَرَ شَرَافَةً)

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوت کے اندر لکھا ہے کہ اس شاہی خاندان کے چودہ آدمی بعد میں حکمران ہوئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد پاک پر جتنوں نے سلامی مجرا پیش کی اتنے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ نے عزت عطا فرمائی یعنی حکمران بنے۔ نوشیرواں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان نبوت سے پہلے انتقال کر گیا تھا۔ تاریخ میں نوشیرواں کا عدل مشہور ہے۔

نوشیرواں کے بعد اُس کا بیٹا جس کا نام ہرمز تھا وہ تخت نشین ہوا۔ ہرمز کے استاد کا نام بزرجمہر تھا جو چوٹی کا فلسفی تھا۔ یہ سارے لوگ آتش پرست تھے۔ بزرجمہر عمر رسیدہ ہو گیا تو اُس نے شاہی کابینہ سے استعفیٰ دے دیا۔ اور اپنے مذہب کے مطابق گوشہ تنہائی میں عبادت میں مصروف ہو گیا۔

ہرمز جب بادشاہ بن گیا تو خوشامدی درباری اُس کے اردگرد اکٹھے ہو گئے اور اپنی طاقت اور اختیارات کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے سلطنت میں ظلم وستم کا بازار گرم کر دیا۔ ذرہ سی بات پر لوگوں کا قتل عام کیا جاتا۔ دشت وصحرا انسانیت کے خون سے رنگیں ہو گئے۔ کئی مرتبہ دریائے دجلہ کی سطح خون آلود ہو گئی۔ اس ظلم و بربریت کے نتیجے میں ہرمز کی سلطنت کے خلاف بغاوتیں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ رفتہ رفتہ بابل، آرمینیا میں علمِ بغاوت بلند ہوئے۔ عرب (جس میں حجاز شریف تھا) افغانستان، ہندوستان اور دیگر سب ماتحت ریاستوں نے مرکزی حکومت سے علیحدہ ہونے کا اعلان کر دیا اور خراج دینا بند کر دیا حتیٰ کہ اندرون ملک بھی بغاوت شروع ہو گئی۔

سلطنت کسریٰ کی ابتر صورت حال کے پیش نظر ترکستان کے خان خاناں سپہ سالار (Commander-in-Chief) پانچ لاکھ کی فوج لے کر ایران کی مشرقی سرحد پر آن پہنچا۔ جب ایرانیوں نے اُس کی مزاحمت کرنا چاہی تو ترک خان خاناں نے اُن سے کہا کہ ہم رومی حکومت (Roman Empire) کے مقابلے میں تمہاری مدد کے لیے آئے ہیں کیونکہ رومی تمہیں کمزور دیکھ کر تمہاری رہی سہی قوت کو کچل دینا چاہتے ہیں۔ خان خاناں کی بات کا یقین کرتے ہوئے ایران نے اُس کی فوج کو خوش آمدید کہا اور وہ ایران میں داخل ہو گئی۔ داخل ہوتے ہی اندرون ملک جنگ چھیڑ گئی اور ایران کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جہاں جنگ نہ ہو رہی ہو۔

دوسری طرف رومی ایران کے اندرونی خلفشار کو دیکھتے ہوئے اُس پر حملے کے لیے پرتول رہے تھے۔ رومیوں کی فوج کا سپہ سالار (Commander-in-Chief) بیرام تھا۔ بیرام نے دس ہزار سپاہیوں کا لشکر تیار کیا اور ایران پہنچ کر وہاں موجود ترک فوج پر حملہ کر دیا۔ اور ترکوں کو شکست فاش دے دی یہ بیرام اور اُس کی فوج کا بہت بڑا کارنامہ تھا کہ دس ہزار نے پانچ لاکھ کے لشکر کو عبرتناک شکست دے دی۔ جس کی وجہ سے بیرام خان خاناں ایران میں ہر دلعزیز (Popular) ہونے لگا۔ ہرمز (شاہ ایران) رومیوں کی مداخلت اور بیرام کی مقبولیت کو بری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ اُسے اندیشہ ہوا کہ شاید بیرام اُس کی بادشاہی چھین لے گا۔ اس لیے بیرام کو اُس کی رومی فوج سمیت کچلنے کے لیے ہرمز نے ارادہ کر لیا۔

سلطنتِ روم (Roman Empire)

رومی حکمرانوں کا دارالسلطنت (Capital) بیزیٹیم (Byzantiam) (موجودہ نام استنبول) تھا۔ رومیوں کے اُس وقت کے بادشاہ کا نام سائرس تھا۔ پورا یورپ، افریقہ، مشرق الاوسط کے تمام ممالک، فلسطین لبنان، لیبیا، مصر، اُردن سب رومی سلطنت کے زیر تسلط تھے۔ جب رومی ایران پہنچے تو اُن سے پہلے بیرام ترکیہ کو وہاں شکست دے چکا تھا۔ ایرانیوں نے بیرام کو اپنے رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے کہا کیونکہ وہ ماہر حرب تھا اور پہلے ہی پانچ لاکھ کی فوج کو کچل چکا تھا۔ اس لیے رومیوں کے خلاف جنگ آزمائی کا کام اُسی سے لینا چاہا۔ ہرمز جو کہ ذہنی طور پر بیرام سے ناخوش تھا مگر اُس وقت کے کٹھن حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہرمز نے سرِتسلیم خم (BowDown) کرنے میں ہی عافیت سمجھی جب بیرام مقابلے کے لیے گیا اور ایسا زبردست حملہ رومیوں پر کیا کہ اُن کی ساری طاقت کو بیخ و بن سے ادھیڑ کر رکھ دیا۔ اس طرح بیرام کی دھاک ایران پر بیٹھ گئی۔ اس موقع پر ہرمز نے ایک کاتنے کا چرخہ اور ایک زنانہ سوٹ سزا کے طور پر بیرام کو بھیجا کہ تمہارا طریق جنگ مجھے پسند نہیں آیا اب تم یہ زنانہ لباس پہن کر فوج (Army) کے سامنے آجاؤ۔ جب اُس نے ایسا کیا تو بیرام کے سپاہیوں کو اپنے جرنیل کی اس ہتک پر بڑا دکھ ہوا اُنہوں نے ہرمز کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔ جنگ شروع ہوگئی ہوتے ہوتے دارالحکومت تک لڑائی پہنچ گئی۔ اس کے نتیجے میں رومی زیادہ غلبے کے ساتھ اندرون ملک داخل ہوگئے۔

لوگوں نے ہرمز کو ہٹا کر بیرام کو تاجور بنانے کی کوشش کی۔ لیکن شاہی خاندان کے لوگ سختی سے مانع ہوئے۔ وہ ہرمز کو ہٹا دینے پر رضامند ہوگئے لیکن بیرام کو تاج پہنانے سے انکار کر دیا۔ اُنہوں نے کہا کہ ہم ساسانی خاندان ہیں اور بادشاہ اسی خاندان (شاہ نوشیرواں کا خاندان) سے بنے گا۔ چنانچہ اسی خاندان میں سے ایک شخص کی تاجپوشی کی گئی لیکن اُس

کے فوراً بعد لوگوں میں شدید اختلاف پیدا ہوگیا اور بہت سارے لوگ مقررہ بادشاہ کے مخالف ہوگئے۔اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے خسروثانی کو تاج پہنایا گیا۔خسروثانی ہرمز کا بیٹا تھا۔تاج شاہی پہنانے کے بعد اُسے اُس کے باپ کے سامنے لایا گیا اور اُس سے مطالبہ کیا گیا کہ اپنے باپ کو اُن سب کی موجودگی میں سزا دے وگرنہ اُسے بھی بادشاہت سے ہٹادیا جائے گا۔تخت شاہی کے لالچ میں خسروثانی نے اُن کی بات مان لی اور باپ کو بڑی تکلیف میں رکھا۔اس کے بعد خسروثانی نے اپنے ایک بھائی کو دشمنوں کے مقابلے میں بھیجا لیکن ساتھ ہی اس کے خلاف بھی جنگ چھڑ گئی۔خسروثانی وہاں سے بھاگا اور رومنوں کے پاس آ کر پناہ گزین ہوا۔بعد میں اُسے اطلاع ملی کہ اُس کے ماں باپ سمیت پورے خاندان کو قتل کردیا گیا ہے۔

رومیوں کے بادشاہ سائرس نے اپنی بیٹی کی شادی خسروثانی سے کردی۔اس کی بیٹی کا نام مریم تھا۔اس کے بعد وہ ایران پر حملہ آور ہوا اور میدان مار لیا۔اس طرح دونوں ملکوں کے تعلقات دوستانہ ہوگئے لیکن ساتھ ہی روم میں اُس کے بادشاہ (سائرس) کے خلاف بغاوت اُٹھ کھڑی ہوئی۔اُن کا کہنا یہ تھا کہ ایک دشمن ملک کے ساتھ رواداری کرکے اور خسرو کو اپنی بیٹی بیاہ کردینے کی غلطی کی ہے اور پوری قوم کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔لہٰذا سائرس کو قتل کردیا گیا اور اُس کی جگہ فوکس (جو سائرس کا جنگی جرنیل تھا) کو تاج پہنا دیا۔پھر فوکس کے خلاف جنگ شروع ہوگئی۔لوگوں نے ہرقل (Hercules) کو خط لکھا جو سرزمین افریقہ (ایک صوبہ تھا) کا گورنر تھا۔ملک کے خراب حالات کو سنبھالنے کے لیے ہرقل سے کہا گیا۔چونکہ وہ بہت بوڑھا ہوچکا تھا اس لیے اُس نے اپنے بیٹے کو بھیج دیا۔یہ ہرقل دوئم کے نام سے مشہور ہوا۔یہ تخت نشین ہوا اب تک جو حالات بیان ہوئے اُن کے مطابق رومن ایرانیوں کے مقابلے میں غالب رہے۔لیکن اس کے بعد طاقتوں میں تغیرات (Alteration of Power) شروع ہوگئے۔

خسروثانی اہل روم پر سخت برہم تھا کیونکہ اُنہوں نے اُس کے سسر شاہ سائرس کو قتل کردیا تھا اور اب وہ ہر قیمت پر رومیوں سے انتقام لینا چاہتا تھا۔خسرو نے اپنی پوری قوت کے ساتھ رومیوں کی طرف پیش قدمی شروع کردی اور قدم بقدم رومنوں کے علاقے فتح کرتا چلا گیا۔شام، اُردن، فلسطین، مصر، لبنان اور پورا افریقہ فتح کرنے کے بعد رومی حکومت کے دارالحکومت بیزینٹیم کے پاس پہنچ گیا اور اس شہر کے سامنے واقع ایک پہاڑ کی چوٹیوں پر منجنیقیں (Catapult) نصب کرادیں (اُس دور میں ایک طرح کی توپ تھی جس میں بھاری پتھر ڈال کر دشمن پر پھینکے جاتے تھے)۔

جب رومی سلطنت کا یہ حال ہورہا تھا تو ہرقل دوئم نے خسروثانی (شاہ ایران) کو خط (Letter) لکھا کہ ہم پر

مہربانی کرو، ہم تمہاری ماتحتی قبول کر لیتے ہیں اور باج گزار بن جاتے ہیں اور خراج دینے کے لیے تیار ہیں اس لیے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں امان دے دو۔ خسرو کو خط ملا اُس نے ہرقل کے قاصد کو قتل کر دیا اور اُسے پیغام بھجوایا کہ تم میرے سامنے پابجولاں ہو کر پیش ہو۔ میں تمہیں قتل کروں گا اور اُس کے بعد رومی سلطنت (Roman Empair) کے متعلق بات ہوگی۔ اس سے پتہ چل گیا کہ رومی مغلوب ہو چکے تھے۔ خسرو کی طاقت کے سامنے سلطنت روم دم توڑتی نظر آ رہی تھی۔

قرآن کی پیشینگوئی ۔ روم کا دوبارہ غلبہ

قرآن حکیم کا ارشاد ہے: {وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ}

جب سلطنت فارس (Persian Empire) نے رومیوں کی قوت کو ملیا میٹ کر کے رکھ دیا تو اُس وقت مکہ شریف میں مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان یہ بحث چل پڑی تھی کہ ایرانی جو مذہبی عقیدے میں ان (مشرکین) کی برادری ہیں۔ اُنہوں نے رومیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا ہے اور وہ اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں سے ملتے جلتے ہیں اور ان کی اعتقادی برادری ہیں۔ خصوصاً یہ جھگڑا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ابی ابن خلف کے درمیان ہوا۔ ابی ابن خلف نے کہا جس طرح ہمارے ہم عقیدہ ایرانیوں نے تمہارے ہم عقیدہ رومیوں کو کنارے لگا دیا ہے اسی طرح ہم بھی تم مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیں گے (نعوذ باللہ من ذالک) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جب یہ بات پیش ہوئی تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مشرکوں کو کھلے عام بتا دو کہ رومی غالب آئیں گے۔

قرآن عظیم یہ بشارت اُس وقت سنا رہا ہے جبکہ رومیوں کی جو حالت ہو چکی ہے وہ یہ ہے کہ رومی بادشاہ ہرقل ہاتھ پھیلا کر ایرانیوں سے امان مانگ رہا ہے۔ اُن کی ماتحتی قبول کر رہا ہے۔ ایرانی خسرو ثانی کی قیادت میں رومیوں کے اہم علاقے فتح کر چکے ہیں بہت ساری ریاستوں میں اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑ چکے ہیں۔ اور اب رومیوں کے دارالحکومت کے پاس پہاڑ کی چوٹیوں پر اپنے جنگی ساز و سامان کے ساتھ رومیوں کی رہی سہی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ اس وقت رومیوں کے پلے کچھ بھی نہیں۔ بظاہر رومنوں کی قوت بحال ہونے کے قطعی کوئی آثار نہیں ہیں۔ ایسے وقت میں قرآن فرما رہا ہے رومی غالب ہوں گے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ابی ابن خلف اور دوسرے کفار مکہ کو بتایا کہ اہل روم اہل فارس پر غالب

آ جائیں گے۔اس پر شرط لگ گئی آٹھ دس اونٹوں کی شرط طے ہوئی کہ تین سالوں تک رومی کامیاب ہو جائیں گے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا شرط دس سال کے لیے رکھو اور سو اونٹ طے کرو۔اگر رومن دس سالوں کے اندر معرکہ مار جائیں تو سو اونٹ ابی بن خلف سے لیے جائیں گے اور اگر اُنہیں کامیابی نہ ہوئی تو آپ (صدیق اکبر) اُسے سو اونٹ دینے کے پابند ہوں گے۔

اسی دوران نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ شریف ہجرت فرمانے لگے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد مبارک کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمن کو ایک سو اونٹ حوالے کیے کہ اگر رومی کامیاب نہ ہوئے تو یہ سو اونٹ وہ ابی ابن خلف کو دے گا اور اگر اس کے برعکس رومی غالب آ گئے تو آپ کے قائم مقام (Behalf) آپ کا بیٹا ابی بن خلف سے سو اونٹ وصول کرے گا۔اس وصولی کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو مختار نامہ دے دیا تھا۔

پانسا پلٹ گیا

جب رومیوں کی طاقت ایرانیوں کے مقابلے میں روپے میں ایک پیسے کے برابر نہیں رہی تھی اُن کا دشمن پوری قوت کے ساتھ اُن کے سر پر بیٹھا ہوا ہے۔اب اگر یہ کہا جائے کہ رومی دوبارہ غالب آ جائیں گے یہ یوں کہنے کے مترادف ہوگا کہ ذرہ آفتاب کو تاریک کر دے گا، پدّی شہباز کو چیر کر رکھ دے گی یا بھیڑ ہاتھی کو مار دے گی۔یقیناً عقل انسانی اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے کسی طرح بھی تیار نہیں۔

ایسی صورت میں قرآن کا یہ فرمانا کہ چند سالوں میں رومی غالب آ جائیں گے۔ہم مسلمانوں کا ایمان ہے کہ جو اللہ ابابیلوں سے ہاتھی والے لشکروں کو اُن کے ہاتھیوں سمیت تہس نہس کر سکتا ہے وہی اللہ رومیوں کو بدترین شکست کے بعد اُنہیں دوبارہ غالب کرنے پر قادر ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سن چھ ہجری میں بادشاہوں کو خط لکھے اور اُنہیں اسلام کی دعوت دی۔ اسی طرح خسرو ثانی کو بھی خط لکھا جو بحرین کے حاکم (Viceroy) کو پہنچایا گیا تا کہ وہ یہ خط اپنے بادشاہ کو بھیج دے۔ اُس وقت خسرو ثانی رومیوں کے دارالحکومت بیزینٹیم کے پہاڑ پر مورچے بنا کر بیٹھا تھا اپنی طاقت اور فتح کے نشے میں تھا۔اُسے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط مبارک موصول ہوا۔دیکھتے ہی اُس بدبخت نے نامہ عالی کو پھاڑ دیا۔ (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اطلاع ہوئی کہ خسرو نے نامہ اقدس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ اُس نے میرے خط کے ٹکڑے نہیں کیے بلکہ اپنی مملکت کے ٹکڑے کر دیئے ہیں۔

ادھر روم کے بادشاہ ہرقل نے اپنے نامساعد حالت میں اپنی بچی کچھی حیثیت کو مجتمع کرنے کی ایک کوشش کی۔ وہ اپنے مذہبی پیشواؤں (پادریوں) کے پاس گیا اور اُن سے مالی مدد کی اپیل کی۔ مذہبی اداروں (Churches) کے پاس سرمایہ (Funds) محفوظ تھا۔ بادشاہ کے خزانے تو جنگ کی نذر ہو چکے تھے۔ اب مزید حکومتی اور ملکی حالات کو چلانے کے لیے پیسے کی ضرورت تھی۔ اور ایرانیوں سے دفاع کے لیے فوجی قوت کو بھی سہارا دینا تھا۔ فوج کی تنخواہیں اور اسلحہ مہیا کرنا تھا۔ پادریوں نے اپنے فنڈ سے دوگنے سود پر پیسہ دینے کی ہرقل کو پیش کش کر دی۔ ہرقل نے اس پیسے سے کسی حد تک اپنی فوج کو طاقتور بنایا اور یہ فوج لے کر خاص حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے ایران کے مشرقی ساحل کے ذریعے ایران کے دارالحکومت (Capital) مدائن میں داخل ہو گیا اور اُس پر قبضہ کر لیا۔ جب خسرو کو اس کی خبر ہوئی تو اُس کے تو ہوش ہی اُڑ گئے اُس کا تیا پانچہ ہو گیا۔ اپنی سلطنت کو بچانے کے لیے وہ واپس ہوا لیکن راستے میں قتل کر دیا گیا۔ ادھر ایرانی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ قرآن مجید کے ارشاد کے عین مطابق رومی نو سال کے عرصے میں غالب آ گئے اور سلطنت فارس کو شدید دھکا لگا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی شرط کے سو اونٹ وصول کیے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے یہ اونٹ صدقہ کر دیئے گئے۔

اسلام کی صداقت

یوں تو اسلام کی سچائی ظاہراً اور باطناً واضح ہے۔ اُسے کوئی چیلنج نہیں کر سکتا۔ جن غیر مسلموں نے اپنے زورِ علم سے جس دور میں بھی اسلام کو ہدف تنقید بنایا ہے۔ اسلام کے محقق و متکلم علما نے اُنہیں ایسے دندان شکن جواب دیئے جس سے اُن کے تنقیدی جائزے حرف غلط کی طرح مٹ گئے اور مٹتے رہیں گے۔ اسلام میں ایمانیات کا سارا سلسلہ غیب سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے: {یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ}۔ اللہ ہے اُس پر ایمان ہے لیکن ظاہری ذرائع علم سے اُسے کہیں جان سکتے انسانی عقل کی رسائی بھی اُس تک نہیں۔ باطنی حواس وہاں کام نہیں کرتے۔ اسی طرح قیامت ہے۔ قبر ہے۔ حشر ہے۔ عذاب وثواب ہے۔ فرشتے ہیں۔ وحی الٰہی اور نبوت و رسالت یہ سب غیب ہیں مگر مسلمان اِن پر ایمان رکھتا ہے۔ اور غیر مسلموں کے سامنے ایمان کے معاملات کو متکلمین اپنے زورِ کلام سے ثابت کر دیتے ہیں۔ مگر اسلام کی صداقت کی ایسی شہادت جو سامنے

نظر آئے وہ یہی واقعہ ہے جو سورۂ روم میں بیان ہوا کہ سب کچھ لٹ جانے کے بعد مکمل طور پر پسپا ہو جانے کے بعد رومی ایرانیوں پر غالب آئیں گے اور ایسا ہو کر رہا۔

مستشرقین (Orientalist) یہ کہتے رہے کہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی وحی وغیرہ نہیں آتی تھی۔ یہ قرآن کی صورت میں جو کتاب دی ہے یہ اللہ کا کلام نہیں۔ یہ من گھڑت ہے (نعوذ باللہ من ذالک)۔

لیکن اِن واقعات نے یہ فیصلہ کر دیا کہ قرآن کا ارشاد اظہر من الشّمس ہے کہ یہ اللہ کا سچا کلام ہے اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔ یہ اسلام کی سچائی کی ایسی مہر (Stamp) ثبت ہوئی جسے اسلام کے دشمن کبھی مٹا نہیں سکتے۔

ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) ایک اسلام دشمن یورپی مورخ (Historian) تھا اس نے رومی سلطنت کی تاریخ پر ایک مکمل کتاب تصنیف کی ہے جس کا نام ہے:

(The History of Decline and Fall of the Roman Empire)

یہ تمام واقعات اس تصنیف میں بیان کیے گئے ہیں۔ مکہ شریف میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کفار کے ساتھ جو سو اونٹوں کی شرط رکھی اور پھر وہ اونٹ وصول کیے اس واقعے کا بھی اس تاریخ میں ذکر ہے۔ Encyclopaedia Britanica میں بھی یہ واقعات درج ہیں۔

مستقبل کے نتائج کی واضح خبر دینا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کا کھلا ثبوت ہے۔ اللہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیب کا علم عطاء کیا ہے اسی لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیب کی خبریں دیتے ہیں۔ یہی ہمارا عقیدہ ہے کہ وحی الٰہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کا ذریعہ ہے۔

وعدہ حق تعالیٰ

مسلمان جو ہجرت کر کے آئے تھے وہ بھی کفر کی طاقت کے مقابلے میں بالکل کمزور تھے اور کفر پر غالب آنے کا کوئی امکان (Chance) نہیں تھا۔ اُن کو بتا دیا کہ جس رب نے رومنوں کو بالکل بے بس ہو جانے کے بعد طاقت اور غلبہ دیا وہ رب مسلمانوں کا حامی و ناصر ہے اور اُنہیں بھی غالب فرمائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا میدان بدر میں نو سو ستر دشمنان حق کے مقابلے میں مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت (جو تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھی) کو فتح و نصرت عطا فرمائی اور جس شہر سے بے

سروسامانی کے عالم میں نکلنے پر مجبور ہوئے اُسی شہر (مکہ مکرمہ) میں وہ فاتح بن کر داخل ہوئے۔ ساری دنیائے کفر پر اہل اسلام کا رعب و دبدبہ قائم ہوا۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے: {لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ۔ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ}۔

(فیصلے اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں پہلے بھی اور بعد بھی اور اللہ تعالیٰ کی مدد کے ذریعے سے مسلمان خوشی منائیں گے۔ اللہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے اور وہ غالب اور رحمت والا ہے)۔

حق کے فیصلوں کو کوئی ٹال نہیں سکتا: **الحق یعلو و لا یعلی علیہ** "حق غالب آتا ہے مغلوب نہیں ہوتا"

اگر عقیدہ سچا اور صحیح ہو اور ایمان پر ثابت قدم ہو تو پھر ہر طرح کے مصائب و آلام سے گزر کر کامیابی و کامرانی اہل حق کا مقدر ہے۔ شرط یہ ہے کہ اللہ کو مانا ہے اور اُس کا کلمہ پڑھا ہے تو اُسی اللہ پر توکل کرو اور ایمان پر استقامت رکھو تو غلبہ اے مسلمانو! تمہارا ہے۔

{وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ}۔ (آل عمران: ۱۳۹)

(اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ، تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو)

مسلمان کو آزمائشوں سے گھبرانا نہیں چاہیے دگرگوں حالات کا سامنا کرنے میں سستی نہیں کرنی چاہیے پھر اللہ کا وعدہ ہے کہ غلبہ انہیں کا ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ

سترہواں درس قرآن: ۶ جون ۲۰۰۶ء

قیام قیامت ۔ حیات بعد از موت

عنوان

☆.....عقیدہ آخرت

☆.....مشرکین مکہ قیامت کے منکر تھے

☆.....روز قیامت گناہ کا انکار ناممکن ہے

☆.....ایجاد عالم

☆.....گمراہ نا اُمید ہوں گے

☆.....شفاعت ۔مفہوم مخالف

☆.....وکیل اور شفیع میں فرق

☆.....یوم قیامت مومنین اور کفار کی علیحدگی

☆.....الحب للہ

☆.....اہل اللہ کی صحبت

☆.....مومنین وصالحین کو بشارت ۔جنت میں روحانی ذوق

☆.....عذاب آخرت

☆.....نفس کی مخالفت

☆.....جزو کہہ کر کل مراد لینا

☆.....قدرت خداوندی ۔زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ

قیام قیامت ۔ حیات بعد از موت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

{اَللّٰہُ یَبۡدَأُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ ثُمَّ إِلَیۡہِ تُرۡجَعُونَ) (11وَیَوۡمَ تَقُومُ السَّاعَۃُ یُبۡلِسُ الۡمُجۡرِمُونَ) (12وَلَمۡ یَکُن لَّھُم مِّن شُرَکَائِھِمۡ شُفَعَاء وَکَانُوا بِشُرَکَائِھِمۡ کَافِرِیۡنَ) (13وَیَوۡمَ تَقُومُ السَّاعَۃُ یَوۡمَئِذٍ یَتَفَرَّقُونَ) (14فَأَمَّا الَّذِیۡنَ آمَنُوا

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُحْبَرُوْنَ) (15 وَأَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ فَأُوْلَئِكَ فِيْ الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ) (16 فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ) (17 وَلَهُ الْحَمْدُ فِيْ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيّاً وَحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ) (18 يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَلِكَ تُخْرَجُوْنَ } ۔ (سورۂ روم : ۱۱۔۱۹)

اللہ تعالیٰ مخلوق بناتا (پیدا کرتا) ہے پھر اس کو دوبارہ لوٹائے گا۔ پھر اُسی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ جس تاریخ کو قیامت قائم ہوگی اُس وقت مجرموں کی آسیں ٹوٹ جائیں گی۔ (اَبْلَسَ یُبْلِسُ اِبْلَاسًا کا مطلب ہے نا اُمید ہو جانا۔ اپنے دعوے کا ثبوت نہ رہے اور آدمی نا اُمیدی کے ساتھ ساکت ہو کر رہ جائے) اُس دن اُن کے شریکوں میں سے قیامت کے میدان میں اُن کا کوئی شفیع نہیں ہوگا۔ اور وہ اُس تاریخ اپنے جھوٹے خداؤں کا انکار کر رہے ہوں گے کہ ہم نے انہیں خدا سمجھا ہی نہیں۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی وہ آپس میں ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے (یعنی مومن الگ جماعت ہوں اور کافر الگ ہوں گے)۔ پس رہی اُن کی بات جن کا عقیدہ صحیح اور سچا ہے اور عمل سچا ہے وہ ایسے باغوں میں ہوں گے جہاں اُن کو خوش کر دیا جائے گا (اُن کو Entertainment دی جائے گی)۔ رہی اُن لوگوں کی بات جنہوں نے ضروریات دین کا انکار کیا اور ہماری آیتوں اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا وہ عذاب میں لگاتار حاضر رکھے جائیں گے (کفر کے معنیٰ انکار کرنا ہے۔ کبھی اس کے معنیٰ چھپانے کے بھی ہوتے ہیں۔ اسی لیے کفار کا لفظ کاشتکار کے لیے استعمال ہوا ہے کیونکہ وہ بیج کو زمین میں چھپاتا ہے۔ اصل میں ضروریات دین جن کی قیامت میں پوچھ ہونے والی ہے اُن کا انکار کفر ہے)۔ پاکیزگی بیان کرو اللہ کی جس وقت تم شام کرتے ہو اور صبح کرتے ہو اور ساری تعریفیں خدا ہی کے لیے ہیں آسمانوں میں بھی اور زمینوں میں بھی۔ (عَشِیًّا کا معنیٰ سہ پہر کے ہیں اس کا تعلق پیچھے سبحان اللہ سے ہے)۔ پاکیزگی بیان کرو دوپہر کبھی سہ پہر کو بھی (اس سے ظہر اور عصر کی نماز مراد ہے)۔ وہ ذات بابرکات اتنا قدرت والا ہے کہ وہ زندہ سے مردہ کو پیدا کرتا ہے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے۔ زمین کو اُس کے مر چکنے کے بعد پھر زندہ کرتا ہے۔

آیاتِ طیبات کا تحت اللفظ ترجمہ بیان کیا گیا۔

عقیدہ آخرت

آسمانی کتابوں کو ماننے والوں میں سے کوئی قیامت کا منکر نہیں گزرا۔ یہ اللہ کے دین میں ایک بنیادی عقیدہ ہے جس کی تعلیم حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اُن کی اولاد کو دی گئی تھی۔ اور سارے انبیاء علیہم السلام کا یہ اجماعی مسئلہ ہے۔ یعنی

قیامت میں اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے اور وہاں حساب لیا جانا ہے۔ نیکیوں کا بدلہ ملنا اور بدیوں کی سزا ہونا یہ سب ایک مقرر چیز ہے۔ ایسا ممکن ہے کہ نیکی کا بدلہ اُس سے زائد پروردگار عالم عطا فرمادے۔ مقررہ ثواب سے عطا فرمادینا یہ فضل الٰہی ہے اگر مقررہ ثواب سے کم دیا جائے تو یہ وعدہ خلافی ہے اگر زیادہ دیا جائے تو دنیا کی کسی بھی بول چال میں یہ وعدہ خلافی نہیں ہے۔

جتنا کسی نے جرم کیا ہے اُتنی ہی اُسے سزا دینا یہ نظام معدلت ہے۔ کسی کو خواہ وہ دوست ہو یا دشمن اُس کے وجوب (Liability) سے زیادہ سزا دینا یہ ظلم (Injustice) ہے۔

{وَ اَنَّ اللّٰہَ لَیۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ}۔ (آل عمران: ۱۸۲)

(پروردگار اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں)۔ آخرت میں اللہ کی بارگاہ میں جوابدہی کا عقیدہ رات کی تنہائیوں میں بھی گناہ کرنے سے آدمی کو روک لیتا ہے۔

مشرکین مکہ قیامت کے منکر تھے

قرآن مجید میں جہاں قیامت اور عقیدہ آخرت کے انکار کا موضوع (Chapter) بیان ہوتا ہے وہاں مخاطب اس عقیدے کے منکر ہوتے تھے۔ مکہ شریف میں نازل ہونے والی سورتوں میں یہ مضمون بیان ہوا ہے اور یہ مکی سورتوں کی پہچان ہے۔ بلاغت (Eloquence) ایک علم ہے اُس کا موضوع (Topic) یہ ہے کہ مخاطب کا حال دیکھ کر کلام وارد کیا جائے۔ بلاغت میں سب سے اعلیٰ کلام قرآن کا کلام ہے۔ لہٰذا جب قیامت کے انکار اور اُس کے ثبوت کی بات ہوتی ہے تو مخاطب مکہ والے ہوتے ہیں۔

مدینہ شریف میں یہود آباد تھے (بنی نضیر، بنی قینقاع اور بنی قریظہ تین قبائل آباد تھے بنی قینقاع سنار اور لوہار کا پیشہ کرتے تھے) اور یہ اہل کتاب ہونے کی حیثیت سے قیامت کے منکر نہیں تھے۔ وہ قیامت، قبر، حشر اور عذابِ قبر کے قائل تھے۔

بخاری شریف میں حدیث ہے حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ۔ آج ایک یہودی عورت میرے پاس آئی تھی اُس نے مجھ سے یہ ذکر کیا کہ اگر بندے کے عقائد اعمال اچھے نہ ہوں تو مرنے کے بعد اُسے قبر میں سزا ہوگی۔ اور فشارِ قبر ہوگا دیکھو تو کیسی انوکھی بات اُس نے کی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! ہاں قبر کا عذاب سچ ہے اور کبھی جھوٹا بھی کوئی سچی بات کہہ جاتا ہے (بخاری، کتاب الجنائز، جلد اول)۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر مبارک میں اس سے پہلے کبھی عذاب قبر کا ذکر نہیں ہوا تھا اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اس بات سے نا آشنا تھیں۔ جبھی یہودیہ کی بات کو انوکھا کہا۔

یہاں ایک اور اہم مسئلے کی وضاحت کی جاتی ہے کہ لفظ سیّد اسلام میں ایک مخصوص اصطلاح ہے جو کہ صرف اولاد فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لیے استعمال ہوتی ہے عربی لغت کی مشہور کتاب ''المنجد'' ہے اُس میں سیّد کے ہی معنیٰ (صلبۃ الرسول) بیان ہوئے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت سے جو پیدا ہوا ہے وہ ہی سیّد ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا سیّد نہیں ہوسکتا ہے۔

امہات المؤمنین یا دیگر بزرگ شخصیات کو کبھی سیّد یا سیّدہ کہہ دیا جاتا ہے وہاں لغوی معنیٰ مراد ہوتے ہیں۔

روز قیامت گناہ کا انکار ناممکن ہے

روز قیامت کسی طرح بھی گناہگار اپنے گناہ کا نہ ہی انکار کر سکے گا اور نہ ہی چھپا سکے گا۔ قرآن فرماتا ہے: {یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ○ بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحٰی لَهَا}۔ (الزلزلہ: ۴۔۵)

اُس دن زمین بول کر کہے گی اس نے یہ گناہ مجھ پر کیا ہے۔ موقع واردات بول کر بتا دے گا تو پھر اخفائے جرم اُس کے بس کی بات نہیں ہوگی:

{وَاِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ ○ کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ○ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ}۔ (الانفطار: ۱۲)

کراماً کاتبین (دو فرشتے جو اعمال لکھتے ہیں) سارے حساب و کتاب کا اندراج (Record) پیش کریں گے۔ وہاں نہ یہ کہہ سکتا ہے کہ ان کی میرے ساتھ دشمنی چلی آ رہی ہے۔ کیونکہ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کی مخالفت کی تھی۔ اگر گناہ چھپانے کے لیے آدمی ایسا عذر پیش کرے تو پھر

{اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَ تُکَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ}۔ (یٰسین: ۶۵)

۔ (آج ہم ان کے مونہوں پر مُہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے کئے کی گواہی دیں گے)۔

ہاتھ اور پاؤں گواہی دیں گے۔ وہ بول کر کہیں گے کہ اس نے ہمارے ذریعے یہ گناہ کیے تھے۔

پھر شاید یہ عذر پیش کرے کہ ہاتھوں اور پاؤں نے میرے ساتھ دشمنی کی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِکَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا}۔ (النساء: ۴۱) (تو کیسی ہوگی جب

ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں)

ہر قوم کے نبی کو بطور گواہ پیش کریں گے۔ نبی کے ساتھ کوئی دشمنی ثابت نہیں کرسکتا کیونکہ نبی اپنی ملت کا سب سے بڑھ کر خیر خواہ ہوتا ہے۔ اللہ کا نبی انسانی معاشرے میں توازن قائم کرتا ہے اور انسانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کو حفاظت فراہم کرتا ہے۔

ہمارے ہر جوان بیٹے اور بیٹی کو یقین رکھنا چاہیے کہ ہمیں اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے ہمارا مالک ہم سے پوچھے گا لہٰذا اپنے باپ دادا اور سارے خاندان کی عزت و آبرو میں کوئی خیانت نہ کرے۔ اگر کوئی حرام کام کیا تو پھر کل بارگاہ الٰہی میں کوئی عذر نہیں چلے گا کہ جوان تھے ناتجربہ کار تھے۔ اتنی سمجھ نہیں تھی جس طرح انسان کو کھانے پینے کا شعور ہے اسی طرح بدکاری اور گناہ کا بھی شعور ہے۔ جب کوئی شخص بالغ ہو جائے تو بلوغت کے بعد بچپنا تسلیم نہیں ہوتا۔ ہر جوان کو یہ پتہ ہونا چاہیے کہ یہ گناہ ہے اس سے بچنا چاہیے قیامت کے دن ہر کوئی خواہ بوڑھا ہے۔ جوان ہے مرد و عورت ہے۔ سیّد، فقیر، بزرگ، صوفی، پیر، مولوی، مزدور، تاجر، چھوٹا ہو یا بڑا بارگاہ الٰہی میں اپنے عقائد و اعمال کے سلسلے میں جوابدہ ہے۔ وہاں کسی کا لحاظ نہیں۔ وہاں معافی کی ایک ہی صورت ہے کہ فضل الٰہی سے یا کسی اللہ والے کی شفاعت سے بخشش ہو جائے۔

ایجادِ عالم

رب تعالیٰ فرماتا ہے: {اَللّٰہُ یَبْدَئُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ}۔

جو لوگ یہ سوال اُٹھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ کس طرح اُٹھائے گا۔ اُنہیں جواب دیا جارہا ہے کہ تمہیں پہلے کس نے بنایا ہے۔ جب کچھ بھی نہیں تھا تو اللہ نے تمہارا وجود بنا دیا تو اَب مرنے کے بعد اللہ کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ دوبارہ زندہ نہ کرسکے۔

آج فزکس نے یہ بات تسلیم کرلی ہے کہ انسان کے اندر جواہر اصلیہ (genes) ہوتے ہیں جو کبھی فنا (Destroy) نہیں ہوتے۔ قبر میں انسان کے اعضائے جسمانی گل جاتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں مگر genes (جینز) ختم نہیں ہوتے۔

آج کے فلسفی جو قیامت کے منکر ہیں، تسلیم کرتے ہیں کہ اگر انسان کو کسی فارمولے سے کھڑا کرلیا جائے تو اُس کے جینز دوبارہ کام کرنے لگتے ہیں اور وہ آدمی کے حیاتیاتی ذرات (Atoms) کو زندہ رکھتے ہیں کفار کو بتایا جارہا ہے کہ مرنے کے بعد آدمی کو دوبارہ اُٹھالینا اللہ کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

گمراہ نا اُمید ہوں گے

{یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَۃُ یُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ}۔

اس دنیا میں آدمی اپنی زندگی کے لوازمات پر اترا رہا ہوتا ہے اور کہتا ہے اگلا جہاں کس نے دیکھا ہے یہ سب کچھ اسی دنیا میں ہے۔ یہاں ہر طرح کی مکاریاں کرتا ہے اور آخرت کے انجام سے بے خبر اور بے فکر رہتا ہے۔ قیامت کا دِن آئے گا تو ایسے مکاروں اور مجرموں کی آسیں ٹوٹ جائیں گی بالکل نا اُمید ہو جائیں گے۔

یہاں کسی جرم میں گرفت ہوتی ہے تو پولیس کے ساتھ مل کر کیس میں تحریف (Pading) کرتا ہے۔ پیسے دے دلا کر شہادتوں کو توڑتا ہے۔ (Tempering with the evidence) رشتہ داری اور دوستی کے واسطے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن قیامت کے میدان میں یہ سب کچھ نہیں ہو سکے گا۔ حتیٰ کہ آنکھ کی خیانت (Suggestive Glance) بھی قابل غور (Recordable) ہوگی۔ اگر بری نگاہ سے نہیں دیکھا اگر بدنیتی شامل نہیں تو یہ مباح (Permissible) ہے۔ اگر بدی کی نیت سے مائل (Persuade) کرنے کے لیے۔ اُبھارنے (Instigate) یا ورغلانے (enticement) کے لیے ایسا کیا تو یہ قابل سزا جرم (Liable to punishment) ہے۔

یاد رکھیں مجرم کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہے۔ اس دنیا میں بھی اُس کو شرمندگی اُٹھانا پڑتی ہے اور آخرت میں تو ہر جرم کھل کر سامنے آجائے گا۔

شفاعت ۔ مفہوم مخالف

اللہ کریم فرماتے ہیں:

{وَلَمْ یَکُنْ لَّھُمْ مِّنْ شُرَکَائِھِمْ شُفَعَاءُ وَکَانُوْا بِشُرَکَائِھِمْ کَافِرِیْنَ}۔

کفار مکہ اپنے طور پر یہ سمجھتے تھے کہ اگر قیامت کو ہماری پکڑ ہوئی تو پھر ہمارے یہ معبود کس کام کے ہیں یہ ہماری سفارش کر کے ہمیں چھڑا لیں گے۔ آخر ہم اِن کی پوجا کس لیے کرتے رہے ہیں۔ کفار مکہ کو یہ کھل کر بتایا جا رہا ہے کہ جن کو تم خدا کا شریک (Partner) تسلیم کیے ہوئے ہو وہ قیامت کے میدان میں تمہارے کچھ بھی کام نہیں آئیں گے۔ وہ تو بات ہی نہیں کر سکیں گے۔

کافروں کی کوئی شفاعت نہیں ہوگی اور اُن کے جھوٹے معبود اُن کی شفاعت نہیں کر سکیں گے۔ لیکن اس کے برعکس ایمان والوں کی شفاعت ہوگی اور اللہ سے تعلق رکھنے والے مقبولان بارگاہ شفاعت کریں گے۔

مفہوم مخالف اہلِ علم کے ایک طبقے کے نزدیک معتبر ہے۔ کافر کا مفہوم مخالف مومن ہے۔ خدا کے شریک ٹھہرائے جانے والے اِن کا مفہوم مخالف خدا کے مطیع بندے ہیں۔ وہ خدا کی خدائی میں شریک نہیں مانے جاتے۔ انبیاء اولیا، شہدا کو کوئی مسلمان نہ خدا سمجھتا ہے نہ خدا کا شریک سمجھتا ہے۔ کفار معبودان باطلہ کو اپنا شفیع سمجھتے ہیں مومن مخلصین بندگان خدا کو اپنا شفیع مانتے ہیں کافروں کا کوئی شفیع نہیں ہوگا اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ مومنوں کے شفیع ہوں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اہل اللہ لوگ قیامت کے میدان میں مومنوں کے شفیع ہوں گے۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث پاک حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں:

عن علی بن ابی طالب، قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہٖ وسلم: "من قرا القرآن و استظھرہ فاحل حلالہ و حرم حرامہ ادخلہ اللّٰہ بہ الجنۃ، و شفعہ فی عشرۃ من اھل بیتہ کلھم قد وجبت لہ النار (سنن ترمذی، کتاب فضائل القرآن عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .باب مَا جَاءَ فِی فَضْلِ قَارِئِ الْقُرْآنِ)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے قرآن پڑھا اور اسے پوری طرح حفظ کرلیا، جس چیز کو قرآن نے حلال ٹھہرایا اسے حلال جانا اور جس چیز کو قرآن نے حرام ٹھہرایا اسے حرام سمجھا تو اللہ اسے اس قرآن کے ذریعہ جنت میں داخل فرمائے گا۔ اور اس کے خاندان کے دس ایسے لوگوں کے بارے میں اس (قرآن) کی سفارش قبول کرے گا جن پر جہنم واجب ہوچکی ہوگی''

جو آدمی قرآن مجید قواعد وضوابط کے ساتھ پڑھے اور حفظ کرلے۔ تو اگر اُس کا عقیدہ اور حفظ صحیح ہوں تو قیامت میں اپنے ساتھ دس آدمیوں کو بخشوائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حفظ قرآن کی بدولت اُسے یہ عزت دی کہ اپنی مرضی کے دس مسلمانوں خواہ وہ کتنے گنہگار ہوں کو بخشوانے کی سفارش کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ کافر کی بھی شفاعت نہ ہو اور مومن کی بھی شفاعت نہ ہو تو پھر کافر اور مومن میں فرق کیا رہ گیا۔ معبودان باطلہ بھی شفیع نہ ہوں اور حضور سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دیگر انبیاء، اولیاء اللہ، علمائے ربانی اور شہداء سب شفیع نہ بن سکیں پھر باطل معبودوں اور اللہ والوں میں کیا فرق ہوا؟۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلِکَ وسلم آپ کی شفاعت کے کون لوگ حقدار ہوں گے فرمایا:

''شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ لِلْاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِی'' (ابوداؤد، کتاب السنہ، باب فی الشفاعہ)

(میری شفاعت میری امت میں اُن کے لیے ہے جو کبیرہ گناہ والے ہیں)

میری اُمت کے بڑے بڑے گنہگار میری شفاعت کے حقدار ہیں۔ بڑے سے بڑے گنہگار کی شفاعت فرمائیں گے۔ اللہ کریم نے نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا:

{وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى}۔ (والضحیٰ:۵)

اے میرے محبوب روٹھنا تیرا کام ہے راضی کرنا میرا کام ہے۔ دنیا دیکھے گی تو روٹھنے میں کامیاب ہوتا ہے یا ہم تجھے راضی کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا
کہ اُن کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

وکیل اور شفیع میں فرق

یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت کے دن ہمارے وکیل ہوں گے۔ قیامت کے میدان میں آپ شفیع ہوں گے۔ وکیل نہیں ہوں گے کیونکہ وکیل کا موضوع اپنے موکل کے جرائم کا انکار (Denial of Charges) ہے۔ عدالت میں الزامات (Allegation & Accusaties) کی تردید کرنا اُن کا انکار کرنا وکیل کا کام ہے۔ لیکن اس کے برعکس اللہ کا نبی اپنے گنہگار اُمتی کے گناہوں کا انکار نہیں کرتا وہ مانتا ہے کہ اس بندے نے یہ گناہ کیے ہیں۔ اللہ کا نبی بارگاہ الٰہی میں عاجزانہ درخواست کرتا ہے اے مولا کریم یقیناً اس نے گناہ کیے ہیں یہ خود بھی مانتا ہے اور میں بھی اسے گنہگار مانتا ہوں لیکن اس نے میرا کلمہ پڑھا ہے میرا اُمتی ہے اس لیے اس کی بخشش کے لیے تیرے حضور شفاعت کرتا ہوں تو اسے معاف فرمادے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفیع المذنبین ہیں۔

کفار قیامت کے دن اپنے شریکوں کا انکار کر جائیں گے۔ وہ یہ نہیں مانیں گے کہ ہم یہ کیا کرتے تھے۔ اُن کے اس انکار کی کچھ حیثیت نہیں ہوگی۔ وہ جس طرح شرک وکفر میں مبتلا تھے وہ سب اُن کے سامنے آجائے گا۔

یوم قیامت مومنین اور کفار کی علیحدگی

{يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ}۔

(جب قیامت قائم ہوگی تو اُس تاریخ مومن اور کافر آپس میں جدا ہو جائیں گے)

یہ جدائی کسی خونی رشتے، جغرافیائی، علاقائی (Geographically) تعلق، ایک زبان اور ایک تہذیب کی بنیاد

پر نہیں ہوگی۔ قبائلی اور خاندانی حیثیت کے پیش نظر الگ الگ نہیں ہوں گے۔ بلکہ عقیدے کی بنیاد پر یہ علیحدگی ہوگی۔ اس تاریخ اجتماع عقیدہ صحیحہ کی بنیاد پر ہوگا۔ آخرت میں کوئی خاندانی اور نسبی عصبیت نہیں ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حَدِیثٌ " :كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَنْقَطِعُ ,إِلَّا سَبَبِي وَنَسَبِي. "

خرج الحافظ ابن حجر هذا الحديث فی کتاب النکاح , القسم الرابع فی الخصائص والکرامات .قال الحافظ ابن حجر فی تلخیص الحبیر 143-3, الْبَزَّارُ وَالْحَاكِمُ وَالطَّبَرَانِيُّ

اُس دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سبب اور نسب قائم رہے گا باقی کوئی بھی نسب نہیں ہوگا سب منقطع ہو جائیں گے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے: {يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ} ۔(بنی اسرائیل:۳۱)

(جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے)

اُس دن دینی پیشواؤں، پیروں، مرشدوں اور اماموں کی نسبت سے بلایا جائے گا۔ جن کا امام اور مرشد ہوگا وہ ایک طرف ہوں گے اور جن کا پیر و مرشد کوئی نہیں ہوگا وہ ان سے الگ ہو جائیں گے۔

اَلْحُبُّ لِلّٰہِ

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نے حدیث روایت کی:

إنی سمعت رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول :(قال اللّٰہ تعالی: وجبت محبتی للمتحابین فیّ، وجبت محبتی للمتحابین فیّ، والمتجالسین فیّ، والمتزاورین فیّ، والمتباذلین فیّ)، حدیث صحیح رواہ الامام مالک فی الموطأ.

(موطا امام مالک، مسند امام احمد حنبل، سنن کبریٰ بیہقی)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میرے مولا نے مجھ سے یوں کہا کہ میری محبت اُن کے حق میں واجب ہوگئی اور کسی کو میں اچھا سمجھوں ان کی محبت کو ضروری سمجھتا ہوں کہ جو آپس میں مل کے بیٹھتے ہیں وہ اس لیے کہ اُن کو میرے ساتھ محبت ہے۔ کسی اللہ والے کے پاس وہ آتے جاتے ہیں اُس کے پاس بیٹھتے ہیں اُس سے نیکی کی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور اُنہیں برکات ملتی ہیں وہ اللہ کے محبوب بندے کے ساتھ محبت کی وجہ سے اُس کی صحبت اختیار کرنے کو باعث سعادت مانتے

ہیں۔اُن کی مجلس کسی دنیوی غرض سے نہیں ہوتی خالص اللہ کی محبت میں ہوتی ہے۔

وہ اپنی برادری خاندانی قبائلی اور علاقائی سوچ کے تحت کوئی اجلاس (Meeting) نہیں کرتے۔وہ تاجر ہونے کی حیثیت سے کوئی تجارتی معاملات طے کرنے کے لیے اکٹھے نہیں بیٹھتے اُن کا بیٹھنا کسی شخص یا طبقے کے خلاف کوئی منصوبہ سازی کرنے کے لیے نہیں ہوتا۔محض ذہنی عیاشی،شعروشاعری،گپ بازی کے لیے بیٹھک نہیں ہوتی صرف اور صرف اللہ کی محبت میں اللہ اللہ کرنے دین کو سمجھنے اور نیکی کے فروغ کے لیے وہ اکٹھے بیٹھتے ہیں۔کیونکہ قیامت میں یہی محبت کام آنے والی ہے تیسرے یہ کہ وہ محبت الٰہی کے لیے سفر کرتے ہیں۔سفر کی تکالیف اور اخراجات برداشت کرتے ہیں۔دینی پروگراموں مثلاً گیارہویں شریف،میلاشریف وغیرہ میں شرکت کرنے کے لیے کئی کئی میلوں کا سفر طے کرتے ہیں۔اللہ والوں کی علماء وصوفیا اور مشائخ کی زیارت کرتے ہیں۔سرکاردوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعتیں سنتے ہیں صحابہ واہل بیت اطہار اور اہلِ حق (رضی اللہ عنہم) کے فضائل سنتے سناتے ہیں۔

آخری بات ارشاد فرمائی کہ ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔یہ خرچ کسی نیوتے کے معاملے (System) میں نہیں کہ آج کسی کے ہاں کسی موقع پر تحفۃً خرچ کیا تو کل بدلے میں اُس کے گھر آ کر وہ کچھ خرچ کریں گے۔مگر یہ خرچ اس غرض وغایت سے نہیں ہے۔صرف خالصتاً اللہ کی محبت میں دین مبین کے فروغ کے لیے خرچ کرتے ہیں۔دین کی خدمت میں خرچ کرتے ہیں تاکہ دین کے ذمہ دار (Competent) اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات (Highly Educated) کے ذریعے تبلیغ دین ہو۔

اِن چار طرح کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے اور ان کی محبت کو اپنے کرم سے اپنے ذمہ واجب کرتا ہے۔ یہ حدیث قدسی بیان کی گئی اس میں متکلم اللہ ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسے روایت (Report) فرماتے ہیں)۔

اہل اللہ کی صحبت

اولیاء اللہ سے پوچھا گیا کہ ولی اللہ بننے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔جواب دیا گیا کہ اہل اللہ کی مجلس اختیار کرنا بہترین طریقہ ہے۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے جو فضیلت حاصل کی اور فیض پایا وہ صحبت کا نتیجہ ہے۔اُن کے پیچھے لاکھوں عبادت گزار اور متقی آتے رہیں گے مگر صحابہ والا فیضان اُنہیں میسر نہیں ہوگا کیونکہ مجلس کی کمی ذکر وفکر اور عبادت سے پوری نہیں ہوتی۔

مومنین وصالحین کو بشارت ۔ جنت میں روحانی ذوق

قرآن عظیم فرماتا ہے:

{فَأَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُحْبَرُوْنَ}۔

قرآن مجید کا یہ انداز بیان ہے کہ کفار کے کفر وضلالت اور آخرت میں اُن کے برے انجام کا ذکر کرنے کے بعد مومین وصالحین اور اُن کی اخروی سرخروئی اور انعامات خداوندی کا ذکر خیر فرماتا ہے۔ اہل ایمان کے لیے جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں۔ وہاں باغات ہوں گے جہاں جنتیوں کی خاطر ومدارت ہوگی اور اُن کو خوش کرنے کا ہر سامان موجود ہوگا۔

امام نسفی نے سماع کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی کچھ لوگ گانے کا شوق رکھتے ہوں گے اُنہیں نغمے سنا کر اُن کے ذوق کی تسکین کی جائے گی اور اُن کی خوش طبعی (Entertainment) کا سامان مہیا کیا جائے گا۔

حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوت کے اندر حضرت داؤد علیہ السلام کے حسن صوت کا ذکر کیا ہے۔ پروردگار عالم اہل جنت سے پوچھیں گے اے جنتیو! کوئی ایسی چیز چاہیے جو جنت میں موجود نہ ہو۔ عرض کریں گے۔ باری تعالیٰ یہ کیسے ممکن ہے تیری جنت میں کوئی کسر رہ جائے۔ یہ تیری شان کے لائق نہیں۔ رب تعالیٰ فرمائے گا کہ واقعی جنت میں کوئی کمی نہیں مگر ہم مزید جو بن لاتے ہیں۔ ہم ایک ایسی چیز عطا کرتے ہیں جو زیادہ خوش آئند ہے۔ یہ کیا ہی پر کیف اور دلکش منظر ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلا کر فرمائے گا اے داؤد! پایہ عرش پکڑ اور ذکر الٰہی کی دھن چھیڑ دے اور سوز وساز سے عجیب ماحول پیدا کر دے جب حضرت داؤد علیہ السلام کا نغمہ حق جاری ہوگا جنتی ساری نعمتوں کو چھوڑ کر نغمہ حق میں محو ہو جائیں گے۔ اہل جنت کہیں گے یا بارالٰہ! ہم نے جو اس سوز وساز میں لذت اور حسن ذوق پایا ہے وہ اور کہیں نہیں جی چاہتا ہے اسی حال میں مست رہیں۔

قرآن کریم کی تلاوت ایک نیک عمل ہے۔ جنت دارالعمل نہیں بلکہ دارالجزاء ہے لہٰذا وہاں تلاوت قرآن نہیں ہوگی لیکن سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰسٓ جنت میں پڑھی جائے گی۔ کیونکہ اِن سورتوں میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن کا تذکرہ ہے۔ جنت میں جا کر اہلِ جنت محبوب کردگار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن وجمال اور اوصاف وکمالات کے تذکرے کریں گے۔ اُن کے نزدیک ذکر مصطفی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بغیر جنت جنت ہی نہیں۔

خوشا مسجد و مدرسہ و خانقاہے

کہ در وے بود قیل و قال محمد

عذاب آخرت

رب العلمین ارشاد فرماتا ہے:

{وَأَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ فَأُوْلَئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ}

ضروریات دین کا انکار کرنے والے (کافر) قیامت کے دن اپنے کفر و گمراہی کی سزا کے لیے جہنم کے عذاب میں مبتلا کر دیئے جائیں گے اور مسلسل عذاب میں رہیں گے کچھ وقفے کے لیے بھی سزا کی گنجائش (Relief) نہ ہوگی۔ لگاتار ایک ہی رفتار سے اُنہیں عذاب ہوتا رہے گا۔

نفس کی مخالفت

اس بیان سے طریقت کا وہ ضابطہ نکلتا ہے کہ جن کاموں کی مذمت ہوئی ہے اُن کے الٹ چلیں بغیر کسی تبلیغ کے آپ راہ مستقیم پر آ جائیں گے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا علم ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا اور نہ اُس کے دماغ میں حاضر ہو سکتا ہے۔ اس لیے جو لوگ ایسے کام کرتے ہیں جن کو مسلمان برا سمجھتے ہیں اُن کے مخالف سمت ہو کر چلیں آپ کی زندگی سنور جائے گی۔

ارسطو سے کسی نے پوچھا کہ تو نے دانائی کن لوگوں سے سیکھی؟ اُس نے کہا بے وقوفوں سے سیکھی ہے۔ بیوقوفوں سے کس طرح دانائی سیکھی جا سکتی ہے۔ ارسطو نے کہا کہ جن باتوں کی وجہ سے کسی کو بے وقوف کہا گیا میں اُس کے الٹ چلتا رہا تو پھر دانا کہلانے لگا۔

یہ تصوف کا وہ قاعدہ (Formula) ہے کہ بغیر کتاب پڑھے آدمی ہدایت سیکھ سکتا ہے۔ ہدایت سے محروم لوگوں کے الٹ چلو اور اہل اللہ سے تعلق قائم کرو اُن کی مجالس میں بیٹھو۔ اس سے جو تاثیر حاصل ہوتی ہے وہ کتابیں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتی۔

جزو کہہ کر کل مراد لینا

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ}۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اِن آیات میں چار نمازوں کے اوقات کا ذکر ہوا ہے۔ اَمبسَ یُمْبِسُ یُمْبِسَان کے معنیٰ ہیں شام کے وقت میں داخل ہونا۔ اس کا مطلب ہے کہ تم شام اور صبح اللہ تعالیٰ کی تسبیح

(پاکیزگی) بیان کرو۔ سبحان اللہ (تسبیح) نماز کا ایک جزو ہے لیکن اس سے مراد مکمل نماز لی گئی ہے۔ جزو کہہ کر کل مراد لینا یہ ایک نام رکھنے کا طریقہ ہے۔ اسے تسمیۃ الکُل کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر قانون کی زبان میں بازو کا دعویٰ (Restoration of Conjugal Rights) ایک کیس ہے۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے ساتھ آباد کرنے کے لیے عدالت میں مقدمہ کرتا ہے کہ اُس کی بیوی کو اُس کے ساتھ آباد ہونا چاہیے اسے بازو کا دعویٰ کہا جاتا ہے اب بازو پورے بدن کا ایک حصہ ہے اب مقدمہ کرنے والا بیوی کا بازو نہیں طلب کر رہا بلکہ پوری بیوی چاہتا ہے۔ بازو کہہ کر پوری بیوی مراد لی جاتی ہے۔

اسی طرح تسبیح کہہ کر پوری نماز مراد لی جاتی ہے یہ بھی تعلیم کا ایک اصول ہے۔ یوں تو تسبیح کرنے کے لیے وقت کی قید نہیں ہوتی اپنی مرضی سے کسی بھی وقت تسبیح کی جاسکتی ہے لیکن یہاں اوقات کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ نمازیں مقررہ اوقات میں ادا کی جاتی ہیں:

{اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا} ۔(النساء:۱۰۳)

(بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات مقررہ میں ادا کرنا فرض ہے)

وقت کی پابندی نمازوں کے لیے ہے۔ تو یہاں وقت کی پابندی کے ساتھ تسبیح سے مراد نماز ہوگی عام تسبیح نہیں۔ ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا:

{وَلَہُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَّحِیْنَ تُظْہِرُوْنَ}۔

دن ڈھلے یعنی سہ پہر اور دوپہر کو اللہ کی تسبیح کرو۔ اس سے ظہر اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔ عشاء کی نماز کا ذکر یوں ہوا: {زُلَفًا مِّنَ اللَّیْلِ} (ھود: ۱۱۴) (رات کے حصے میں)۔ تسبیح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کا ذکر ہوا آسمانوں اور زمین میں جتنی تعریف کی جائے اُس کی حقدار اور مالک اللہ کی ذات ہے۔ کسی عالیشان عمارت کو دیکھ کر آپ اُس کی تعمیر کی تعریف کرتے ہیں۔ اُس کی خوبصورتی اور مضبوطی اور اُس کے سارے خدوخال کو بیان کرتے ہیں تو حقیقتاً یہ تعریف اُس معمار (Builder) کی ہوگی جس نے اپنے فن تعمیر کا جادو اس میں جگایا ہے اسی طرح جب پھولوں پھلوں، مرغزاروں، لہلاتے کھیتوں، فلک بوس پہاڑوں، سیاروں کی چمک دمک، آسمانوں کی بلندی غرضیکہ جتنی بھی مخلوق اور اُس کے اوصاف کی تعریف کریں وہ تعریف اُسی خالق کی ہے جس نے یہ سب کچھ تخلیق کیا ہے۔

قدرت خداوندی ۔ زندہ سے مردہ، مردہ سے زندہ

{يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا}

کفار مکہ اس عقیدے کے منکر تھے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ اُٹھایا جائے گا وہ یہ سمجھتے تھے کہ جب مرنے کے بعد یہ جسم مٹی کے ساتھ مٹی ہو جائے گا تو پھر زندہ کیے جانے کا کون سا امکان (Chance) رہ جائے گا۔ تو اُنہیں بتایا جا رہا ہے کہ یہ بات تمہارے مشاہدے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مردہ سے زندہ کو پیدا کرتا ہے۔ مرغی کا انڈہ ایک بے جان چیز ہے۔ اُس کے اندر چوزہ (مرغی کا بچہ) پیدا ہوتا ہے۔ اُس بند انڈے کے اندر اُس میں زندگی کس طرح آ گئی؟ یہ اللہ کی قدرت کا کمال ہے۔ مرغی زندہ ہے اُس سے انڈہ نکلا جو مردہ ہے اور اُس انڈے سے پھر چوزہ زندہ نکلا تو یہ روزمرہ قدرت کے مظاہر ہیں جو تم دیکھتے ہو اور تمہیں اس پر کوئی تعجب نہیں ہوتا اسی طرح زمین کا حال تمہارے سامنے ہے۔ ایک وقت آتا ہے وہ مردہ ہو جاتی ہے۔ کوئی کھیتی نہیں۔ ہریالی نہیں کوئی پھول پھل پنکھڑی کچھ بھی نظر نہیں آتا حتی کہ حشرات الارض تک ختم ہو جاتے ہیں۔ پھر پروردگار بادل برساتا ہے تو چشم زاغ سے بھی زیادہ خشک اور بے آب و گیاہ زمین پر رونق ہونے لگتی ہے اُس میں دوبارہ زندگی آ جاتی ہے۔ ہر طرف سرسبز و شاداب منظر ہوتا ہے۔ درختوں اور پودوں پر بہار آ جاتی ہے۔ غنچے اور پھول مسکرا رہے ہوتے ہیں۔ دشت و دمن میں رنگ برنگا سماں ہوتا ہے یہ سب کچھ اس بات کی شہادت ہے کہ اللہ مردے کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ وَكَذَٰلِكَ تُخْرَجُونَ۔ اس لیے قیام قیامت کا یقین کامل ہونا چاہیے۔

یہ اِن آیات طیبات کا مضمون ہے جو پیش کیا گیا۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ

اَٹھارہواں درس قرآن: ۲۶ جون ۲۰۰۶ء

مغضوب اقوام کے انجام سے سبق ۔ فکر آخرت

عنوان

☆.....قوم عاد اور ثمود کا برا انجام

☆.....مغضوب قوموں کے انجام سے عبرت

☆.....دین قیم

☆.....رحمۃ اللعالمین ۔ ہمیشہ کے لیے رحمت

☆.....بندگان خدا کی برکات سے عذاب ٹلنا

☆.....یوم قیامت ۔ احساس جرم

☆.....نیک کام کے آغاز کا ثواب

☆.....برائی کو روکنا

مغضوب اقوام کے انجام سے سبق ۔ فکر آخرت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

{فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ) (43مَن كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحاً فَلِأَنفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ) (44لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِن فَضْلِهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ

الْكَافِرِيْنَ) (45وَمِنْ آيَاتِهِ أَن يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيْقَكُم مِّن رَّحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ) (46وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ رُسُلاً إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاؤُوهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَانتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ أَجْرَمُوا وَكَانَ حَقّاً عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ) (47اللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيْرُ سَحَاباً فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفاً فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ) (48 وَإِن كَانُوا مِن قَبْلِ أَن يُنَزَّلَ عَلَيْهِم مِّن قَبْلِهِ لَمُبْلِسِيْنَ) (49فَانظُرْ إِلَى آثَارِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ ذَلِكَ لَمُحْيِي الْمَوْتَى وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ) (50وَلَئِنْ أَرْسَلْنَا رِيحاً فَرَأَوْهُ مُصْفَرّاً لَّظَلُّوا مِن بَعْدِهِ يَكْفُرُونَ}۔(الروم:۴۳۔۵۱)

حضرت جل جلالہٗ وعزاسمہ واتم برہانہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب فرما کر اُمت کو مخاطب کیا گیا ہے) اپنا منہ ایک سیدھے اور سلامت دین کی طرف سیدھا فرما لیجیے۔قبل اس بات کے ایک ایسا دن آئے کہ خدا کی بارگاہ سے اُسے ٹالنے کا کوئی طریقہ نہیں ہوگا۔اُس تاریخ یہ لوگ آپس میں بکھر جائیں گے (ان کا اتحاد قائم نہیں رہے گا) اور جو شخص کفر کرے اُس کے کفر کا وبال اُسی پر پڑنے والا ہے۔وہ رستہ ہموار کر رہے ہیں تاکہ پروردگار عالم اُن کو بدلہ عطا فرمائے جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے (یَجْزِیَ کے ساتھ اس کا تعلق ہے) اپنے فضل سے۔اور وہ (ذاتِ باری تعالیٰ) کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔اور اُس کی آیات میں سے ہے کہ ہواؤں کو بھیجتا ہے درآنحالیکہ وہ خوشخبری سنانے والی ہیں اس لیے کہ پروردگار عالم اُن کو اپنی رحمت چکھائے (عالم میں تغیرات آتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس ساری کائنات پر کوئی بالادست ہے جس کی قدرت سے کائنات میں تغیرات عمل میں آتے ہیں۔ایسی نشانیوں کو آیات کونیہ کہتے ہیں) تاکہ کشتی یا کشتیاں (فُلْکُ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے) اس میں چلیں اور تم اُس کا فضل تلاش کرو تاکہ تم شکرگزار ہو جاؤ۔اور یہ بات تحقیقی طور پر کہتا ہوں کہ بلاشبہ ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول بھیجے اُن کی قوموں کی طرف۔انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اُن کے پاس واضح اور روشن دلیلیں لے کر آئے۔ہم نے اُن لوگوں سے انتقام لیا جنہوں نے جرائم کیے اور مومنوں کی مدد کرنا ہمارے ذمہ رحمت تھا۔اللہ ہی وہ ذات ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے وہ بادلوں کو ابھارتی ہیں (اَثَرَ یَثِیْرُ یُثَارًا کے معنیٰ بھڑکانا، پھاڑنا اُبھارنا Instigation ہے) جس طرح پروردگار عالم چاہتا ہے۔اُسے ہوائیں پارہ پارہ کر دیتی ہیں۔پھر آپ بارش دیکھیں گے کہ اُس کے درمیان سے نکلتی ہے۔جس وقت پروردگار عالم اُس بارش کو پہنچاتا ہے جن کو اپنے بندوں میں سے پسند فرماتا

ہے۔ ناگاہ وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ بارش کے نازل کیے جانے سے پہلے اگرچہ وہ نا اُمید تھے۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے واسطے سے آپ کے غلاموں کو کہتا ہوں کہ اللہ کی رحمت کے نشانات پر غور کرو وہ پروردگار زمین کو اُس کے مر چکنے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے۔ بیشک وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پا قادر ہے۔ اور اگر ہم ہوائیں بھیجیں تو آدمی اپنے کھیتوں کو دیکھے کہ وہ پیلے پڑ گئے ہیں پھر اس کے بعد ناشکری کرنے لگ جاتے ہیں۔

یہ ان آیات کا تحت اللفظ ترجمہ ہے جو تلاوت کی گئیں۔

قوم عاد اور ثمود کا برا انجام

معمول کے مطابق آدمی روزمرہ زندگی گزارتا ہے اور گزری ہوئی زندگی کے نتیجے پر غور وفکر کرنے کا اسے موقع ملتا ہے۔ زندگی کے حالات وواقعات اور نتائج کو سمجھنے کے لیے عقل سلیم چاہیے۔ اگرچہ آدمی کسی تعلیم گاہ سے فارغ التحصیل ہے یا نہیں۔ آسمانی کتاب کا علم اُس کے پاس ہے یا نہیں۔ لیکن فطری طور پر دیکھتے ہی وہ یہ فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ فلاں طریقہ کار اور طرز عمل کا انجام کیا ہوا ہے اور اس طرح انسان ایک حقیقت اخذ کر لیتا ہے کہ زندگی کا جو حصہ گزرا ہے وہ اچھا رہا یا برا۔ اس کام کا نتیجہ کوئی الم ناک حادثہ ہوا ہے اور صف ماتم بچھ گئی ہے یا پر مسرت لمحات پیش آئے ہیں۔

اہلِ مکہ شرک وکفر اور گمراہی کی دلدل میں پڑے تھے اُنہیں قرآن حکیم آگاہ فرماتا ہے کہ جس طرح تمہارا طرزِ زندگی ہے اسی طرح تم سے پہلے قومیں گزری ہیں وہ اسی طرح کی بدعقیدگی اور بداعمالیوں کی وجہ سے ذلت امیز انجام کو پہنچی ہیں۔

{قُلْ سِيرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ}۔(النمل:۴۲)۔

(تم فرماؤ زمین میں چل کر دیکھو کیسا انجام ہوا اگلوں کا ان میں بہت مشرک تھے)

مکہ والوں کی ساری معیشت کا انحصار تجارت پر تھا۔ عالم انسانیت میں چار طرح کے ذرائع آمدنی (Sourceof Income) پائے جاتے ہیں زراعت، صنعت، حرفت اور تجارت۔ مکہ کی زمین میں آج بھی کھیتی باڑی نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے آج سے چودہ سو سال قبل زراعت اُن کا ذریعہ معاش نہیں ہوا ہوگا۔

دوسرا صنعت ہے۔ ضرورت کی اشیاء تیار کرنا اور بیچنا۔ اس مقصد کے لیے کارخانے (Factories & Foundries) ہوتے ہیں۔ انسانی ضرورت کے لیے کسی مواد (Material) کی شکل بدل دی جائے اور اُس سے کام لیا

جا سکے۔

تیسرا حرفت ہے۔کوئی ہنر مند ہنر استعمال کر کے انسانوں کے کام کرے اور اپنی آمدنی حاصل کرے۔مثلاً درزی صحیح ناپ کے مطابق پہننے کے لیے کپڑے تیار کرتا ہے۔سنار اپنے ہنر سے سونے کے زیورات (Jewelry) بناتا ہے۔حجام باقاعدہ بالوں کی ساخت بناتا ہے اور بالوں کو تراشتا ہے۔یہ سب کام حرفت کہلاتے ہیں اور چوتھی چیز تجارت ہے۔ایک سے مال خرید کر دوسروں کو بیچنا تجارت ہے۔

مکہ والے نہ کھیتی باڑی کرتے تھے۔نہ ہی وہ صنعت وحرفت کرتے تھے وہ اپنے آپ کو سردار (Chief) سمجھتے تھے۔وہ کسان، لوہار، سنار، درزی، نائی وغیرہ بننا پسند نہیں کرتے تھے۔اس لیے اپنی معاش کے حصول کے سفر کرتے اور مال خرید کر ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر فروخت کرتے تھے۔قرآن اہل قریش کے بارے میں فرماتا ہے:{لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ۔اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ}۔(القریش:۱۔۲)

سردیوں اور گرمیوں کے موسم میں تجارتی اغراض کے لیے وہ سفر کرتے تھے اہلِ مکہ کو اپنے حالات اور اُن کے انجام کی طرف متوجہ کرنے کے لیے واضح کیا جاتا ہے کہ تم اپنے اِن تجارتی سفروں میں عذاب شدہ قوموں کے موجود آثار پر غور کیا کرو۔

مکہ شریف کے جنوب کی طرف بحر احمر (Red Sea) ہے اور وہاں سے مشرق کی جانب شمالی یمن اور عمان کے درمیان ''احقاف'' کا علاقہ ہے جہاں قوم عاد آباد تھی۔حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اِن میں نبی بنا کر بھیجے گئے۔یہ بڑے شاد آباد لوگ تھے۔عیاشی، اپنا فطری حق سمجھتے تھے۔عیش وعشرت میں ڈوبے ہوئے قہقے لگاتے تھے۔زندگی میں جس قدر سہولتیں چاہیں ہوتی ہیں وہ قوم عاد کے قدموں میں تھیں۔کوئی گناہ اُن کے نزدیک گناہ نہیں تھا۔اپنے مشاغل میں سرگرداں رہتے تھے۔اللہ کا نبی اُنہیں ہدایت کی دعوت دیتا۔گمراہی سے نکالنا چاہتا اور اُنہیں عذاب الٰہی سے ڈراتا ہے۔لیکن غرور میں سرشار قوم نبی علیہ السلام کی بات کو پرکاہ وزن نہ دینا ایک معمولی بات سمجھتے تھے وہ کہتے کہ ہم آزاد لوگ ہیں اور یہ ہم پر طرح طرح کی پابندیاں لگانا چاہتا ہے۔اگر ایسے شخص کی بات سنو اور مانو تو پھر اپنی آزاد مرضی کو دفن کر دو۔یہ اپنی من مانی خواہشات کی پیروی میں اللہ کے نبی کی مخالفت اور اُس کے مشن کی مزاحمت اپنی ذہانت سمجھتے ہیں اپنی فحاشی، عریانی ناجائز عیاشی بدکاری کو آج کے دور میں بھی تہذیب وتمدن (Civilization) کا نام دے کر انسانیت کو دین سے سرکش ہو جانے کا درس دیا جاتا ہے۔

مکہ سے شام کی طرف سفر کرتے ہوئے مدائن صالح کا علاقہ ہے۔ مدینہ منورہ سے تقریباً 356 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ پرانے وقتوں میں ترکیہ سے ریلوے لائن آتی تھی اور یہاں ریلوے سٹیشن تھا جس کا نام مدائن صالح تھا یہاں قوم ثمود آباد تھی اللہ کے نبی حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام اِن کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ اس قوم کے لوگ بڑے قوی ہیکل تھے۔ پہاڑوں میں بھاری پتھر کاٹ کر مضبوط مکان بناتے تھے۔ بڑے خوبصورت محلات بنا رکھے تھے۔ وہ اس تکبر میں مبتلا تھے کہ ہماری زور آور قوت کے سامنے کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔ اور ہماری رہائش گاہیں اتنی پختہ ہیں کہ کوئی زلزلہ، طوفان اور آندھی اور کسی طرح کی آفات نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ وہ بھی حضرت صالح علیہ السلام کے نصائح کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اور قوم عاد کی طرح اللہ کے نبی کو طعن واستہزا کا نشانہ بناتے تھے۔

اہل مکہ سردیوں میں یمن کی طرف تجارت کے لیے جاتے تھے اور گرمیوں میں شام جایا کرتے تھے۔ ایسا موسمی حالات کے پیش نظر وہ کرتے تھے کیونکہ یمن گرم علاقہ ہے اور شام میں موسم سرد ہوتا ہے۔

مغضوب قوموں کے انجام سے عبرت

اہل مکہ جو مشرک تھے اُنہیں اپنے تجارتی سفر کے حوالے سے یہ سوچنے اور یقین کرنے کی دعوت قرآن مجید دیتا ہے۔ اپنی خوشحالی، مال ومنال عالیشان عمارتوں پر اترانے والی قوموں کا جو حشر ہوا اور عذاب خداوندی نے جس طرح اُن کے شان وشکوہ کو خاک میں ملا دیا۔ آج بھی اُن کے آثار قدیمہ (Archaeology) کے ڈھانچے بکھرے ہوئے ہیں جو تمہیں دعوت فکر دیتے ہیں۔

خواتیم آیات تقریباً سارے مضمون کو من وعن (Precisely) بیان کر دیتا ہے۔ فرمایا: {كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ}۔ یعنی اُن کی تباہی وبربادی کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ وہ مشرک تھے۔ اسی لیے اُن کے فلک بوس محلات آناً فاناً زمین بوس ہو گئے اُن کے سامان تعیّشات کے پرخچے اُڑ گئے۔ اس لیے یہ یقین کر لو کہ جو قوم اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرتی ہے اور اُس کے جواب میں جب اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوتی ہے تو پھر اُن کی دولت ساز وسامان، عالیشان محلات اور اُن کی کوئی بھی قوت اُن کو بچا نہیں سکتی اور ایسی قومیں حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ جاتی ہیں البتہ اُن کی ذلت ورسوائی اور تباہی وبربادی کے نشانات آنے والی نسلوں کے لیے عبرت بنائے جاتے ہیں۔

ہر دور میں زندہ اقوام عالم کو اپنے گرد وپیش کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔ اور اپنے احوال کو دیکھ کر اُن کے انجام کو اخذ کرنا چاہیے۔ اور زندگی میں اللہ کی طرف سے جو مہلت ملتی ہے اُسے مہلت ہی سمجھنا چاہیے۔ اور زندگی کو نیکی اور پاکیزگی کے

خطوط پر استوار کرنا چاہیے۔

اگر ہم نے بیان کردہ مغضوب قوموں کے طرزِ زندگی کو اپنایا تو اُس کا انجام حادثات کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ کی نعمتوں کا جس طرح اللہ نے حق دیا ہے اُس طرح استعمال کیا جائے۔ انسان عزت کے ساتھ جیئے اور دنیا کے اثاثے استعمال کے بعد عزت کے ساتھ آئندہ کی نسلوں کو سونپ کے اس دنیا سے جائے۔

دین قیم

رب تعالیٰ فرماتا ہے: {وَ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ}۔

گزری ہوئی آیات میں جس بُرے انجام اور حوادث کا ذکر کیا ہے اس آیت میں بظاہر مخاطب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں لیکن مراد آپ نہیں بلکہ آپ کی وساطت سے اُمت مخاطب ہے۔ سیدھے دین کی طرف رخ وہ کرے جس کا رخ اُس طرف نہیں۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو پہلے ہی سیدھے دین کی طرف ہیں اُن کے لئے کہنا تحصیل حاصل ہے۔ فن تفسیر کی رو سے اس کا مطلب ہے کہ بات سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوتی ہے لیکن اُس کی مخاطب اُمت ہوتی ہے اور سننے والے مراد ہوتے ہیں۔

یہاں اُس سے بچنے کی تدبیر بتائی جارہی ہے۔ اپنے چہرے اُس طرف سیدھا کرلو جو دین قیم (سیدھا دین) ہے۔ حیات اِنسانی میں جو ٹیڑھا پن پایا جاتا ہے۔ اُس کو دین سیدھا کردیتا ہے۔ دین بندے کے نفع کی چیز ہے۔ زندگی کے جو بل آئندہ چل کر ہلاکت کا سبب بنتے ہیں اللہ کا دین اُنہیں ہموار کردیتا ہے جیسے استری (Iron) کپڑے کی سلوٹوں کو پریس کرکے دور کردیتی ہے۔ زندگی کی خرابیاں دین کی طرف رخ کرلینے سے دور ہوجاتی ہیں۔

آج معاشرے کی نوآموز پود (نوجوان بیٹے بیٹیوں) کو خوشگوار حالات میں محض ناجائز عیاشی اور آوارگی کا نشانہ (Target) نہیں بننا چاہیے۔ یہ دیکھو کہ جن لوگوں کا انجام بخیر ہوا ہے اُن کی پیروی کرو۔ پہلی قوموں (قوم عاد وثمود) نے اپنے آپ کو اعلیٰ سمجھ رکھا تھا لیکن اُن کا انجام ذلت ہوا ہے۔ کیونکہ ان قوموں نے اپنے نبیوں کے پیغام کی مخالفت کی تھی۔ سارے نبی اور رسول بڑی شان والے تھے لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان سب سے بلند ہے۔

رحمۃ للعالمین ۔ ہمیشہ کے لیے رحمت

اگر سابقہ انبیاء علیہم السلام کی نافرمانی کی وجہ سے اُن کی قومیں بدترین اور ذلت آمیز عذاب سے تہس نہس ہوگئیں تو

اس اُمت کا انجام اُس سے بھی کہیں بڑھ کر بڑا ہونا چاہیے جو سیّد الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نافرمانی کرتی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا اب قوموں پر اُس طرح کا عذاب نہیں آتا۔

قوم عاد وثمود پر عذاب آئے تو اُن کے نام ونشان مٹ گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم (بنی اسرائیل) میں سے جس نے نبیوں کی نافرمانی کی اذیت ناک عذاب سے دو چار ہوئے یہاں تک کہ خنزیروں اور بندروں کی شکلوں میں انتہائی ذلت کے ساتھ ہلاک ہوئے۔

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سارے جہان والوں کے لیے رحمت بن کر تشریف فرما ہوئے {وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْن}۔ جہاں کی رحمت کے ہوتے ہوئے بھی اُسی طرح عذاب آتے رہیں تو یہ رحمت عالم کو گوارا نہیں۔ اس لیے رب کی بارگاہ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے درخواست کی اے مولا کریم۔ میں صرف اُمت محمدیہ کا رسول نہیں بلکہ کل کائنات کا رسول ہوں اور تیری ساری مخلوق کے لیے رحمت ہوں۔ تو میری رسالت کے ہوتے ہوئے اب مخلوق خدا پر عذاب نہ نازل فرمانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت تا ابد ہے۔ لہٰذا ہمیشہ کے لیے عذاب نہیں آئے گا۔ رب العالمین نے جواب میں ارشاد فرمایا:

{وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِم}۔ (الانفال: ۳۳)

(اے پیارے جب تک تو موجود ہے ہم ان کو عذاب نہیں دیں گے)

اب ہمہ گیر عذاب ہلاکت اور عذاب استیصال نہیں آئے گا۔ چھوٹے موٹے حادثات مثلاً زلزلے، سیلاب وغیرہ آسکتے ہیں۔ لیکن رحمتوں والی سرکار کی برکت اور رحمت سے اللہ کی طرف سے عذاب استیصال نہیں آئے گا۔

کرے قہر دی نظر جے رب سوہنا
اگوں شرم روضے ولوں آوندی اے

بندگان خدا کی برکات سے عذاب ٹلنا

بارگاہ الٰہی کے مقبول بندوں کی مجلس سے سزائیں ٹل جاتی ہیں، مصیبتیں اور دکھ دور ہوتے ہیں، رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ حضرت مولائے کائنات حیدر کرار شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے سامنے شام کا ذکر ہوا تو عرض کیا اے امیر المومنین آپ اُن (شام والوں) پر لعنت بھیجیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو الْمُغِيرَةِ، حَدَّثَنَا صَفْوَانُ، حَدَّثَنِي شُرَيْحٌ يَعْنِي ابْنَ عُبَيْدٍ، قَالَ: ذُكِرَ أَهْلُ الشَّامِ عِنْدَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَهُوَ بِالْعِرَاقِ، فَقَالُوا: الْعَنْهُمْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، قَالَ: لَا، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: (الْأَبْدَالُ يَكُونُونَ بِالشَّامِ، وَهُمْ أَرْبَعُونَ رَجُلًا، كُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ أَبْدَلَ اللَّهُ مَكَانَهُ رَجُلًا، يُسْقَى بِهِمُ الْغَيْثُ، وَيُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَى الْأَعْدَاءِ، وَيُصْرَفُ عَنْ أَهْلِ الشَّامِ بِهِمُ الْعَذَابُ) (مسند أحمد بن حنبل، مُسْنَدِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عنه، رقم الحديث: 874)۔ (مشکوٰۃ۔ ذکر الیمن وشام)

فرمایا نہیں (نہ اُن پر لعنت بھیجتا ہوں اور نہ اس کی کسی کو اجازت دیتا ہوں) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہاں (شام میں) ابدال ہوتے ہیں جو گنتی میں چالیس ہیں۔ جب اُن میں سے کوئی وفات پا جاتا ہے تو اللہ اُس کی جگہ دوسرا ابدال مقرر فرماتا ہے۔ اُن کی بدولت بارشیں آتی ہیں۔ دشمنوں پر غلبہ ہوتا ہے اور اُن کی وجہ سے عذاب ٹل جاتا ہے۔ { بِهِمُ } کا لفظ حدیث میں بیان ہوا۔ یہ قصر پر دلالت کرتا ہے۔ جملے کی ترتیب (Order of Sentence) ہے۔ جب ترتیب میں تبدیلی ہو تو معنیٰ میں تبدیلی آتی ہے جس کا ترتیب وار موقع پیچھے بنتا ہے اُسے اُٹھا کے پہلے لے آئیں۔ تو بات موکد (Emphatic Sentence) ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں جملے میں تاکید (Emphasis) ہوتی ہے۔ آدمی کو اپنے استحقاق کی وجہ سے مہربانی ہوسکتی ہے لیکن رب تعالیٰ اس کی نفی کرنا چاہتا ہے کہ ان کی اپنی عبادات (نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج) کی وجہ سے یہ رحمت حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اتنے گنہگار ہیں کہ بارش، دشمنوں پر غلبے اور عذاب سے محفوظ رہنے کے حقدار ہی نہیں۔ لیکن چونکہ شام میں ابدال بستے ہیں اس لیے اُن کی برکت سے باران رحمت ہوتی ہے لوگوں کی مدد کی جاتی ہے اور عذاب ٹل جاتے ہیں۔ حالانکہ شام میں رہنے والوں کے پاس اپنی حفاظت کے لیے سارے ذرائع نہیں ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ جن کا تعلق مقدس اور بزرگ مقامات سے ہوتا ہے وہ قابلِ عزت ہوتے ہیں۔ وہ جہاں جاتے ہیں اُن کا احترام کیا جاتا ہے۔ ابدال وہ شخص ہوتا ہے جس نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رحمت کا ایک قطرہ پایا ہے اُس کی وجہ سے عذاب دور ہوتا ہے۔ بارش برستی ہے، مدد ہوتی ہے اور جس کے پاس رحمتوں کا سمندر ہو اُس کی وجہ سے اُسی طرح وسیع رحمتیں ہوں گی۔

یوم قیامت ۔ احساس جرم

قیامت کا دن کسی طرح بھی ٹلنے والا نہیں۔ اس دن کے تصور سے انسانیت کی رگوں میں تازہ احساس ابھرتا ہے۔

خوفِ خدا اُس کے دل و دماغ میں جاگتا ہے۔ خوفِ خدا اور قیامت کا یقین ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے آدمی کی زندگی میں نظم و ضبط (Organization & Systemitization) پیدا ہوتا ہے انسان تخریبی کاروائیاں کرتا ہے۔ خیانت کرتا ہے۔ منشیات (Drugs) استعمال کرتا ہے۔ نشہ آور چیزوں (شراب، چرس، گانجا، چنڈو) میں سکون تلاش کرتا ہے حالانکہ یہ سب گندگی ہے۔ یہ سب چیزیں فطرتاً (naturally) حرام ہیں۔ کیونکہ یہ ناپاک ہیں۔ کبھی کوئی چیز حرام ہوتی ہے لیکن پاک ہوتی ہے جیسے مٹی، مٹی کھانا حرام ہے لیکن یہ ہے پاک۔ اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ پانی نہ ملے تو تیمم کر کے پاک کر سکتے ہیں۔ لیکن نشہ آور اَشیاء جن کا پہلے ذکر ہوا نجس اور ناپاک ہو کر حرام ہیں۔ نشے کی ناپاک عادت سے لاکھوں انسانوں کے جوان بیٹے اور بیٹیاں اس لعنت میں گرفتار ہوئے اور اپنا مستقبل تباہ کر بیٹھے۔

جب یہ گناہ کرتے ہوئے اُسے یہ یقین حاصل ہو جائے کہ قیامت آنے والی ہے اللہ کی عدالت میں پیش ہونا ہے۔ ایک مکمل نظام جس میں علم الجرائم اور نظام عقوبات (Penology & Criminology) متحرک ہیں۔ سب کچھ اللہ کی عدلیہ (Judiciary) میں سامنے مندرج (On Record) ہے۔ کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ کوئی گناہ چھپایا نہیں جا سکے گا۔ ہاتھ، پاؤں بول کر شہادت دیں گے وہ زمین جہاں گناہ کیا ہوگا وہ گواہی دے گی۔ کراماً کاتبین اعمال نامہ پیش کریں گے۔ اُس وقت بچنے کا کوئی طریقہ نہیں۔ اُس وقت سے بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اب اس گناہ سے بچو اور توبہ کرو۔ تو یقیناً اس طرح آدمی سے گناہ سے بچ جائے گا اور اپنی آخرت کی فکر کرے گا۔

پیغمبر خدا اکیلا آ کر پورے معاشرے (Society) کو تحفظ فراہم کرتا ہے۔ وہ عقائد کی اصلاح کرتا ہے اور قیامت اور اُس میں حساب و کتاب کے عقیدے کو راسخ کرتا ہے اور اس طرح انسانیت کو گناہوں کی زندگی سے بچاتا ہے۔

آپ دیکھتے ہیں بڑی شاہراؤں (Main Roads) پر گاڑی کی رفتار کو محدود رکھنے کے لیے واضح اشارات دیئے ہوتے ہیں۔ جگہ جگہ کیمرے نصب ہوتے ہیں۔ (Cameras to check & control speed limit) ایک ڈرائیور تیز رفتار (Fast Speed) سے جا رہا ہے۔ آگے اشارہ (Sign) ہے کہ حد رفتار چالیس میل فی گھنٹہ ہے (Fourty Miles Per Hour) تو ڈرائیور فوراً بریک پر پاؤں لے آتا ہے اور گاڑی کی رفتار کم رفتار کر دیتا ہے۔ یہ اصل میں اس کا یقین ہے کہ پولیس مجھے روک لے گی اور قانونی کاروائی سے مجھے جرمانہ ادا کرنا پڑے گا۔ ڈرائیونگ لائسنس پر پوائنٹس لگا دیئے جائیں گے۔ سخت کاروائی سے ڈرائیونگ کے لیے نااہل (Disqualify) قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ یقین کہ قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے یہ سزا ہو سکتی ہے۔ اس لیے وہ خلاف قانون کام نہیں کرتا۔

ایسے ہی پروردگار عالم کے قانون اور فیصلوں کا یقین ہو۔ قیامت میں جزا وسزا کا احساس ہو تو یقیناً زندگی میں ہونے والی بے راہ روی کو بھی بریک لگ جائے گی۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے طرز عمل سے آنے والی نسلوں کے لیے اچھے نمونے چھوڑیں تاکہ آئندہ کی نسلیں آپ کو اچھے نام سے یاد کریں۔ اور وہ اچھا سبق سیکھ کر باعزت زندگیاں گزاریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آخرت کے عقیدے کو پختہ کریں اور جرم وگناہ کا پوری طرح احساس کرتے ہوئے اپنی زندگیوں کو برائیوں سے بچائیں قیامت کے سب تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ {یَوْمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ}۔ آج بری صحبت اختیار کر کے گناہ کرتے ہو۔ یہی بری صحبت، ایسی دوستیاں اور تعلقات ہی بربادی کا سبب ہوتے ہیں۔ قیامت کے دن سب بکھر جائیں گے ایک دوسرے کو کوسیں گے سب وشتم کریں گے کہ اس کی صحبت اور دوستی سے میں برائی کے راستے پر چلا ہوں اس طرح وہ رشتے اُس دن ٹوٹ جائیں گے۔

{وَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ}۔ اُن کے کفر ومعصیت کا وبال اُن پر پڑے گا۔ اگر اُس دن چاہیں کہ کفر زید نے کیا ہے اور سزا بکر کو ہو جائے۔ ایسا نہیں ہو سکتا اُس دن کفر اور گمراہی کی سزا خود ہی بھگتنا پڑے گی۔

نیک کام کے آغاز کا ثواب

{وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ}۔

اور جو لوگ اچھے اعمال کرنے والے ہیں وہ اپنی جانوں کے لیے راستہ ہموار کر رہے ہیں۔ اچھا کام کرنے والا سوسائٹی کے لیے اچھے نمونے چھوڑتا ہے۔ اچھی یادگاریں چھوڑنا اور آنے والی نسلوں کا اُن یادگاروں کو اپنانا کار ثواب ہے۔

جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں روایت ہے:

قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا۔ (مسلم: حدیث ۱۰۱۷)

(جو آدمی کوئی اچھا کام شروع کرے گا اُس کو اُس عمل کا ثواب الگ ملے گا۔ اور جو اُس پر عمل کرے گا اُسے اس کا الگ ثواب ملے گا۔ اور اس کا ثواب گھٹایا نہیں جائے گا)

گیارہویں شریف ایک عمل ہے اور یہ سرکار بغداد رضی اللہ عنہ کی تحریک ہے سارے جھوٹے مذاہب کی تردید ایک گیارہویں شریف کر رہی ہے مذہب حق اہلِ سنت کی یہ بہت بڑی علامت ہے۔ گیارہویں شریف میں جتنے اعمال صالحہ ہوتے ہیں (قرآن کی تلاوت، وعظ، نعت خوانی، تقسیم لنگر اور جملہ امور خیر) کا ثواب گیارہویں شریف شروع

کرنے والے کو الگ ملے گا اور جو مسلمان اسے جاری رکھے ہوئے ہیں اور ہمیشہ یہ کرتے رہیں گے اُنہیں علیحدہ اس کا ثواب حاصل ہوتا رہے گا۔

یہ ایک راز کی بات ہے کہ گیارہویں شریف جنات میں بھی ہوتی ہے، جنات میں بھی صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔لیکن اولاد رسول، اہلِ بیت اطہار صرف انسانوں میں ہیں۔سرکار بغداد رضی اللہ عنہ کے مرید جنات بھی ہیں اس لیے جنوں کے ہاں بھی گیارہویں شریف ہوتی ہے۔

گیارہویں شریف کا مقصد اللہ کا ذکر کرنا ہے۔عموماً مجالس بنا کر ذکر الٰہی کیا جاتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں:

يَقُولُ اللّٰهُ تَعالَى: أنا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بي، وأنا معهُ إذا ذَكَرَنِي، فإنْ ذَكَرَنِي في نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ في نَفْسِي، وإنْ ذَكَرَنِي في مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ في مَلَإٍ خَيْرٍ منهمْ، وإنْ تَقَرَّبَ إلَيَّ بشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ إلَيْهِ ذِراعًا، وإنْ تَقَرَّبَ إلَيَّ ذِراعًا تَقَرَّبْتُ إلَيْهِ باعًا، وإنْ أتانِي يَمْشِي أتَيْتُهُ هَرْوَلَةً.

(مسند احمد، بخاری ومسلم، ترمذی، نسائی)

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے۔جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اُس کے ساتھ ہوتا ہوں۔اگر وہ مجھے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اُسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔اور اگر وہ مجلس (اجتماع) بنا کے یاد کرتا ہے تو میں اُس مجمع سے بہتر مجلس بنا کر یاد کرتا ہوں۔(وہ مجمع فرشتوں کا ہوتا ہے جو معصوم ہیں) اگر بندہ ایک بالشت میری طرف متوجہ ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اُس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔اور اگر وہ ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اُس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں (یعنی میری رحمت وبخشش جلد اُس کی طرف آتی ہے)

گیارہویں شریف کے موقع پر باقاعدہ محفل سجائی جاتی ہے اور مل کر اللہ اللہ کیا جاتا ہے۔مجلس میں حاضری کے لیے دور ونزدیک سے اہل محبت شریک ہوتے ہیں۔اُن کے بیٹھنے، کھانے، پینے اور طہارت کے لیے انتظامات کیے جاتے ہیں۔اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے بہت سارے اسباب جمع کیے جاتے ہیں۔

گیارہویں میں جتنے کام ہوتے ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے کیے جاتے ہیں۔تعلیمات دینیہ کی تبلیغ فرض ہے اور اس کا وسیلہ بھی فرض ہے۔جیسا کہ نماز فرض ہے اُس کے لیے وضو فرض ہے فرض کا

ذریعہ بھی فرض ہوتا ہے۔اس نقطہ نظر سے گیارہویں فرض کے درجے کو پہنچتی ہے۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تہذیب الاسمآ وللغات'' میں بدعت پر گفتگو کرتے ہوئے اس کی پانچ اقسام بیان کی ہیں۔ان میں سب سے پہلے بدعتِ حسنہ میں فرض ہے۔ بدعت ہو کر وہ واجب کے درجے میں ہوتی ہے (احناف کے نزدیک فرض کے بعد واجب کا درجہ ہے مگر شوافع اور دیگر فقہا کے نزدیک فرض و واجب میں کوئی فرق نہیں یہ ایک ہی ہیں)۔قرآن مجید میں حرکات یعنی زبر یں، زیریں وغیرہ بدعت ہے لیکن یہ بدعت فرض ہے۔فرض کا ذریعہ فرض ہوتا ہے۔

گیارہویں شریف اور دیگر نیک امور ایجاد ہوئے اُن کا مقصد نیک ہے اگر اُن میں کوئی غلط کام پایا جائے تو اُس غلط کام کو روکنا چاہیے۔کعبہ شریف میں بت رکھ دیئے گئے تو کعبہ کو منہدم نہیں کیا گیا اُس میں سے بتوں کو نکالا گیا اور بت پرستی کو ختم کیا گیا۔

برائی کو روکنا

جب آدمی کسی برائی کو دیکھے تو اُس کا فرض ہے کہ اُسے روکے اگر ہاتھ کی طاقت سے روک سکتا ہے تو ہاتھ سے روکے۔اگر ہاتھ سے روکنے پر قادر نہیں تو زبان سے روکے اگر زبان سے نہیں روک سکتا تو دل سے اُس برائی پر نفرت کا اظہار کرے۔معاشرے میں لوگوں کا کسی برائی کو برائی سمجھنا لوگوں کی گرم نگاہی (Vigilance of People) کہلاتا ہے۔ اس سے بھی برائی کے خاتمے میں مدد ملتی ہے۔اگر کوئی برا کام کرتا ہے تو وہ سزا کا مستحق ہے اور جو اُس برائی کو روکنے کی کوشش نہ کرے اور دل سے بھی اظہار نفرت نہ کرے تو وہ بھی اتنا ہی مجرم ہے جتنا گناہ کرنے والا مجرم ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ سچے دین پر کرے۔آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ

اُنیسواں درس قرآن: ۸، اگست ۲۰۰۶ء

لہو ولعب دین سے دوری کا باعث ہیں

عنوان

☆.....کھیل تماشے کی باتیں دین سے دوری کا سبب ہیں

☆.....حضرت لقمان علیہ السلام ۔ آپ کا وعظ

☆.....انسانی ضمیر میں خدا کی پہچان کا داعیہ

☆.....جن کے پاس کوئی ہادی نہیں آیا اُن کا انجام

☆.....کتاب حکمت وہدایت

☆.....صلوٰۃ ۔ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور

☆.....زمان ومکاں میں برکت

اُنیسواں درس قرآن، ۸، اگست ۲۰۰۶ء

لہو ولعب دین سے دوری کا باعث ہیں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

{الم) (1تِلۡکَ آیَاتُ الۡکِتَابِ الۡحَکِیۡمِ) (2ھُدًی وَرَحۡمَۃً لِّلۡمُحۡسِنِیۡنَ) (3الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُونَ الصَّلَاۃَ وَیُؤۡتُونَ

الزَّكَاةَ وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ) (4أُوْلَئِكَ عَلَى هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ) (5وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُوْلَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ) (6وَإِذَا تُتْلَى عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّى مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَنَّ فِي أُذُنَيْهِ وَقْرًا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ) (7إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ) (8خَالِدِينَ فِيهَا وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ) (9خَلَقَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنبَتْنَا فِيهَا مِن كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ) (10هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ}۔(لقمان:۱۔۱۱)

حضرت جل جلالہٗ وعزاسمہ واتم برہانہ ارشاد فرماتے ہیں۔

ا ل م یہ حروف مقطعات ہیں جس طرح انگریزی میں Brief Names ہوتے ہیں SDO، Sub) (Deputy Commissioner) Divisional Officer)، DC اسی طرح عربوں کے کلام میں پورا نام لینے کی بجائے نام کا پہلا یا آخری حرف (Alphabet) لکھتے اور بولتے تھے۔ مالک (Master) کے نام کا پہلا حرف لیتے تھے اور غلام کے نام کا آخری حرف لیتے تھے۔ اس اعتبار سے تعبیر کیا جائے تو ''ا'' سے مراد اللہ ہے، ''ل'' سے جبرائیل مراد ہے اور ''م'' سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مراد ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جبرائیل امین ان دونوں کا غلام ہے۔ جبرائیل کے نام کا آخری حرف لیا گیا۔ جبرائیل آسمانوں کا وزیر اعلیٰ (Chief Minister) ہے مگر بارگاہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں غلام کی حیثیت سے حاضر ہوتا ہے۔

یہ آیتیں حکمت بھری کتاب کی در آنحالیکہ یہ آیات ہدایت یا ہادی ہیں۔ رحمت میں یا رحمت کا باعث بننے والی ہیں محسنین کے لیے۔ اور محسنین (احسان کرنے والے) وہ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور فیصلے کے دن (قیامت) پر یقین رکھتے ہیں۔ کہ اُس دن کھڑے ہو کر اپنے عقائد و اعمال کا صحت مند جواب دینا پڑے گا۔

وہ لوگ ایسی ہدایت پر گامزن ہیں جو اُن کے رب سے تعلق رکھتی ہے یعنی یہ ہدایت منجانب باری تعالیٰ ہے۔ اور صرف یہی لوگ (محسنین) کامیاب ہونے والے ہیں۔

اور کچھ لوگ کھیل تماشے کی باتیں خریدتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے پھیلائیں بغیر علم کے اور اللہ کے

راستے کو مذاق بنا کے رکھ دیں، یہ لوگ ہیں جن کے لیے بڑا ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ (محض عذاب نہیں بلکہ بے عزت اور بے آبرو کرنے والا عذاب ہے)

جو آدمی یہ کام کر رہا ہے جس وقت کہ اُس پر ہماری آیتیں پڑھی (سنائی) جاتی ہیں۔ تو وہ مارے تکبر کے منہ موڑ لیتا ہے (وہ منہ موڑ لیتا ہے درآنحال کہ وہ تکبر کر رہا ہو۔ یہ مستقبل حال تعلیلیہ ہے۔ اس کی عادت ہے کہ گزرے ہوئے فعل کی وجہ بتاتا ہے)

اُن کا انداز سلوک (Attitude) دکھائی دیتا ہے کہ جیسے اُنہوں نے یہ بات سنی ہی نہیں۔ اُن کے کانوں میں روئی ٹھسی ہوئی ہیں۔ اس شخص کو آپ ایک دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں۔ (Severity of Crime) کے بڑھنے سے (Severity of Punishment) بھی اتنی ہی بڑھ جاتی ہے۔ گناہ جتنا Grievous ہو سزا بھی اسی قدر Serious ہو جاتی ہے)

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے اُن کے لیے نعمتوں والے باغ ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ نے پکا اور سچا وعدہ کیا ہے وہ غالب اور حکیم ہے (وہ جو چاہیے کرے اُسے کوئی روک نہیں سکتا بایں معنیٰ وہ غالب ہے۔ اور اہلِ ایمان کو پرکھنا کہ وہ ثابت قدم ہیں اور دشمنوں کو موقع دینا یہ اُس کی حکمت ہے۔

اور اُس نے آسمان پیدا کیے بغیر ایسے ستونوں کے کہ جن کو تم دیکھ سکو (تَرَوْنَہَا سے صفت اتفاقی کہتے ہیں۔ اس کے دو معنیٰ ہیں۔ ایک وہ ستون جو نظر نہیں آتے ایسی صفت کو صفت مبینہ کہتے ہیں۔ اگر دو طرح کے ہوں ایک نظر آتے اور ایک نظر نہ آتے تو اسے صفت ممیزہ کہتے ہیں) اور اُس نے زمین کو پہاڑوں میں گاڑ دیا ہے (اَنْ تَمِیدَ اس کو قواعد کی زبان میں مفعول محذر (Lest it should be) کہتے ہیں۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ (فارسی میں مبادا کا لفظ استعمال ہوتا ہے) کہیں ایسا نہ ہو کہ زمین تمہیں ہلا کے نہ رکھ دے۔ اور اللہ نے اُس (زمین) میں ہر طرح کے جانور پھیلائے ہیں۔ اور ہم نے آسمانوں سے پانی نازل کیا اور پانی کے ذریعے زمین میں ہر طرح کے جوڑے پیدا کیے۔ یہ اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔

اور تم مجھے وہ چیزیں دکھاؤ جن کو پوجتے ہو خدا کو چھوڑ کے۔ اُنہوں نے بھی کچھ اُس میں سے بنایا۔ (اگر یہ سب رہنے سہنے کی ساری سہولتیں میں نے بنائی ہیں تو عبادت کا حق اُس کو پہنچتا ہے جو بنائے)

ظالم لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہ سورۂ لقمٰن کی ابتدائی آیات کا ترجمہ بیان کیا گیا ہے۔ یہ سورہ مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے۔ اس کی آیت نمبر ۱۲ میں حضرت لقمان علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔

کھیل تماشے کی باتیں دین سے دوری کا سبب

یہاں یہ بات خصوصاً بیان ہوئی ہے کہ لہو ولعب قسم کی چیزیں انسانی نفس کو اپنی طرف کھینچتی ہیں جس سے آدمی اس طرح کے کھیل تماشوں میں محو ہو کر راہ حق سے بھٹک جاتا ہے۔

جب قرآن مجید کا نزول ہو رہا تھا اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس سے صادر ہو کر قلوب انسانی کو متاثر کر رہا تھا۔ اور کفار مکہ کی کوئی تدبیر اعجاز کلام الٰہی کے مقابلے میں کسی طرح کامیاب نہیں ہو رہی تھی تو اُنہوں نے لوگوں کو قرآن سننے سے روکنے کے لیے ایک اور طریقہ اختیار کیا۔ کفار میں ایک شخص تھا جس کا نام نضر بن حارث تھا۔ بعض مفسرین بیان کرتے ہیں کہ نضر بن حارث ایک بڑا تاجر تھا اور تجارت کی غرض سے مختلف ممالک کے سفر پر رہتا تھا۔ اُسے مختلف علاقوں کی بہت ساری کہانیاں (Stories) یاد تھیں۔

اُس زمانے میں دنیا میں دو بڑی شاہی قوتیں تھیں۔ قیصر و کسریٰ (Roman & Persian Empire) انہیں کہتے تھے۔ مکہ والوں کو روم دور پڑتا تھا۔ اور فارس (Persian) آج کل اسے ایران کہتے ہیں۔ یہ اہل حجاز کا استعمار (Imperialism) تھا عرب شریف سلطنت کسریٰ (Persian Empire) کے ماتحت تھا۔ یمن، مشرق الاوسط اور اس سے آگے مشرقی علاقوں پر ایران قابض تھا۔ یہ سب ممالک ایران کی نوآبادیاں تھیں۔

جس حکومت کے ماتحت لوگ ہوتے ہیں وہ اُسے بڑا سمجھتے ہیں آپ دیکھتے ہیں یورپی ممالک کے لوگ اپنی تعلیمی استعداد میں ترقی (Improvement in Education) کے لیے انگلینڈ آتے ہیں۔ لیکن ماریشس کے لوگ انگریزی زبان میں بہتری (improvement in English) کے لیے ہندوستان (India) کا سفر اختیار کرتے ہیں کیونکہ ماریشس انڈیا کی نوآبادی (Colony) ہے۔ وہ لوگ انڈیا کو ترقی یافتہ قوم سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اہلِ عرب ایرانیوں کو ترقی یافتہ قوم سمجھتے تھے۔

نضر بن حارث ایک تعلیم یافتہ آدمی سمجھا جاتا تھا۔ اُس نے وہاں کے تعلیمی مراکز (Education Centers, Universities) میں داخل ہو کر تاریخ اور خصوصاً ایران کی تاریخ (Persian History) اچھی طرح پڑھی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کی زبان میں جب قوم عاد، ثمود وغیرہ کے احوال اور اُن کے بدتر انجام کو بیان

فرماتے۔ مصر میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ نمرود کی ٹکر اور اس کے نتیجے میں ظالموں کی ذلت، عراق میں ہی حضرت نوح عالیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات، طوفان نوح اور اُس کے نتیجے میں دنیا کی تباہی، (وہ تندور جس سے سیلاب اُمڈا وہ بصرہ اور کوفہ کے درمیان واقع ہے)۔ جب قرآن مجید کے یہ واقعات بیان ہوتے تو نضر بن حارث ان کے جواب میں یہ کہا کرتا تھا کہ یہ اگلوں کی کہانیاں ہیں یہ سب میں نے پڑھی ہوئی ہیں۔ اُس کے اس جملے کو قرآن اس طرح بیان فرماتا ہے: {اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ}۔

اس موقع پر نضر بن حارث اسفند یار، رستم سہراب، گشتاسپ، افراسیاب وغیرہ کے قصے لے کر بیٹھ جاتا۔ پھر اُس نے ایسے قصوں کی کتابیں خریدیں اور باقاعدہ مجلس بنا کر لوگوں کو سناتا تھا۔ تاکہ لوگ کلام الٰہی جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سناتے ہیں کی طرف راغب نہ ہوں اور اُن قصوں کو دلچسپی سے سنتے رہیں۔ یہ کفار کے لوگوں کو قرآن سے دور کرنے کی ایک چال تھی۔

قرآن میں جس جگہ یہ بات آئے کہ وہ لہوالحدیث خریدتے ہیں۔ یہ نشانی مکی سورتوں کی ہے۔ اور یہ آیت ''نہیں یہ مگر پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں'' کا تعلق نزول مکہ سے ہے۔ کیونکہ اس طرح کی مزاحمت (Clash) مکہ شریف میں تھا۔ مدینہ شریف میں اس طرح کی بات نہیں تھی۔

مسلمانوں کے لیے یہاں یہ درس ہے کہ لوگوں کو دین سے دور کرنے والے مشاغل حرام ہیں۔ ایسی تمام مصروفیات جس سے قرآن سے توجہ ہٹائی (Divert) جائے۔ اور آدمی دین کی مجالس میں جانے سے رک جائے۔ وہ یقیناً قابلِ مذمت ہیں۔ کہانیوں کی کتابیں (Stories) پڑھتے رہنا، کھیلوں میں حد سے زیادہ دلچسپی، تماشوں کا شوق یہ سب مشغلے دین سے دوری کا سبب بنتے ہیں اور انسان کو اخلاقی اور تہذیبی بے راہ روی کا شکار کر دیتے ہیں اور انسان کو اخلاقی اور تہذیبی بے راہ روی کا شکار کر دیتے ہیں۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ جس دن کوئی وعظ و نصیحت کی محفل مثلاً میلاد شریف، گیارہویں شریف، اہل اللہ کی یاد کے ایام کے موقعوں پر عین اُسی تاریخ کوئی کھیل کرکٹ، ہاکی، کبڈی، بیلوں اور اونٹوں کی دوڑ کے مقابلے وغیرہ منعقد کرنے کا اعلان کر دیتے ہیں۔ ایسا کرنا لوگوں کو دین کی محافل سے دور کرنے کے لیے ہوتا ہے جو دین کی نظر میں ایک گھناؤنا جرم ہے۔ مسلمانوں کو اس معاملے میں سوچنا چاہیے اور اس گناہ کبیرہ سے بچنا چاہیے۔

اسلام لوگوں کو دنیا کے تفریحی مشاغل سے مطلقاً منع نہیں کرتا۔ اگر دینی اور ایمانی اقدار مجروح نہ ہوں اُس حد تک کھیل کود جسمانی ورزش وغیرہ کی اجازت ہے۔ جسمانی طاقت بنانے کا شوق رکھنا اچھی بات ہے۔ لوگوں کو جسمانی ورزش

(Exercise) کی طرف رغبت دلانا اور اس طرح کے مقابلوں (Competetion) کی طرف لگانا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔

جب مکہ مکرمہ سے مدینہ شریف آتے ہیں تو مدینہ شریف کے کچھ فاصلے پر ایک ریلوے سٹیشن کے پاس سے گزر ہوتا ہے۔ یہ مدینہ شہر سے جنوب کی جانب واقع ہے۔ اس کے ساتھ ایک پہاڑ ہے جسے جبل عیر کہتے ہیں۔ اس کا ذکر بخاری شریف کے متن میں آتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جہنم میں جبل عیر کے پتھر جلائے جائیں گے۔ اس کے پیچھے کئی ہزار مربع میل کا علاقہ ہے۔ اس کے اندر ساری آبی زمین سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت تھی۔ اس علاقے میں اونٹوں کی دوڑ ہوتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی اس دوڑ میں حصہ لیتی تھی۔ ہر مرتبہ سب سے اوّل (First) آتی تھی۔ لیکن ایک مرتبہ ایک اعرابی کا اونٹ بازی لے گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے چاہا کہ اس اعرابی اور اس کے اونٹ کو مار ڈالیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا۔ یہ ایک تدریب (Game) ہے۔ یہ کسی کو مارنے کے لیے نہیں بلکہ سکھانے کے لیے ہے۔

اگر کھیل کود (Games) کا مقصد مسلمان قوم کے جوانوں کو جسمانی طاقت اور جنگی فنون سیکھنے کا شوق دلانا ہو تو یہ واقعی اسلام کی نظر میں پسندیدہ بات ہے۔ ایسی ورزشیں کرنی چاہئیں جس سے بازو اور پٹھوں کو طاقت ملے تاکہ جوان مرد اپنے خاندان اور قوم کی بوقت ضرورت مدد کر سکیں۔

حضرت لقمان علیہ السلام ۔ آپ کو وعظ

حضرت لقمان علیہ السلام سیاہ فام (کالے رنگ کے) آدمی تھے۔ اہل علم کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ یہ اللہ کے نیک بندے تھے اِن کا شمار اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ ایک تابعی اِن کی پیغمبری کے قائل تھے عکرمہ جو خارجی تھا اُس کا قول یہ ہے کہ وہ پیغمبر تھے۔

یہاں جناب لقمان کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ اُن کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں آئی اور براہ راست کسی نبی کی تبلیغ اُن تک نہیں پہنچی لیکن اُنہوں نے اپنے شعور اور عقل سلیم کو استعمال کیا اور حق کی معرفت حاصل کی۔ دوسرے رکوع میں اُن کا وعظ (Lecture) بیان ہوتا ہے۔ اپنے اس خطبے میں وہ اللہ تعالیٰ کی توحید بیان کرتے ہیں اور اپنے بیٹے کو روزانہ کی زندگی میں اخلاق و آداب اور اچھی عادات کی تعلیم دیتے ہیں۔ اُسے نصیحت کرتے ہیں کہ لوگوں سے نرمی سے بات کر منہ چڑھا کر روکھے پن سے بات نہ کر۔ {وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا} زمین میں اکڑ کے مت چل۔ نہ تو پہاڑوں کی چوٹیوں کو پہنچ سکتا

ہے اور نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے۔ تیری اور چیونٹی کی قیمت زمین پر ایک ہے اس لیے اِترانہیں۔

اے دوست یہ دنیا فانی ہے کیوں اس پہ تو اِتراتا ہے
یہ چرخ سکون کا دشمن ہے گردش کے تیر چلاتا ہے

اس واقعے میں مشرکین مکہ کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ تم اللہ کے گھر خانہ کعبہ شریف کے پاس رہتے ہو۔ اسے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تعمیر کیا (سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کعبہ شریف کی تعمیر کی تھی) تم نے اس مقدس گھر میں بت رکھ دیئے اور بت پرستی میں لگ گئے ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑنے کے لیے آگ کی چتا کی سزا قبول کی اور تم اُن کی اولاد ہونے کے مدعی ہو کر اُن کے مشن سے بغاوت کر رہے ہو اور ہدایت سے محروم ہو۔ غالباً تم اس انتظار میں ہو کہ کوئی لٹھ لے کر ہمیں ہدایت کی طرف لگا دے۔ اس ضمن میں حضرت لقمان علیہ السلام کی زندگی پر غور کرو جنہوں نے اپنی سوچ اور فکر سے ہدایت کو تلاش کیا۔ اگر تم نیک نیتی سے ہدایت چاہتے تو ضرور تم راہ راست پر آ جاتے۔

انسانی ضمیر میں خدا کی پہچان کا داعیہ

صوفیا کا ذوق ہے کہ ضمیر انسانی میں رب تعالیٰ نے ایک ایسی چبھن پیدا کی ہوئی ہے کہ جب تک خدا نہ ملے اس کو سکون نہیں آتا۔ تخت شاہی حاصل ہو، کروڑوں روپے کا سرمایہ ہو عیش وعشرت کے سارے سامان ہوں، کارخانوں کا مالک ہو بے حساب جائیدادیں ہوں لیکن پھر بھی بے چینی ہے۔ اطمینان قلبی کی دولت سے محروم ہے اس لیے کہ رب سے تعلق نہیں۔ جس کا تعلق رب سے ہو جائے اُس کے دورازے پر سکندر آ جائے اور کہے کہ ساری روئے زمین کا بادشاہ ہوں اگر کچھ چاہیے تو پیش کرتا ہوں۔ جواب میں مرد درویش کہتا ہے راستے سے ہٹ جاؤ دھوپ آ رہی ہے لگنے دو۔ مجھے تم سے کوئی کام نہیں۔ ہم اپنے مالک ومولیٰ سے لو لگائے بیٹھے ہیں۔

صوفیاء کے اس مسلک کو سورۂ طٰہٰ میں بیان فرمایا ہے:

{رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی}۔ (طٰہٰ: ۵۰)

(اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو پیدا فرمایا ہے اور منزل مقصود کی طرف رہنمائی فرمائی ہے)۔

یعنی نیکی و بدی کی تمیز آدمی کی پیدائش کے ساتھ اُس کے شعور میں موجود ہے۔ کوئی عاقل بالغ جوان بوڑھا مرد و عورت قیامت کے میدان میں یہ عذر پیش کرے کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ یہ گناہ کا کام ہے تو یہ عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ

یہ تمیز کہ برائی کو برائی جاننا اور نیکی کو نیکی جاننا انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے۔

ایک حدیث مبارکہ بیان کی جاتی ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس کے راوی ہیں:

قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا یُولَدُ عَلَی الفِطْرَۃِ، فَأَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہِ أَوْ یُنَصِّرَانِہِ أَوْ یُمَجِّسَانِہِ۔ (بخاری، کتاب التفسیر، باب لاتبدیل لخلق اللہ)۔

(ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے (یعنی خدا سے آشنا پیدا ہوتا ہے) اُس کے ماں باپ اُسے یہودی یا نصرانی یا آتش پرست بنا دیتے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے اُسے ہر عیب سے پاک پیدا کیا ہے یہ قصور اُس کے ماں باپ کا ہے جو اُسے غلط راستے پر ڈال دیتے ہیں۔اولاد ماں باپ کے لیے عطیہ الٰہی ہے۔وہ اللہ کی ایک امانت ہے ماں باپ کو چاہیے کہ اُس امانت کے صحیح امین بنیں اور اچھے طریقے سے اس کو پالیں اور تربیت کریں۔تاکہ وہ اپنے لیے، اپنے ماں باپ اور پوری انسانی سوسائٹی کے لیے مفید ثابت ہو۔آدمی اپنی اولاد کے بارے میں اللہ کی بارگاہ میں ذمہ دار (Responsiable) ہے۔بچے میں یہ احساس ہوتا ہے کہ کیا اچھا ہے اور کیا بُرا ہے ایک ننھے سے بچے کو مٹھائی دیں تو سب کے سامنے کھاتا ہے لیکن اگر اُسے مٹی کھانے کی عادت ہو تو سب سے چھپ کر کھاتا ہے۔یہ دوطرح کا رویہ (Attitude) کیونکر ہے؟ اچھائی دلیری سے کرتا ہے مگر برائی کرنے سے گھبراتا ہے حالانکہ وہ ابھی کسی سکول میں نہیں گیا کوئی پڑھا لکھا نہیں۔اُس نے کوئی وعظ سنا اور سمجھا نہیں۔تو پھر ایسا کیوں ہے۔یہ اچھائی اور برائی کی تمیز کس طرح آئی۔

Oxford Practical Dictionary میں Conscience کا ترجمہ لکھا ہے۔

Conscience is a power in the human heart which diffrentiate between right and wrong.

ضمیر دِل کے اندر ایک طاقت ہے جو آدمی کو اچھائی اور برائی کی تمیز کر کے دیتی ہے۔یہ انسان میں ایک ایسا میٹر ہے جو صحیح اور غلط کے متعلق بتاتا ہے۔

جن کے پاس کوئی ہادی نہیں آیا اُن کا انجام

علمائے عقائد نے ایک بات لکھی ہے۔وہ لوگ جو عام آبادیوں سے دور جنگلوں اور پہاڑوں میں رہتے ہیں۔اور آبادیوں کے ساتھ اُن کا تعلق (Communication) نہیں رہا ہے۔اُنہیں انسانی تہذیب کے بارے میں کچھ معلوم

نہیں۔ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ تعلیم کیا چیز ہے۔ اُن کے پاس اللہ کے پیغمبر کا پیغام پہنچا ہی نہیں۔ ہدایت پہنچنے کا کوئی ظاہری ذریعہ نہیں اِن لوگوں کو شوائق الجبل کہا جاتا ہے۔ کل قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں اُن کا یہ عذر ہوگا۔ اے مولیٰ کریم ہم تک تیرا کوئی نبی نہیں آیا اور نہ ہی کوئی کتاب آئی۔ ہمیں بھی یہ حق حاصل ہے کہ ہم تک بھی تیری ہدایات پہنچتیں۔ چونکہ ہم تک تیری کوئی ہدایت نہیں آئی کہ ہم اُس کی پیروی کرتے اس لیے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے اُس حق کی تلافی فرما۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ اپنا ایک نبی اُن کے پاس کھڑا کرے گا۔ قیامت کا میدان ہوگا۔ ایک طرف آگ بھڑک رہی ہوگی اور ایک طرف لہلہاتے کھیت اور باغات ہوں گے۔ اُدھر سے ٹھنڈی ہوائیں آ رہی ہوں گی۔ حقیقت میں یہ دوزخ ہوگی۔ اور جدھر آگ ہوگی وہ جنت ہوگی۔

اللہ کا نبی اُنہیں بتائے گا میں اس وقت تمہاری طرف اللہ کا نبی ہوں۔ میں تمہیں جو حکم دوں اُس کے مطابق عمل کرو۔ اس طرف جنت ہے اور یہ جہنم ہے۔ یہ جو خوبصورت باغ نظر آ رہے ہیں یہ فریب نگاہ ہے۔ لہٰذا تم اُس طرف چھلانگ لگاؤ جدھر آگ کے شعلے نظر آ رہے ہیں کیونکہ یہ جنت ہے۔ نبی کے کہنے پر جو آگ میں چھلانگ لگائیں گے وہ سیدھے جنت میں پہنچ جائیں گے۔ لیکن جو لوگ اُس وقت یہ خیال کریں گے کہ یہ باغات نظر آ رہے ہیں بڑا سہانا سماں ہے ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں ہم اسے چھوڑ کر آگ کی طرف چھلانگ لگا دیں ایسی نادانی ہم نہیں کریں گے۔ لہٰذا وہ نبی کی بات کی تعمیل نہیں کریں گے بلکہ اُس کے خلاف اُس طرف جائیں گے جدھر بظاہر اُن کو جنت نظر آ رہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اُنہیں جہنم میں داخل کر دے گا۔ اور فرمائے گا تمہارے حق میں یہی فیصلہ ہے۔ اگر دنیا میں میرا نبی تمہارے پاس جاتا تو اُس کی یہی صورت ہوتی کہ جو نبی کی پیروی کرتے اُن کے لیے جنت ہے اور جو اُس کے خلاف چلتے اُن کیلئے جہنم ہے۔

کتاب حکمت و ہدایت

یہ حکمت بھری کتاب کی آیات ہے۔ یہ کتاب پروردگار عالم نے بھیجی ہے اسے لانے والے جبرائیل ہیں اور محبوب کبریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف یہ کتاب آئی ہے۔ الٓمٓ میں راز ہے جس کی وضاحت ہوتی ہے۔

قانون کی کتاب کو دیکھیں اُس کے سرورق (Title Page) پر لکھا ہوتا ہے فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو اسمبلی نے تین خواندگیوں کے بعد اس قانون کو پاس کیا اور سربراہ مملکت نے فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو اعلان (Announcemnet) کیا اور اس کا مجوزہ علاقہ (Prescribed Area) یہ ہے جہاں تک اس کا اطلاق (Application) ہوگا۔ اس میں قانون کا پس منظر (Background) بیان ہوتی ہے۔ یہ مسودے کی صورت

میں حزب اختلاف (Opposition) کو تنقیدی جائزہ (Criticise) لینے کا حق (Right) دیا گیا۔ قانونی مشیر (Legal Advisers) کو اپنی آراء (Opinions) دینے کا حق دیا گیا۔ پوری چھان بین کے بعد فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو سربراہ مملکت نے اس کا اعلان کیا اور اب یہ نافذ العمل ہے کتاب الٰہی کو بھیجنے والا رب العٰلمین (سارے جہانوں کا رب) ہے اور جس پر یہ کتاب نازل ہوئی وہ رحمۃ للعالمین ہے۔ اب اعلان کیا جاتا ہے کہ اس کی Application وہاں تک ہوگی جہاں تک خدا کی خدائی ہے اور مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصطفائی ہے۔ اس حکمت والی کتاب میں اگر کوئی حکمت ہمیں سمجھ نہیں آتی تو وہ ہمارا قصور ہے۔ اس کی حکمتوں کو سمجھنے کے لیے دنیا اور قیامت کے رازداروں سے ملاقات کرنا پڑتی ہے۔

حقیقت شئ کو جاننا یہ حکمت ہے۔ کسی شئ کی حقیقت ترتُب اجزاء کا نام ہے۔ جو چیز جن جن اجزاء سے ترتیب پاتی ہے اور بنتی ہے وہ اُس کی حقیقت ہے۔ مثال کے طور پر یہ کرسی ہے۔ اس کے دو بازو ہیں، چار ٹانگیں ہیں۔ اس پر گدا لگا ہوا ہے۔ اس کے سارے حصص جدا کر کے ایک جگہ رکھ دیئے جائیں۔ تو پھر یہ کرسی نہیں کہلائے گی۔ حالانکہ اُس کی ساری چیزیں (Material) موجود ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ اجزائے ترکیبی ہوتے ہیں جس کے جڑنے (Assemble) سے چیز بنتی ہے۔ کائنات کا سارا سلسلہ (Setup) اللہ جانتا ہے کہ اسی حقیقت کیا ہے۔ اور حقیقت کا معلوم ہونا۔ حکمت، یونانی زبان میں اسے فلسفہ کہتے ہیں۔ اگر کائنات کے حقائق جاننا چاہو تو اُس سے رابطہ کرو تو حقیقتیں (حکمتیں) کھلتی چلی جاتی ہیں یہ آیات محسنین (نیکوکاروں) کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں۔ ہدایت کا معنیٰ ہیں ''دَلَالَۃٌ مُوْصَلَۃٌ یُوْصَلُ اِلَی الْمَقْصُوْدَ'' ہدایت ایک ایسی رہنمائی ہے جو منزل مقصود تک پہنچاتی ہے۔ رہنمائی وہ کرسکتا ہے جس کے علم میں منزل مقصود ہو۔ اگر یہ پوچھا جائے کہ جنت کا راستہ کون سا ہے؟ اگر کسی کے پاس نقشہ (A to Z) ہو یا عملاً وہاں آیا گیا ہو تو وہ راستہ بتا سکتا ہے۔ اور اگر کوئی بالکل جانتا ہی نہ ہو وہ بھلا کیا بتائے گا۔

معراج کی رات جبرائیل امین سدرہ پر رک گئے اور کہہ دیا یہاں سے آگے نہیں جاسکتا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جبرائیل! گھر سے لے آئے ہو اب آگے بھی ساتھ چلنا چاہیے اگر نہیں چلتے تو مجھے راستے کا نقشہ A to Z دے دو لیکن نقشہ کیا دے جبرائیل علیہ السلام کبھی آگے گیا ہو تو کچھ بتائے۔ وہ کبھی آگے گیا ہی نہیں لہٰذا آگے کا راستہ بتانا ناممکن ہے۔ جبرائیل کا علم وہاں تک محدود ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ کہتے ہی اس لیے ہیں کہ فرشتوں کے علم کی انتہا وہیں تک ہے۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تنہا سدرہ سے آگے سفر کا آغاز فرماتے ہیں۔ کیونکہ آپ کو آگے اپنی منزل تک پہنچنے کے لیے کسی کی رہنمائی کی ضرورت نہیں۔

بات حکمت کی ہو رہی تھی کہ حقیقت شئ کو جاننا حکمت ہے۔ اور یہ راز دار کے پاس ہوتی ہے۔ اللہ بتانے والا ہے {عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ} جو کچھ تو نہیں جانتا تھا وہ سب کچھ تجھے بتا دیا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہنمائی منزل مقصود تک پہنچانے والی ہے۔ کیونکہ آپ نے منزل دیکھی ہوئی ہے۔

صلوٰۃ ۔ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصور

قرآن مجید نے یہاں محسنین کا ذکر کیا کہ قرآن اُن کے لیے رحمت ہے عام لوگوں کی زبان میں احسان کرنے والے کو کہتے ہیں جو کسی کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔ لیکن قرآن کے قانون میں محسنین وہ لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں۔ قیام نماز میں پہلا عقیدہ یہ ہے کہ نماز فرض ہے۔ ایک آدمی نماز پڑھے مگر اُسے فرض نہ مانے تو کافر ہے۔ عمل درست ہے لیکن عقیدہ غلط ہے۔ اسی طرح نماز پڑھتا ہے مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے کے بغیر پڑھتا ہے تو اُس کی نماز کا کوئی فائدہ نہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ صلوٰۃ سے کیا مراد ہے۔ مرغی انڈہ دینے کے بعد اپنی دم ہلاتی ہے اسے صلوٰۃ کہا جاتا ہے۔ آپ صلوٰۃ کا حکم فرماتے ہیں اُس کی کیا صورت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّی"۔ (جس طرح مجھے دیکھو اس طرح قیام صلوٰۃ کرو (نماز پڑھو)۔

یعنی میرا نمونہ (Model) سامنے رکھو اور اُس کی نقل (Copy) کرو۔ معلوم ہوا نماز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تصور (Visualize) میں ہوتی ہے۔ اِقَامَتُ الصّلٰوۃ میں یہ راز مضمر ہے۔ ہاتھ اُٹھا کر کانوں کو لگانا، زیر ناف ہاتھ باندھنا، رکوع کرنا، سجود کرنا، تحیت وسلام کرنا یہ سب سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے جس کی پیروی کرنا لازم ہے اسے ہی صلوٰۃ کہتے ہیں۔

میری غرض کیا تھی سجود سے میرا کام کیا تھا رکوع سے
تیرے نقش پا کی تلاش تھی کہ میں جھکا رہا نماز میں

زمان ومکان میں برکت

نماز میں منہ کعبہ شریف کی طرف کیا جاتا ہے کیونکہ قبلہ عبادت ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی طرف منہ کیا لہٰذا اب نماز میں اُسی طرف منہ کرنا ہے وگرنہ نماز نہیں ہوتی۔ کعبہ کی طرف پیٹھ نہیں کی جاتی کیونکہ بے ادبی ہے یہ مقدس جگہ ہے اس لیے کہ اللہ کے پیارے بندے کے ہاتھ لگے ہوئے ہیں۔ اُس نے اسے قبلہ قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب ہے مقامات مقدسہ بندگان خدا نے بنائے ہیں۔ اگر اُن کو عبادت میں شامل نہ کیا جائے عبادت، عبادت نہیں ہے۔

علامہ عزالدین عبدالعزیز بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۶۰ھ) ساتویں صدی کے بلند پایہ اہل علم تھے۔ اُنہوں نے اصولیات پر جو گفتگو کی ہے بعد میں کوئی بھی اصولی عالم اُن کے حوالے کے بغیر بات نہیں کر سکا۔ اُن کی کتاب کا نام ''قواعد الاحکام فی مصالح الانام'' ہے۔(۱)

اس کتاب میں مقامات مقدسہ کی برکات کو بیان کرتے لکھتے ہیں کہ اپنے طور پر نہ کوئی جگہ برکت والی ہے اور نہ کوئی وقت برکت والا ہے۔ کسی برکت والے نے اُس جگہ اور اُس وقت برکت والا کام کیا ہے تو اُس میں برکت آ گئی ہے۔ جس جگہ کعبہ بنا ہوا ہے یہ جگہ پہلے برکت والی نہیں تھی۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک پتھر وہاں خدا کی یاد میں رکھا اُس برکت کی وجہ سے وہ جگہ برکت والی بن گئی۔ اسی طرح عید کا دن اس سے پہلے برکت والا نہیں تھا۔ جس دن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لخت جگر کی گردن پر چھری رکھی اور بیٹے کو قربان کرنے کا اقدام کیا اُس وقت سے وہ دن برکت والا بن گیا۔ صفا اور مروہ اُس وقت سے برکت والے بنے جب سیّدہ ہاجرہ علیہا السلام ان دو ٹیلوں کے درمیان دوڑی تھیں۔ اُن پتھروں کی قیمت ایسی بدلی کہ خود ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام دوڑے حالانکہ سیدہ ہاجرہ اُن کی بیوی تھیں اور وہ خود اولوالعزم رسول تھے۔

ہمنشیں وہ کوچہ عشق حجاز ہے
محمود جس گلی میں غلام ایاز ہے

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

حواشی

۱: أبو محمد عز الدين عبد العزيز بن عبد السلام بن أبي القاسم بن حسن السّلَمي الشافعي) 577ھ/1181م -

660هـ/1262م) الملقب بسلطان العلماء وبائع الملوك وشيخ الإسلام، هو عالم وقاضٍ مسلم، برع في الفقه والأصول والتفسير واللغة، وبلغ رتبة الاجتهاد، قال الحافظ الذهبي: بلغ رتبة الاجتهاد، وانتهت إليه رئاسة المذهب، مع الزهد والورع والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر والصلابة في الدين، وقَصَدَه الطلبة من الآفاق، وتخرّج به أئمة. وقال ابن العماد الحنبلي: عز الدين شيخ الإسلام ...الإمام العلامة، وحيد عصره، سلطان العلماء ...برع في الفقه والأصول واللغة العربية، وفاق الأقران والأضراب، وجمع بين فنون العلم من التفسير والحديث والفقه واختلاف الناس ومآخذهم، وبلغ رتبة الاجتهاد، ورحل إليه الطلبة من سائر البلاد، وصنف التصانيف المفيدة.

بیسواں درس قرآن: ۵ ستمبر ۲۰۰۶ء

حقوق والدین ۔ معاشرے کا تحفظ

عنوان

☆.....والدین کی رضا میں اللہ کی رضا ہے

☆.....حضرت علقمہ صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

☆.....وقت آخر کلمہ شریف کی برکت

☆.....والدین کی ناراضگی آخرت میں موجب عذاب ہے

☆.....والد کی دعا

☆.....تصوف سنی اور تصوف سلفی

☆.....اصح الاسانید ۔ اجماع اُمت

☆.....حضرت لقمان علیہ السلام اور حکمت

☆.....مومن کا خواب

☆.....اصلاح احوال کے لیے نصیحت

☆.....اولاد کے ساتھ شفقت اور نرم رویہ

☆.....قیام نماز ۔ بارگاہ الٰہی میں عجز و نیاز

☆.....امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

بیسواں درس قرآن، ۵ ستمبر ۲۰۰۶ء

حقوق والدین ۔ معاشرے کا تحفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

{وَلَقَدۡ آتَیۡنَا لُقۡمَانَ الۡحِکۡمَۃَ أَنِ اشۡکُرۡ لِلّٰہِ وَمَن یَشۡکُرۡ فَإِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِہِ وَمَن کَفَرَ فَإِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ حَمِیۡدٌ) (12وَإِذۡ قَالَ لُقۡمَانُ لِابۡنِہِ وَھُوَ یَعِظُہُ یَا بُنَیَّ لَا تُشۡرِکۡ بِاللّٰہِ إِنَّ الشِّرۡکَ لَظُلۡمٌ عَظِیۡمٌ) (13وَوَصَّیۡنَا الۡإِنسَانَ بِوَالِدَیۡہِ حَمَلَتۡہُ أُمُّہُ وَھۡناً عَلَی وَھۡنٍ وَفِصَالُہُ فِی عَامَیۡنِ أَنِ اشۡکُرۡ لِی وَلِوَالِدَیۡکَ إِلَیَّ الۡمَصِیۡرُ) (14وَإِن جَاھَدَاکَ عَلَی

أَن تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِيْ الدُّنْيَا مَعْرُوفاً وَ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ) (15يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُن فِيْ صَخْرَةٍ أَوْ فِيْ السَّمَاوَاتِ أَوْ فِيْ الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ) (16يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ) (17وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِيْ الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ) (18وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ} ۔(لقمان:۱۲۔۱۹)

حضرت جل جلالہٗ وعزاسمہ واتم برہانہ ارشاد فرماتے ہیں۔

ہم نے جناب لقمان کو حکمت عطا فرمائی۔ اللہ کا شکر ادا کرو۔ جو آدمی شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے نفع کے لیے شکر یہ ادا کرتا ہے۔ اور جو ناشکری کرے تو اس کا کچھ فرق نہیں پڑیگا کیونکہ اللہ بے نیاز ہے اور قابل تعریف ہے۔ (ذات باری تعالیٰ نفع ونقصان سے پاک ہے۔ اس کا تعلق بندوں سے ہے)

وہ وقت یاد کرو جب جناب لقمان نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا جبکہ وہ اُسے نصیحت کرتے تھے۔ (یہ حالِ تعلیلیہ ہے۔ نصیحت کے ارادے سے بیٹے سے کہا) بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت گردانو۔ بلاشبہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ ہم نے انسان کو اُس کے ماں باپ کے بارے میں تاکیدی حکم فرمایا۔ اُس کی ماں نے کمزور ہوتے ہوئے اُس کو اُٹھائے رکھا۔ اور اُس کا دودھ چھڑانا دو سالوں میں ہے۔ یہ تاکیدی حکم تھا کہ تو میرا (اپنے رب) کا شکر ادا کر اور اپنے ماں باپ کا بھی شکر ادا کر۔ اور میری ہی طرف لوٹ کے آنا ہے۔ اگر ماں باپ (دونوں) اس بات پر تمہیں آمادہ کریں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے۔ جس کا تمہیں کوئی علم ہی نہیں تو اُن کی پیروی مت کر۔ (علم وجود شئے کو چاہتا ہے جس کا وجود ہی نہ ہو اُس کا علم کیا ہوگا۔ جسے اللہ کا شریک بناتے ہیں اُس کا وجود ہی نہیں ہے)

دنیا میں اُن (ماں باپ) کی سنگت اچھی طرح نبھا اور اُس کا حق ادا کر۔ ایسے شخص کے راستے کی بھی پیروی کر جو میری بارگاہ کی طرف جھکا ہوا ہے اور میری ہی طرف تمہیں لوٹ کے آنا ہے۔ تمہیں ساری باتیں بتاؤں گا جو تم کرتے چلے آئے ہو۔

اے میرے بیٹے! بدی اگر ایک رائی کے دانے کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ پھر وہ کسی چٹان یا آسمانوں اور زمینوں میں ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اُسے لے آئے گا بیشک اللہ کی ذات پاک بڑی کریم اور باخبر ہے۔

اے بیٹے! نماز قائم کرو اور اچھائی کا حکم دو اور بدی سے روکو۔ اور اس سلسلے میں جو تکلیف تمہیں پیش آئے اُس کو مردانگی سے برداشت کرو۔ یقیناً یہ بات بہت بڑے کاموں میں سے ہے۔

اور تو لوگوں کے سامنے منہ ٹیڑھا نہ کر (تکبر سے) اور زمین میں اکڑ کے مت چل۔ کیونکہ اللہ اِترانے والے اور بے جا فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا اور تو میانہ روی اختیار کر۔ اور اپنی آواز کو دھیما کر، بلاشبہ جو سب سے بدترین آواز ہے وہ گدھے کی آواز ہے۔

یہ اِن آیات طیبات کا تحت اللفظ ترجمہ ہے۔

ماں باپ کے حقوق کے بارے میں بات ہو رہی ہے کہ اولاد اپنے ماں باپ کی خدمت کی کس حد تک پابند ہے۔ والدین اگر کافر ہوں (ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی الغرض کسی مذہب کے ہوں) دنیوی امور میں اُن کی خدمت کرنا، اُن کی جانی مالی مدد کرنا، اُن کی بود و باش، خوراک و پوشاک کا خیال رکھنا اولاد کا اولین فرض ہے۔

جہاں رہتے ہیں خواہ وہ فلاحی مملکت ہو یا غیر فلاحی ہو انسان کی ہر صورت میں یہ ڈیوٹی ہے کہ ماں باپ کی خدمت کرے اور اُن کو ممکنہ سہولتیں فراہم کرے۔ کسی بھی درجے کے آدمی (مولوی، پیر یہاں تک کہ پیغمبر) اپنے ماں باپ کی خدمت کے پابند ہیں۔ اس معاملے میں کوئی کسی طرح کا عذر پیش نہیں کر سکتا کہ فلاں وجہ سے (اُن کے مذہب، عقیدے یا کسی طرح کے اختلاف کے) وہ اُن کی عزت نہیں کرتا۔ ماں باپ عقیدہ، مذہب کی بنا پر کچھ بھی ہوں لیکن ہر حال میں ماں باپ ہیں۔ اولاد نے کوئی بھی امتیاز کیے بغیر اُنہیں ماں باپ سمجھنا ہے اور اُنہیں عزت دینی ہے۔ البتہ کفر و شرک یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے میں اُن کا ساتھ نہیں دینا اور نہ ہی اُن کی ایسی بات ماننی ہے۔

والدین کی رضا میں اللہ کی رضا ہے

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال :قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم :رضی الرب فی رضی الوالدین ، و سخط الرب فی سخط الوالدین۔(الترغیب والترھیب للمنذری /الجامع الصغیر للسیوطی /الدر المنثور للسیوطی /کنز العمال للمتقی)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :رب کی

رضا ماں باپ کی رضا میں ہے، اور رب کی ناراضگی ماں باپ کی ناراضگی میں ہے''۔

اگر کوئی یہ معلوم کرنا چاہے کہ میرا رب مجھ سے راضی ہے یا ناراض ہے تو وہ ماں باپ کی طرف رجوع کرے اُنہیں دیکھے کہ وہ راضی ہیں یا ناراض ہیں۔

آدمی نماز پڑھتا ہو روزے رکھتا ہو داڑھی رکھی ہو غرض یہ کہ سارے نیکی کے کام کرتا ہو لیکن اگر اللہ ناراض ہے تو سارے نیک اعمال کا کچھ فائدہ نہیں اس لیے کہ ماں باپ کی ناراضگی کی وجہ سے رب ناراض ہے۔ سمجھنا چاہیے کہ بوڑھے والدین کے راضی نامے اور ناراضگی کی اللہ کی بارگاہ میں کیسی قیمت (Value) ہے۔

جس قدر بھی نیک اعمال ہیں وہ ماں باپ کی ناراضگی کی تلافی نہیں کر سکتے۔ ماں باپ کو خوش رکھنے میں ہی اُس کا فائدہ ہے۔

حضرت عِلقمہ صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ

یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے۔ ان کا اصل نام عِلقمہ ہے (علقمہ بھی پڑھا جاتا ہے اس میں بھی کوئی معنوی خرابی نہیں) ان کی زندگی کا آخری وقت تھا۔ مدینہ شریف میں رہتے تھے۔ حضرت علی حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم، حضرت بلال حبشی اور حضرت عمار بن دینار رضی اللہ عنہم اس صحابی مکرم کے پاس تھے آخری وقت میں حضرت عِلقمہ کلمہ شریف پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے مگر پڑھ نہیں سکتے تھے۔

حضرت مولیٰ مرتضی، بلال حبشی اور عمار بن دینار رضی اللہ عنہم اجمعین نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی یارسول اللہ! علقمہ کلمہ پڑھنا چاہتا ہے لیکن پڑھ نہیں سکتا۔

وقت آخر کلمہ شریف کی برکت

صحابہ رضی اللہ عنہم کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر کلمہ نہیں پڑھ سکتا تو کوئی بات نہیں۔ وہ مسلمان ہے میرا اُمتی ہے اور صحابی ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اُسے بخش دے گا۔ میں نبی رحمت ہو کر اُس کی شفاعت کر دوں گا۔ لہٰذا کلمہ نہ پڑھ سکے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ (یاد رکھیں کسی بھی صحابی رسول کے بارے میں ہمیں کوئی ہلکی رائے رکھنے کا حق نہیں۔ کچھ بھی ہو اُنہیں درجہ صحابیت حاصل ہے اور ہم مسلمان اُن کی عزت کرنے کے پابند ہیں)

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت ہے:

''مَنْ کَانَ اٰخِرُ کَلَامِہٖ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم) فَقَدْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ''۔

(سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب فی تلقین/مسند امام احمد ابن حنبل)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا)

جس کے کلام میں آخری اندراج یہ نکل آیا کہ کلمہ طیب شریف اُس نے پڑھا ہے اُسے بخش دیا جائے گا اور وہ جنت میں داخل ہوگا۔ یوں تو اُس نے جتنی زندگی گزاری ہے اُس پر بھی غور کیا جائے گا لیکن آخری سانسوں میں کلمہ پڑھنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا آخری وقت تک وفادار رہا ہے۔ اس لیے آخری وقت کے کلمے کی بڑی قیمت ہے۔

والدین کی ناراضگی آخرت میں موجب عذاب ہے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جب بتایا گیا کہ علقمہ کلمہ نہیں پڑھ سکتا اور یہ اُس کا آخری وقت ہے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا اس کے ماں باپ زندہ ہیں؟

اگر کوئی ڈاکٹر کے پاس جائے اور یہ بتائے کہ میرے پیٹ میں درد ہو رہا ہے تو ڈاکٹر فوراً یہ پوچھتا ہے کہ اس نے کھایا کیا ہے؟ ڈاکٹر کے پوچھنے کا مقصد یہ ہے کہ مریض نے کوئی ایسی چیز کھائی ہے جو پیٹ کے درد کا باعث بنی ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ پوچھنا کہ اس کے ماں باپ زندہ ہیں یا نہیں، ثابت کرتا ہے کہ آخری وقت میں کلمہ شریف پڑھنے کا تعلق بوڑھے ماں باپ کے ساتھ ہے۔ حکیم کائنات جنہیں اللہ نے کل کائنات کی حکمت و دانش عطا فرمائی ہے وہ جانتے ہیں آخری وقت کلمے کے ساتھ ماں باپ کی خوشنودی کی پرچی (Slip) لگتی ہے۔ اس کے بغیر کلمہ نہیں پڑھا جا سکتا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ علقمہ رضی اللہ عنہ کے والد فوت ہو چکے ہیں اور ماں زندہ ہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فرمایا کہ اُس کی ماں میرے پاس آ جائے۔ اگر وہ نہیں آ سکتی تو میں اُس کے پاس چلتا ہوں۔ یہ کس قدر اہم بات ہے کہ آخر وقت میں کلمہ نہ پڑھ سکنے کا علاج (Remedy) سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام خود تلاش فرماتے ہیں اگر یہ کوئی معمولی معاملہ ہوتا تو تاجدار کائنات، امام الانبیاء رحمت عالم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسے اتنی اہمیت نہ دیتے۔ معلوم ہوا کہ ماں باپ کی ناراضگی ایک ایسا مسئلہ ہے کہ محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس میں دخل دینے کے لیے تیار نہیں

تم تو جس خاک کو چاہو وہ بنے بندہ پاک

پر میں نبی کس کو بناؤں جو خفا تم ہو جاؤ

علقمہ رضی اللہ عنہ کی ماں حاضر ہوئی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آپ کا بیٹا کیسا شخص ہے؟ عرض کیا یارسول اللہ! یہ نیک آدمی ہے۔ پابند صوم وصلوٰۃ ہے اس نے حج وعمرے ادا کئے ہیں۔ جہاد میں شریک ہوا ہے۔ مساکین ویتامیٰ اور بیوگان کی خدمت کرتا تھا۔ جب مائی صاحبہ اپنے بیٹے کے متعلق تعریفی جملے کہہ چکی تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں اس کے ذاتی کردار کے بارے میں نہیں پوچھتا میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس کا ایک بیٹے کی حیثیت سے تمہارے ساتھ سلوک کیسا تھا؟ اُس وقت بوڑھی ماں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم اس کا میرے ساتھ سلوک اچھا نہیں رہا۔

میں جوانی میں بیوہ ہوگئی تھی اچھی صحت اور صورت والی خاتون تھی کئی لوگوں نے میرے ساتھ شادی کرنے کی خواہش کی لیکن میں نے اس اندیشے سے کوئی رشتہ منظور نہیں کیا کہ میرا بیٹا دوسرے کے رحم وکرم پر ہو جائے گا۔ اس لئے میں نے اپنے بیٹے کے لئے جوانی قربان کی اور اس کی پرورش کے لئے محنت ومشقت کرتی رہی۔ بھیڑیں بکریاں چرائیں، کئی گھروں میں صفائی کا کام کیا۔ کنویں سے پانی بھرے، چکیاں پیسیں اور اس طرح روزی کا انتظام کر کے اپنے بیٹے کو پالا۔ جوان ہوا تو اس کی مرضی کے مطابق اس کی شادی کرائی۔ لیکن جب دلہن گھر میں آ گئی تو اس کے بعد مجھے خاندان کا فرد ہی نہیں سمجھا گیا۔ گھر میں میری کوئی حیثیت نہیں رہی۔ جو کھانا یہ چھوڑتے تھے وہ کھانا میرا مقدر ہوتا تھا اور کپڑے جو میری بہو کے استعمال کے قابل نہیں رہتے تھے وہ پہننا میرا نصیب تھا۔ اس کی بیوی جو فیصلہ کرتی تھی وہ آخری اور حتمی ہوتا تھا۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سن کر دکھ ہوا۔ حضور نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: مائی صاحبہ! یہ آپ کا بیٹا ہے اسے معاف کر دو تا کہ اسے آخری سانسوں میں کلمہ نصیب ہو جائے اور اس کی عاقبت اچھی ہو جائے۔ مائی نے عرض کیا حضور! آپ کا حکم میرے سر آنکھوں پر لیکن اس بیٹے کو معاف کرنے کے لئے نہ فرمایئے۔ میرا دل اس پر بڑا دکھی ہے میں اسے معاف نہیں کر سکتی۔ لیکن پھر بھی آپ مجھے معاف کرنے کا حکم دیتے ہیں تو اس سے ذرا بھی انکار نہیں کر سکتی کیونکہ آپ کی غلام ہوں آپ کا کلمہ پڑھا ہوا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو لکڑیاں لا کر علقمہ رضی اللہ عنہ کی چارپائی کے گرد ڈالنے کا حکم دیا اور فرمایا ان لکڑیوں کو آگ لگا دو۔ جب ماں نے یہ بات سنی تو اس کی مامتا تڑپ اٹھی۔ بے قراری سے کہنے لگی۔ کیا میرے بیٹے کو جلایا جائے گا میں ماں ہو کر یہ کیونکر برداشت کر سکتی ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ تو

برداشت نہیں کرسکتی کہ یہاں کی آگ میں تیرا بیٹا جلایا جائے تو میں نبی ہوکر یہ شہادت دیتا ہوں کہ اگر تو اپنے بیٹے کو معاف نہیں کرے گی تو یہ جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا۔ اُس وقت ماں نے کہا میں اسے معاف کرتی ہوں۔ اُس وقت حضرت علی حیدر کرار، عمار بن دینار اور بلال حبشی رضی اللہ عنہم سے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اب علقمہ کو جا کر دیکھو۔ ابھی یہ تینوں حضرات کمرے سے باہر ہی تھے کہ اونچی آواز سے کلمہ پڑھنے کی آواز سنائی دی۔ پتہ چلا کہ ماں کی رضامندی کی سند ملی تو کلمہ پڑھنا نصیب ہوا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا علقمہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ تیار کرو۔ اس کی نماز جنازہ میں خود پڑھاؤں گا۔ جنت البقیع میں جنازہ رکھا۔ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرما ہوئے اور خطبہ ارشاد فرمایا کہ جو آدمی ممکن حالات میں اپنے والدین کو زندہ پائے، اور اُن کی خدمت نہ کرے اُنہیں خوش نہ رکھ سکے اُن کی دعائیں حاصل نہ کر سکے۔ تو یاد رکھو وہ شخص مرتے وقت کلمہ نہیں پڑھ سکے گا۔ میں نے قیامت کے دن اُسے اپنا اُمتی نہیں کہنا اور یہ شخص میری شفاعت سے محروم رہے گا۔

حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا یہ مقام ہے کہ انبیاء و رسل علیہم السلام آپ کی شفاعت کے محتاج ہیں۔ پھر ہماری کیا حیثیت بنتی ہے۔

والدین کی دُعا

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ماں باپ کی دعا اولاد کے حق میں اس طرح قبول ہوتی ہے جس طرح پیغمبر کی دعا اُمتی کے حق میں شرف قبولیت پاتی ہے۔ اللہ کا نبی کسی کے لیے دعا کردے خواہ وہ دعا اچھائی کے لیے ہو یا دعا ضرر ہو وہ ٹلتی نہیں۔ اسی طرح ماں باپ کی دعا یا بددعا اولاد کے حق میں ٹلتی نہیں ہے۔ بددعا کا لفظ نبی کے لیے نہیں کہنا چاہیے یہ خلاف ادب ہے۔ نبی کی ایسی دعا کو دعا ضرر کہا جاتا ہے۔

تصوف سنی اور تصوف سلفی

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ حدیث روایت ہے جو کلمہ طیبہ کی فضیلت میں روایت کردہ حدیث پہلے بیان ہوچکی ہے۔ یہ فقیہہ صحابی ہیں۔ فقہا صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طبقہ جس بات پر اتفاق کرلے وہ اجماع ہوتا ہے۔ اگر ایک بھی فقیہہ صحابی کسی مسئلے میں شامل نہ ہو تو اجماع منعقد نہیں ہوسکتا۔ حضرت جابر ابن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ فقہا صحابہ کے طبقے میں سے ہیں۔

حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضیٰ حیدر کرار کرم اللہ وجہہ کو بعد از انبیاء سب سے افضل سمجھتے تھے۔ جمہور کی رائے کے مطابق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔ حضرت جابر ابن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے اُستاد تھے۔ اور حضرت جابر ابن عبداللہ نے ہی ان کا نام باقر رکھا تھا آپ کا اصل نام محمد ابن علی علیہ السلام ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا اصلی نام علی اوسط ہے۔ آپ کے بڑے بھائی علی اکبر اور آپ سے چھوٹی علی اصغر میدان کربلا میں شہید ہو گئے تھے۔ علی اوسط زندہ رہے تھے۔

اہلِ سنت کے ہاں جو صوفیت ہے اور یہ قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی کے نام سے جانی جاتی ہے اس کے مصنف حضرت امام زین العابدین (علی اوسط) علیہ السلام ہیں۔ اس سلسلے میں صوفیاء کے جتنے نظریات (Theories) ہیں اُن کے بانی حضرت زین العابدین علیہ السلام ہیں جو مظلوم دشت کربلا تھے۔ اس صوفیت کو تصوف سنی کہا جاتا ہے۔

دوسرا تصوف سلفی ہے جس کے بانی حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ اس سلسلے میں حضرت امام مالک کا ایک حوالہ (Quotation) ہے

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **من تفقه و لم يتصوف فقد تفسق و من تصوف و لم يتفقه فقد تزندق و من جمع بينهما فقد تحقق**۔ (حاشیہ شرح زرقانی / حاشیہ علامہ علی الندوی شرح امام زرقانی متن علی الغریۃ فی فقہ المالکی، جلد 3، صفحہ 195 / شرح عین العلم وزین الحلم، ملا علی قاری، جلد 1، صفحہ 33)

جس نے تصوف اور علم دین دونوں کو اکٹھا کر لیا وہ آدمی درجہ تحقیق کو پہنچا۔

اس کا ذکر حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ'' میں کیا ہے۔ تصوف سلفی حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہی ختم ہو گیا تھا۔

اصح الاسانید ۔ اجماع اُمت

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ سب حدیثوں میں اصح الاسانید وہ حدیث ہوگی جس کے راوی حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ہوں کیونکہ اُن کے مروی عنہ (جن سے حدیث سنی ہے) حضرت امام حسن یا حضرت امام حسین علیہما السلام ہو سکتے ہیں اور انہوں نے وہ بات جناب مولیٰ مرتضیٰ سے سنی اور مولیٰ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے۔ اس لیے اس حدیث کا پایہ سب سے اونچا ہے۔

''تدریب الرّاوی شرح تقریب النواوی''، علم المصطلح کی کتاب ہے اس کے مصنف امام جلال الدین سیوطی رحمۃ

اللہ علیہ ہیں جن کا سن وفات ۹۱۱ھ ہے۔اس کتاب میں یہ تفصیل بیان کی ہے کہ علم حدیث کو بہتر جاننے والا محدث ہوسکتا ہے۔ اگر کسی شخص کو بے شمار حدیثیں زبانی یاد ہیں لیکن علم حدیث سے بے بہرہ ہے وہ محدث نہیں ہوسکتا۔اور محض محدث فقہی نہیں ہوسکتا۔فقہی وہ ہوسکتا ہے جو چودہ علوم کی حاضری کے ساتھ احادیث سے احکام اخذ کرسکے۔

اجماع (Consensus of Confidence of Muslim Scholors) مفسرین اور محدثین کا نہیں ہوسکتا۔ اگر مفسرین اور محدثین کسی بات پر اتفاق کرلیں اُسے اسلام میں اجماع تسلیم نہیں کیا جائے گا۔فقہا (Lawyer) جب متفق ہوں تو اصول فقہ کی روشنی میں یہ اجماع کہلائے گا اور اسے تسلیم کیا جائے گا۔امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد حنبل رضی اللہ عنہم جیسی ہستیاں اجماع کریں تو اجماع مانا جاتا ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام اور حکمت

حضرت لقمان علیہ السلام کا کچھ ذکر پچھلے درس میں ہوا ہے۔مسلمان دانشوروں کی اکثریت اس پر متفق ہے کہ وہ نبی نہیں تھے اور کسی کے شاگرد بھی نہیں تھے۔اللہ نے اپنے فضل سے اُنہیں حکمت عطا کی۔

{وَاللّٰہُ یَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ}۔(البقرہ:۱۰۵)

(اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے) ترجمہ اعلیٰ حضرت

محض فضل الٰہی سے اتنا بڑا آدمی پیدا ہوسکتا ہے تو اولاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خون رسول ہوکر دنیا میں آئے ہیں تو اُن کی فضیلت و بزرگی میں پھر کیا امر مانع ہوسکتا ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گذارش کی اے مولا کریم! اگر تو مجھے اپنا پیغمبر یا ولی بنانا چاہتا ہے تو یہ تیری مرضی ہے میں تیرا گنہگار اور مسکین بندہ ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور معافی چاہتا ہوں۔رب تعالیٰ کو اُن کی یہ عاجزی پسند آئی۔حضرت لقمان سوئے تو اللہ تعالیٰ نے عالم خواب میں اُنہیں حکمت سے نوازا۔فضل الٰہی سے وہ صاحب حکمت (حکیم) ہوگئے۔اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اسرار کائنات اور کائنات کا استعمال سمجھایا حکمت دو طرح کی ہے: ۱۔حکمت نظری ۲۔حکمت عملی

ہر چیز کی حقیقت کو جاننا اور سمجھنا حکمت نظری ہے۔اور اُسے استعمال میں لاکر کوئی نتیجہ نکالنا اور اُس کا نفع اور نقصان معلوم کرنا یہ حکمت عملی ہے۔

مومن کا خواب

پہلے یہ بیان ہوا کہ حضرت لقمان کو خواب میں حکمت عطا ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف میں خواب کی اہمیت ہے۔ بہت سے اولیاء اللہ کا روحانی معاملہ خوابوں کے ذریعے حل ہوتا ہے۔ اور بذریعہ خواب اُنہیں فیضان حاصل ہوتا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الرُّؤْيَا الصَّالِحَةِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَ اَرْبَعِيْنَ جُزْءً مِّنَ النَّبُوَّةِ (بخاری، کتاب الرویا)

مومن صالح کا سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں (۴۶) حصہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے تیئس ۲۳ برس ہیں اور پہلے چھ مہینے بذریعہ خواب وحی آتی رہی اس لیے یہ چھ مہینے چھیالیسواں (۴۶) حصہ بنتا ہے۔ صوفیاء یہ نصیحت کرتے ہیں سوتے وقت وضو کر کے بستر پر جانا چاہیے اور اللہ کی رحمت کا انتظار کرنا چاہیے۔ وضو کر کے سونے سے انسان کی صحیح منزل کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر یہ میڈیا کا دور ہے آپ اپنے ریڈیو یا ٹیلیویژن کو پسند کے سٹیشن پر لگانا چاہتے ہیں لیکن غلطی سے کسی ایسے سٹیشن پر لگ جائے جسے آپ دیکھنا یا سننا نہیں چاہتے تو یہ غلطی آپ کی اپنے طور پر بھی ہوسکتی ہے اور یا آپ کے ریڈیو اور ٹیلیویژن میں خرابی ہوسکتی ہے۔ اسی طرح آدمی کا خواب میڈیا کی طرح ہے اس کا صحیح سٹیشن پکڑنے کے لیے باوضو ہو کر سونا چاہیے۔

اصلاح احوال کے لیے نصیحت

حضرت لقمان علیہ السلام اپنے گرد و پیش کی اصلاح کے لیے جو نصیحتیں کرتے ہیں اُن کا قرآن مجید نے ذکر کیا۔ اس میں پہلے تہذیب الاخلاق اور پھر تدبیر منزل کو بیان کیا۔ تہذیب اخلاق میں اپنی ذاتی اصلاح مراد ہوتی ہے اور تدبیر منزل میں اپنے خاندان کو نصیحت کر کے صحیح راستے پر لگانا ہے۔

حضرت لقمان علیہ السلام نے پہلے اپنے آپ کو درست کیا اور اُس کے بعد اپنے گھر والوں کو نیکی کی تعلیم دی۔ آپ نے اپنے بیٹے کو مخاطب کیا اور اُسے اپنے عقائد و اعمال درست کرنے کی نصیحت کی۔

(اس بیٹے کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمان نہیں تھا اس کا نام انعم یا اشکر یا ماثان بتایا جاتا ہے)

آپ کے بیٹے نے پوچھا کہ ایک آدمی گناہ کرتا ہے کوئی بھی اُسے دیکھنے والا نہیں تو پھر اُس کا اندراج (Record) کیسے پیش ہوگا۔ تو حضرت لقمان علیہ السلام نے بیٹے کو جواب دیا جیسے قرآن بیان فرماتا ہے:

{يٰبُنَيَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ} اے میرے

بیٹے اگر رائی کے دانے کے برابر کوئی گناہ ہو اگر وہ کسی چٹان (سخت پتھر) کے جگر میں ہو یا آسمان وزمین میں ہو وہ خدا تعالیٰ کے کمپیوٹر سے مخفی نہیں ہے۔

{یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَھَاo بِاَنَّ رَبَّکَ اَوْحَالَھَا}۔(الزلزلہ:۴۔۵)

{اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاھِھِمْ وَتُکَلِّمُنَآ اَیْدِیْھِمْ}۔(یٰس:۶۵)

سارا نقشہ واردات پیش ہوگا زمین بول کر بتائے گی اعضائے جسمانی بول کر گواہی دیں گے کہ اس نے یہ گناہ فلاں جگہ اس اس طرح کیا ہے۔

پہلے فرمایا: {ۃٖ}۔ اس میں ھَا کا مرجع معصیت ہے۔ کیونکہ اُس نے معصیت کا ذکر کیا ہے۔

اولاد کے ساتھ شفقت اور نرم رویہ

حضرت لقمان علیہ السلام بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے ایک شفیق باپ کی حیثیت سے نرمی اور محبت کے ساتھ بات کرتے ہیں۔ اس میں والدین کے لیے سبق ہے کہ اولاد کے ساتھ بات کرنے کا کیا ڈھنگ ہونا چاہیے۔ حضرت لقمان نے بڑے پیار کے ساتھ بیٹے کو مخاطب کیا: یٰبُنَیَّ (اے میرے چھوٹے سے پیارے بیٹے)۔ اسے اسم تصغیر (Diminutive Noun) کہا جاتا ہے۔ جیسے انگریزی میں Dear سے Darling، Book سے Booklet اور Cigar سے Cigarette بنالیا جاتا ہے۔ اسی طرح پنجابی میں پُتر کو پیار سے پتری کہتے ہیں۔ یعنی اصل نام کو پیار سے چھوٹا کرلیا جاتا ہے۔

یہ قرآن مجید سے مسائل معلوم کرنے کے قواعد ہیں۔ یہ ذہن میں رکھنے پڑتے ہیں یٰبُنَیَّ کہہ کر مشفقانہ انداز میں حضرت لقمان بیٹے کو نصیحت کرتے ہیں جب بھی ماں باپ اپنی اولاد کی اصلاح کرنا چاہیں تو اُن کو نصیحت کرنے کا موثر طریقہ یہی ہے کہ پیار سے اپنے پاس بٹھا کر دوستانہ ماحول میں اُنہیں وصیت کریں۔ جابرانہ طریقہ درست نہیں اس سے بچوں میں ضد کا پہلو پیدا ہوسکتا ہے اور ماں باپ کے خلاف اُن میں باغیانہ روش آسکتی ہے۔

قیام نماز ۔ بارگاہ الٰہی میں عجز و نیاز

''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃ'' نماز قائم رکھنے کی تلقین کی۔ اللہ کی عبادت اللہ کا حق ہے اور سارے حقوق میں سب سے پہلے اللہ کا حق ہے کہ اُس کے حضور حق بندگی ادا کیا جائے۔ اللہ کا بندہ اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو جائے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ بندہ اپنے رب سے قریب نماز میں ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ قربِ الٰہی کا موقع نماز

میں حالت سجدہ ہے۔

نماز میں بندہ رب کے حضور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے اور اس سے پہلے کانوں کو ہاتھ لگاتا ہے۔ یہ مزاج رب العلمین کے حضور انتہائی ادب اور اظہارِ ندامت کو ظاہر کرتا ہے۔ اور بندہ اپنے جرم کا اقرار کرتا ہے۔ عدالت میں مجرم کو ہتھکڑی لگا کر پیش کیا جاتا ہے لیکن یہاں بندہ اپنی مرضی سے پابند ہو کر کھڑا ہوتا ہے۔ پھر رکوع کرتا ہے دربار الٰہی میں جھکنا بھی عاجزی کی بڑی نشانی ہے۔ اور پھر بحالت سجدہ اپنی پیشانی زمین پہ رکھ کر اپنی عبدیت کی انتہا کر دیتا ہے۔ مخلوق میں سب سے حقیر چیز مٹی ہے اور آدمی کا سر اور پیشانی سب سے زیادہ عزت والے ہیں۔ تاج شاہی سر پر پہنا جاتا ہے۔ بندہ الٰہی اپنے رب کے حضور اظہار بندگی کرتے ہوئے یہ بتاتا ہے کہ یا اللہ اپنی سب سے عزت والی چیز تیری رضا کی خاطر سب سے حقیر چیز مٹی پر رکھتا ہوں۔ رب تعالیٰ اپنے بندے کی بخشش فرماتا ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر بندے کے لیے عاجزی ممکن نہیں ہے۔

جناب لقمان نے اپنے بیٹے کو صحت عقیدہ کے بعد نماز قائم کرنے کی تاکید کی۔

امر بالمعرف اور نہی عن المنکر

نیکیوں کی تاکید کرنا اور اعمال بد سے روکنا قانون شرع میں واجب **علی الکفایہ** ہے۔ سوسائٹی اس کی پابند ہے کہ اُن میں ایسے بندے ہونے چاہیں جو دین کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیں، نیکی کا حکم کریں اور بدی سے روکیں۔ اگر کوئی آدمی یہ کام نہ کرے تو پورا اسلامی معاشرہ مجرم قرار پاتا ہے۔ جس طرح نماز جنازہ فرض کفایہ ہے اسی طرح نیکی کا حکم کرنا اور برائیوں سے روکنا فرض کفایہ ہے۔

سوسائٹی میں جو قانون بنتا ہے اس کے لیے ایک ادارہ ہوتا ہے جسے قانون ساز ادارہ (Legistative Council) کہا جاتا ہے۔ اور اس قانون کو نافذ کرنے والے ادارے کو منتظمہ (Executive) کہتے ہیں۔ اس کا عدلیہ اور اُس کے فیصلوں کے ساتھ تعلق نہیں ہوتا۔

قانون کی جتنی کتابیں ہیں اُن کے سرورق (Face) پر یہ جملہ (Sentence) لکھا ہوا ہوتا ہے کہ یہ قانون فلاں تاریخ کو اسمبلی میں تین خواندگیوں کے ساتھ پڑھ کے حزب اختلاف (Opposition) کو تنقید (Critisize) کرنے کا حق دے کر تین مرتبہ تین خواندگیوں سے پڑھنے کے بعد منظور (Approve) کر لیا گیا ہے۔ ناظم قانون (Director of Principles) تدابیر کے اصول (Principles of Policies) کو غور و خوص (Observe) کیا اور اُن کی پابندی کی گئی ہے یہ قانون تمام قواعد سے گزر کر پوری صفائی کے ساتھ منظور کر کے فلاں

مہینے کی فلاں تاریخ کو وزیراعظم یا صدر مملکت نے اس کے نفاذ کا اعلان کیا ہے۔ اس ملک کے مجوزہ علاقے (Prescribed Area) میں اس قانون کا نفاذ ہوگا۔ منتظمہ (Executive) اس قانون کو نافذ کرتی ہے۔ قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کے خلاف قانونی ادارے (پولیس) کارروائی کرتے ہیں۔

ہمارے ملک (پاکستان) اور اس ملک (برطانیہ) میں ایک الجھن (Confusion) پائی جاتی ہے کہ مجسٹریٹ فیصلے کرتے ہیں حالانکہ مجسٹریٹ عدلیہ سے تعلق رکھنے والے نہیں ہوتے یہ انتظامیہ کے آدمی ہوتے ہیں۔ فیصلہ کرنا عدلیہ کا کام ہے اور فیصلہ کرنے والے جج (Judges) کہلاتے ہیں۔ قانون کی خلاف روزی کرنے والوں کو جج سزا دیتے ہیں۔ قانون کے یہ تین اہم ادارے ہیں:

۱۔ مقننہ Legislative ۲۔ انتظامیہ Executive ۳۔ عدلیہ Judiciary

اِن کے علاوہ چوتھا ادارہ ہے وہ ہے لوگوں کی گرم نگاہی (Vigilence of People) عام طور پر یہ بیان میں نہیں آتا لیکن یہ آئین (Constitution) کا حصہ ہے معاشرے میں لوگ اس پر توجہ رکھیں کہ کون کیا کچھ کر رہا ہے۔ خاندانی معاملات میں کیا رویے پائے جاتے ہیں۔ اولاد اپنے ماں باپ کے ساتھ کس طرح پیش آرہی ہے۔ بھائی اور دیگر اقرباء کا ایک دوسرے کے ساتھ کیسا سلوک ہے آبادی میں ایک دوسرے کا کس طرح خیال رکھا جاتا ہے۔ اگر لوگ اچھے کام کر رہے ہیں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھتے ہیں تو لوگ اُن کے کاموں کی تعریف کرتے ہیں اور اس طرح نیکی اور اچھائی کو فروغ ملتا ہے۔ اگر کوئی شخص دوسروں کی عزت نہیں کرتا۔ محلے میں اُس کی وجہ سے بدامنی ہوتی ہے تو ایسے شخص کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا اور اُسے برا بھلا کہا جاتا ہے۔ ایسے شخص سے کوئی بھی نشست و برخواست رکھنا پسند نہیں کرتا۔ اس طرزِ عمل سے معاشرہ میں برائی کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ اس لیے چاہیے کہ لوگ اچھے کاموں کو قدر (Appreciatable) کی نگاہ سے دیکھیں اور برائی کو روکنے کی ممکن کوشش کیا کریں۔

اگر کہیں کوئی برا کام ہو رہا ہو اور کوئی کہے کہ ہمیں اس سے کیا غرض ہمیں ایسے جھگڑوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ایسا کہنا بے ایمانی کا کلمہ ہے اور اسلام میں یہ قابلِ گرفت ہے۔ یہ اہانت مجرمانہ (Criminal Abetment) ہے اگر کسی کو برائی کرتا دیکھے تو مقدور بھر اُس کو روکنے کی کوشش کرے۔ اگر اُسے بدی کرنے سے روکا نہیں تو قانون کی نظر میں ایسا شخص جرم کو آسان کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کی مثال قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

{لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا

لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ} (المائدہ:۷۸۔۷۹)

(جولوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داود اور عیسی بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی یہ اس لیے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے اور برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے بلاشبہ وہ برا کرتے تھے)

داؤد اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے بنی اسرائیل پر لعنت کی گئی (اُن پر نازل ہونے والی وحی میں لعنت بھیجی گئی)۔ یوم السبت (ہفتہ کے دن Saturday) اس قوم کو مچھلیاں پکڑنے سے منع کیا گیا تھا۔ اس میں اُن کی آزمائش تھی کیونکہ ہفتے والے دن بہت زیادہ مچھلیاں آتی تھیں۔ ان کے تین طبقے بن گئے۔ ایک طبقے کے لوگ ہفتے کو مچھلیاں پکڑتے تھے۔ ایک طبقہ والے خود تو مچھلیاں نہیں پکڑتے تھے لیکن شکار کرنے والے مجرموں کو منع نہیں کرتے تھے۔ تیسرا طبقہ وہ تھا جنہوں نے اللہ کا حکم مانا اور مچھلیاں اس دن نہیں پکڑتے تھے اور ساتھ ہی پکڑنے والوں کو منع کرتے تھے۔ اور وہ انہیں اس گناہ پر سخت سست کہتے تھے۔

قرآن مجید نے جس طرح بیان کیا کہ مچھلیاں پکڑنے والوں پر بھی لعنت ہوئی اور اُن لوگوں پر بھی لعنت ہوئی جو اُنہیں اس گناہ سے منع نہیں کرتے تھے جرم دیکھ کر اُس پر چپ سادھے رکھنا بھی جرم ہے۔

جہاں مسلمان اپنی اصلاح کا پابند ہے وہاں ساتھ ہی معاشرتی برائیوں، بداعمالیوں، بدعقیدگی کو دور کرنے کی کوشش کرنا بھی اُس کے فرائض میں شامل ہے۔

جو آدمی نیکی کی طرف سے کسی کی رہنمائی کرے اور بدی سے اُسے دور کردے تو نیکی کرنے والے کو ثواب ملے گا اس کے ساتھ اُسے اچھائی کا سبق دینے والے کو بھی ثواب ملے گا۔ تمام مسلمان (بچے بوڑھے مرد عورتیں) جہاں تک دین سمجھا ہوا ہے اُسے آگے پہنچائیں۔ اپنے گھر والوں، دوستوں، عزیزوں، رشتہ داروں، ہمسایوں کو نیکی کی دعوت دیں اور برائی کی سب کے سامنے مذمت کریں مسلم شریف میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَ اَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهٗ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ)۔

جو آدمی کسی نیکی کو ایجاد کرے اُسے ایجاد شدہ عمل کا ثواب ملے گا اور جو اُس پر عمل کرے گا اُسے الگ ثواب ملے گا اور اُس کا ثواب گھٹایا نہیں جائے گا۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کم صحبت یافتہ صحابی ہیں۔ واقعہ یوں ہوا کہ ایک آدمی آیا اس نے سوال کیا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقہ وخیرات کی فضیلت ارشاد فرمائی۔ مقصد یہ تھا کہ سائل کی کوئی مدد کر دے لیکن کسی نے مدد نہیں کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت پر تکدر اور آزردگی کے آثار دکھائی دیئے۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی اُٹھ کر فوراً اپنے گھر گئے اور کچھ دیر میں اشرفیوں کی تھیلی لے کر آئے اور بارگاہ رسالت میں پیش کر دی۔ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی نیکی کو ایجاد کرے بعد میں آنے والے لوگ اُس کی نقل (Copy) کریں۔ جو اُس نیک عمل کو اپنائیں گے اُن کو ثواب الگ ملے گا۔ اور جس نے پہل کی اُسے اُن سب کے برابر ثواب ملے گا۔

پہلے اشرفیوں کی تھیلی دینے کا رواج نہیں تھا۔ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی نے پہلی مرتبہ یہ کام کیا تو اسے ایجاد یعنی نیا کام قرار دیا گیا۔ کوئی اچھا کام جو سابقہ نیک اعمال سے ملتا جلتا ہوگا وہ اُسی طرح نیکی شمار ہوگا۔ ایسے عمل کو محض بدعت کہہ کر ٹھکرایا نہیں جاسکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نیک کام ایجاد کرنے کی فضیلت ارشاد فرمائی اور اُس کا ثواب بیان فرمایا۔ لہٰذا نیک ایجاد (بدعت حسنہ) کا حق اسلام نے دیا ہے معاشرے میں امن وسکون کے لیے ضروری ہے کہ نیکی کو عام کیا جائے۔ برائیوں کا سد باب کیا جائے۔ بلا امتیاز مسلمان ہے یا کافر ہر ایک کی عزت کا خیال رکھنا جان و مال کی حفاظت کرنا مسلمان کا شعار ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ سچے دین پر فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ

اکیسواں درس قرآن: یکم نومبر ۲۰۰۶ء

غزوہ احزاب۔ توکل علی اللہ۔ کامیابی کا راز

عنوان

☆.....سورۂ احزاب ۔ وجہ تسمیہ

☆.....شان نزول

☆.....غزوہ احد

☆.....مدینہ پاک میں یہود کی مالی حیثیت

☆.....غزوہ احد کا اصل محرک یہود تھے

☆.....سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کامیابی کی ضمانت ہے

☆.....غزوہ احزاب (غزوہ خندق بھی کہتے ہیں)

☆.....حیدر کرار کرم اللہ وجہہ کی ایک ضرب

☆.....خواتین اسلام کا مجاہدانہ کردار

☆.....شجاعت کی مثالیں

☆.....جنگ میں خفیہ تدبیر ابوسفیان کی سیاسی چال

☆.....حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سے اُمت کو تنبیہہ

☆.....صلح کلی کی ترکیب

☆.....ایمانی جرات واستقامت کا ایک واقعہ

☆.....اسلام کی تبلیغ میں جبر نہیں ہے

☆.....سرزمین حرم (مکہ اور مدینہ شریف) میں رہنے والوں کی عزت

☆.....منافقت

غزوہ احزاب۔ توکل علی اللہ۔ کامیابی کا راز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

{یَا أَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْکَافِرِیْنَ وَالْمُنَافِقِیْنَ إِنَّ اللَّهَ کَانَ عَلِیْماً حَکِیْماً) (1وَاتَّبِعْ مَا یُوحَی إِلَیْکَ مِن رَّبِّکَ إِنَّ اللَّهَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِیْراً) (2وَتَوَکَّلْ عَلَی اللَّهِ وَکَفَی بِاللَّهِ وَکِیْلاً) (3مَّا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِهِ وَمَا جَعَلَ أَزْوَاجَکُمُ اللَّائِیْ تُظَاهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِکُمْ وَمَا جَعَلَ أَدْعِیَاءکُمْ أَبْنَاءکُمْ ذَلِکُمْ قَوْلُکُم بِأَفْوَاهِکُمْ وَاللَّهُ یَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ یَهْدِیْ السَّبِیْلَ) (4ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءهُمْ فَإِخْوَانُکُمْ فِیْ الدِّیْنِ وَمَوَالِیْکُمْ وَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ فِیْمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَکِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُکُمْ وَکَانَ اللَّهُ غَفُوراً

رَّحِیۡماً)(5)۔(الاحزاب:۳۳)

حضرت جل جلالہٗ وعزاسمہ واتم برہانہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سے ڈرتے رہیں۔اور کافروں اور منافقوں کی بات مت مانیے، بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔آؤ اُس چیز کی پیروی کریں جو آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے۔بلاشبہ اللہ کی ذات تمہارے تمام معاملات اور اعمال سے پوری طرح سے باخبر ہے۔اللہ پر بھروسہ کیجیے اور اللہ کی ذات کافی وکیل (کارساز) ہے۔اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے پیٹ میں دو دل نہیں رکھنے ہیں اور نہ ہی تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہوے اُن میں سے کسی کو تمہاری مائیں نہیں بنایا۔اور نہ ہی تمہارے بے پالکو (Adopted) کو تمہارا بیٹا بنایا ہے یہ تمہارے اپنے مونہوں کی باتیں ہیں۔اللہ رب العزت سچی بات کرتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔اُنہیں (Adopted Sons) اُن کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔یہی بات اللہ کی بارگاہ میں زیادہ منصفانہ ہے۔اگر بالفرض تمہیں اُن کے باپوں کا علم نہیں یا نسباً اُن کے نسب کا علم نہیں تو وہ دین میں تمہارے بھائی ہیں۔اس بارے میں تم پر کوئی گناہ نہیں اگر اس بارے میں تم نے کوئی غلطی کھائی ہے۔(یعنی بھول چوک سے کسی کو کسی کا بیٹا کہتے رہے ہو یا خود کسی کو اپنا بیٹا بنایا ہے) اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔اب پتہ چل گیا ہے کہ یہ ممنوع ہے تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔لیکن اس پر مواخذہ ضرور ہوگا جو تمہارے دلوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔اور اللہ تبارک وتعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ اِن آیات کا تحت اللفظ ترجمہ بیان کیا گیا۔

سورۂ احزاب کی وجہ تسمیہ

سورۂ احزاب قرآن مجید کی ۳۳ نمبر سورت ہے۔اس کا جائے نزول مدینہ طیبہ ہے۔۵ھ میں یہ نازل ہوئی۔اس کی تہتر ۷۳ آیتیں ہیں۔اس کی آیت نمبر ۲۰ میں احزاب کا لفظ آیا ہے۔احزاب حزب کی جمع ہے۔حزب جماعت گروہ ،فوج کے دستے (Army Troops) کو کہتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابلے میں دور ونزدیک کے قبائل اکٹھے ہوکر آ گئے۔اِن سب کو احزاب کہا گیا۔اسی مناسبت سے اس پوری سورت کا نام احزاب رکھا گیا۔

ایک اصطلاع ہے: **تسمیۃ الکل بسم الجزء**۔اگر میاں بیوی کا جھگڑا ہو جائے تو مرد عدالت میں دعویٰ دائر کرے تو اسے بازو کا دعویٰ کہتے ہیں۔(اعادہ حقوق زن شوئی (Restoration of Conjugal Right) بازو بدن

کا جزو ہے۔ دعویٰ پوری بیوی کے لیے کیا ہے۔ بازو کہہ کر پورا بدن مراد ہے یعنی جزو کہہ کر کل مراد ہوتا ہے۔

اسی طرح ایک لفظ یا آیت سورت کا جزو ہے لیکن ایک لفظ پر پوری سورت کا نام رکھ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس سورت میں ایک جگہ احزاب کہہ کر پوری سورت مراد لی گئی ہے اور سورت کا نام احزاب رکھ دیا گیا۔

شان نزول (Back Ground)

سورۂ احزاب کے شان نزول کی تفصیل خاصی طویل ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ شریف سے ہجرت فرما کر مدینہ پاک میں تشریف فرما ہوئے۔ کفار مکہ حسد و بغض کی آگ میں لوٹ رہے تھے۔ وہ کسی طرح بھی اسلام کو پھلتا پھولتا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے اُنہوں نے مدینہ شریف میں بھی مسلمانوں کا عرصہ حیات تنگ رکھنے کی سازشیں جاری رکھیں۔ پہلے اُنہوں نے میدان بدر میں جنگ لڑی اُس میں شکست فاش کے بعد انتقاماً دوسری بار اُحد میں مقابل ہوئے۔

غزوہ اُحد

جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ کفار مکہ بدر کی جنگ میں بدترین شکست سے دوچار ہوئے تھے۔ ستر ۷۰ کافر واصل جہنم ہوئے اور مسلمانوں کی جمیعت میں سے چودہ (چھ مہاجر اور آٹھ انصار) اصحاب شہید ہوئے تھے کفار کے بڑے نامی گرامی سردار جو اہل مکہ کی سیاسی، عسکری، فکری، معاشی و تجارتی قیادت کے حامل تھے سب مارے گئے۔ کفار مکہ کا وسیع پیمانے پر جانی و مالی نقصان ہو چکا تھا۔

مدینہ طیبہ رہنے والے یہودی (بنونضیر بنوقریظہ اور بنوقینقاع تین یہودی قبائل) تشویش کا شکار ہو گئے کہ اگر مسلمان اس رفتار سے آگے بڑھتے رہے تو پھر ہمارا خاتمہ بھی قریب ہے۔ حالانکہ یہ اُن کا زعم باطل تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ شریف میں تشریف لانے کے بعد جو سب سے پہلا کام کیا تھا وہ گردونواح کے تمام قبائل کے ساتھ امن معاہدہ تھا۔ اس معاہدے میں بنیادی شق یہ تھی کہ ہم سب ایک دوسرے کے ساتھ چھیڑ نہیں کریں گے اور امن کے ساتھ رہیں گے۔ اگر کوئی باہر کی طاقت مدینہ شریف پر حملہ آور ہوگی تو سب مل کر اُس کا مقابلہ کریں گے۔ اگر کوئی کسی ایک جماعت پر حملہ کرے گا تو ہم اُس کی مدد کریں گے اگر کوئی ہم (سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں) پر حملہ کر کے آئے گا تو اُس کی امداد معاہدے میں شامل کوئی قبیلہ نہیں کرے گا۔ ہماری امداد کرے یا نہ کرے لیکن ہمارے مقابلے میں آنے والے کی امداد نہیں کرے گا۔

مدینہ پاک میں یہود کی مالی حیثیت

اُس دور میں مدینہ شریف میں یہودیوں کی اجارہ داری (Monopoly) تھی۔ یہ تجارتی نقطہ سے بڑے ہوشیار تھے۔ سیاسی انقلابات سے گزرے ہوئے تھے۔ ایک ظالم بادشاہ بخت نصر نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت سے پانچ سو چھیاسی (۵۸۶) برس پہلے یہودیوں کی طاقت کو تہہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ بیت المقدس شریف کو تباہ کر دیا۔ تورات کے نسخے جلا ڈالے۔ کوئی اکا دکا نسخہ طاق نسیاں میں پڑا رہ گیا۔ جو یہودی زندہ بچ گئے اُن کو بابل لایا گیا اور غلام بنا لیا گیا۔ روم کے بادشاہ کسریٰ (Syrus) نے ایک عرصے کے بعد ان کو آزاد کرایا اور اپنے وطن میں ان کو آباد (Re-Patriate) کیا۔

اُس وقت سے یہ تجارت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور تجارت کے دائرے کو وسیع کرتے کرتے ساری دنیا میں پھیل گئے۔ مدینہ شریف میں بھی تاجر بن کر آئے اور یہاں آباد ہو گئے۔ مدینہ شریف کا پورا علاقہ سرسبز و شاداب تھا۔ زمینیں آبی تھیں۔ پانی کے چشمے تھے۔ پیسے کے زور پر یہود نے اہل مدینہ کی زمینیں ہتھیالی تھیں۔ تقریباً تمام مزروعہ زمینیں یہودیوں کے قبضے میں تھیں۔ اکثریت کی بنیاد پر سیاسی حکومت مدینہ طیبہ کے دو قبائل اوس اور خزرج کے پاس تھی۔ لیکن یہ حکومت یہود کے بل بوتے پر چلتی تھی۔

غزوہ اُحد کا اصل محرک یہود تھے

مدینہ شریف میں مسلمانوں کے آباد ہونے اور اسلام کی ترقی کی وجہ سے یہود مدینہ کو اپنی اجارہ داری کمزور پڑتی نظر آنے لگی۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح سے وہ بہت پریشان تھے اس لیے اُنہوں نے اسلام کے خلاف سازشیں کرنا شروع کر دیں۔ اُنہوں نے کفار مکہ سے رابطے شروع کر دیئے اور اُنہیں بدر میں اپنی شکست کا بدلہ لینے پر اُکسانے لگے۔ کفار مکہ کو غیرت دلائی کہ بدر میں مار کھانے کے بعد تمہارا خاموش بیٹھے رہنا تمہاری موت ہے۔ اگر زندہ قوم بن کر رہنا چاہتے ہو تو مسلمانوں کے خلاف اپنا جذبہ زندہ کرو اور اُن پر حملہ کر دو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں اور تمہاری مدد کریں گے ہم بھی چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بیخ و بن سے اُکھاڑ پھینکیں۔ کیونکہ یہ سارے حجازی قبائل کے لیے خطرہ ہیں۔ کفار مکہ کی طرف سے احد میں دوسری جنگ یہودیوں کی اشتعال انگیزی سے مسلمانوں کے خلاف لڑی گئی۔

کفار مکہ اس مرتبہ ابوسفیان کی قیادت میں آئے تھے۔ کفار کا لشکر تین ہزار پر مشتمل تھا۔ جبکہ مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار تھی۔ لیکن اِن میں تین سو منافقین تھے انہوں نے برادری کے دباؤ سے بظاہر اسلام قبول کیا تھا لیکن دل سے یہ اسلام

دشمن تھے۔ اِن کا تعلق اوس اور خزرج قبائل سے تھا۔ احد کی جنگ کے موقع پر یہ راستے سے واپس ہو گئے تھے اس طرح انہوں نے عین وقت پر دھوکہ دیا۔ اب مسلمانوں کی تعداد دشمن کے مقابلے میں سات سو تھی۔ احد کے میدان میں مغرب کی جانب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مجاہدین نے خیمے لگائے اور مشرقی حصے میں دشمنوں نے پڑاؤ (Camp) ڈالا۔ وہاں اوپر ایک درہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس درے پر چند تیر اندازوں کو بٹھایا اور اُنہیں سختی سے متنبہ کیا کہ تاحکم ثانی کسی صورت میں اس درے کو نہیں چھوڑنا اور یہاں جم کے بیٹھے رہنا ہے۔ جیتیں یا ہاریں، مریں یا ماریں کسی بھی مصلحت کی پرواہ کیے بغیر وہیں رہنا ہے۔

جس وقت لڑائی شروع ہوئی اور مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور کچھ ہی دیر میں کفار کی فوج پر غالب آ گئے۔ کفار نے اپنی گرتی ہوئی حالت دیکھی تو بھاگنا شروع کر دیا۔ اُدھر وہ بھاگے اِدھر مسلمان مال غنیمت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اُن کے گھوڑے، جانور، اسلحہ جات کھانے پینے کا سامان جمع کرنا شروع کر دیا۔ وہ صحابہ رضی اللہ عنہم جو درے پر بیٹھے ہوئے تھے اُنہوں نے خیال کیا کہ مقصد تو حاصل ہو گیا ہے، کفار شکست کھا کر بھاگ رہے ہیں اب ہمیں یہاں انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے ہم بھی مال غنیمت جمع کرتے ہیں۔ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے درہ چھوڑ کر آ گئے۔ اُس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کافروں نے واپس جمع ہو کر پھر زوردار حملہ کیا اور اس طرح مسلمان جیتی ہوئی بازی ہار گئے۔ ستر ۷۰ صحابہ رضوان اللہ علیہم شہید ہو گئے اور مسلمانوں کا بڑا نقصان ہوا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کامیابی کی ضمانت ہے

غزوہ احد میں جنگ ہارنے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر پوری طرح عمل نہ کر سکے۔

سات سو ہو کر تین ہزار کافروں پر جو کامیابی حاصل ہو رہی تھی ظاہراً حالات میں تو اس کا کوئی امکان (Chance) نہیں تھا اس سے معلوم ہو جانا چاہیے کہ کامیابی کا راز محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں ہے۔ اگر مسلمان مجاہدین احد کے میدان میں اپنے آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم پر ثابت قدم رہتے تو فتح اُن کی ہوتی۔

مسلمانوں کو اس سے ایک نتیجہ اخذ کر لینا چاہیے کہ نفع ہو یا خسارہ بات اچھی لگے یا بُری سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بات ارشاد فرمائی ہے اُسے سر مو انحراف نہیں کرنا چاہیے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے غلام بن کر رہو گے تو پھر اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے:

{وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ}۔(آل عمران:۱۳۹)

(نہ غم کھاؤ، نہ سستی کرو، تم ہی غالب رہو گے دراں حال کہ تم سچے عقیدے والے ہو)۔

اگر عقیدہ سچا اور پکا ہے تو پھر مسلمان کے راستے میں ناکامی نہیں ہے ایک مرتبہ اپنے آباواجداد کی غیرت کی قسم کھا کر نبی پاک علیہ والصلوٰۃ والسلام کے دامن نبوت سے ذوق ومحبت اور عشق کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ تو پھر نتائج سامنے ہوں گے

نہ شاخ گل ہی اونچی ہے نہ دیوار چمن بلبل
تیری ہمت کی پستی ہے تیری ہمت کی کوتاہی

اس جگہ صوفیاء کا ایک مقصد نکلتا ہے کہ اتباع شیخ ہر حال میں لازم ہے۔ اپنی سوچ کو شیخ کے تابع رکھنا ہے۔ اور شیخ اُسے ماننا ہے جس کی ہر ادا، ادائے مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں غرق ہو۔ اُس کی سوچ کے سارے در سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی کی طرف کھلتے ہوں اور اُس کے شب و روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق ومحبت میں ڈوبے ہوئے ہوں۔ اُس کی زندگی کی منشا احیائے دین ہو ایسے شیخ کی ہدایات کی پیروی میں کمی بیشی نہیں کرنا چاہیے ایک ڈاکٹر کی صحت علم پر عقیدہ رکھنے کی وجہ سے آدمی یہ نہیں سوچتا کہ اُس کی دی ہوئی دوا کڑوی ہے یا میٹھی ہے۔ اس سے کوئی نفع ہوتا ہے یا نقصان۔ وہ سمجھتا ہے کہ ڈاکٹر بہتر جانتا ہے مجھے اُس کے مشورے پر عمل کرنا چاہیے۔ اسی طرح مرید کی سوچ ہونی چاہیے کہ میرا شیخ بہتر جاننے والا ہے مجھے اُس کی ہدایات کی پیروی کرنی چاہیے۔

غزوہ احزاب (غزوہ خندق)

غزوہ اُحد میں کفار کو اپنی فتح پر بڑا فخر تھا اور منافقین مدینہ بھی بہت خوش تھے۔ اور یہود تو نئے خواب دیکھنے لگے کہ اب جلد ہی مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اور جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ مختلف قبائل کے پاس جا کر دوستانے گانٹھنے لگے۔ یہودیوں کا قبیلہ بنونضیر بہت طاقتور تھا اور طاقت کے بل بوتے پر وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیے گئے معاہدات کا ذرہ بھی لحاظ نہیں کرتے تھے۔ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقابلتاً کوئی اقدام کریں تو کہتے۔ آپ کا ہم سے معائدہ ہے جس کے مطابق آپ ہمارے خلاف کاروائی نہیں کر سکتے۔ جب معائدہ ہے تو معاہدے کے معنیٰ دوطرفہ وعدہ (Mutual Promise) کے ہیں۔ اگر ایک طبقہ وعدے کا پاس کرے اور دوسرا مقابلے میں وعدہ توڑے (Breach of Contract) کرے) تو پھر دوسری جماعت بھی اُس کی پابند نہیں رہتی۔ بنونضیر نے جو بدعنوانیاں کی تھیں اُن کے پیش نظر بنونضیر کو مدینہ شریف سے نکال دیا گیا۔ کیونکہ ریاست (State) سے بغاوت کرنے پر اُن کو جلا وطن

(Exile) کر دینا ضروری تھا۔ یہ ایک دستوری بات ہے کہ حکومت باغیوں کو ریاست میں کھلی چھٹی نہیں دے سکتی۔ ایسے لوگوں کو وطن سے نکال دینا قوم وملت کے حق میں بہتر ہے۔

بنونضیر مدینہ پاک سے جلاوطن ہونے کے بعد وادی قری۔ اور خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔ وہاں یہودیوں کی خاصی آبادی تھی۔ اُنہوں نے اپنے صفیں ترتیب دیں اور مسلمانوں پر حملے کے منصوبے بنانے لگے۔ حیی ابن اخطب جو مذہباً یہودی تھا اور بنونضیر قبیلے میں سے تھا۔ یہ آ کر مدینہ شریف میں بنی قریظہ سے ملا اور اُنہیں آمادہ کیا کہ مسلمانوں کے خلاف مل کر بھرپور جنگ کی جائے۔ یہ مکہ شریف جانے لگے اور وہاں اردگرد کے قبائل کو اس جنگ کے لیے متحد کرنے لگے۔

حیی ابن اخطب یہودی کے بارے میں پہلے یہ بتاتے چلیں کہ یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا باپ تھا جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہلیہ محترمہ تھیں۔ غزوہ خیبر کے موقع پر یہ ملی تھیں۔ انہیں آزاد کر کے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِن سے نکاح کر لیا تھا۔

سارے قبائل نے آپس میں معاہدہ (Pact) کر کے مسلمانوں پر حملے کی تیاری کر دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنونضیر کو جلاوطن کرنے بعد مدینہ شریف میں رہنے والے یہود (بنو قریظہ اور بنو قینقاع) سے از سر نو معاہدہ کیا اور یہ طے پایا کہ یہود کے یہ قبیلے مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد نہیں کریں گے اور ہم بھی تمہارے خلاف تمہارے دشمن کی مدد نہیں کریں گے۔

جب سارے دشمنان اسلام اکٹھے ہو کر مدینہ شریف کی طرف بڑھ رہے تھے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے دفاع کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشاورت فرمائی۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اپنے جنگی تجربات کی روشنی میں مشورہ عرض کیا۔ مدینہ شریف کے ایک جانب جبل صلاح (سلاح) ہے جنوب کی طرف کھجوروں کے جھنڈ ہیں اور مشرق کی طرف گوکھرو (پنجابی زبان میں بکھڑا کہتے ہیں۔ عربی اور فارسی میں اسے خس کہتے ہیں) بکھرے ہوئے ہیں۔ مشرقی حصے میں سیاہ رنگ کے نوکیلے پتھر ہیں۔ صرف شمالی جانب ہے جہاں سے آسانی سے آیا جایا جا سکتا ہے۔ اس حصے میں خندقیں کھودی جائیں تو دشمن کا راستہ روکا جا سکتا ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فارسی النسل تھے کیانی خاندان (شاہان ایران کا خاندان تھا) میں سے تھے۔ جب اُنہوں نے کلمہ اسلام پڑھا اُس وقت اُن کی عمر دوسو پچیس (۲۲۵) سال تھی۔ بہت عمر رسیدہ تھے۔ کئی جنگیں لڑی ہوئی تھیں اس لیے کافی تجربہ تھا۔ آپ نے بتایا جماعت کی کمی کو خندقوں کے ذریعے سے پورا کیا جا سکتا ہے۔ شدید سردیوں کا موسم

تھا۔کھانے کو خوراک بھی نہیں تھی۔صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہمت کر کے خندقیں کھودنا شروع کر دیں بھوک سے نڈھال ہوئے تو پیٹوں پر پتھر باندھ لیے تا کہ کچھ سہارا مل جائے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بعض اصحاب نے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر بندھے ہوئے پتھر دکھائے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کپڑا اُٹھایا تو دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔پتھر باندھنے سے بھوک تو دور نہیں ہوتی البتہ اتنا سہارا مل جاتا ہے کہ آدمی جھکتا نہیں۔

خندق کھودتے ہوئے ایک جگہ ایسی آئی جہاں سخت پتھر تھا صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُسے توڑنے کے لیے پورا زور لگایا لیکن اُس میں شگاف تک بھی نہیں آیا۔آخر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس پتھر پر تین ضربیں لگائیں اور تین ملکوں کے نام لیے اُسی ترتیب اور اُسی رفتار سے وہ تین ملک بعد میں فتح ہوئے اور پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

جب دشمن یلغار کرنے کے لیے پہنچے تو آگے وسیع اور گہری خندق دیکھ کر سخت مایوس ہوئے اور وہیں انہوں نے پڑاؤ کر لیا اور خندق کو عبور کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔

عمر بن عبدودّ جو بڑا قوی ہیکل تھا اُس وقت نوے سال اُس کی عمر تھی سات من کا گرز اُٹھاتا تھا بڑے معرکے اُس نے مارے ہوئے تھے اُس کا گھوڑا بھی ایسا طاقتور تھا جو اُسے اُس کے گرز سمیت اُٹھاتا تھا۔کفار کے لیے خندق عبور کرنا بڑا مشکل تھا اس لیے باہر سے وہ تیر چلاتے تھے ایک جگہ سے خندق کو زیادہ کھلا نہیں کیا جا سکا تھا۔عمرو بن عبدودّ، خالد ابن ولید (جو اس موقع پر کفار کے ساتھ تھے بعد میں مسلمان ہوئے) اور ایک تیسرا آدمی خندق کے اُس تنگ حصے سے گھوڑے کدا کر اندر آ گئے۔اور آ کر للکارنے لگے۔عمرو بن عبدود نے للکار کر کہا کہ میرا مبارز (Competitor) میرے سامنے آئے۔اُس وقت سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میدان کارستم علی کرم اللہ وجہہ الکریم اُٹھ کھڑا ہوتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں بٹھا دیا۔پھر دشمن نے آواز دی پھر جواب میں مولیٰ مرتضیٰ اُٹھے لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ بیٹھ جاؤ تم ابھی چھوٹے ہو۔تیسری مرتبہ پھر آواز دی گئی جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہو گئے اُس وقت آپ کو دشمن کے مقابلے میں جانے کی اجازت دے دی گئی۔

حیدر کرار کرم اللہ وجہہ کی ایک ضرب

حضرت حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم، عمرو بن عبدود کے مقابل شان و شوکت کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور اُسے للکارا، وار کر۔وہ کہنے لگا وار کس پر کروں؟ آپ نے فرمایا میں تیرے مقابلے میں کھڑا ہوں مجھ پر وار کر تجھے موقع دیتا ہوں۔عمرو ابن عبدود نے تلوار کا وار کیا۔مولا مرتضیٰ نے ڈھال سے اُس کے وار کو روک لیا۔اُس کی تلوار ڈھال میں پھنس گئی اور مشکل

سے نکالی۔ دوسرے وار کا دشمن کو موقع نہیں دیا۔ ذوالفقار حیدری چمکی اور بجلی کی کڑک کی طرح پڑی۔ عرب کے سب سے بڑے جنگجو پہلوان (عمرو ابن عبدود) کے خود (Helmet) پر لگی۔ اُس کی کھوپڑی، بدن، زین اور گھوڑے کو دولخت کرتی ہوئی جبل سلح پر لگی اور وہاں اپنا نشان چھوڑا۔

(حضرت قبلہ عالم مفکر اسلام مدظلہ العالی نے اس موقع پر بیان فرمایا کہ آپ نے قیام مدینہ شریف کے دوران جبل سلح پر حضرت مولا مرتضیٰ کی تلوار کے نشان کو دیکھا تھا۔ بعد میں بدعقیدہ لوگوں نے بڑی کوشش کر کے اُس نشان کو مٹایا اور بتاتے رہے یہ اتفاقاً تھا۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تلوار کے نشان کی کوئی بات نہیں ہے)

مولائے کائنات کی تلوار کی ضرب جس سے عمرو بن عبدود جیسا دشمن اسلام واصل جہنم ہوا، اس کے متعلق حضور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قال رسول اللّٰہ (صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلّم) لمبارزۃ علی بن ابی طالب لعمرو بن عبدو دیوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامۃ. (تفسیر کبیر از علامہ رازی، سورۂ قدر/ المستدرک، امام حاکم، جلد 3، صفحہ 34، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

(حضرت علی کا جنگ خندق میں عمرو ابن عبدود سے مقابلہ کرنا میری امت کے قیامت تک کے اعمال سے افضل ہے)

کبھی وقت کی شرافت کی وجہ سے عمل کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور کبھی ضرورت کی وجہ سے عمل کی قیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ موقع وقت کی ضرورت بھی تھا اور نزاکت بھی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری فورس میں سے اکیلا آدمی پوری جرات و مردانگی کے ساتھ دشمن کے مقابل ڈٹ گیا ورو ہ علی حیدر کرار تھا۔ سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ نے ایک ہی وار سے عمرو بن عبدود کو دو ٹکڑے کر دیا۔

حضرت مولا مرتضیٰ کا ہر موقع پر دشمن کو پہلے وار کا موقع دینا اور خود بعد میں وار کرنا عملاً دہشت گردی کی مذمت کرتا ہے۔ تلوار کی دھار کے نیچے کھڑے ہو کر دشمن سے کہنا کہ تو پہلے وار کر لے انصاف اور شجاعت کا عظیم مظاہرہ ہے۔ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ ہم دہشت گرد نہیں بلکہ دہشت گردی کا جواب ہیں۔

حضرت مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ذوالقرنین (دو سینگوں والا) کہا جاتا ہے۔ آپ کے سر پر دو چوٹیں لگی تھیں۔ ایک عمرو ابن عبدود کی تلوار سے دوسری عبدالرحمن ابن ملجم کے ہاتھ سے۔ یہ زخموں کے دو لمبے نشان پیشانی پر تھے۔

خواتین اسلام کا مجاہدانہ کردار

یہود مدینہ کے ساتھ دوبارہ جو معاہدہ تھا، اس جنگ کے موقع پر پھر اُنہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ مدینہ طیبہ کے شمالی حصے میں جنگ ہورہی تھی۔ جنوبی حصے میں کھجوروں کے گھنے درخت تھے۔ اس علاقے میں حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ (شاعر دربار رسالت) کا اُطُمہ تھا۔ ''اُطمہ'' مدینہ طیبہ کی خاص بولی کا لفظ تھا۔ قبائلی دور میں ہر مکان پر قلعے سے بنے ہوتے تھے (پاکستان میں میانوالی کے قبائلی علاقوں میں آج کے دور میں بھی موجود ہیں)

اُن اُطموں میں مسلمان خواتین کو رکھا گیا تھا اور وہاں کی حفاظت کے لیے حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا۔ تاکہ کوئی مرد ادھر سے نہ گزرنے پائے۔

اتنے میں ایک یہودی للکارتا ہوا ادھر آ نکلا۔ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بیہودہ کلامی کررہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ سارے یہودی اور منافقین باہر نکل آؤ اب وقت ہے مسلمانوں کو ختم کردینے کا۔ اگر آج رہ گئے تو قیامت تک مسلمان تمہاری گردنوں پر سوار رہیں گے۔ اس کی اس طرح کی باتیں سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی صاحبہ جن کا نام حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھا باہر تشریف لائیں (پہلے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ کا ذکر ہوا۔ اُن کا نام بھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہے)

اکھیں ڈٹھیوں جری نہ جاندی بے ادبی لیلیٰ دی

میری سرکار کو کوئی برا کہے اور میں برداشت کروں، ایسا ممکن ہے ہی نہیں۔ حضرت صفیہ نے پاس ہی ایک بالا (لکڑی) پڑا ہوا تھا۔ وہ اُٹھالیا اللہ کا نام لے کر اُسے دے مارا اور اُسے ڈھیر کردیا۔ حضرت صفیہ نے بتادیا کہ یہ ہاشمی خون ہے۔ ہمارے سامنے مرنے جینے کی کوئی بحث نہیں ہے۔ شجاعت میں ہم سے سبقت لے جانا کسی کا خیال خام ہوسکتا ہے۔ مسلمان عورت کی تاریخ میں غیرت وحمیت کی یہ خوبصورت یادگار ہے۔ یہ اعزاز (Credit) عورت کو جاتا ہے۔

یہ بھی دلچسپ اتفاق ہے کہ جنگ احزاب میں زخمی مجاہدین کو پانی پلانے مرہم پٹی کرنے کا کام ایک عورت نے کیا تھا جن کا نام حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا ہے۔ ایک دلیر غیرت منداور باہمت خاتون کا ہی یہ کارنامہ ہے کہ میدان کارزار میں تیروں کی بارش میں ہر طرح کے خطرات کا مقابلہ کرتے ہوئے زخمیوں کی خدمات انجام دی تھیں۔

احد کے میدان میں حضرت سیّدہ خاتون جنت سلام اللہ علیہا نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخموں کا علاج کیا۔ حضرت علی مرتضیٰ اپنی ڈھال میں پانی لاتے اور حضرت سیّدہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخموں کو دھوتیں

اور پھر ایک چٹائی جلا کر خاکستر بنایا اور زخموں پر ڈالا تا کہ خون بند ہو جائے۔

شجاعت کی مثالیں

پہلے مولا مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور پھر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت رفیدہ رضی اللہ عنہا کے میدان کارزار میں کارہائے نمایاں بیان کئے گئے۔ ہر کمال اور خوبی اور ہر صفت سے متصف ہو تو ایسا ایک ہی آدمی گزرا ہے جسے علی مرتضیٰ کہتے ہیں۔

منبر پر خطبہ دے تو اُس جیسا خطیب کوئی نہیں۔

علم کی دنیا میں اُس جیسا عالم اور محقق کوئی نہیں۔

مناظرے کے میدان میں اُس جیسا مناظر کوئی نہیں۔

عارفین کی جماعت میں اُس جیسا بلند پرواز کوئی نہیں۔

اگلی پچھلی اُمتوں کا قاسم ولایت بھی وہی ہے۔

کسی کو ایک مکا ٹکا دے تو اُس کو سہنے کی توفیق نہیں۔

ساری صلاحیتیں ہر ایک میں نہیں ہوتیں۔

حضرت والئ بغداد رضی اللہ عنہ کے والد گرامی قدر کا نام سیّد ابو صالح موسیٰ جنگی دوست تھا۔ آپ نے پوری فوج (Army) کو ایک مرتبہ لاٹھی سے مارا تھا اسی وجہ سے آپ کو جنگی دوست کہا جاتا ہے۔ فارسی زبان میں اس کے معنیٰ ہیں لڑائی کو پسند کرنے والا۔

جنگ میں خفیہ تدبیر

دشمن کی فوجیں خندق کے باہر کی جانب مورچے لگائے بیٹھی ہیں وہ اس خیال میں ہیں کہ مسلمانوں کو مارنا ہے اور ختم کرنا ہے۔ لیکن فیصلے اللہ کے اختیار میں ہوتے ہیں۔ اللہ کی شان دیکھئے ایک نومسلم صحابی نوائم ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی حالت (Position) کمزور ہو رہی ہے تو اُنہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی کہ مجھے ایک موقع (Chance) دیجئے۔ شاید میری کوشش سے حالات مسلمانوں کے حق میں ہو جائیں۔

حضرت نوائم یہودیوں میں سے مسلمان ہوئے تھے۔ یہودیوں میں اور ساتھ ہی کفار مکہ میں بھی اُن کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ بڑے صاحب وقار شخص تھے۔ وہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجازت لے کر پہلے

یہودیوں کے پاس پہنچے۔اُن سے کہا کہ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے اور میں تمہیں مطلع کرتا ہوں کہ مسلمانوں نے اہل مکہ سے صلح کر لی ہے کچھ بھی ہو وہ ایک قبیلہ قریش کے لوگ ہیں۔ یہ ایک ہی برادری ہیں۔ یہ مسلمان مدینے میں آ گئے ہیں اور یہاں اپنی حکومت بنالی ہے اور دوسرے قریش مکہ میں حکومت کر رہے ہیں۔ یہ آپس میں مل کر یہودیوں کا خاتمہ کر دیں گے۔ اگر مکہ اور مدینہ میں ایک ہی قبیلے کی حکومت ہو جائے تو یہ دنیا میں انقلاب لا سکتے ہیں۔ یہ بھی تصدیق ہوئی ہے کہ اِن کا آپس میں معاہدہ (Pact) ہو چکا ہے۔اب جو ظاہر حالات ہیں اہل مکہ تمہارے ساتھ کئے گئے معاہدے کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے۔اُن کی غداری سے بچنے کا ایک طریقہ ہے اور وہ یہ کہ تم اُن کے چند سردار اور جنگی ماہرین اپنے پاس بطور ضمانت رکھنے کا مطالبہ (Demand) کر دو۔اس صورت میں وہ تمہارے ساتھ غداری نہیں کریں گے۔مگر مجھے اپنی جگہ یقین ہے کہ وہ یہ مطالبہ تسلیم نہیں کریں گے۔

حضرت نوائم ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب یہود مدینہ سے بات کر چکے تو پھر وہ کفار مکہ کے پاس چلے گئے۔اُن کے پاس پہنچ کر اُن سے کہا کیا تمہیں کوئی خبر ہے؟ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ یہودیوں اور مسلمانوں کا آپس میں معاہدہ ہو گیا ہے اور تمہارے ساتھ کئے گئے معاہدے کو وہ توڑ رہے ہیں۔وہ تمہارے پاس آ کر تمہارے تین اہم آدمی تم سے مانگیں گے اور بطور ضمانت اپنے پاس رکھیں گے۔اس طرح تم یہ سمجھ لو کہ پہلے جنگ بدر میں تمہاری بہت سی جنگی قیادت تباہ ہو چکی ہے اور بقیہ اس جنگ میں ختم ہو جائے گی۔لہٰذا تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ اپنے آدمی اُن کے حوالے نہ کرنا۔اور دوسری بات تمہاری صفوں میں دشمن کے جاسوس آ گئے ہیں۔اُن کا یہ منصوبہ ہے کہ سردیوں کی راتیں ہیں اور تم نے کھانا پکانے کے لیے ہانڈیاں چولہوں پر رکھی ہوئی ہوں تو اُس وقت گڑبڑ کی جائے اور سب کچھ تتر بتر ہو جائے۔

اُنہوں نے پوچھا اس کا حل کیا ہو سکتا ہے۔کہا اس کا حل یہ ہو سکتا ہے کہ اندھیری رات میں کوئی بھی شخص اپنے قریب ترین آدمی کو پکڑ کر پوچھے کہ تم کون ہو؟ جو اس کا صحیح جواب دے اُسے چھوڑ دو جو جواب نہ دے اُس کو مار ڈالو۔یہ ایک آسان طریقہ ہے اور اپنی پوری فوج کو سمجھا دو۔

رات کی تاریکی میں حضرت نوائم ابن مسعود اپنے کئی جنگی نوجوانوں کو لے کر دشمن کی صفوں میں جا گھسے۔جاتے ہیں اُنہوں نے ابوسفیان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ تم کون ہو؟ ابوسفیان گھبرا گیا اُس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کہ آخر یہ قصہ کیا ہے؟ گھپ اندھیرا تھا۔جو مسلمان وہاں گئے تھے اُنہوں نے ٹھوکریں مار کر اُن کی ہانڈیاں گرا دیں۔چولہے بجھ گئے اور کفار کو اندھیرے میں کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔کفار افراتفری کا شکار ہو گئے اُسی وقت راتوں رات وہ وہاں سے بھاگ نکلے۔

یہ غزوہ احزاب کے حالات ہیں جو بالاتفاق پانچویں سال ہجرت میں واقع ہوئی تھی۔

ابوسفیان کی سیاسی چال

احزاب کی جنگ میں کفار مکہ اور اُن کی حلیف جماعتوں کو بدترین ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور اُن کے سب ناپاک منصوبے خاک میں مل گئے۔ اُس وقت ابوسفیان حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صلح کے ارادے سے مدینہ طیبہ آیا۔ اس کے ساتھ عکرمہ اور ایک تیسرا آدمی بھی ساتھ تھے۔

(حضرت ابوسفیان فتح مکہ کے بعد مسلمان ہو گئے تھے لیکن اس سے پہلے یہ کافروں کے سرغنہ تھے)

مدینہ طیبہ میں آ کر ابوسفیان رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کے گھر قیام پذیر ہوا۔

یار را یار باید شناخت

(A man can be known by the company he keeps) آدمی کی سوسائٹی اُس کی شناخت ہوتی ہے۔ اس سے مسلمانوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہیے کہ برے لوگوں کی سنگت سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے برے لوگوں کی مجلس انسان کو برا بنا دیتی ہے۔

عبداللہ ابن ابی جو منافقین کا سردار تھا۔ ایک برا آدمی تھا اُس کے گھر میں ابوسفیان اور اُس کے ساتھی آ کر ٹھہرے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو امان عطا فرمائی۔ ابوسفیان خطیب تھا۔ بلا کا بولنے والا تھا۔ اور پہلے بھی بیان ہوا کہ باتوں کے دھنی معرکہ جنگ کے سست ہوتے ہیں۔

ابوسفیان حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوا کہ میں یہ گذارش کرتا ہوں آپ اور آپ کے ساتھی بتوں کو نہ پوجیں۔ لیکن اگر آپ یہ فرمادیں کہ جو بتوں کے پجاری ہیں قیامت کے دن بت ان کی شفاعت کریں گے ایسا کہہ دینے سے آپ کا نقصان تو کوئی نہیں ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر اس بات سے میرا کوئی نقصان نہ ہوتا تو پھر میں اپنے وطن مکہ کو نہ چھوڑتا۔ مکہ کے گلی کوچوں میں پتھر نہ کھاتا۔ حالانکہ میں نے کسی کے ساتھ کسی طرح کے معاملے میں خیانت نہیں کی۔ آخر مجھے اور میرے دین کو ماننے والوں پر ظلم کئے گئے۔ ہمیں اپنا وطن چھوڑنے پر کیوں مجبور کیا۔ اور اُس کے بعد ہم پر جنگیں مسلط کی گئیں یہ سب کچھ کس لیے؟ صرف بات یہ ہے کہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں اور اُس کو وحدہٗ لاشریک منوانا چاہتا ہوں اور ہر طرح کے شرک جس میں سرفہرست بت پرستی ہے اُس کو مٹانا میرا نصب العین ہے۔ لہٰذا میں انسانیت کو جہنم سے بچانا چاہتا ہوں۔ اللہ کے نبی کا

کام صلح جوئی نہیں ہوتا بلکہ اُس کا مقصد حق گوئی ہے۔

یہ سیاسی قسم کے لوگ ہوتے ہیں کہ صلح جوئی میں تدبیریں لڑاتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان سے واشگاف الفاظ میں فرمایا کہ میں اپنے فریضہ نبوت کے سلسلے میں تم سے کوئی سمجھوتا نہیں کرسکتا تمہارے بت جو بیکار ڈھانچے ہیں وہ بھی اور اُن کے بچاری بھی جہنم کی آگ کا ایندھن بنیں گے۔ لہٰذا میرا اور اپنا وقت ضائع کرنے کے لیے یہاں آئندہ مت آیا کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے سے اُمت کو تنبیہ

رب کریم نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے بات کی کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور منافقوں اور کافروں کی مت مانو۔ بے شک اللہ علم وحکمت والا ہے۔

بظاہر مخاطب سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں لیکن حقیقتاً ساری اُمت کو نصیحت کی جارہی ہے۔ مثال کے طور پر کوئی ماں اپنی بیٹی سے کہتی ہے کہ بیٹی! گھر میں کئی چیزوں کا استعمال تم بے جا کرتی ہو۔ اس کا احساس کرنا چاہیے فضول خرچی نہیں کرنی چاہیے اس سے اخراجات کو بوجھ پڑتا ہے۔ اس لیے معاشی حیثیت کو نقصان (Damage of Economy) سے بچانا چاہیے۔ یہ نصیحت جہاں گھر کی بڑی خاتون اپنی بیٹی کو کررہی ہے وہاں وہ اپنی بہو کو سمجھانا چاہتی ہے کہ آئندہ تدبیری زندگی یہ ہونی چاہیے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ شان نہیں کہ آپ اللہ سے نہ ڈرتے ہوں۔ اور رب آپ سے کہے کہ اللہ سے ڈرو۔ بات واضح ہے کہ وہ لوگ جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ رہے تھے اُن کو سمجھایا جارہا ہے کہ کفار ومنافقین کے ساتھ راہ ورسم رکھنے اور اُن کی باتیں سننے سے تمہیں کوئی نفع حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اس معاملے میں اللہ کا خوف کرو اور جو اللہ اور اُس کا رسول تم سے کہتے ہیں وہ مانو اور اُس پر عمل کرو اور پھر دیکھ لو کہ تمہارا انجام تسلی بخش ہوگا۔ پہلے جو تمہیں نقصان پہنچا ہے (اُحد کی جنگ میں نقصان اُٹھانا پڑا) وہ اللہ کے احکام کی فرنبرداری نہ کرنے کی وجہ سے پہنچا ہے۔ اللہ ظاہر و باطن کو جاننے والا ہے اور اُسی کی بات اور مشورہ اپنے بندوں کے حق میں صحیح ہے۔

صلح کلی کی ترکیب

رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

{وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰی اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ۔ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا۔ وَتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا}۔

(محبوب تم اُس کی پیروی کرو جو رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل ہوا اور پروردگارِ عالم تمہارے کاموں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اور اللہ پر ہی بھروسہ کرو اُس کی ذات بڑی کارساز ہے)۔

مکمل مسلمان ہونے کا نتیجہ مکمل کامیابی ہے۔ یہ سمجھنا اور کہنا کہ نرے مسلمان ہو کر رہنا اس دنیا میں مشکل ہے وقت اور حالات کے ساتھ چلنے کے لیے دوسروں کے ساتھ مصلحت کوشی اور صلح جوئی رکھنا بھی ضروری ہے۔ دوسروں (کفار) کی آراء اور شرائط کو بھی قبول کرنا چاہیے اور ایک دوسرے سے موالات قائم کر کے ہی زندگی گزاری جاسکتی ہے یہ ایک سوچ ہے جو اردگرد گھومتی ہے لیکن ایک مسلمان کو یہ غور کر لینا چاہیے کہ یہ سوچ بے ایمانی پر مبنی ہے۔ ایک سچا مسلمان ایسی سوچ سے اپنے آپ کو پاک رکھتا ہے۔

با بداں بد باش با نیکاں نِکو
جائے گل گل باش جائے خار خار
حافظا گر وصل خواہی صلح کن با خاص و عام
با مسلمان اللہ اللہ با برہمن رام رام

(حافظ شیرازی)

اگر امن وامان کی زندگی چاہتے ہو تو پھر مسلمان کے ساتھ اللہ اللہ کرو اور ہندو کے ساتھ رام رام کرو۔

مردانِ حق کی زندگی یہ نہیں ہے۔ ایک سچا مسلمان بہ بانگ دہل اپنی موت قبول کر سکتا ہے مگر اپنے دین وایمان میں کسی کھوٹ کی آمیزش نہیں ہونے دیتا ہے۔ اسلام کی تاریخ میں مسلمانوں کی حق گوئی اور استقامت ایمان اور ثابت قدمی کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

ایمانی جرأت واستقامت کا ایک واقعہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جماعت تبلیغ دین کی غرض سے مکہ روانہ فرمائی۔ مکہ والوں نے ہی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی تھی کہ ہمیں اسلام سکھلانے کے لیے مدینہ شریف سے بعض حضرات کو بھیجیں۔ لیکن اُنہوں نے دھوکا کیا اور اُن اصحاب سے قتال کیا۔ اور حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرفتار کر کے مکہ لے آئے۔ تاریخ میں یہ لڑائی ''غزوۃ الرجیح'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔

یہاں ایک سوال اُٹھتا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب ہوتا (جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے) تو پھر

آپ نے اُن صحابہ کو کیوں بھیج دیا اس کے جواب میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے سے تو کسی کو انکار نہیں۔ پھر اللہ نے وحی کر کے یہ کیوں نہ بتایا کہ یہ دھوکے سے لے جارہے ہیں۔ ظاہر ہے اس کا جواب یہی ہوگا کہ اس میں رب تعالیٰ کی حکمت ہے۔ تو پھر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غیبی علم کا اظہار نہ کرنا اسی حکمت الٰہی کے تحت آتا ہے۔

اور اس میں حکمت یہ ہے کہ شہادت ایک عظیم مرتبہ ہے۔ اِن بندوں کو اس راہ میں شہادت کا اعزاز ملنے والا تھا۔ حالانکہ اللہ کو بھی علم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی علم ہے۔

بخاری شریف میں حضرت خبیب ابن عدی رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے عالم اسلام میں سب پہلا آدمی جو حق کی خاطر پھانسی پر چڑھا وہ حضرت خبیب ہے۔

مکہ میں پکڑ کر لانے کا اصل مقصد یہ تھا کہ بنی حارث آپ سے اپنے باپ کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ جو میدان بدر میں حضرت خبیب کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔

انتقام کا طریقہ اُس وقت یہ تھا کہ جنگ چھیڑی جاتی آمنا سامنا ہوتا تھا اور بدلہ لیا جاتا تھا۔ حضرت خبیب ابن عدی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بوڑھا آدمی ہوں اور تم مقابلے میں جوان ہو۔ مجھے باندھ رکھا ہے اور بے بس کیا ہوا ہے۔ اس طرح انتقام لینا یہ مردوں والی بات تو نہیں ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ مجھ سے نبرد آزما ہوتے مقابلہ کرتے اور پھر مجھے مار کر اپنا انتقام پورا کرتے تو پھر تمہاری مردوں والی شان مان لی جاتی۔ اس بے بسی کی حالت میں مجھے مارنا بہادری نہیں ہے۔ کفار نے کہا ہمیں تمہاری اس جرات بے جا پر صدمہ ہو رہا ہے۔ اگر تم ہم سے معافی چاہتے تو شاید بچ جاتے۔ حضرت خبیب نے کہا میں بچنا چاہتا ہی نہیں ہوں۔

حسن میرا کس کاری سجناں کم نہ آیا تیرے

ہم ایسی زندگی چاہتے ہیں ہی نہیں جو ہماری سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قربان نہ ہو جائے۔ واللہ مجھے بار بار زندگی ملے اور میں اپنے آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں قربان کرتا رہوں۔

حضرت خبیب پھانسی کے پھندے کے نیچے کھڑے ہیں وہاں دو رکعت نماز پڑھی ہے۔ اور بتایا کہ جس دین کو قبول کیا ہے اُس کی صداقت دم واپس ساری دنیا پر واضح کرتا ہوں۔ ساری دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام کبھی بھی میدان عشق میں ہتھیار ڈالنے والا نہیں ہے۔ آپ نے جلدی سے نماز ختم کی کہ دشمن یہ نہ سمجھ لے کہ میں اپنی زندگی کے سانس نماز کے ذریعے بڑھانا چاہتا ہوں۔

میں مرنے پہ تو تھا راضی قضا کے ہاتھ کیا آیا

کفار نے پھانسی دیئے جانے کے وقت آپ سے طنزاً کچھ باتیں کیں اے خبیب! تیری جگہ یہاں تیرے نبی ہوتے اور تو اپنے خاندان میں اپنے بال بچوں کے ساتھ ہوتا تو پھر کیا کرتے۔ آپ نے جواب دیا بدبختو! تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایک طرف میں اور میرا خاندان ہوتا اور ایک طرف سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بال ہوتا۔ تو اُس موئے مبارک کی عزت کی حفاظت کے لیے اپنے خاندان بلکہ قیامت تک آنے والی نسلوں تک کو قربان کر دیتا۔ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے اقدس پر آنچ نہ آنے دیتا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام کا شعار غلامی میں مخلص ہو کر رہنا ہے۔

اسلام کی تبلیغ میں جبر نہیں ہے

اسلام کی تعلیمات نہایت وضاحت کے ساتھ بلا وجہ جبر کی تردید کرتی ہیں اسلام پھیلا ہے تو حسن اخلاق سے پھیلا ہے جبر کے ذریعے سے اسلام کو نہ منوایا گیا ہے اور نہ منوایا جا سکتا ہے۔ اس مضمون میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں کہ مسلمان نے اسلام دل سے قبول کیا ہے۔ جبھی دشمنوں کے تنگ گھیرے میں بھی اُنہوں نے اپنے دین کی حقانیت کا اقرار کیا اور اُس کے لیے جانیں دے دیں۔ جس کو جبراً مسلمان بنایا جائے (Conversion by face) اُس میں دینی محبت اور جوش نہیں ہوتا: **اقرارٌ باللسان و تصدیقٌ بالقلب۔**

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمن کے ساتھ مقابلے کی آرزو سے منع فرمایا ہے۔ لیکن اگر دشمن کی طرف سے جارحیت ہو تو جواب دینا ضروری ہے۔ (۲)

اگر اسلام میں جبراً (By Force) کسی کو مسلمان بنانا جائز (Legal) ہوتا تو غزوہ بدر کے موقع پر کفار مکہ میں سے ستر ۷۰ آدمی قید کر کے مدینہ طیبہ لائے گئے تھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کی خوراک، پوشاک اور رہائش کا خیال رکھا اور ہر ضرورت کو پورا کیا اور پھر عزت کے ساتھ اُن کو آزاد کر دیا اور وہ بحفاظت اپنے گھروں کو واپس آ گئے۔ ان میں سے نہ کسی کو قتل کیا اور نہ زبردستی مسلمان کیا گیا۔ اسلام میں جابرانہ پالیسی کے ساتھ مسلمان کرنے کی ایک بھی نظیر پیش نہیں کی جا سکتی۔

اسلام میں جہاد کا مقصد مسلمانوں کی زندگی کی رکاوٹیں دور کرنے کے لیے ہے۔ اسلام کا پیغام پہنچانے کے لیے ہے۔ وہ انسان جو مظلوم ہیں اُن کی گلوخلاصی کے لیے جہاد کیا جا سکتا ہے۔

اسلام انسانی معاشرے میں امن وسلامتی کا داعی ہے۔ وہ کسی بھی طرح فتنہ وفساد دہشت گردی کی اجازت نہیں دیتا۔ لیکن اسلامی اقدار کے خلاف کسی کے ناپاک عزائم کو بھی مسلمان برداشت نہیں کرسکتا۔ اگر کسی مسلمان کو کہیں صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے ستایا جائے تو ایسے شر پسند عناصر کے خلاف بھی مسلمانوں کو کاروائی کرنے کا حق حاصل ہے۔

سرزمین حرم (مکہ اور مدینہ شریف) میں رہنے والوں کی عزت

اہل اسلام کے نزدیک مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی سرزمین سب سے مقدس معظم اور افضل ہے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ شریف اور مکہ معظّمہ کے افضل ہونے پر ایک موازنہ بیان فرمایا:

کعبہ دلہن روضہ اطہر نبی دلہن
یہ رشک آفتاب ہے وہ غیرت قمر کی ہے
دونوں بنیں انیلی سجیلی دلہن مگر
جو پی کے پاس ہے وہ سہاگن کنور کی ہے
سر سبز وصل یہ ہے سیاہ پوش ہجر وہ
ظاہر دوپٹوں سے جو حالت جگر کی ہے

مکہ اور مدینہ دونوں ہی افضل ہیں لیکن پھر مقابلے میں کون سا شہر افضل ہے۔ دونوں کی مثال دلہنوں کی ہے۔ سبز وصل کی نشانی ہے۔ سیاہ رنگ ہجر اور رنجیدگی کی نشانی ہے۔ مدینہ طیبہ میں گنبد سبز رنگ کا ہے۔ کھیت سرسبز ہیں۔ زمینوں میں پہاڑوں پر ہر طرف ہریالی ہے۔ جبکہ مکہ معظّمہ میں کعبہ شریف کا غلاف کالا ہے۔ یہاں کے پتھر، پہاڑ اور ریت سب کالے ہیں اہل عشق کے نزدیک مدینہ دور ہو کر بھی قریب ہے۔

{اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ} ۔(الاحزاب:٦)

اعتقاد کے اعتبار سے نبی ایمان والوں کے زیادہ قریب ہے۔

اس لیے بات کرتے ہوئے اشارہ قریب کا بیان ہوا۔ یہ رشک آفتاب ہے''۔

مثال کے طور پر دو دلہنیں ہیں بڑی خوبصورت ہیں بڑی شان والی ہیں لیکن ''جو پی کے پاس ہے سہاگن کنور کی ہے''۔

سوال یہ ہے کہ ایسی افضل، عظیم اور مقدس جگہوں میں رہنے والا ہر کوئی محترم ہے؟ اس کا جواب نفی میں ہوگا۔

کیوں؟ عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین اور اُس کے ساتھی مدینہ شریف کے رہنے والے تھے ابوجہل، عتبہ اور سارے کفار مکہ مکہ کے رہنے والے تھے۔ اِن سب پر لعنت بھیجی جاتی ہے۔ ثابت ہوا کہ کسی بدعقیدہ کا سرزمین حرم میں رہائش رکھنا اُسے عزت نہیں دے سکتا۔ ہاں جس کا عقیدہ صحیحہ ہو وہ یقینا قابل عزت ہے۔ اور مقدس جگہوں پر رہائش ہونا بھی اُس کے لیے بڑا اعزاز ہے۔ ہم سب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعظیم کرتے ہیں وہ اس لیے نہیں کہ وہ مکہ اور مدینہ کے رہنے والے تھے وہ اس لیے کہ وہ مکے اور مدینے والی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باوفا غلام تھے۔

منافقت

رب العزت فرماتا ہے: {مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ} (الاحزاب: ۴)

(خدا نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے)

عبداللہ ابن ابی جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے بہت بڑا منافق تھا عبداللہ بڑا خوبصورت نام ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی کا اسم پاک عبداللہ تھا۔ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی لنگڑے کو رستم کہنے لگتے ہیں۔ کبھی کسی گنجے، کانے، بدصورت کا نام یوسف رکھ لیں تو اس سے اُس کی شکل میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

عبداللہ ابن ابی اور اُس کے ساتھیوں کی یہ پالیسی تھی کہ اوپر سے مسلمان ہو کر مسلمانوں کے ساتھ ہو جاؤ اور اندر سے کافروں کا ساتھ دو۔ یہ دو دِل رکھو تو پھر اس دنیا میں کام چل سکتا ہے۔ رب کریم نے اُن کے لیے فرمایا کہ کسی شخص کے سینے میں دو دِل نہیں بنائے۔ دل ایک ہی ہے۔ منافق اپنے سینے میں دو دل ہونے کا مدعی ہے۔ اور یہ جھوٹی بات ہے اس کا سچائی سے کوئی تعلق نہیں۔ اللہ ہمارا خاتمہ سچے دین پر کرے اور قیامت کے میدان میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے غلاموں میں اُٹھائے۔ آمین

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ

حواشی

۱۔ رُفَیْدَہ بنت سعد الاسلمیہ مسلم طبیبہ اور سماجی کارکن تھیں جنہیں تاریخ اسلام میں پہلی مسلم نرس اور پہلی خاتون جراح سمجھا جاتا ہے۔ مدینہ میں اسلام قبول کرنے والی ابتدائی شخصیات میں سے تھیں۔ رفیدہ کا تعلق قبیلہ خزرج کی شاخ بنی اسلم سے تھا۔ پیغمبر اسلام کے مدینہ منورہ پہنچنے پر انصار خواتین کے

ساتھ مل کر انہوں نے استقبال کیا۔

رفیدہ الاسلمیہ کو اصحاب سیر نے نیک، ہمدرد نرس اور اچھا علاج کرنے والی بتایا ہے۔ اپنی طبی صلاحتیں کے بل بوتے پر انہوں نے دوسری عورتوں کو علاج کرنے کی تربیت دی، جن میں رسول اللہ کی صحابیات میں سے قابل ذکر عائشہ ہیں۔ علاج کے علاوہ وہ ضرورت مند بچوں کی امداد اور یتامٰی، معذور اور غربا کا خیال کرتی تھیں۔

۲۔ جب یورپ میں پوپ بینی ڈکٹ نے یہ کہا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے تو اس وقت پاکستان کی قومی اسمبلی میں سنی اتحاد کونسل کے سربراہ صاحبزادہ فضل کریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ پوپ کا چیلنج ہمیں قبول ہے اور نجی ٹی وی (جیو نیوز، حامد میر صحافی کے پروگرام) میں جب حامد میر نے صاحبزادہ صاحب سے سوال کیا کہ کیا آپ کے پاس عالم اسلام میں کوئی ایسی شخصیت ہے جو پوپ کا مقابلہ کر سکے تو صاحبزادہ صاحب نے جواب میں کہا کہ ہماری طرف سے قبلہ ڈاکٹر پیر سید عبدالقادر جیلانی اُس کا جواب دیں گے۔ اس کے بعد قبلہ عالم مفکر اسلام نے برطانیہ کے ایک نجی ٹی وی پر آ کر مناظرے کا چیلنج قبول کیا اور یہ بات اخبارات اور اس وقت سوشل میڈیا پر بہت شدومد سے کی گئی لیکن اس کے کچھ دنوں بعد ہی پوپ نے اپنی بات پر معذرت کر کے اپنے بیان کو واپس لے لیا۔

بائیسواں درس قرآن: ۵ دسمبر ۲۰۰۶ء

اولاد کی حقیقی باپ کے ساتھ نسبت کا حکم متبنیٰ بنانے کی ممانعت
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانوں سے زیادہ قریب ہیں

عنوان

☆.....زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ

☆.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بااختیار ہستی ہیں

☆.....آقا کی مرضی جدھر چلائیں

☆.....سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت

☆.....جبراً شادی کا نقصان

☆.....محض اپنی مرضی سے شادی کرنے کا نقصان

☆.....نسلی توراث

☆.....متبنیٰ بنانے کی رسم کا خاتمہ

☆.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب

☆.....تصور شیخ

☆.....محدث کون ہے

☆.....نعرہ حیدری

☆.....موافقات عمر رضی اللہ عنہ

اولاد کی حقیقی باپ کے ساتھ نسبت کا حکم، متبنیٰ بنانے کی ممانعت
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانوں سے زیادہ قریب ہیں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

{ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ فَإِن لَّمْ تَعْلَمُوا آبَاءهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُم بِهِ وَلَكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُوراً رَّحِيماً ○ النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ وَأُوْلُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَن تَفْعَلُوا إِلَى أَوْلِيَائِكُم مَّعْرُوفاً كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُوراً ○ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيثَاقاً غَلِيظاً ○ لِيَسْأَلَ الصَّادِقِينَ عَن صِدْقِهِمْ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَاباً أَلِيماً}۔(الاحزاب:۵۔۸)

اللہ جل جلالہٗ وعز اسمہ واتم برہانہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اُن کو اُن کے باپوں کے نام کی نسبت سے پکارا کرو۔ یہ بات اللہ کی بارگاہ میں زیادہ منصفانہ ہے۔ (حقیقی باپ کی طرف منسوب کر کے بلانا یا اتعارف کرانا یہ اللہ کی بارگاہ میں منصفانہ بات ہے)

اگر بالفرض تمہیں اُن کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ (کلمے کے تعلق سے وہ تمہارے بھائی ہیں ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ'')

اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نے اس بارے میں کوئی خطاء کی ہے (اگر اس سے پیشتر تم سے ایسی خطاء ہوئی ہے تو تم سے اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے)

لیکن اس میں پکڑ ہوگی جو تمہارے دِل جان بوجھ کے کریں۔ (یعنی تمہیں پتہ ہے کہ اس بات سے منع کر دیا گیا ہے۔ یہ بیٹا اصل میں فلاں کا نہیں بلکہ فلاں کا ہے اور تم ضد سے ایسا کرتے رہو تو پھر تمہاری گرفت ہوگی)

اور اللہ کی ذات بہت بخشنہار اور کرم فرما ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک مومنوں کی جان سے بھی نسبتاً زیادہ قریب ہے۔ اور اس کی بیویاں ان سب کی مائیں ہیں۔ اور مادری رشتہ دار بعض ایک دوسرے کے قریب ہیں اللہ کی کتاب میں۔ لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ ایمان والوں اور ہجرت کرنے والوں میں سے ہوں۔ ''اولوالارحام'' مادری رشتہ دار کو کہتے ہیں۔ اس رشتے میں کسی مرد کا رشتہ درمیان میں (Intervene) نہ آئے۔ اسے پانچے کی رشتہ داری کہتے ہیں انگریزی میں Affinities کہتے ہیں۔ رشتہ داری کی تین قسمیں بنتی ہیں۔

۱۔عصبہ (Residurary) ۲۔ذوالفرائض (Consanguinities)

۳۔اولوالارحام (Affinities)

اگر تم اپنے قریبی رشتہ داروں یا دوستوں کے ساتھ کوئی نیکی کرنا چاہو تو اس بات کی جازت ہے۔ یہ بات اللہ کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے (نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں مواخات قائم کی تھی اس تعلق کی وجہ سے وراثت ملتی تھی۔ لیکن جب مکمل قانون وراثت آ گیا تو پھر جس کو کلمے کی بنیاد پر بھائی بنایا گیا وہ وراثت میں حصہ دار نہ رہا۔ البتہ کوئی مروت کرنا چاہے تو پھر اجازت ہے۔ لیکن جبراً کوئی حصہ نہیں لے سکتا۔)

پیارے! آپ وہ وقت یاد کریں جب نبیوں سے اللہ نے وعدہ لیا آپ سے، نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام

اور موسیٰ علیہ السلام اور مریم کے صاحبزادے جناب عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ لیا اور ہم نے اُن سے پختہ وعدہ لیا۔ تا کہ پروردگار عالم سچوں سے اُن کی سچائی کے بارے میں کوئی سوال کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہ اِن آیات طیبات کا تحت اللفظ ترجمہ ہے۔ جو بیان کیا گیا۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مفسرین کا اجماع ہے کہ پہلی آیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ شام کے رہنے والے تھے۔ مکہ کے کچھ تاجر شام گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر اُنہوں نے ایک بچے کو تنہا دیکھا۔ اُس کی تنہائی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے وہ اُس بچے کو اپنے ساتھ اُٹھا لائے کہ اس کو کہیں بیچ دیں گے یا اس سے خود کوئی کام لیں گے۔ یہ اُن کا ظالمانہ اقدام تھا۔ وہ بچے (حضرت زید بن حارثہ) کو مکہ لے آئے۔ حکیم بن حزام نے اس بچے کو اُن سے خرید لیا۔ حکیم بن حزام ام المؤمنین حضرت خدیۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے سگے بھتیجے تھے۔ پھر یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نکاح کے بعد حضرت سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضرت زید کو تحفے (Gift) کے طور پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کر دیا۔ اُس وقت حضرت زید رضی اللہ عنہ جوان ہو گئے تھے۔ صحت مند اور خوش شکل تھے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کے لیے شوق سے کام کرتے تھے۔ زید کے ماں باپ بچے کے کھو جانے کے بعد نہایت غم زدہ تھے۔ اور اُن کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ ظاہر ہے کسی کے کتنے ہی بچے ہوں اگر ایک بھی جدا ہو جائے تو انسان بے قرار ہو جاتا ہے۔ کھوئے ہوئے بچے کی جدائی کسی پل چین نہیں لینے دیتی کیونکہ یہ فطری بات ہے۔ دکھتے ہوئے عضو کا درد ہوتا ہے۔ ایک مدت گزر جانے کے بعد کسی طرح یہ خبر شام میں حضرت زید کے ماں باپ کو پہنچ گئی۔ اُنہیں بتایا کہ اتنے برس پہلے ایک بچہ مکہ لایا گیا تھا۔ اُس کی شکل وصورت اور جسمانی ساخت تمہارے بچے سے ملتی جلتی ہے۔ اُس وقت سے وہ اپنا نام زید بتاتا چلا آ رہا ہے لیکن اُسے اپنے باپ کا نام معلوم نہیں ہے۔ ماں باپ یہ سن کر تڑپ اُٹھے۔ سمجھ گئے وہ ہمارا ہی لختِ جگر ہے۔ اُنہوں نے فوراً سامان سفر باندھا اور جتنا جلدی ممکن ہو سکا مکہ پہنچے حضرت زید سے آمنا سامنا ہوا۔ محبت پدری نے جوش مارا اور فوراً بیٹے سے لپٹ گئے۔ حضرت زید نے اپنے باپ کو اس طرح بے قراری سے ملتے ہوئے دیکھا تو حیران ہو گئے۔ پوچھا آپ کون ہیں میں پہلے سے آپ کو نہیں جانتا۔ باپ نے رقت آمیز لہجے میں بتایا۔ میں تمہارا ابا لگتا ہوں۔ برسوں پہلے تم ہم سے بچھڑ گئے تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے تو کچھ معلوم نہیں میں کس کا بیٹا ہوں۔

باپ نے کہا میری محبت دوڑ کر یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ تم میرے بیٹے ہو۔ اُنہوں نے کہا مجھے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت سیّدہ خدیجۃ کبریٰ سلام اللہ علیہا نے پالا ہے۔ اُن کے پاس میں رہتا ہوں۔ اُن کی موجودگی میں کسی باپ کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے عظیم شفیق اور کرم فرما ہیں اور مجھ پر اُن کی نوازشات اتنی کثرت سے ہیں کہ لاکھوں باپ اُن پر قربان کیے جا سکتے ہیں۔ باپ نے کہا ایسے خوش کردار جاذب نظر اور صاحب حسن عمل ہستی سے میری بھی ملاقات کرا دو ممکن ہے میری بھی بگڑی بن جائے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوئی خدمت اقدس میں اپنے بیٹے کی جدائی اور اُس کے لیے تڑپ کے احوال عرض کیے۔ بغیر کسی دلیل کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں زید کا باپ تسلیم کرتا ہوں۔

عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بیٹے کی جدائی نے ہم باپ اور ماں کو رلا کے رکھ دیا ہے۔ آپ کی بندہ نوازی ہوگی اگر آپ زید کو آزاد فرما دیں ہم منہ مانگی قیمت دینے کے لیے تیار ہیں۔ اگر مجھے اپنا مکان بھی بیچنا پڑا تو بیچ کر قیمت پوری کر دوں گا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فرمایا زید کو آزاد کرنے کی قیمت وصول کرنا اپنی محبت کی توہین سمجھتا ہوں اسے میں مفت آزاد کرتا ہوں۔ آج کے بعد یہ غلام نہیں ہے۔ اس کی اپنی مرضی ہے یہاں رہے یا آپ کے ساتھ چلا جائے۔ اُس وقت باپ کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ بیٹے سے لپٹ کر کہا کہ اَب ہمارے ساتھ چلو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں آزاد فرما دیا ہے اور گھر جانے کی اجازت دے دی ہے اُس وقت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں گر گئے۔ عرض کیا یارسول اللہ! آسمان سے چاند اور سورج اُتار کے میری ہتھیلیوں پہ رکھ دیئے جائیں اور کہا جائے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر چل دو۔ سو ماں باپ ہوں تو آپ پر قربان کر دوں لیکن آپ کا دامن نہیں چھوڑوں گا۔ ماں باپ بھائی موجود ہیں لیکن زید کہتے ہیں میں نہیں جاتا

ذبح کر ڈال مگر دام سے آزاد نہ کر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دام محبت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زلف مبارک کے ایک بال کا قیدی ہونے کو ترجیح دی جاتی ہے۔

زلف کے پابند کو زنجیر کی حاجت نہیں
جب مثل ماہی بن گیا تکبیر کی حاجت نہیں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے ضابطے کے مطابق تم زید بن حارثہ ٹھہرتے ہو کیونکہ تمہارے

باپ کا نام حارثہ ہے۔لیکن اب جو تم نے کردار دکھایا ہے میں سمجھتا ہوں کہ آج کے بعد تو میرا بیٹا ہے۔اَب تجھے زید بن محمد کہا جایا کرے گا۔

اُس زمانے میں کسی بچے کو متبنیٰ (Adopted) بنانا قانونی طور پر جائز تھا۔لیکن اس طریقے سے بے شمار فسادات عمل میں آرہے تھے۔جس طرح ایک گھر میں پیدا ہونے والے کے لیے کچھ عورتیں اُس کے لیے حرام اور محرم ٹھہرتی تھیں متبنی (Adopted Son) کے لیے بھی یہی قاعدہ عمل میں لایا جاتا تھا۔جس طرح حقیقی بیٹا وراثت کا مالک ٹھہرتا تھا اسی طرح متبنیٰ کے لیے بھی وراثت کے حقوق تھے۔اس کے نتیجے میں محرم کے لباس میں کئی طرح کی خرابیاں جنم لیتی تھیں کیونکہ حقیقت میں وہ محرم نہیں ہوتا تھا۔بے شمار حقدار وراثت سے محروم ہوجاتے تھے۔معاشرے کے نظم وضبط میں ایک واقعاتی قسم کی خرابی اور تخریب کاری تھی۔پروردگار عالم نے اُسے ختم کرنا چاہا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اُس وقت کے دستور کے مطابق حضرت زید کو اپنا بیٹا بنالیا تو پھر اُن کی شادی اپنے قبیلے قریش میں کرانے کا ارادہ فرمایا۔حضرت زینب رضی اللہ عنہا جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپھی صاحبہ کی صاحبزادی تھیں،اُن کے ساتھ حضرت زید کا نکاح کردینے کی بات کی۔

حضرت زینب اور اُن کے والدین نے نہایت ادب کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا ہم شرفائے قریش ہیں اور عالی نسب ہیں اور پھر اللہ نے آپ کو نبوت کی عزت عطاء فرمائی ہے۔ہم آپ کے رشتہ دار بھی اس عزت میں حصہ دار ہیں۔زید آپ کا غلام تھا۔غلام کی حیثیت سے اُس کی خرید وفروخت ہوتی رہی۔بیشک آپ نے اُسے آزاد فرمادیا ہے اور اپنا بیٹا بنالیا ہے لیکن اُس کے اصل نام ونسب کا کچھ پتہ نہیں۔بھلا اس طرح راہ چلتے شخص کو ایک عالی نسب خاندان کی چشم وچراغ اپنا خاوند کس طرح تسلیم کرسکتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بااختیار ہستی ہیں

جب حضرت زینب اور اُن کے ماں باپ نے زید کے ساتھ رشتہ قبول کرنے سے انکار کردیا تو رب تعالیٰ نے فرمان نازل فرمایا: {وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ}۔(الاحزاب:۳۶)

اس آیت قرآنی سے اہل سنت کے اس عقیدے پر روشنی پڑتی ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بااختیار شخصیت کا

نام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کوئی فیصلہ فرمادیں تو پھر ایمان والے مرد اور عورت کو اُس سے ذرہ بھی انحراف کرنے کا حق نہیں۔ اگر سچے دل سے ایمان رکھتا ہے تو من وعن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہر فیصلے اور ہر حکم کے سامنے دل و جان سے سر تسلیم خم کر دینا ہوگا۔ اس کے بعد کسی مومن مرد اور مومنہ عورت کو دوسری بات کرنے کا حق نہیں ہے۔ مدینے والی سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام مومن کی جان کے مالک ہیں لہٰذا کسی کو ذاتی رائے کا کوئی حق نہیں ہے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ عنہ کا قولِ مبارک ہے:

مَنْ لَّمْ یَرٰی وَلَایَۃَ الرَّسُوْلِ صلی اللہ علیہ و الہٖ وسلم عَلَیْہِ جَمِیْعِ اَحْوَالِہٖ وَلَم یَرٰی نَفْسَہٗ فِیْ مِلْکِہٖ لَمْ یَزُقْ حَلٰوۃَ السُّنَّۃَ (کتاب الشفا فی تعریف الحقوق المصطفیٰ۔ کتاب المحبت از قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ)۔

(جو آدمی جہاں کہیں ہو جس حالت میں ہو اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ملکیت (Property) تسلیم نہ کرے اسے سنت کی لذت حاصل نہیں ہوگی)۔

ہر آن ہر زماں مومن کا اپنے اوپر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولایت یعنی مالکانہ قبضہ تسلیم کرنا ضروری ہے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور آپ کے ماں باپ کو یہ بتایا گیا کہ اگر ایمان کی دولت درکار ہے تو پھر حضرت زید کے ساتھ نکاح کرنے کے لیے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بات پر راضی ہونا پڑے گا وگرنہ ایمان جاتا رہے گا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیصلے کو بے چون وچراں تسلیم کرنا ہے۔ اس مسئلے پر قرآن مجید کی نص (آیت) وارد ہے۔

جو شخص کلمہ پڑھ لینے اور مسلمان ہونے کا دعویدار ہونے کے بعد یہ کہے کہ نبی تنکے توڑ کر دو نہیں کر سکتا۔ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک ومختار نہیں رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا (تقویۃ الایمان)۔ استغفر اللہ العظیم جس شخص کے یہ عقائد ہوں تو سوال پیدا ہوگا کہ کیا یہ شخص حقیقتاً مسلمان ہے؟

حضرت سہل بن عبداللہ تستری کا ذکر ہوا۔ ایک بلند پایہ بزرگ ہوئے ہیں۔ جناب قاضی عیاض صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دشوار پسند آدمی ہوتے ہوئے آپ کو بطور سند (Authority) پیش کیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ علم کی دنیا میں سہل بن عبداللہ تستری مانی ہوئی شخصیت ہے۔ غالباً سب سے پہلے آدمی ہیں جنہوں نے ''تفسیر اشاری'' لکھی ہے۔ قرآن مجید کی اُن آیات کی تشریح وتفسیر کی ہے جن میں تصوف، روحانیت اور سلوک کا مضمون (Chapter) ملتا ہے۔

اِن کے بعد امام ابوالقاسم نے ''رسالہ قشیریہ'' تصنیف کیا جس میں آیات قرآن کی تفسیر اشاری کی گئی ہے۔ حضرت

سرکار بغداد غوث الاعظم محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ نے مسائل تصوف، تزکیہ نفس اور تطہیر روح کے بیان میں ''رسالہ قشیریہ'' کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔ امام ابوالقاسم نے اپنی تفسیر اشاری میں حضرت سہل ابن عبداللہ تستری کا تتبع کیا ہے۔

آقا کی مرضی جدھر چلائے

کسی صاحب نے جمعہ کے دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا:

مَا کُنْتَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم قَالَ کُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ فَکُنْتُ عَبْدَہٗ وَ خَادِمُہٗ (میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ اقدس میں تھا پس میں ان کا بندہ اور خادم)

(مشکوٰۃ کتاب الاِمَارۃ/ ازالۃ الخفاء فی تاریخ الخلفاء، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں آپ کا کیا مرتبہ (Status) تھا حضرت فاروق اعظم نے جواب دیا میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا کشف بردار اور خدمت گزار تھا۔ اُنہوں نے کہا ہم اس وقت کے حالات کے پیش نظر پوچھتے ہیں جبکہ آپ خلیفہ وقت ہیں۔ آپ اس وقت دنیا کی وسیع سلطنت پر حکومت کر رہے ہیں۔ جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میری مثال اُس اُونٹ کی سی ہے جس کی ناک میں نکیل ہے اور اُس کی مہار شتربان کے ہاتھ میں ہے اور جدھر شتربان چلتا جائے یہ اُس کی فرنبرداری میں پیچھے پیچھے چلتا جائے۔ اس میں اونٹ کی مرضی کو کوئی دخل نہیں۔ جدھر مہار کھچی جارہی ہے ادھر چلتے جاؤ۔

اِکو ای رمز پچھانو یارو بہتیاں کیڑیاں گلاں
میں دتی ہتھ واگ بلوچے جدھر چلائے چلاں

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ملکیت

جب قرآن کا حکم آ گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہر فیصلے کو خوشدلی سے تسلیم کرو تو پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور آپ کے ماں باپ کو راضی ہونا پڑا کیونکہ راضی ہونا ایمان کا بنیادی تقاضا تھا۔ اس سے یہ بات متحقق (Establish) ہوگئی کہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام جان، مال، اولاد اور ہر ظاہر و باطن کے مالک ہیں۔ اگر کوئی کہے ایسا عقیدہ رکھنا شرک ہے اور ہم اس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں۔ شریک ماننے میں ہم غلامانِ مصطفی کا خسارہ ہے۔ اگر خدانخواستہ کوئی ایسا کرے تو نقصان میں رہے۔ کیونکہ جو شریک ہوتا ہے وہ اپنے حصے کی حد تک کا مالک ہوتا ہے لہٰذا ہمارا عقیدہ یہ ہے۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کہ حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا
(اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

رب نے سب کچھ اپنے محبوب کو دے دیا ہے۔

جبراً شادی کا نقصان

حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دیا گیا۔ کچھ مدت گزر گئی۔ طبیعتوں میں تباین (Contradiction) تھا۔ ایک دوسرے کو قبول کرنے کا (Mutual Exclusion) ذوق نہیں تھا۔ اس طرح ازدواجی زندگی گزرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے دونوں کا نباہ نہ ہو سکا۔ جھگڑا ہوتا رہا اور بالآخر طلاق واقع ہو گئی۔

مسلمانوں کے لیے حضرت زینب کا نکاح اور پھر حضرت زید کا اُنہیں طلاق دے دینا ایک یادگاری بات ہے اور اس میں ایک بڑا سبق اور نصیحت ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی اولادوں خصوصاً بیٹیوں، بہنوں کی شادیاں جبراً نہ کرائیں۔ اُن کی رضامندی (Consent) حاصل کریں کیونکہ اس کا آئندہ ازدواجی زندگی نبھانے میں دخل ہے۔ اُنہیں جو بات سمجھانی ہے وہ یہ ہے جیسا کہ مسلم شریف کتاب النکاح میں حدیث ہے کہ شادی چار وجوہ سے کی جاتی ہے:

۱۔ مال ۲۔ حسن و جمال ۳۔ خاندان ۴۔ دین

یہ چار بنیادی وجوہات (Grounds) ہیں جو فی الواقعہ قابلِ قبول (Merits) ہوتی ہیں۔

نسب کے طور پر اچھی شہرت رکھنا، خاندان کا معزز ہونا اچھی بات ہے بیٹے اور بیٹی کی صحت اور شکل وصورت اچھی ہونا زندگی خوشگوار بنانے میں مددگار ہو سکتے ہیں۔

مالی حالت (Financial Position) کا اچھا ہونا بھی گھریلو حالات کو پرسکون رکھنے میں مددگار ہوتا ہے۔ لیکن ترجیح (Preference) دین کو دینا ہے۔ جس کا دین اچھا ہے اس سے شروع کیا جائے۔ باقی اوصاف (Meriters Qualifications) بعد میں ہیں۔ اگر دین اچھا نہیں تو پھر باقی امور کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور نہ ہی اُن کی کچھ حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ اس لیے ازدواجی بندھنوں میں سب سے پہلے دینداری کو دیکھا جائے۔

اپنی معاشی ضروریات پوری کرنے کے لیے خود محنت کرنا ہوتی ہے۔ خواہ کسی دولت مند گھرانے میں شادی ہو جائے تو وہاں سے کتنا کچھ مال مل جائے گا کہ خاندان پوری زندگی گزار سکے۔ کسی کا سہارا لینا مردانہ ذوق نہیں ہے اپنی محنت

اور مشقت سے کچھ بننے کی کوشش کرنی چاہیے:

نہ پکڑوں دامن الیاس گرداب بلا میں ہم
کہ بدتر ڈوب کر مرنے سے ہے جینا سہارے کا
تلاطم ہے سمندر میں نظر سے دور ہے ساحل
میں اپنی کشتی غم کو خدا پہ چھوڑ دیتا ہوں

حسن و جمال بھی ایک مسافر چیز ہے۔ کوئی پتہ نہیں کسی مرض میں مبتلا ہو جائے تو صحت اور حسن جاتے رہیں گے۔ لہٰذا محض حسن پر اپنی پوری زندگی کو قربان کرنا یہ شعور کا تقاضا نہیں ہے بلکہ نادانی ہے۔

پریے ! خوف خدا توں ڈریے کریے مان نہ ماسہ
جوبن حسن نہ توڑ نباہو کی اس دا بھرواسہ
(حضرت باہو رحمۃ اللہ علیہ)

آویں آویں نہ چر لاویں باغ چریندا ہرناں
جو چڑھیا اُس لیناں آخر جو جمیا اُس مرناں
(میاں صاحب عارف کھڑی رحمۃ اللہ علیہ)

حسن والے حسن کا انجام دیکھ
ڈوبتے سورج کو وقت شام دیکھ

مال اور حسن و جمال اور خاندانی رائی سب فانی ہیں۔ دین کو بقا ہے اس لیے دینی شعور بیدار کریں اور رشتے دین کی بنیاد پر قائم کریں۔ کسی شعبے میں کسی کو ملازمت دیتے وقت اُس کا پچھلا کردار (Reference) دیکھا جاتا ہے۔ اُس کے پچھلے چال چلن کو سامنے رکھتے ہوئے اُس کو ملازم رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

اسی طرح انسان کو شادی کرتے وقت ایک دوسرے کے بارے میں یہ غور کر لینا چاہیے کہ جس مالک و مولیٰ نے اسے پیدا کیا ہے اُس کا وفادار ہے یا نہیں۔ اگر اپنے رب کا ناشکرا ہے تو اُس کا پچھلا معاملہ (Reference) خراب ہے۔ اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔

محض اپنی مرضی سے شادی کرنے کا نقصان

بعض نوجوان لڑکے اور لڑکیاں شادی کے سلسلے میں اپنے جذباتی فیصلے کرتے ہیں۔ اُس وقت اپنے ماں باپ اور دیگر اقرباء کی کوئی رائے تک سننا گوارا نہیں کرتے۔ ماں باپ جنہوں نے اپنی اولاد کو کتنی تکلیفیں برداشت کر کے پالا ہوتا ہے۔ ذات پر جبر کر کے اولاد کی خوشیاں پوری کرنا اُن کا مقصد ہوتا ہے۔ اس موقع پر وہ اولاد اپنے والدین سے دغا کر جائے، یہ کتنی قابلِ افسوس بات ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہم اپنے اس طرزِ عمل سے اپنے خاندان کی ذلت کا باعث بن رہے ہیں۔

اس طرح اپنی مرضی سے بھاگ دوڑ کر جو شادیاں کی جاتی ہیں اُن کے بھیانک نتائج سامنے آتے رہتے ہیں۔ یہ کبھی کامیاب (Successful) نہیں ہوئیں ایسے نوجوانوں کے حالات خراب ہوئے ہیں اور پریشان حالی کا شکار ہوئے ہیں۔

نسلی توارث (Genetic System)

اس وقت تعلیم (Education) ہوا سے باتیں کر رہی ہے۔ نسلی توارث میں پیدائش (Reproduction) کا جو عمل پایا جاتا ہے۔ اُس سے نئی اور پرانی نسلوں کے بارے میں دیکھا جائے کہ اُنہوں نے کیا پیدا کیا ہے۔ مثال کے طور پر اگر انگوروں کے باغ میں کیکر کا بیج بو دیں تو وہ کیکر ہی پیدا کرے گا انگور تو نہیں پیدا ہوگا۔ شیخ سعدی مرحوم نصیحت کا امام مانا جاتا ہے فرماتے ہیں:

اگر بد کنی چشم نیکی مدار
کہ ہرگز نیارد گز انگور بار

گھٹیا بیجوں کے نتائج گھٹیا ہوتے ہیں۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ ماں باپ بدکردار ہوں اور آگے بیٹے بیٹیاں نیک ہوں۔ پچھلا حوالہ (Reference) خراب ہے۔ نسلی توارث میں جو اصل جواہر (genes) پائے جاتے ہیں اُن کا کام افزائش نسل ہوتا ہے۔

آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عزت حاصل ہے کیونکہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو خون آل اطہار میں رواں ہے اُس میں معظم و مطہر جینز ہمیشہ قائم رہیں گے۔ جدید علم طبیعات (Physics) میں یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے۔ بندہ مر جاتا ہے لیکن اُس کے جینز موجود رہتے ہیں وہ فنا نہیں ہوتے۔ پھر آدمی دوبارہ زندہ کیا جائے گا وہی پرانے جینز کام کرنے لگ جائیں گے۔ جو آل رسول ہے وہ قیامت میں آل رسول اُٹھے گا۔ جو اس دنیا میں جس برادری کا ہوگا وہ اسی

برادری کا ہو کر قیامت کو اُٹھے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ خوف قیامت کو محسوس کرتے ہوئے کہہ دے میں کسی کا کچھ نہیں لگتا۔ لیکن قیامت کے دن ماؤں کے نام کی نسبت سے پکارا جائے گا لہٰذا تعلق تو ظاہر ہوگا۔

بے دینوں سے تعلق رکھو گے تو بے دینی سے ہرگز نہیں بچ سکو گے۔ اس لیے حسن، مال اور خاندانی قوت کا سہارا نہ لو دین کو دیکھو۔ جس کا دین اچھا ہے وہ اچھا ہے۔ وہ اپنے خالق و مالک کا وفادار ہے، اپنے ماں باپ کا وفادار ہے۔ اولاد کس قدر تعلیم یافتہ ہو جائے اور کتنے بڑے عہدے پر فائز ہو جائے۔ دنیا میں کسی مرتبے پر ہو فرمانبردار اولاد کو یہ احساس ہوتا ہے کہ میں جو کچھ بھی ہوں اپنے ماں باپ کی محنت اور دعاؤں کی بدولت ہوں اُسے معلوم ہے کہ ماں کے قدموں میں ہی اُس کے لیے جنت ہے۔ باپ کی رضامندی ہی اُس کے لیے سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ ایسی اولادیں اپنے والدین اور خاندان کی عزت کرتی ہیں اور اُن کے مشوروں سے ہی اپنے معاملات نبٹاتے ہیں اور ماں باپ کی خدمت اپنا اولین فرض سمجھتے ہیں۔

ہم اس ملک (برطانیہ) میں مقیم ہیں یہ انگریزوں کا ملک ہے۔ یہ ملک ایک فلاحی ریاست (Welfare State) کہلاتا ہے۔ یہاں جو شخص ایک ملازم کی حیثیت سے اپنے فرائض (Duties) سرانجام دیتا ہے۔ آخر وقت میں اپنی سروس پوری کرنے کے بعد اُسے انشورنس اور ٹیکس کی ادائیگی کے بدلے میں پنشن ادا کی جاتی ہے۔ یہ اُن لوگوں کا کردار ہے جن کا کوئی دین نہیں ہے ادھر ماں باپ ایک عرصے تک اپنے بچوں کو اپنا خون جگر پلائیں۔ زندگی کی کمائیاں اِن کی خاطر لٹا دیں پیار و محبت سے اِن کی پرورش کریں اور جب اُن کا وقت آئے کہ اب وہ بھی اپنی اولاد سے کوئی صلہ پائیں تو اُس وقت اولاد ٹکا سا جواب دیدے تو یہ کیسا برا کردار ہے۔

کافر ہو کر وہ محنت کا لحاظ کریں اور آخری عمر میں اپنے ملازم کو سہولت دیں اور پنشن مقرر کریں۔ لیکن ایسا بیٹا جو مسلمان کے ہاں پیدا ہوا اور اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا ہے لیکن اپنے ماں باپ کے ساتھ لاپرواہی کا سلوک ثابت کرتا ہے کہ تو وہ ان کافروں سے گیا گزرا ہے۔

متبنّٰی بنانے کی رسم کا خاتمہ

رب تعالیٰ نے فرمایا: {اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ}۔ (اُنہیں اُن کے باپوں کی نسبت سے پکارا کرو)۔

جب حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے درمیان علیحدگی ہوگئی۔ بحکم الٰہی عدت گزرنے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ہوگیا۔ قرآن عظیم ارشاد فرماتا ہے: {زَوَّجْنٰكَهَا} اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم نے آپ کا نکاح زینب سے کر دیا ہے۔

جیسا کہ اُس وقت معاشرے میں جو رسم تھی اُس کے مطابق متبنیٰ کو حقیقی بیٹے کی حیثیت دی جاتی تھی اور اُس کی بیوی کو بہو مانا جاتا تھا اس لیے اگر متبنّٰی اُسے طلاق دیدے یا اُس کی موت ہو جانے کی صورت میں وہ بیوہ ہو جائے تو منہ بولا باپ اُس کو اپنی بہو مانتے ہوئے اُس کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا تھا۔

یہ ایک بڑی غلط رسم تھی اس لیے اس برائی کو ختم کرنے کے لیے نبی پاک صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم کو خود عملی اقدام کرنا پڑا۔ اس طرح اسلام نے اس رسم کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت زید کو زید بن محمد کہنے کی ممانعت فرمادی۔ فرمایا آئندہ سے زید بن حارثہ کے نام سے اِن کو پکارا جائے کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ ایمان والوں کو متنبہ کر دیا گیا کہ اگر ایمان کی ضرورت ہے تو اس بات کے پابند رہو کہ اصل میں جس کا بیٹا ہے اُسی کا بیٹا سمجھو اور کہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قرب

قرآن فرماتا ہے: {اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ} ۔(الاحزاب:٦)

(نبی مومنوں پر اُن کی جانوں سے بھی زیادہ اقرب ہے)

دوسری جگہ ارشاد باری ہے: {وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد} ۔(ق:١٦)

(اور ہم اس کی رگ گردن (شہ رگ) سے بھی زیادہ تر اُس کے نزدیک ہیں)

رب تعالیٰ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور رب کی عطاء سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایمان والوں کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ جب صاحب ایمان نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنی جان سے بھی زیادہ قریب مان لیا تو اُس نے نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام حاضر و ناظر بھی مان لیا۔

شیخ الحدیث دیوبند حسین احمد مدنی اپنی کتاب ''الشہاب الثاقب'' میں لکھتے ہیں:

مگر ربط تام شرط است و بسبب ربط قلب شیخ لسان او ناطق می بود و بسوئے حق تعالیٰ را می کشاید او را محدث میکند۔۔۔۔۔۔ (الشہاب الثاقب، صفحہ نمبر 61 / امداد السلوک)

ترجمہ: مرید کو یہ جاننا چاہیے کہ پیر کا وجود ایک خاص جگہ کا پابند نہیں۔ جہاں کہیں مرید ہو۔ اگرچہ ظاہری طور پر شیخ دور ہے لیکن اُس کا باطنی تصرف مرید سے دور نہیں۔ جب اس بات کو اچھی طرح جان لے شیخ کو ہر وقت مدنظر رکھے اور دل کا تعلق پیدا ہو جائے ہر لمحے شیخ سے استفادہ کرے۔ جب مرید کسی بھی معاملے میں شیخ کی ضرورت محسوس کرے تو شیخ کو اپنے دل میں حاضر کرے اور حال کی زبان سے سوال کرے۔ اللہ کے فضل و کرم سے، اللہ کی اجازت سے شیخ اُس کے دل میں

بات ڈالے گا۔ مکمل رابطہ شیخ بنیادی شرط ہے اور شیخ سے مکمل رابطہ ہونے کی وجہ سے اُس کی زبان اُس مقصد پر چلنے لگے گی۔ اور پروردگار عالم کی طرف اُس کا راستہ کھل جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اُس کو محدث کردے گا یعنی درست رائے والا کردے گا۔

محدث کون ہے

تصور شیخ پر گفتگو کرتے ہوئے ''امداد السلوک'' کی یہ عبارت بیان ہوئی: حق تعالیٰ را می کشاید اورا محدث میکند۔ اور مصنف نے آگے یہ معنیٰ از خود بیان کیے: درست رائے بود۔ یہ ترجمہ ٹھیک نہیں ہے۔

حضرت مفکر اسلام مدظلہ العالی نے یہاں ارشاد فرمایا ''محدث کا یہ ترجمہ غلط ہے۔ میں نے اس کی پوری تحقیق کی ہے۔ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے محدث سے یہ مراد ہے کہ فرشتے اُس سے باتیں کرتے ہیں محدث اسم مفعول ہے۔ جس سے بات ہوتی ہے یہ وہ شخص ہے''۔

بخاری شریف میں حدیث ہے: **عن ابی ھریرۃ قال ''قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم لقد کان فیما قبلکم من الامم محدثون فان یک فی امتی احد فانہ عمر''** (بخاری شریف، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب عمر بن خطاب ابی حفص القرشی العدوی، حدیث نمبر 3689)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: تم سے پہلے بنی اسرائیل کی اُمتوں میں کچھ لوگ ایسے ہوا کرتے تھے کہ نبی نہیں ہوتے تھے اور اس کے باوجود فرشتے اُن سے کلام کیا کرتے تھے اور اگر میری امت میں کوئی ایسا شخص ہوسکتا ہے تو وہ حضرت عمر ہیں)

اُمت مسلمہ میں محدث حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ''الشہاب الثاقب'' کا مصنف مزید اپنی طرف سے یہ بات کرتا ہے جو رابطہ شیخ سے متعلق ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو تعلق ہے وہ رابطہ شیخ کی وجہ سے ہے۔ چونکہ اُن کا تعلق سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب سے بن گیا ہے اس لیے شیخ والی کیفیات اُن کو آنے لگی ہیں۔ جس طرح نبی پر وحی الٰہی آتی ہے اسی طرح اُن پر بھی فرشتوں کا نزول ہوسکتا ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ایک فرشتے کی صورت (Form) نہیں ہے بلکہ کبھی دل میں بات ڈالی جاتی ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **جبریل نفث فی روعی** (صحیح الترغیب، البانی، صفحہ نمبر 1702)

جس طرح صوفیا یہ کہا کرتے ہیں کہ اِلقا ہوا ہے۔ یہ بھی وحی کی ایک قسم ہے۔ یہ رابطے کی علامت ہے کہ اپنی کوئی سوچ نہ رہے۔ جو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی ہے ساری سوچ اُس کے تابع ہے۔

بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہ جانبازاں
بصد سامان رسوائی سر بازار می رقصم
اگرچہ قطرہ شبنم نہ پائید برسر خارے
منم آں قطرہ شبنم کہ نوک خار می رقصم

اگر قطرے کو نوک خار پہ بیٹھ کے خطبے دینے کی عادت نہیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیں تو بیٹھ کر دکھا دیں گے۔ یہ منزل جب مل جائے تو رابطہ شیخ کی تکمیل ہوتی ہے اور فیضان شروع ہو جاتا ہے۔

نعرہ حیدری

غیبی اعلانات فرشتے کی وجہ سے تقسیم ہوتے ہیں۔

اِزالَۃُ الخفَاعَنْ خِلافَۃُ الخَلفَاء جلد چہارم ماثر حیدر کرار مصنفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔ میں ہے

نادَمُنَادٍ لَافَتٰی اِلاَّعَلِی لاسَیفَ اِلاَّ ذُوْ الْفِقَار۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مولیٰ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم ساتھ ہیں۔ اُس وقت پکارنے والے نے کہا ''نعرہ حیدری''۔

بجنگ اُحد چوں نبی ماندہ تنہا
خدائش فرستادہ نادِ علی را

(مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ)

اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی کو کیوں نہیں پکارنا، ہم نے اُسے مشکل کشائی کی شان دے رکھی ہے۔

موافقات عمر رضی اللہ عنہ

کبھی کوئی کسی معاملہ میں نزاع پیدا ہوا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کوئی رائے دی لیکن پوری جماعت نے اس کے خلاف رائے دی۔

اللہ کی طرف سے وحی حضرت فاروق اعظم کے مطابق آ گئی، اِن آیات کو ''موافقات عمر'' کہا جاتا ہے۔ وحی الٰہی کا فاروق اعظم کی رائے سے موافقت کرنا دراصل رابطہ شیخ کا نتیجہ ہے۔ جب ایسا رابطہ ہو جائے تو اُس پر رب کی تجلیات کا فیضان ظاہر لگتا ہے۔

مقام ابراہیم جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے خانہ کعبہ شریف کی دیواروں کو بلند کیا اور

کعبہ کی تعمیر مکمل کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت علیہ الصلوٰۃ والسلام میں عرض کی کہ دل چاہتا کہ اس پتھر (مقام ابراہیم) پر سجدے کریں۔ صحابہ کی پوری جماعت نے کہا کہ مر کے پتھروں سے جان چھوٹی ہے اور پھر پتھروں کی طرف جانا چاہ رہے ہیں۔ حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ تم محض پتھر جان کر ایک ہی فتویٰ دے رہے ہو۔ پتھر کی جو تاریخ ہے اُسے دیکھو اس کے پس منظر (Back Ground) پر غور کرو۔ جن پتھروں سے رب کو ہم نے متنفر کیا ہے وہ آدمیوں کے اپنے تراشے ہوئے تھے۔ وہ بت تھے وہ عدو اللہ کے تھے اور یہ خلیل اللہ کا پتھر ہے۔ کعبہ شریف کے پتھروں کی طرف منہ کر کے عبادت کرتے ہو اس لیے پتھروں میں فرق کرو۔ اللہ تعالیٰ نے عمر کی بات کی حمایت کی اور فرمایا: {وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى}۔ اُس پتھر پر قیام وسجود کا حکم ہو گیا۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں مومن کافر منافق اور شریر قسم کے لوگ سبھی آتے تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کا بھی اِدھر اُدھر آنا جانا رہتا تھا۔ حضرت فاروق اعظم کو یہ گراں گزرا۔ عرض کی یارسول اللہ۔ امہات المومنین کو پردے کا حکم دیں کیونکہ ہمیں غیرت محسوس ہوتی ہے کہ کافر ومنافق اُن کی طرف دیکھتے ہیں۔ پردے کا حکم بھی ایسا وحشت ناک ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات نے سنا تو اُنہوں نے بھی احتجاج کر دیا کہ عمر کو کیا ہے کہ ہم پر پابندیاں عائد کرتا ہے۔ کچھ اور حضرات نے بھی یہی بات کہی لیکن رب تعالیٰ نے فرمایا جو عمر فاروق کہتا ہے وہ درست ہے اور پردے کے احکام نازل فرما دیئے۔

بدر کے قیدیوں کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشورہ کیا کہ ان کے بارے میں کیا کیا جائے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان سے فدیہ وصول کر کے ان کو آزاد کرنا چاہیے تاکہ مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر ہو سکے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے تاکہ یہ محسوس کریں کہ مسلمانوں نے ہمارے ساتھ مروت کی ہے اور یہ چیز ممکن ہے ان کے بعد میں مسلمان ہو جانے کا باعث ہو۔ مختلف آراء صحابہ رضوان اللہ علیہم کی طرف سے دی گئیں۔ فاروق اعظم نے رائے دی کہ ان کو مار ڈالو تاکہ ان کی سیاسی معاشی فوجی فطری قیادت ختم ہو جائے۔ آئندہ یہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کا سوچیں بھی نہ۔ عمل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے پر ہوا پیسے لے کر اُن کو آزاد کر دیا گیا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا کہ عمر کی تجویز ٹھیک تھی اور اُس پر عمل کرنا چاہیے تھا۔ اس طرح کی آیات قرآنی کو ''موافقات عمر'' کہتے ہیں اس کا پس منظر رابطہ شیخ ہے۔ جب یہ نقطہ تکمیل پر پہنچا تو وہ آسمانی وحی کا ترجمان بن گیا۔

{اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ} میں اولیٰ بمعنیٰ قریب ہے۔ الشہاب الثاقب، کلیاتِ امدادیہ، کرامات

امدادیہ، احیاالعلوم مصنفہ امام غزالی، مسک الختام از نواب صدیق حسن خان قنوجی میں یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔

اُمید ہے دعاؤں میں یاد رکھیں گے۔ یار زندہ صحبت باقی۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلاَّ الْبَلَاغُ الْمُبِيْنَ

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اجمعين

تئیسواں درس قرآن: ۲۸ دسمبر ۲۰۰۶ء

تصور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رابطہ شیخ

عنوان

☆.....درس قرآن کی فضیلت واہمیت

☆.....تلاوت قرآن اور تعلیم قرآن

☆.....نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین کے قریب ہیں

☆.....ندائے یارسول صلی اللہ علیک وا لک وسلم

☆.....تصور شیخ

☆.....محدث کی تعریف

☆.....حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی کرامت

☆.....رابطہ شیخ کے لیے خلوت

☆.....شیخ کی تلقین

تصور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رابطہ شیخ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

{النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ وَأُوْلُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ إِلَّا أَن تَفْعَلُوا إِلَى أَوْلِيَائِكُم مَّعْرُوفاً كَانَ ذَلِكَ فِيْ الْكِتَابِ مَسْطُوراً) (6وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِن نُّوحٍ وَإِبْرَاهِيْمَ وَمُوسَى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُم مِّيْثَاقاً غَلِيْظاً) (7لِيَسْأَلَ الصَّادِقِيْنَ عَن صِدْقِهِمْ وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَاباً أَلِيْما}۔(الاحزاب:٦۔٨)

حضرت جل جلالہٗ وعزاسمہ واتم برہانہ ارشاد فرماتے ہیں۔

نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات پاک مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ (اَولٰی بمعنیٰ اقرب۔ یہی معنیٰ ''تحذیر الناس'' میں مولوی قاسم نانوتوی صاحب نے لکھے ہیں)۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بیویاں اُن (مومنوں) کی مائیں لگتی ہیں اور رحموں والے اُن کے بعض بعض کے زیادہ قریب ہیں۔ اللہ کی کتاب میں۔ درآں حال کہ وہ ایمان رکھنے والے لوگوں میں سے ہیں اور ہجرت کرنے والوں میں سے ہیں۔ اور یہ کہ تم لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہو یہ بات اللہ کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔ وہ وقت آپ یاد کریں اے اللہ کے رسول جس وقت نبیوں سے ہم نے اُن کا وعدہ لیا اور آپ سے بھی وعدہ لیا اور نوح علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے وعدہ لیا۔ اور ہم نے اُن سے پختہ وعدہ لیا تاکہ سچے لوگوں سے اُن کی سچائی کے بارے میں پوچھا جائے اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہ فرمایا کہ ہم نے نبیوں سے وعدہ لیا تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نبیوں کی جماعت میں شامل (Include) ہیں لیکن پھر یہ فرمایا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وعدہ لیا اور باقی چار نبیوں کا نام لیا حالانکہ یہ پانچ نبیوں میں سے ہیں۔ اس سے مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ یہ پانچ اولوالعزم رسول ہیں۔ ساری مخلوق سے انبیاء افضل ہیں۔ یہ انبیاء علیہم السلام کی افضلیت کا عقیدہ ہے کہ سارے نبیوں میں رسول افضل ہیں۔ پھر رسولوں سے اولعزم رسول افضل ہیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات بابرکات اِن سارے رسولوں سے افضل ہے۔ دوسرے درجے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام افضل ہیں۔ تیسرے درجہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام افضل ہیں۔ اِن تین کے افضل ہونے پر اتفاق ہے۔ باقی کے متعلق اختلاف ہے کہ چوتھے درجے پر کون افضل ہے۔ بعض لوگوں نے فرشتوں کو نبیوں سے افضل بتایا ہے۔ لیکن اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء افضل ہیں۔

یہ آیات طیبات کا تحت اللفظ بمعہ بامحاورہ ترجمہ بیان کیا گیا۔

درس قرآن کی فضیلت واہمیت

قرآن مجید کا درس ساری عبادات پر بہت بڑی فوقیت رکھتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

یا اباذر علیک بتلاوۃ القرآن و ذکر اللّٰہ کثیراً فانہ ذکر لک فی السماء و نور لک فی الارض

(اے ابوذر! قرآن مجید کی تلاوت کو ضروری سمجھ اور باقاعدگی سے تلاوت کر کیونکہ یہ زمین میں تیرے لیے روشنی ہے اور آسمان میں تیرے لیے ذخیرہ ہے)۔

قرآن مجید کی خدمت کرنے والے لوگ عمر رسیدہ ہو جاتے ہیں لیکن اُن کے چہروں پر نورانیت ہوتی ہے جسے دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں شکایت ہوئی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وعلی آلک وسلم یہ صبح کے وقت ہمیں قرآن مجید سکھایا کرتے تھے اور مطالب قرآن سمجھایا کرتے تھے۔

قرآن مجید کے اندر جتنی احکام (Legal Aspects) پر بحث (Deal) کرنے والی آیات ہیں وہ تین سو ہیں اور یہ تعداد ایسی آیات کی تکرار کو حذف کر کے ہے۔ اہلِ حدیث کے نزدیک دوسو آیات ہیں جو احکام سے تعلق رکھتی ہیں۔ اسی طرح تین ہزار حدیث مبارکہ میں جن سے احکام کا استنباط کیا جاتا ہے اہلِ حدیث کے نزدیک ایسی احادیث دو ہزار ہیں۔ باقی آیات و احادیث میں عقائد اسما وصفات روایات اور حکامات بیان ہوتے ہیں۔ (اس کی تفصیل اصول الشاشی کے اندر ہے)

تلاوتِ قرآن اور تعلیم قرآن

حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ روزانہ قرآن مجید سکھایا کرتے تھے۔ یہ سکھانا تلاوت کے علاوہ ہے۔ قرآن کے معانی کو سمجھے بغیر پڑھنا یہ تلاوت ہے۔ تلاوت کے لیے ہونٹ اور زبان کا حرکت کرنا، مخارج وصفات کی جگہ زبان کا لگنا ضروری ہے۔

یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ کچھ لوگ نماز پڑھتے ہیں لیکن ہونٹ بند ہوتے زبان سے، ثناء، تعوذ وتسمیہ، سورۂ فاتحہ اور قرآن کا بقیہ حصہ جو نماز میں پڑھنا ضروری ہے، تسبیحات، تکبیرات اور تشہد وغیرہ حقیقتاً زبان سے نہیں پڑھتے اِن لوگوں کی نماز بالکل نہیں ہوتی کیونکہ وہ تلاوت نہیں کرتے۔

ایک عالم دین قرآن عظیم کی تفسیر مطالعہ کرتا ہے اور زبان سے قرآن نہیں پڑھتا اسی طرح سارے قرآن کی تفسیر مطالعہ کر دے اُس پر سجدہ تلاوت واجب نہیں ہوگا۔ سجدہ تلاوت اُس وقت ضروری ہے جب آیات سجدہ تلاوت کرے گا۔

تلاوت کی تعلیم ہونٹوں اور زبان کی حرکت سے ہے۔

حرف شفی چار باشد اے فہیم
با و فا وَا و میم

یہ چار حروف ہیں جو ہونٹوں سے ادا ہوتے ہیں۔

حروف حلقی چھ ہیں۔

حروف حلقی شش بود اے نور عین
حا و خاء ہمزہ ھا عین غین

(حروف حلقی چھ یہ ہیں ہمزہ ، ھا ، عین ، حا ، غ ، خا)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر! قرآن مجید کا پڑھنا میری اُمت کی سب سے افضل عبادت ہے۔

حدیث پاک ہے: (خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہ')۔(صحیح البخاری)

اس کے معنیٰ محض پڑھنا کے نہیں ہے۔سب سے اچھا وہ آدمی ہے جو قرآن کو سمجھے اور لوگوں کو سمجھائے۔یہ بات تلاوت کے بارے میں نہیں ہے بلکہ تعلیم کے بارے میں ہے۔تلاوت کا فہم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

جب عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ وہ اب قرآن مجید کی تعلیم کیوں نہیں دیتے تو اُنہوں نے جواب میں اپنا عذر پیش کیا یارسول اللہ! میں ساری رات نفل پڑھتا رہتا ہوں اور تھک جاتا ہوں اور پھر سو جاتا ہوں۔سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رات کو آرام سے سو جایا کرو اور فجر کی نماز کے ساتھ تین آیات پڑھ کر لوگوں کو سمجھایا کرو یہ ہزار رکعت نفل کے مقابلے میں زیادہ نفع بخش ہے اور قوم کے لیے فائدہ مند ہے۔قرآن مجید کے سمجھنے سمجھانے سے بفضل تعالیٰ پردے اُٹھتے ہیں اور ایمان میں ایک تازہ زندگی آجاتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین کے قریب ہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ ذات پاک ہے جو مومنین کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔قرآن مجید نے نبوت کو وجہ قرب قرار دیا ہے۔

فَاِنَّ التَرَتُّبَ الْحُکْمِ عَلَی الْوَصْفِ یُشْعِرُ بِعِلَّتِہٖ (تفسیر بیضاوی)

جب حکم کو کسی وصف پر لگایا جائے تو وصف اُس حکم کے لیے علت ہوتا ہے۔معنیٰ یہ ہے کہ حکم کا اطلاق اس وجہ سے

ہوا ہے کہ یہ صفت پائی گئی ہے۔

(حکم۔نحوی کہتے ہیں، خبر کا حکم مبتدا پر، مسند کا حکم مسند علیہ پر، محکوم بہٖ کا محکم علیہ پر، مخبر کا مخبر عنہ پر لگتا ہے۔اسے حکم کہتے ہیں)۔مثال کے طور پر کوئی پہلوان مکا مارے اور جس کو مارا ہے وہ ضعیف آدمی ہے اور اُس کے مارنے سے مر گیا ہے۔ مکا مارنے کی وجہ سے مار کھانے والا مرا ہے۔اس سے پتہ چلا کہ مکا مارنے والے کی شہ زوری، طاقت اور پہلوانی اُس کی موت کی وجہ ہے۔اور چوٹ لگتے ہی کمزور آدمی مر گیا۔اس سے چوٹ کا زور بتانا مراد نہیں۔ وہ شخص اتنا کمزور تھا کہ پہلوان کا مکا برداشت نہیں کر سکا یعنی اُس کا انتہائی ضعف موت کا سبب بنا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام مومنوں کے زیادہ قریب ہیں۔قرب کی وجہ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں۔نبوت سبب قرب ہے۔جب سے نبی ہیں، جب تک نبی ہیں، جہاں جہاں تک کے نبی ہیں جس دور میں نبی ہیں، وہ نبی ہو کر قریب ہیں۔

حدیث شریف میں ہے: **قالوا یارسول اللہ: متی وجبت لک النبوۃ قال وآدم بین الروح والجسد**

(یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ آپ نے فرمایا آدم روح اور جسم کے درمیان تھے) (جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب فی فضل النبی)

حضرت آدم علیہ السلام کا ابھی پیکر عنصری تیار نہیں ہوا تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی تھے۔نبوت کے تعلق سے یہ قرب اُسی وقت سے ہے۔پھر اس نبوت کا دائرہ صرف مکہ شریف مدینہ شریف نہیں بلکہ ساری کائنات ہے، قیامت تک نہیں قیامت کے بعد بھی ہے اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرب بھی قائم ہے۔جس جس کے سینے میں ایمان ہے اُس کے قریب ہے۔

پیلا منکا نیڑے کھڑیے لکھ اُس نوں اُٹھ ملتے
لعلاں نال نہ چھڑن اُٹھ کے راز نیارے دل دے

(حضرت عارف کھڑی رحمۃ اللہ علیہ)

ایمان شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہے۔ادھر جب تک نبوت ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب ہیں ادھر جب تک ایمان ہے وہ قریب ہیں ایمان والا مرنے کے بعد بھی ایمان ساتھ لے کر جاتا ہے۔قبر میں بھی ایمان دار ہے۔قیامت میں بھی ایمان دار ہے۔اس لیے اس دنیا میں پھر قبر میں حشر میں جنت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ایمان والے کے قریب ہے۔

میت (dead Body) کو قبر میں دفن کر دیتے ہیں۔ سب اپنے پرائے یہاں تک کہ ماں جیسی شفیق بھی چھوڑ کے آ جاتے ہیں۔

جیسے ہی قبر میں رکھ کے پیچھے ہٹتے ہیں تو فرشتے (منکر نکیر) آ جاتے ہیں اور میت سے سوال کرتے ہیں اِن کے ساتھ ہی نبی رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہو جاتے ہیں۔ (بخاری شریف، جلد اول)

صوفیاء کا مسلک ہے کہ روح ایک ایسا بدن لطیف ہے جو انسان کے بدن کے اندر ہو کر نفس کی بقا کا ذریعہ ہے۔ اُس کے اندر قلب ہے جس میں جان تسلیم ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس جان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ جان چھوڑ کے الگ ہو جاتی ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومن سے الگ نہیں ہو سکتے۔

جدوں خزاں نے باغ وچ بال کھولے
پنچھی اُڈ گئے مار اُڈاریاں نی
جہڑے کندے سن مراں گے نال تیرے
اج اُنہاں بھی بازیاں ہاریاں نی
محمد بوٹیا سارا جہاں جھوٹا
نبی پاک دیاں سچیاں یاریاں نی

(سائیں بوٹا۔ گجرات کا رہنے والا ایک پنجابی شاعر تھا)

نداء یارسول اللہ صلی اللہ علیک وَ آلکَ وسلم

صوفیاء میں رابطہ شیخ کا مطلب یہ ہے کہ جملہ عبادات میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مدنظر رہے۔ اور آپ عبادات میں موجود تسلیم کیے جائیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔ جو دور ہو اُس کے بارے میں یہ سوال اُٹھ سکتا ہے کہ اُسے ندا کریں یا نہ کریں، حاضر اور غائب سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے مسئلہ ٹھہرتا نہیں۔ کیونکہ آپ ہیں ہی قریب۔ جان دور ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریب ہیں۔

نماز میں التحیات سے لے کر ''عَبْدَہٗ وَ رَسُوْلُہٗ'' تک جو پڑھا جاتا ہے اسے تشہد کہتے ہیں۔ حدیث کے اندر تشہد کی کئی قسمیں آتی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک کہتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں تشہد پڑھی دوسرا کہتا

ہے میں نے یوں پڑھتے ہوئے سنا۔لیکن پہلے وقت میں اور طرح پڑھا ہے اُس کے بعد اُس سے کچھ مختلف پڑھا ہے۔اس طرح سب سے آخر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو پڑھنا ثابت ہوگا اُس پر عمل ہوگا کیونکہ یہ عمل پہلے عمل کا ناسخ ہے اور پہلے اعمال منسوخ ہیں۔

پورے عالم اسلام میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل کے مذاہب میں ایک ہی تشہد پڑھی جاتی ہے۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کے اندر یہی تشہد درج ہے۔ یہ تشہد حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی تشہد کہلاتی ہے۔

اس تشہد میں یہ الفاظ پڑھے جاتے ہیں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَاالنَّبِیُّ ''شرح جامی'' کے اندر ان قواعد کی بحث ہے۔یَا اور یَآیُّھَا کے ایک ہی معنیٰ ہیں اور حکم بھی ایک ہے۔جیسے اَللّٰھُمَّ اور یَااللہ کے ایک ہی معنیٰ ہیں یَا کو حذف کر کے ھُمَّ لگا دیا ہے۔یَآیُّھَا میں زیادہ قریب کے معنیٰ پائے جاتے ہیں۔

اَب مومن نماز کہیں بھی پڑھے امریکہ میں یورپ میں ایشاء میں جہاں بھی نماز ادا کرے تشہد میں یہ پڑھتا ہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ۔اے نبی پاک آپ پر سلام ہو۔مخاطب کے صیغے کے ساتھ سلام پیش کرتا ہے۔

عالمگیری جلد اوّل صفحہ ۷۲ یا ۷۵ میں یہ بحث کی گئی۔

آدمی کو چاہیے کہ جن معنوں کے لیے یہ لفظ بنائے گئے ہیں وہی معنیٰ مراد لے۔جیسا اپنی زبان میں کہتے ہیں یارسول اللہ! آپ پر سلام ہو اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں یہی بات عربی میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں: اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِاللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ۔ پہلے پڑھتے ہیں اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَ الصَّلٰوۃُ وَ الطَّیِّبَاتُ۔ اپنی اپنی اُمت کی جانی مالی عبادتیں لے کر اللہ کے حضور حاضر ہوا ہوں۔ یہ کلمات معراج کی رات سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہے تھے۔

یہ قصہ معراج کا ہے۔ ہمارے فقہا کہتے ہیں جیسا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

اس واقعے سے یہ مراد نہ لے کہ وہ کہانی دہرا رہا ہوں جو خدا اور رسول کے درمیان معراج کی رات گزری۔ بلکہ اپنی طرف سے یقین رکھے کہ میں خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام پڑھ رہا ہوں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر جان کر سلام پیش کرے۔

شامی ہمارے حنفی مذہب کی نامی کتاب ہے۔ جو حنفی ہے وہ اس کا انکار نہیں کرسکتا۔غیر مقلد،شیعہ اور رافضی نہیں

مانتے۔حضرت امام غزالی شافعی اپنی ''کتاب احیاء العلوم'' جلد اول صفحہ ۱۶۹ میں لکھتے ہیں

احضر فی قلبک النبی و شخص الکریم فقل السلام علیک ایھا النبی۔۔۔۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تصور (Photo) دِل میں حاضر کر کے نہایت ادب کے ساتھ گردن جھکا کر اور آنکھیں بند کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام پیش کر۔تیرا عقیدہ اس کی تصدیق کرے کہ تو جو کلمات کہہ رہا ہے وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچ رہے ہیں۔اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جواب میں زیادہ اچھے کلموں کے ساتھ وعلیکم السلام فرما رہے ہیں۔یعنی صرف موجود ہونا نہیں بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اپنے سلام کا جواب دینا بھی تسلیم کرے۔

نواب صدیق حسن خان صاحب قنوجی اپنی تصنیف ''**مسک الختام شرح بلوغ المرام**'' کے جلد اول، صفحہ 450 میں لکھتے ہیں۔

این خطاب سریان حقیقت محمدیہ است در زلائل موجودات و موجود مصلیان۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام مرکز نظر مومناں و مصلیان است در جمیع عبادات و خصوصًا در حالت صلوٰۃ

اس خطاب کی وجہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور تخلیق ہوا اور اُس سے کل کائنات پیدا ہوئی۔کائنات کے ذرے ذرے میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کا پرتو موجود ہے۔اس پرتو نور کی وجہ سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہیں حتیٰ کہ نمازیوں کے بدنوں (Bodies) میں نور مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود ہے۔نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام مومنوں کے مرکز نظر ہیں۔خاص کر عبادات میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر توجہ زیادہ ہو جائے گی اور عبادت زیادہ قبول ہوگی۔

تصور شیخ

اس موضوع پر دیوبندیوں کی کتب الشہاب الثاقب اور امداد السلوک کے حوالے سے تفصیل کے ساتھ اس سے پچھلے درسِ قرآن (درس نمبر ۲۲) میں بیان کیا گیا ہے۔یہاں مزید معلومات پیش کی جاتی ہیں۔

ایک حدیث مبارکہ ہے: ''**اَلشَّیْخُ فِی اُمَتِہٖ کَالنَّبِیِّ فِی اُمَّتِہٖ**'' (کشف المحجوب، حضرت علی بن عثمان ہجویری، صفحہ نمبر 93، کرمانوالہ بک شاپ، دربار مارکیٹ، لاہور/کتاب امداد السلوک)

۔ جو قواعد اور روابط اُمت میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے استفادے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں بالکل وہی ضابطے ایک پیر کے بارے میں مرید اختیار کرے گا اور پھر فیضان آئے گا وگرنہ فیضان نہیں ملے گا۔

الشہاب الثاقب مولوی حسین احمد صاحب مدنی کی تصنیف ہے۔ یہ مدرسہ دیوبند کے شیخ الحدیث تھے۔ یہ صاحب ٹانڈے میں پیدا ہوئے، وہیں مرے اور وہیں (ٹانڈہ) میں ہی اِن کی قبر ہے۔ لیکن مدنی کہلاتے ہیں جس وقت ترکیہ حکومت کا تختہ امریکہ نے الٹا تھا یہ اُس وقت امریکہ کے ساتھ شریک تھے۔ اس وجہ سے یہ مدنی کہلانے لگ گئے۔ زندگی کا زیادہ حصہ دیوبند مدرسے میں گزرا ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیوبندیوں کے وہابی ہونے کا فتویٰ دیا۔ تو مولوی حسین احمد صاحب نے جواب میں الشہاب الثاقب لکھی اور کہا کہ ہم وہابی نہیں ہیں۔ اس لیے کہ ہم وہابیہ کے عقیدے کے خلاف ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ وہابی تصور شیخ کے قائل نہیں۔ ہم تصور شیخ مانتے ہیں الشہاب الثاقب کے صفحہ ۵۷ پر امداد السلوک مصنفہ مولوی رشید احمد گنگوی کے حوالے سے تصور شیخ کے متعلق پوری عبارت پچھلے درس قرآن میں بیان کی گئی ہے۔

تصور شیخ مراقبے میں ہوتا ہے اسی طرح تمام عبادات میں بھی شیخ کا تصور ہوسکتا ہے۔ جیسا {**النبی اولی بالمومنین من انفسھم**} کی تفسیر میں یہ بات بیان ہوچکی کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مبارک تصور نماز اور تمام عبادات میں ہوسکتا ہے۔

حضرت سعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں نماز کی ادائیگی کے لیے جلدی چلے جاتے تھے۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ میں جلدی مسجد میں اس لیے آجاتا تھا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مصلے سے انتہائی قریب نماز پڑھنے کا موقع ملے۔ میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بالکل قریب ہوتا۔ جس وقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سجدہ فرماتے اور میں بھی سجدے میں ہوتا تھا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گیسوئے تابدار مصلے پر بکھر جاتے تھے اور آپ اُنہیں ہاتھوں سے کانوں کے پیچھے کرتے تھے۔ میں بحالت نماز اس مقدس اور پرکیف منظر سے بڑا لطف اُٹھاتا تھا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نماز میں اداؤں کو صحابہ رضوان اللہ علیہم نماز کی حالت میں دیکھتے تھے اور کیف محسوس کرتے تھے۔ یہ نماز میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تصور ہی تو ہے۔ نماز معراج شریف کا تحفہ ہے اور معراج کی امتیازی بات دیدار ہے۔ اس لیے نماز کے بارے میں ارشاد ہوا **اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ**۔ معراج اُس کی ہے جسے دیدار ہو۔ جسے نماز میں دیدار مصطفی ہوا اُسے نماز کے اصل معنیٰ حاصل ہوئے کہ نماز اُس کی معراج ہے۔

مولوی حسین احمد ''الشہاب الثاقب'' میں کہتے ہیں کہ پیر کی روح کسی خاص مکان میں بند نہیں۔ وہ کروڑوں جگہوں میں جاسکتی ہے اور اُسے ایک وقت میں کئی مقامات پر موجود ہونے میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔ اگر چہ مرید جسمانی طور پر پیر سے دور ہے مگر روحانی طور پر دور نہیں ہے۔

مرداں نوں کوئی یاد کرینداں اوکھے سوکھے ویلے
مرد ونگارے کدی نہ ہارے وانگ شیر بریلے

(حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

جب شیخ کو ہر وقت مدنظر رکھے گا تو دل کا تعلق پیدا ہو جائے گا۔ اور پیر سے استفادہ ہوتا رہے گا۔ جس وقت مرید کو اپنے پیر کی مدد کی ضرورت ہو اُس وقت وہ آنکھیں بند کرلے اور دل کے اندر شیخ کو حاضر کرے اور رابطہ کر کے زبان حال سے سوال کرے تو اللہ کو منظور ہو اور روح شیخ اُس کے دل میں یہ بات ڈال دے گی کہ یہ کام کرو۔ اس طرح مسئلہ حل ہو جائے گا۔

محدث کی تعریف

محدث کسے کہتے ہیں اس سے متعلق بھی گزشتہ درس قرآن (بائیسویں ۲۲ درس) میں گفتگو ہوئی ہے۔

بخاری اور دیگر کتب صحاح میں حدیث پاک ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر میری اُمت میں کوئی محدث ہے تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہے۔ علم حدیث کے ماہر کو محدث کہا جاتا ہے۔ لیکن یہاں محدث کا یہ مطلب نہیں۔ یہاں محدث کا معنیٰ یہ ہے کہ جس سے فرشتے باتیں کرتے ہیں اور پھر وہ فرشتوں کے مطابق باتیں کرتا ہے۔ فرشتے اُس پر منتہائے الٰہی کا اظہار کرتے ہیں۔ اللہ کی طرف سے جو اطلاع ہے اُس کا نام حدیث ہے جس کو بتائی جاتی ہے وہ محدث ہے۔ یعنی اُسے رب کی طرف سے پیغام آتا ہے۔

نبیاں نوں رب ولوں آندے سکھ سلام سہنے
وحی نہ محرم میراں تائیں دسے راز اجیہے

(میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

قرآن مجید کے اصول میں یہ بات موجود ہے کہ قرآن کی بعض آیات موافقات (موفقات بھی پڑھ سکتے ہیں) عمر رضی اللہ عنہ کہلاتی ہیں۔ موفقاتِ عمر کی وجہ رابطہ شیخ ہے۔

دیوبندی حضرات کا رابطہ شیخ سے متعلق نظریہ واضح ہو گیا۔ اب اس پر اُن کے عمل دیکھ لیتے ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی کرامت

دیوبند کی تاریخ میں سب سے اچھا لکھنے والے اُن کے معتبر عالم مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ہیں۔ اُنہوں نے کرامات امدادیہ تصنیف کی ہے۔ اس میں اُنہوں نے دیوبندیوں کے بڑے بڑے علماء کے پیر جناب حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی کرامات قلمبند کی ہیں۔ کرامات امدادیہ کا حصہ نمبر ۴ ۱۴۴ صفحہ ۳۴ (حضرت قبلہ عالم مفکر اسلام دُامت برکاتہم العالی کے پاس جوایڈیشن ہے اُس کا یہ صفحہ ہے) میں رابطہ شیخ کے ضمن میں ایک کرامت لکھی ہے۔

حضرت مولانا شیخ محمد صاحب قدس سرہ نے ارشاد فرمایا ہم جہاز میں سوار ہوکر حج کو چلے۔ جہاز ہمارا گردش طوفان میں آ گیا اور چار پانچ روز تک گردش میں رہا۔ محافظان جہاز نے بہت تدبیریں کیں کوئی کارگر نہ ہوئی۔ آخر کار جہاز ڈوبنے لگا۔ ناخدا نے پکار کر کہا لوگو! اب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو یہ دعا کا وقت ہے۔ میں اُس وقت مراقب ہوکر ایک طرف بیٹھ گیا۔ ایک حالت طاری ہوئی۔ معلوم ہوا اُس جہاز کے ایک گوشے کو حافظ محمد ضامن صاحب اور دوسرے کو حاجی صاحب اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے اوپر کو اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اور اٹھا کر اوپر پانی پر سیدھا کر دیا اور جہاز چلنے لگا تمام لوگ بہت خوش ہوئے اور جہاز کی سلامتی کا چرچا ہوا۔ میں نے وہ وقت اور دِن اور تاریخ اور مہینہ کتاب پر لکھ لیا اور بعد حج و زیارت اور کئی مناظر سفر کے تھانہ میں آ کر اُس لکھے ہوئے کو دیکھا اور دریافت کیا۔ اس وقت ایک طالب علم قدرت علی ساکن ایندری ملک پنجاب مرید و خادم حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر تھا۔ حاجی صاحب حجرے سے باہر تشریف لائے اور اپنی لنگی بھیگی ہوئی مجھ کو دی اور فرمایا کہ اس کو کنویں کے پانی سے دھو کر صاف کر لو۔ اس لنگی کو جو سونگھا اُس میں سے دریائے شور کی بو اور چکناپن معلوم ہوا۔ اُس کے بعد حافظ ضامن صاحب اپنے حجرے سے برآمد ہوئے اور اپنی لنگی دی اس میں بھی یہی اثر دریا کا معلوم ہوتا تھا۔

کرامات امدادیہ کی یہ پوری عبارت من عن لکھی گئی ہے۔ اس کرامت سے یہ معلوم ہوا کہ مصائب و مشکلات میں اپنے پیر سے رابطہ کرنا اور مدد چاہنا شرک نہیں بلکہ حق ہے۔ اگر حاجی امداد اللہ صاحب کو مصیبت میں بلانا درست ہے تو پھر دستگیر عالی جناب پیران پیر رضی اللہ عنہ، حضرت خواجہ غریب نواز سلطان الہند سرکار کو بلانا کیوں شرک ہوگا۔

اس مسئلے پر ایک اور بات بھی بیان کرتے چلے جائیں۔ کلیات امدادیہ کے نام سے حاجی امداد اللہ صاحب کا کلام ہے (یہ کتاب حضرت قبلہ عالم دُامت برکاتہم العالی کے پاس ہے) اس میں وہ اپنے پیر حافظ نور محمد جھنجھانوی سے رابطہ کرتے ہیں۔ ہندوستان میں ایک جگہ جھنجھانہ ہے پیر وہاں رہتے ہیں اور مرید تھانہ بھون میں ہے۔ اتنی دوری سے حاجی صاحب اپنے

پیرومرشد حافظ نور محمد صاحب کو مخاطب کر کے پڑھتے ہیں۔

یا شہ نور محمد وقت ہے امداد کا
آسرا دینا میں ہے از بس تمہاری ذات کا
بلکہ دن محشر کے بھی جب آپ قاضی ہو خدا
آپ کا دامن پکڑ کر یوں کہوں گا برملا
یا شہ نور محمد وقت ہے امداد کا
آسرا دنیا میں ہے از بس تمہاری ذات کا

اب مصیبت کے وقت دیوبندیوں کے پیر صاحب مدد کے لیے پہنچ سکتے ہیں ڈوبتے جہاز کو سہارا دے سکتے ہیں اور اُسے کنارے لگا سکتے ہیں تو غوث الاعظم رضی اللہ عنہ جو سارے پیروں کے پیر ہیں وہ کیوں نہیں مدد کے لیے پہنچ سکتے۔ غوث اعظم پیران پیر دستگیر خود اپنے مرید کو ڈھارس دیتے ہیں۔

مریدی لاتخف واشٍ فَاِنّي
عَزُومٌ قَاتِلٌ عِندَ الْقِتَالِی

(قصیدہ غوثیہ شریف)

جن لوگوں نے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ اپنی عاقبت کا علم ہے نہ دیوار کے پیچھے حضور جانتے ہیں (براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد دیوبندی) اہل دیوبند کے بزرگوں کی کرامت یہ ثابت کر رہی ہے کہ اُن کے صوفی صاحب کو بحری جہاز کے اندر بیٹھے ہوئے یہ علم ہو گیا کہ اُن کے پیر جناب حاجی امداد اللہ صاحب اور حافظ محمد ضامن صاحب جہاز کو بچانے کے لیے آ گئے ہیں۔ یہ کرامت بھی اپنی نوعیت سے بڑی خاص ہے کہ دو آدمیوں نے مل کر یہ کرامت دکھائی ہے کہ جہاز کو پانی کی سطح پر سیدھا کر دیا۔ جبکہ حضور غوالاعظم رضی اللہ عنہ نے تنہا ڈوبے ہوئے بیڑے کو سطح سمندر پر تیرا دیا۔

رابطہ شیخ کے بارے میں بات ہوتی چلی آ رہی ہے۔ رابطہ (Connection) کرنے میں ایک چراغ سے چراغ روشن کرنے میں چراغ کو چراغ سے لگانا پڑتا ہے اس سے پہلے چراغ کی روشنی میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح شیخ سے فیضان لینے اور استفادہ کرنے میں شیخ کی صلاحیت (Capacity) میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

رابطہ شیخ، حاجی امداد اللہ صاحب کی کرامت اور اُن کے کلام پر غور کریں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حاضر و

ناظر ہونے کا مسئلہ بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

رابطہ شیخ کے لیے خلوت

پیر سے خلوت ضروری ہے۔تنہائی میں آنکھیں بند کر کے ذکر کرنا قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:(کُنْتُ نَبِیاوَّ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَ الطِّیْنَ)۔

پیدائش کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت تھی۔لیکن اُس کا ظہور پہلے نہیں ہوا۔

جس عالم میں ہم رہتے ہیں یہ نچلے سے نچلا عالم ہے اس کا نام عالم ناسوت ہے۔اس سے اوپر عالم جبروت ہے اس کے اوپر عالم ملکوت ہے،اس کے اوپر عالم ہاہوت ہے۔

عالم ناسوت جو سب سے زیادہ کثیف (Thick) ہے اس میں روحانیت نفوذ (Penetrate) نہیں کرتی۔اس سے آر پار ہونے کے لیے ذکر الٰہی کا رندہ چلانا پڑتا ہے۔سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عالم ناسوت میں جو ناسوت کے پردے پڑے ہوئے تھے ان کو دور کرنے کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غار حرا میں جانا پڑا۔وہاں تنہائی میں اللہ اللہ کرتے رہے۔

بہت سارے غیبی علم اللہ تعالیٰ چھوٹے بچوں،مجنونوں اور جانوروں کو عطاء فرماتا ہے۔ماں کے پیٹ میں بچے نے تنہائی کا جو چلہ کاٹا ہوتا ہے اُس کی وجہ سے ان کی روحانیت پالش ہوگئی ہوتی ہے اس لیے اُن کو غیبی علوم حاصل ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ جو انسان چالیس دن اور چالیس صبحیں اخلاص عبادت کے ساتھ مکمل کرے اس کے سینے کے اندر اللہ تعالیٰ نور حکمت روشن کرتا ہے جو اُس کی زبان سے چھلکنے لگتا ہے۔

اس چلے کی اصل یہ ہے کہ چالیس دن تنہا دائم الوضو رہنا،روزہ رکھنا ذکر الٰہی کرنا،سوسائٹی سے جدا رہنا،آنکھوں پر پٹی باندھ لینا،چادر سے اپنے آپ کو لپیٹ لینا تا کہ دنیا مافیہا سے بے خبر ہو جائے اور صرف اپنے رب سے لو لگا لے تو اُس کے اندر کی آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔مولیٰ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کا ارشاد ہے کہ بندہ خواب میں وہ باتیں دیکھتا ہے جو ظاہری کھلی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔کیونکہ جب آنکھیں کھلی ہوں تو حواس خمسہ ظاہری مصروف ہوتے ہیں ایسی صورت میں حواس خمسہ باطنی خاموش ہوتے ہیں۔جب ظاہری حواس کو بند کر لیا جائے تو باطنی حواس کھل جاتے ہیں۔چلہ کشی میں ظاہری

حواس بند کرنے کی مشق ہوتی ہے۔

وہ خواتین جن کا بدن ہر ماہ ناپاک ہوتا ہے اُن کے لیے چلہ کشی میں دِقت ہوتی ہے۔لیکن اس کے باوجود چلہ مکمل کرسکتی ہے۔وہ ناپاکی کے ایام گزار کر وہیں آگے سے چلہ جاری (Continue) کرسکتی ہیں۔اوراس طرح چلہ مکمل ہونے پر اُنہیں پورا فائدہ پہنچ جاتا ہے۔صرف مرد ہی ولی اللہ نہیں ہوتے ،عورتیں بھی اخلاص نیت کے ساتھ محنت کرکے درجہ ولایت پاسکتی ہیں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک پوری کتاب لکھی ہے اس میں اغواث، اقطاب، اوتاد، ابدال، نجبا اور اولیاء اللہ کے مختلف درجوں (Ranks) کے متعلق بیان کیا ہے۔ چالیس سے لے کر اڑتالیس تک ابدال ہوتے ہیں اتنی ہی تعداد میں عورتیں ابدال ہوتی ہیں جس طرح مرد دنیا میں چل پھر کر دنیا میں انسانیت کو خدا سے آشنا کر رہے ہیں اسی طرح ہماری بہنیں اور بیٹیاں بھی یہ پاکیزہ کردار ادا کرسکتی ہیں۔

شیخ کی تلقین

شیخ اپنے مرید کو طریقت کے جو سبق دیتا ہے اُسے تلقین کہتے ہیں اگر کوئی مرید (مرد یا عورت) اپنے پیر سے تلقین لیتا ہے جس کی بیعت کی ہوئی ہے تو یہ زیادہ اچھا ہے لیکن ایسا بھی ممکن ہے کہ بیعت کسی اور شیخ سے ہو اور تلقین کسی دوسرے اللہ والے سے لے تو یہ بھی صحیح ہے لیکن پیر اُسی کو سمجھنا ہے جس سے بیعت کی ہوئی ہے جس کی بیعت کی ہوئی ہو اُس کے بارے میں یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ صحیح معنوں میں اللہ کا بندہ ہے۔اگر نہیں تو پھر اُس کے ساتھ بیعت فاسد ہے۔جس آدمی نے اپنا نسب تبدیل کیا ہو مثلاً سیّد کہلاتا ہو اور حقیقت میں سیّد نہ ہو اُس کی بیعت نہیں کی جاسکتی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عن ابی ذر، سمع النبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہٖ وسلم یقول: ”لیس من رجل ادعی لغیر ابیہ وھو یعلمہ الا کفر و من ادعی قوما لیس لہ فیھم فلیتبوا مقعدہ من النار“

(بخاری شریف، حدیث نمبر 3508 /مسلم شریف، حدیث نمبر 61)

(حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے ”جس شخص نے بھی جان بوجھ کر اپنے باپ کے سوا کسی اور کو اپنا باپ بنایا تو اُس نے کفر کیا اور جس شخص نے بھی اپنا نسب کسی ایسی قوم سے ملایا جس سے اُس کا کوئی نسبی تعلق نہیں ہے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے“

جس آدمی کو پتہ ہو کہ میں فلاں کا بیٹا ہوں لیکن کسی شہرت، ضد، ڈر وغیرہ کی غرض سے اپنے آپ کسی اور کی طرف منسوب کرے اُس نے اپنی والدہ کی پاکدامنی پر حملہ کیا ہے۔ ایسے پر جنت کی بو تک حرام ہے۔

پیر اسے ماننا چاہیے جو حلال و حرام اور نیکی و بدی میں فرق کرتا ہو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قائم کردہ حدود کو سمجھتا ہو اور مدنظر رکھتا ہو۔ اگر شیخ صحیح بندہ خدا ہے تو مرید کی زندگی اُس کے سامنے اس طرح ہوئی چاہیے جس طرح میت غسال کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا۔ عام طور پر مشہور ہے کہ یہ حضرت خواجہ جنید بغدادی کا قول ہے۔ لیکن یہ ثابت ہوا ہے کہ یہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پاک ہے جیسا کہ محدثین نے کہا ہے۔

موتوا قبل اَن تموتوا والا سبق صحیح جس پڑھیا
اس میدان محمد بخشا سر دتا پڑ کھڑیا
(حضرت عارف کھڑی رحمۃ اللہ علیہ)

حدیث: **من اراد ان ینظر الی میت یمشی علی وجہ الارض فلینظر علی ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ** (کتاب العھو دالمواثیق، امام شعرانی، صفحہ نمبر 887)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو دیکھنا چاہتا ہے کہ مردہ زمین پر چل رہا ہے وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دیکھے۔ حالانکہ صدیق اکبر زندہ ہیں چل پھر رہے ہیں لیکن اُن کی اپنی کوئی ذاتی آرزو نہیں۔ اپنی سوچ کے راستے بند کر لیے۔ ابوبکر صدیق کی پسند وہی ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پسند ہے اور جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناپسند ہے اُس کے بارے میں یہ غور ہی نہیں کرنا کہ کیوں ناپسند ہے۔ یہ شیخ کے سامنے رہنے کی صورت حال ہے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے سامنے چل پھر رہے ہیں لیکن فرمایا دوستو! اُس آدمی کو دیکھو جو شہید ہو چکا ہے۔ اس نے شہادت کا نذرانہ مانگا تھا شہادت اس کی ہو چکی ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ بارگاہ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اُن کی کوئی سوچ، ارادہ، مرضی نہیں ہے اس لیے فرمایا یہ شہید ہو چکا ہوا ہے۔

بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جا رہی ہے اچانک حکم ہوا:

{فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ}۔ (البقرہ: ۱۵۰)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں بلا حیل حجت پیچھے پھر گئے۔ اگر اُن کے اپنے ارادے کی کوئی قیمت ہوتی تو ضرور سوچتے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو بیچ چکے ہیں ''موتوا قبل ان تموتوا'' والا حال ہے۔

{اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ} کی تفسیر میں تصور رسول اور رابطہ شیخ کی اہمیت پر گفتگو کی گئی۔ آج کا سبق اسی پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اللہ ہمارا خاتمہ سچے دین پر فرمائے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِیْنَ

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

چوبیسواں درس قرآن: ۲۶ فروری ۲۰۰۷ء

غزوہ احزاب (خندق) کے حوالے سے منافقین کا گھناؤنا کردار

عنوان

☆.....مدینہ شریف کا دفاع

☆.....خندق کی تیاری حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیبی خبر

☆.....بیٹا باپ کی ملکیت ہے

☆.....اس دور میں منافقین کا ورثہ

☆.....زبانِ مصطفی سے نکلی جو بات پوری ہوکر رہی

☆.....اہل حق کی جرات ومردانگی

☆.....خوئے بدرا بہانہ بسیار

غزوہ احزاب (خندق) کے حوالے سے منافقین کا گھناؤنا کردار

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

{وَإِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ إِلَّا غُرُوراً) (12وَإِذْ قَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَاراً) (13وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَا إِلَّا يَسِيراً) (14وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ مِن قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْؤُولاً) (15قُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذاً لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلاً) (16قُلْ مَن ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم مِّنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءاً أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَلَا

يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيّاً وَلَا نَصِيراً) (17قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلاً) (18أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَإِذَا جَاء الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُم بِأَلْسِنَةٍ حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ أُوْلَئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيراً}۔(احزاب:۱۲۔۱۹)

اللہ جل جلالہٗ وعزاسمہ واتم برہانہ ارشاد فرماتے ہیں۔

یادکر پیارے (محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جس وقت کہ منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی کہہ رہے تھے اللہ اور اُس کے رسول نے جو ہم سے وعدہ کیا ہے وہ محض دھوکا تھا۔ وہ وقت بھی پیارے یادکر وجس وقت ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ اے یثرب (بنجر غیر ممکن کے رہنے والو) والو۔ آج تمہارے ٹھہرنے اور مقابلے کا کوئی امکان (Chance) نہیں۔ گھروں کو واپس لوٹ چلو (حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل مدینہ طیبہ کا نام یثرب تھا۔ فقہا نے لکھا ہے کہ مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا مکروہ تحریمہ ہے۔ ہر وہ کلمہ جس میں سوءِ ادب کی بو آتی ہو حقارت، مذمت یا طنز کا معنیٰ نکلتا ہو اُس کو نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت سے کبھی بھی استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یہ منافقین کی زبان ہے جو مدینہ طیبہ کو پرانے نام سے یاد کرتے تھے)۔ اُن میں سے ایک جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگ رہی تھی۔ کہہ رہے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں۔ قرآن پاک نے عَوْرَہ کا لفظ استعمال کیا۔ اُن کی کچھ مراد نہیں تھی سوائے بھاگ جانے کے۔ (اِسْتَاْذَنَ یَسْتَاْذِنُ، اِسْتِذْاَنٌ کے معنیٰ اجازت مانگنا ہے)

اگر اُن پر مدینہ طیبہ کے گرد و نواح سے حملہ کر دیا جائے پھر اُن سے فتنہ (یہاں فتنہ سے مراد لڑائی میں شریک ہونا یا شرک کا کرنا مراد ہے) کی درخواست کی جائے کہ ہمارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے لڑو تو وہ ضرور اس میں کود پڑیں گے اور اُس میں بس نام کی دیر کریں گے۔

(لَاتَوْھَا کا لفظ استعمال ہوا یہ قرأت عشرہ میں سے ایک قرأت ہے۔ قرآن مجید کی مشہور قرائتیں قرأتِ سبع ہیں۔ قراۃ شاذہ دس قرائتیں ہیں اواشذ چودہ قرائتیں ہیں)

حالانکہ اس سے پیشتر اُنہوں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ میدان کارزار میں کبھی پیٹھ نہیں دکھائیں گے اور اللہ کا وعدہ پوچھا جانے کا ہے (یعنی دیر یا سویر سے وعدے کے بارے میں Accountability ہوگی) تم کہہ دو کہ بھاگ جانا ہرگز تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔ چند ساعتوں کی بات ہے کہ پہلے مر گئے یا بعد میں مر گئے۔ یہ دونوں باتیں ایسی ہیں کہ اس

سے بچنا ممکن نہیں۔

اے میرے محبوب فرما دیجئے کون ہے وہ جو تمہیں اللہ سے بچائے گا اگر پروردگار تمہارے بارے میں کسی برائی کا ارادہ فرمائے اور اگر وہ غضب کرنے کا ارادہ کرے تو تمہیں رحمت سے کون بچائے گا۔ اور اللہ کو چھوڑ کر کوئی بھی مددگار اور حامی نہیں پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ بہت خوبی سے جانتا ہے تم میں سے اُن لوگوں کو جو روکنے والے ہیں (یعنی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفا اور حمایت سے روکنے والے ہیں) اور جو اپنے بھائیوں سے یہ کہنے والے ہیں کہ تم ہمارے پاس آ جاؤ لڑائی میں شرکت نہ کرو اور اگر وہ لڑائی میں آئیں بھی تو بس صرف نام ہی کو شامل ہوں گے۔ درآنحال کہ وہ تمہارے بارے میں بڑے کنجوس ہیں شیخیخ کی جمع ہے اَشَحَّۃً اس کے دو معنیٰ ہیں کنجوس اور حریص)

جس وقت خوف آ جائے تو آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ کی طرف اس طرح دیکھتے ہیں کہ اُن کی آنکھیں چکرا رہی ہوتی ہیں کہ جس طرح کسی شخص پر موت طاری ہوتی ہے۔ جب خوف چلا جائے گا تو وہ بڑی تیز زبانوں کے ساتھ تم سے چپک جائیں گے درآنحال کہ وہ مال کے بڑے حریص ہیں (اس جگہ خیر کے معنیٰ مال ہیں) اصل میں یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں ہیں۔ اس لیے اللہ نے اُن کے اعمال ضائع کر دیئے ہیں (یعنی قبولِ عمل کا دارومدار صحتِ عقیدہ پر ہے) یہ بات اللہ کے لیے بڑی آسان ہے۔ وہ یہ گمان کر بیٹھے ہیں کہ یہ لشکر کبھی جائیں گے نہیں اور اگر یہ لشکر آ جائیں تو چاہیں گے کاش وہ کہیں صحراؤں میں چل کے آباد ہو جائیں اور تمہاری خبریں لوگوں سے دریافت کریں کہ تم پر کیا بیتی ہے۔ (یعنی یہ وہاں خود محفوظ رہیں اور ان کی بربادی کا انتظار کریں) اگر وہ بالفرض تمہارے اندر بھی ہوتے تو نام ہی کو لڑتے اس کے سوا اُن کا کچھ کام نہ ہوتا۔

یہ اِن آیات طیبات کا تحت اللفظ ترجمہ ہے جو بیان ہوا۔

یہ سورۂ احزاب کی آیات ہیں۔ اس سورت کے شان نزول سے متعلق پچھلے ایک درس میں (اکیسواں درسِ قرآن ہے) تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

مدینہ شریف کا دفاع خندق کی تیاری

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ {وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا}۔

اس آیت میں ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ مگر کفار مکہ اور مکہ کے گرد و نواح کے سارے قبائل (قبیلہ غفان، وادی قراء وغیرہ) سب حلیف ہو گئے اور اس ساری دنیائے کفر نے مل کر مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا کہ مل کر مسلمانوں کا

وجود مٹا دیا جائے۔ اور اسلام کا نام تک باقی نہ رہے۔ مدینہ طیبہ معاشی طور پر ایک خوشحال بستی تھی۔ وہ قبائل یہ سوچ رہے تھے کہ یہ موقع ہے کہ اس زرخیز علاقے کو قابو میں کرلیا جائے اتنی مخلوق اکٹھی ہوگئی ہے۔ اگر ساری آبادی کو تقسیم کیا جائے اور ایک آدمی کو دس آدمی بھی چاہیں ہوں تو اُس سے بھی زیادہ ان کا تناسب (Ratio) بنتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین اس پر غور وفکر کر رہے تھے کہ کفر کے اس متحدہ محاذ سے مدینہ شریف کا دفاع کیسے کیا جائے۔ یہ واقعات پانچویں سال ہجرت کے ہیں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اس موقع پر حاضر خدمت ہوئے یہ فارس کے رہنے والے تھے۔ شاہ فارس نوشیرواں کے سب سے بڑے بیٹے ہرمز کی اولاد میں سے تھے۔

حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے ''بوستان سعدی'' میں ہرمز کا ذکر کیا ہے

شنیدم کہ در وقت نزع رواں
بہ ہرمز چنیں بگفت نوشیرواں

نوشیرواں نے مرتے وقت اپنے بیٹے ہرمز کو جو نصیحتیں کی تھیں حضرت سعدی نے اُن کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت سلمان فارسی ایران کے شاہی خاندان (Persian Expire) سے تعلق رکھتے تھے۔ ساسانی، خسانی، سامانی یہ تقریباً تین ہزار برس کا عرصہ (Period) ہے، شرق الاوسط اور سارے ایشیاء پر حکومت کی تھی۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سچے دین کی تلاش میں مارے مارے بھرے۔ لوگوں نے اُن کی نادانستگی کا فائدہ اُٹھایا اور اُنہیں غلام بنالیا۔ بکتے بکاتے وہ مدینہ شریف پہنچ گئے۔ یہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے اور اُنہیں اطمینان ہوا کہ جس سچائی اور حقانیت کی اُنہیں تلاش رہی ہے وہ یہاں ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہوگئے اس وقت حضرت سلمان فارسی کی عمر سوا دو سو برس سے زیادہ تھی۔ اور فنون حرب کے بارے میں اپنے بزرگوں سے بھی سن رکھا تھا۔

اپنے جنگی تجربات کی روشنی میں آپ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنا مشورہ پیش کیا۔ کہ اگر دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہو اور اپنی تعداد کم ہو تو ایسی صورت میں اپنی ریاست کے دفاع کے لیے شہر کے گرد اگرد خندق کھود لی جاتی ہے۔ خندق کو گھوڑا، اونٹ ہاتھی وغیرہ پھلانگ نہیں سکتے۔ آدمی بھی اُسے عبور نہیں کرسکتا۔ خندق کے پار رہ کر تیر کا وار کرنا ہی ممکن ہے۔ کسی دیوار یا ٹیلے کے ذریعے تیروں سے اپنا بچاؤ کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے مدینہ شریف کے اُس حصے میں

خندق کھودنی چاہیے جدھر سے آسانی کے ساتھ آیا جایا جاسکتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی یہ تجویز پسند کی گئی اور مدینہ شریف کے گرد خندق کھودنے کا فیصلہ کیا گیا۔ چالیس گز لمبائی کی خندق کھودنے کا کام دس آدمیوں کے ذمے قرار پایا۔

مدینہ شریف کی زمین پتھریلی ہے اور ایک گہری اور وسیع خندق کھودنا ایک بہت مشکل اور بھاری کام تھا۔ مگر نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یاران باوفا نے بخوشی اس ذمہ داری کو قبول کیا۔ یہ خندق مدینہ شریف کے شمالی جانب کھودی گئی تھی۔ مشرقی جانب کالے پتھر بچھے ہیں کہ جیسے کسی نے خود ہاتھوں سے لگائے ہیں یہ پہاڑی حصہ ہے لیکن پہاڑ زیادہ اونچا نہیں ہے۔ یہ پتھر نوکیلے ہیں اور اس جگہ سے بکری کا گزرنا بھی مشکل ہے۔ اونٹ اور گھوڑے کے چلنے کا تو سوچا بھی نہیں جاسکتا۔ یہاں کسی طرح کا سبزہ نہیں ہے۔ مدینہ شریف کا یہ حصہ قلعہ نما ہے۔ مغربی جانب جبل سلح ہے (یہاں کے پتھر سے سلیٹیں بنائی جاتی ہیں جن پر بچے لکھتے ہیں) یہ پتھر بہت چکنا ہے۔ یہاں چلنے والے کا پاؤں نہیں جم سکتا ہے حتیٰ کہ بکری ایسی جگہ نہیں جاسکتی۔ بکری کی مثال اس لیے بیان کی جارہی ہے۔ کہ جہاں آدمی گھوڑا اونٹ وغیرہ نہیں چل سکتے لیکن بکری کی قسم کا جانور وہاں چلا جاتا ہے۔ یہ ایسی جگہیں ہیں کہ یہاں بکری بھی نہیں چڑھ سکتی۔ مدینہ شریف تینوں اطراف سے یوٹرن (U turn) تھا ایک شمالی جانب ہے جس طرف کوہ احد ہے۔ اس طرف خالی زمین تھی اور کھیت تھے۔ اس علاقے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہل جوتا ہے۔ یہاں بھی زمین کٹی پھٹی عربی میں اسے جُرُف کہتے ہیں (ہمارے ہاں پٹواریوں کی زبان میں جُرُف کو کھور کہتے ہیں یعنی ٹوٹی پھوٹی زمین)۔ ہل جوتنا کاشتکاری کرنا ایک برکت والا کام ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی کھیتی باڑی کی ہے۔ لہذا رزق حلال کمانے کے لیے محنت مزدوری کرنا عبادت اور یہ نبیوں کی سنت ہے۔

جب خندق کھودنے کا کام شروع ہوا سب صحابہ رضی اللہ عنہم نے جوڑا جوڑا بن کر کھودنے لگے۔ آپ کو کسی نے جوڑا نہ بنایا۔ حضرت سلمان فارسی نے اس بات کی محسوس کیا کہ میں اِن سب کی برادری میں سے نہیں ہوں اس لیے کسی نے مجھے اپنے ساتھ جوڑا بنانا پسند نہیں کیا وہ ایک طرف ہو کر رونے لگے۔

موتی سمجھ کے چن لیے شان کریمی نے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلمان فارسی کو مغموم دیکھا تو اس کا سبب پوچھا۔ عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیک وآلک وسلم! مجھے کسی نے اپنے ساتھ جوڑا نہیں بنایا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گلے سے لگا لیا فرمایا جس کا

کوئی جوڑا نہ ہو میں اُس کا جوڑا ہوا کرتا ہوں۔

اساں سنیا ماہی اُہدی باں پھڑدا
جیدا کوئی بھی سہارا نہ ہووئے
خود ہی کشتی کنارے لاندا اے
جیدا کوئی کنارہ نہ ہووے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیبی خبر

خندق کھودتے ہوئے ایک سخت چٹان آ گئی۔ جس پر کوئی ضرب کارگر ثابت نہیں ہو رہی تھی۔ شہ زوروں نے بڑا زور مارا لیکن چٹان میں شگاف تک نہ پڑا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ پاک میں عرض کیا کہ چٹان کسی طرح ٹوٹنے کا نام نہیں لیتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کدال لے کر نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے ضرب ماری چٹان کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر دور جا پڑا اور شعلہ نکلا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اُتِیتُ مَفَاتِیحُ الشَّامِ۔ دوسری چوٹ ماری پتھر کا ایک ٹکڑا اُکھڑ گیا اور شعلہ بلند ہوا۔ فرمایا اُتِیتُ مَفَاتِیحُ الفَارِسَ (فارس کا موجودہ نام ایران ہے۔ ۱۹۳۵ء میں یہ نام رکھا گیا۔ آٹھویں صدی تک اس کا نام خراساں تھا) پھر تیسری ضرب ماری چٹان ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی شعلہ اُٹھا۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اُتِیتُ مَفَاتِیحُ الْیَمَنَ۔

(اُتِیتُ مَفَاتِیح کو معنیٰ التزامی کہا جاتا ہے۔ معنیٰ کی تین اقسام ہیں:

۱۔ معنیٰ مطابقی ۲۔ معنیٰ متزمّنی ۳۔ معنیٰ التزامی۔

مجھے چابیاں دی گئیں۔ اس سے لازم ہے قبضہ دینا)

ہمارے اسلامی قانون (Islamic Law) میں قبضے کا قانون (Law of Possession) جو ہے اُس کے مطابق کوئی آدمی قابل انتقال (Moveable) چیز بیچتا ہے۔ جب تک اُس کا قبضہ نہیں دیتا وہ سودے کو توڑ (Revoke) سکتا ہے۔ لیکن اگر قبضہ دیدے تو پھر سودا توڑ نہیں سکتا۔ مثال کے طور پر مونگ پھلی کی بوری ہے اُس کا سودا ہو گیا اگر خریدنے والے نے بوری اُٹھالی اور دوسری جگہ رکھ لی۔ اب بیچنے والا اگر سودا توڑنا چاہے تو نہیں توڑ سکتا کیونکہ خریدنے والے نے اُس کا قبضہ لے لیا ہے۔ اسی طرح کسی نے مکان فروخت کیا بعد میں اپنا ارادہ بدل (Change of

(Mind) لیا ہے تو وہ مکان کا قبضہ روک سکتا ہے۔ لیکن اگر مکان کی چابی دے دی ہے تو خریدنے والے کا قبضہ ہو گیا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے شام پھر فارس پھر یمن کی چابیاں عطا کر دی گئی ہیں تو اس کے معنیٰ ہیں کہ یہ ممالک فتح ہو گئے ہیں۔

وہابی علماء بھی یہ واقعات بیان کرتے ہیں۔ ان کے بیان کرنے کا مقصد شیعہ کا رد کرنا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ واقعہ وہابیہ کا بھی رد ہے۔ کیونکہ یہ اُنہیں کا کہنا ہے کہ نبی کو کل کا پتہ نہیں، دیوار کے پیچھے کا پتہ نہیں (نعوذ باللہ من ذالک)۔

اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خبر دیتا ہے کہ دنیا کی عظیم طاقتیں (Great Powers) فتح ہوں گی اور پھر اس غیبی خبر کے عین مطابق جس ترتیب سے تین ممالک کے نام لیے اُسی ترتیب سے فتح ہوئے۔ اس سے وہابیہ کے نظریات کی مکمل تردید ہوتی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ صرف یہ بتایا کہ کل کو کیا ہونے والا ہے بلکہ یہ بھی بتایا کہ پہلے کیا ہونے والا اُس کے بعد کیا ہونے والا ہے بلکہ یہ بھی بتایا کہ پہلے کیا ہونے والا اُس کے بعد کیا ہونے والا ہے اور پھر اس کے پیچھے کیا ہونے والا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے چابیاں دی گئیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات مقدس کے دور میں شام اور ایران فتح نہیں ہوئے تھے۔ یمن کا کچھ حصہ فتح ہوا تھا جس کا والی (گورنر) حضرت حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم کو بنایا گیا تھا۔ شام، ایران اور بقیہ یمن دور فاروق میں فتح ہوئے تھے۔ اگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ کی خلافت درست (Valid) نہ ہوتی تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُن کو چابیاں دیا جانا اپنے دینے کے ساتھ کیونکر تعبیر فرماتے۔ معلوم ہوا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ہیں اور یہ شیعہ کی تردید ہے جو فاروق اعظم کی برحق خلافت کا انکار کرتے ہیں۔

مطلب واضح ہے کہ اگر چابیاں غلام کو مل گئیں تو مالک (Master) کو مل ہی جاتی ہیں۔

اَلْعَبْدُ مَافِی یَدِہٖ کَانَ لِمَوْلَاہُ۔ غلام اور غلام کے پاس جو کچھ ہے وہ مالک کے قبضے میں ہوتا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک مالک ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غلام ہیں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا۔ **مَاکُنْتَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وٰ الہٖ وسلم قَالَ کُنْتُ عَبْدَہٗ وَ خَادِمَہٗ۔ مَثَلِیْ کَمَثَلِ جَمَلٍ اَلْفٍ یَتْبَعُ قَاعِدَہٗ** نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام تھا، خادم تھا۔ اور اب جو حیثیت ہے وہ ایک اونٹ کی طرح ہے جس کی ناک میں نکیل ہے اور مہار مالک کے ہاتھ میں ہے۔ غلام پھر بھی بول سکتا ہے

اپنی کوئی رائے دے سکتا ہے۔ مگر میں بے زبان ہو کر کھڑا ہوں اور اپنے مالک و آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک اشارے کا منتظر ہوں۔ یہاں کسی حکمت عملی (Policy Matter) میں میرا کوئی دخل نہیں ہے۔ میری یہاں کوئی سوچ اور مرضی نہیں۔

اکو ہی رمز پہچانو یارو بہتیاں کیڑیاں گلاں
میں دتی ہتھ واگ بلوچے جدھر چلائے چلاں

(حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

بیٹا باپ کی ملکیت ہے

اَلْعَبْدُ وَمَافِیْ یَدِہٖ کَانَ لِمَوْلَاہُ۔ اَلْوَلَدُ وَمَا کَانَ فِیْ یَدِہٖ وِلَابِیْہِ۔

جس طرح غلام اور اس کا سب کچھ مالک کی ملکیت ہوتا ہے اسی طرح بیٹا اور بیٹے کا مال ماں باپ کی ملکیت ہوتا ہے۔

اگر باپ بیٹے کی کوئی چیز اُس کی اجازت کے بغیر لے اور بیٹے کے علم میں بھی نہ ہو بعد میں بیٹے کو پتہ چلے کہ فلاں چیز اُس کے باپ نے اُس کے علم میں لائے بغیر اُٹھالی ہے۔ تو اسلامی ریاست میں تھانے (مرکز شرطہ Police Station) میں بیٹا اپنے باپ کے خلاف شکایت (Report) درج نہیں کرا سکتا۔ نہ ہی باپ کے خلاف چوری کا مقدمہ کر سکتا ہے کیونکہ باپ بیٹے کا بھی مالک ہے اور اُس کے سارے مال کا بھی مالک ہے۔ باپ اگر اپنے بیٹے کو قتل کر دے تو اُس سے دیت نہیں لی جائے گی لیکن جرمانہ کیا جائے گا کیونکہ اُس نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ اپنا نقصان کیا ہے۔ اس معاملے میں اُسے خون کا ہرجانہ (Blood Money) دینا پڑے گا۔ کیونکہ اُس نے خدا کے معاملے میں دخل دیا ہے کیونکہ مارنا اور زندہ رکھنا یہ اللہ کا اختیار ہے۔

چچا، پھوپھی وغیرہ دیوانی عدالت میں اپنے بھتیجے سے خرچہ لینے کا دعویٰ دائر کر سکتے ہیں اگر واقعی وہ مفلس ہیں اور بھتیجا خرچہ ادا کرنے کا پابند ہوگا۔ اگر قریبی رشتہ داروں کو یہ حق حاصل ہے تو ماں باپ بدرجہ اُولیٰ حق رکھتے ہیں۔

پاکستان، آزاد کشمیر اور ہندوستان میں قانون کی ایک کتاب لگی ہوئی ہے جس کا نام محمدی قانون (Muhammadan Law) ہے۔ یہ ہندوستان کے ایک ماہر قانون ڈِنشاملا پارسی نے مرتب کی تھی۔ یہ محمد علی جناح مرحوم (قائداعظم) کا دوسرا سسر تھا۔ مذہباً آتش پرست (گبر) تھا۔ اس میں یہ قانون بیان ہوا ہے یہ کتاب قانونی وکالت (LL.B) کے نصاب میں شامل ہے۔ شروع میں جو بات کی گئی کہ منافقین نے کہا کہ اللہ اور اُس کے رسول نے جو ہم سے وعدہ

کیا ہے محض دھوکا ہے۔غزوہ احزاب کے موقع پر یہ بات اُنہوں نے اس وقت کہی جب اُنہوں نے دیکھا کہ یہ آڑا وقت ہے اور مسلمانوں کا پلہ دشمن کے مقابلے میں ہلکا ہو رہا ہے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس غیبی خبر کی تکذیب کرنے لگ گئے۔ شام، ایران اور یمن کی فتوحات اور اُن کا اسلامی سلطنت میں داخل ہونا مدینہ شریف میں مرکزی حکومت (Central Government) ہونا اس کے بارے میں کہنے لگے یہ وعدہ محض سیدھے سادے انسانوں کے ساتھ دھوکا ہے۔

اس دور میں منافقین کا ورثہ

آیت قرآنی کی روشنی میں جغرافیائی اور تاریخی حالات بیان کئے گئے ہیں اُن کا تفسیر کے ساتھ تعلق ہے۔ ویسے جغرافیہ اور تاریخ (Geography & History) قرآن کی تفسیر کا حصہ نہیں لیکن جہاں کسی چیز کو معین (Locate) کرنا ہوتا ہے وہاں جغرافیہ اور تاریخ شامل (Involve) ہوتے ہیں۔

یہاں مفسر قرآن کا اہم کردار یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اصل دفعہ (Section) مرتب (Legislate) ہوئی ہے وہ کون سا وقت ہے اور آج اس کا اطلاق (Application) کہاں ہوگا۔ اُس وقت تو یہ حالت گزری لیکن موجودہ دور میں وہ کہاں کس طرح نافذ العمل (Enforeable) ہے۔

وہ وقت جبکہ مسلمانوں کی کمزوری اور بے کسی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے کفار کا متحد ہو کر پوری قوت کے ساتھ مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہونا اور اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وعدوں کے بارے میں یہ سمجھنا اور کہنا کہ یہ کچھ بھی نہیں، اِن کی کوئی حیثیت نہیں۔ منافقین کا یہ ورثہ آج کے معاشرے میں کہاں استعمال ہو رہا ہے۔

مسلمان کا پختہ یقین یہ ہے کہ اگر مسلمان حق پر مضبوطی سے قائم ہے تو غلبہ اُسی کا ہوگا۔ قرآن عظیم فرماتا ہے: {وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ}۔ غم اور سستی مت کرو غلبہ تمہیں ہی ملے گا بشرطیکہ تمہارا عقیدہ ٹھیک ہو۔

آج یہ واویلا کیا جاتا ہے کہ عراق، ایران، افغانستان اور دیگر علاقوں میں مسلمان کفر کی قوتوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ مار کھاتے جا رہے ہیں۔ اسلام خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ یہ غور کرنا ہے کہ جہاں جہاں یہ پریشانی ہے وہاں اِن مسلمان کہلانے والوں کا عقیدہ صحیح ہے۔ رب کا جس شرط کے ساتھ غلبہ عطا کرنے کا وعدہ ہے مومن (سچے عقیدے والا) ہونا۔ اگر عقیدہ درست نہیں تو پھر اُس نتیجے کی اُمید نہیں کی جا سکتی جو نتیجہ صحیح عقیدے والے کے لیے بنایا گیا ہے۔

آج جب دین کے مبلغ قرآن وسنت کی تعلیمات کو بیان کرتے ہیں قوم کو عقائد کی درستگی اور عملی زندگی کو صحت بنیادوں پر قائم کرنے، عبادات اخلاقات ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری، حلال وحرام اور نیکی بدی کی تمیز کی نصیحت کرتے ہیں تو ایسے لوگ جو نفسانی خواہشات کی تکمیل کو اپنا مقصد سمجھتے ہیں وہ ان پند ونصائح کو مذاق سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں یہ محض باتیں ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ وہ طرز عمل ہے جو دراصل منافقین کا ورثہ ہے۔ باتیں قرآن اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہوں اور کہے یہ ویسے ہی ہیں ان کی پرواہ نہ کرو۔ یہ مومن کا جملہ نہیں ہوسکتا بلکہ بے ایمان ہی ایسی بات کرسکتا ہے۔

زبان مصطفی سے نکلی جو بات پوری ہوکر رہی

ایمان سینے میں ہوتو پھر ایمان والا یہ کہے گا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے جو بات نکل جائے وہ من وعن اُسی طرح پوری ہوکر رہتی ہے۔ ہجرت مدینہ کے موقع پر حضرت سراقہ ابن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ کتب صحاح میں بیان ہوا۔ دوسری کتب سیرت میں ذکر ہوا ہے۔ وہابیہ کے پیشوا ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے۔ (عماد الدین ابن کثیر ابن تیمیہ کا شاگرد بھی تھا اور داماد بھی تھا۔ اس کی کتاب البدایہ والنہایہ چودہ جلدوں میں ہے)

کفار مکہ ہجرت کی رات حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں سرگرداں رہے اُنہوں نے چپہ چپہ چھان مارا جب اُنہیں ہر طرح سے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو وہ پیچ وتاب کھا کے رہ گئے۔ سوچنے لگے کہ بیس قبیلے ہیں اُن کی طاقت اور حکومت ہے سب کے سب اُس ایک آدمی کو قتل کرنے پر متفق ہیں لیکن اکیلا شخص منہ کے بل گرا کر یہاں سے نکل گیا یہ ہم سب کے منہ پر ایک زبردست طمانچہ ہے۔ طف ہے ہماری مردانگی پر۔ کفار مکہ اس ناکامی پر اپنے آپ کو کوسنے لگے۔ اُنہوں اعلان عام کیا جو آدمی حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر اُتار کر لے آئے اسے سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے عرب میں سب سے بڑی آمدنی اور جائیداد (Property) اونٹ تھے۔ ایک اونٹ کسی کو مل جائے سمجھ لو ایک ریاست مل گئی ہے۔

سراقہ ابن مالک تیار ہوگئے اور ایک نئے جوش کے ساتھ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پیچھے دیکھا کہ دور سے گرد اُٹھ رہی ہے اور گھوڑے پر سرپٹ کوئی پیچھا کرتا چلا آرہا ہے حضرت صدیق اکبر کو تشویش ہوئی۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا صدیق! گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ پیچھا کرنے دو اس کا بندوبست کرلیں گے۔ غار میں ٹھہر کر تدبیر بتائی ہے کہ زندگی میں ایسی صورتحال پیش آجائے تو کیا کرنا ہے۔ جہاں تک ہماری ضرورت کا معاملہ ہے تو اُس کا حل بھی ہے کہ جس کی انگلی کے اشارے سے چاند دو

ٹکڑے ہو گیا ہو۔ اُس کے لیے اس پیچھا کرنے والے سے نبٹنا کون سا مسئلہ ہے۔ سراقہ آن پہنچے۔ کچھ فاصلے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس سے فرمایا وہیں ٹھہر جا۔ لیکن وہ رکے نہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین کو حکم دیا کہ اسے دھنسالے۔ گھوڑا چاروں ٹانگوں سمیت کمر تک زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ کی ٹانگیں بھی زمین نے پکڑ لیں سراقہ نے اپنے آپ کو چھڑانے کی بہت کوشش کی لیکن نہ نکل سکے۔ عرض کرنے لگے میری جان بخشی کر دی جائے۔ نبی اللہ کے راز جانتا ہے معلوم تھا یہ سچی نیت سے نہیں کہہ رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے زمین نے اُسے گھوڑے سمیت چھوڑ دیا۔ پھر حملہ آور ہوا، زمین نے پھر پکڑ لیا۔ چھڑانے کے لیے سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پھر درخواست کی پھر چھوڑ دیا لیکن اب بھی اُسی برے ارادے پر قائم تھے۔ تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سراقہ! تو میرے قتل کے درپے ہے اور میری نگاہیں اس وقت کو ملاحظہ کر رہی ہیں کہ ایران فتح ہونے کے بعد شہنشاہ ایران کے سونے کے کنگن تیرے بازوؤں میں پہنائے جائیں گے اور دنیا دیکھے گی۔ میں تیرے اسلام کی دنیا آباد دیکھ رہا ہوں۔ سراقہ کے دل کا بغض وعناد دم توڑنے لگا۔ اُنہیں یہ یقین تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات میں ایسی پختہ صداقت ہے جسے کسی طرح بھی چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ کلمات اُن کے قلب وجگر میں تیر ونشتر بن کے اُتر گئے۔ سراقہ رضی اللہ عنہ نے سچے دل سے توبہ کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زمین سے چھڑایا اور آگے اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

بعد میں سراقہ بن مالک حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور نڈر مجاہد کی حیثیت سے اسلامی جنگوں میں بہادری کے جوہر دکھاتے رہے۔ آپ خود کہتے ہیں کہ میں بہادر اور شہ زور آدمی نہیں تھا لیکن اسلام قبول کرنے کے بعد کفار سے برسر پیکار ہوتا تو پر خچے اُڑانے لگ گیا میدان جہاد پہنچتا تو ایک شور بپا ہو جاتا کہ سراقہ آ گیا ہے۔ مجھ سے ساتھیوں نے پوچھا کہ آپ جیسا بزدل انسان ایسا دلاور مرد کیسے بن گیا۔ جواب دیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایران کے فتح ہونے تک میں مروں گا نہیں۔ مجھے یقین کامل حاصل ہے کہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات حق ہے اور اُسی طرح پوری ہو کر رہے گی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ مکمل عقیدہ تھا کہ سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیب دان ہیں۔ اگر علم غیب کا یقین نہ ہوتا تو سراقہ رضی اللہ عنہ یہ کیونکر کہتے کہ میں ایران کے فتح ہونے تک نہیں مروں گا۔ معلوم ہوا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کا عقیدہ مسلمانوں کے سیاسی اور معاشی مسائل کا حل ہے اور اُن کا مستقبل بھی ہے اور حال بھی ہے۔

جب ایران فتح ہوا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیبی خبر کے عین مطابق شہنشاہ ایران کے بازوؤں کے

کنگن اُتار لیے گئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سراقہ بن مالک کو بلایا اور سونے کے کنگن آپ کے بازوؤں میں پہنا دیئے۔

مردوں کے لیے سونے کا استعمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں حرام قرار دے دیا گیا تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سونے کے قطعی حرام ہونے کا علم ہونے کے باوجود سراقہ کو سونے کے کنگن پہنا دیئے۔ کیونکہ فاروق اعظم کا عقیدہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی مختار ہیں یہ آپ کی مرضی ہے حلال کو حرام فرمادیں اور حرام کو حلال فرمادیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ سونا اَب حرام ہو چکا ہے سراقہ کو نہ یہ کنگن پہنائیں۔ صحابہ جانتے ہیں مختار کل نبی نے سراقہ کے لیے حلال کیے ہیں۔ چار عورتیں بیک وقت ایک شخص کے نکاح میں حلال ہیں۔ لیکن جناب سیّدہ خاتون جنت سلام اللہ علیہا کی موجودگی میں حضرت حیدر کرار علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو دوسری عورت سے نکاح کرنے کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ممانعت فرمادی۔

سنیوں کو مبارک ہو کہ اُن کے عقیدے کی بنیاد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم ہیں۔ جنہوں نے تلواروں کی دھاروں کے نیچے اور سولیوں پہ لٹک کر اپنے محبوب آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمتوں کے نغمے الاپے ہیں۔ وہ اس عقیدے کے بانی ہیں کہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آج کا بھی پتہ ہے اور کل کا بھی پتہ ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاحب تصرف واختیار ہیں ہی سنی کا عقیدہ ہے۔

قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق یہ منافقین کی سوچ ہے کہ وہ نبی کے علم کے بارے میں شکوک (Doubts) ظاہر کرتے تھے۔ منافق یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دھوکہ کیا ہے (نعوذ باللہ)

اس بات میں ایک واقعہ شامل (Involve) ہے کہ اس طرح وقوع ہوگا۔ دوسرا وقت کا تعلق ہے کہ بعد میں ہوگا اور جگہ متعین ہے شام ایران اور یمن کی کنجیاں دی گئی ہیں یعنی یہ ممالک فتح ہوں گے اور اسلامی سلطنت میں شامل ہوں گے۔ یہ سارا معاملہ مستقبل کا ہے۔ یہ کہنا نبی کو مستقبل کا پتہ نہیں یہ منافقوں کا حصہ ہے۔ اہل ایمان ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ ایسا جملہ صدیق اکبر، فاروق اعظم، عثمان غنی، علی حیدر کرار اور سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے غلاموں رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے نہیں بولا۔ بولے ہیں تو منافقوں نے بولے ہیں۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں منافقت ہوسکتی ہے تو دور حاضر میں بھی منافقت ممکن ہے۔ قرآن عظیم نے ہر دور میں پیدا ہونے والے مسائل کو چھان کر سامنے رکھ دیا ہے۔

اہل حق کی جرات و مردانگی

قرآن پاک فرماتا ہے: {وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا}۔

منافقین، مخلصین خصوصاً انصار سے کہتے تھے کہ اَب تمہارے لڑنے کا کوئی موقع (Chance) نہیں ہے آج جان بچانے کے لیے بھاگنے والی بات کرو اور اپنے مکانوں میں چھپ جانے کا مشورہ دیتے تھے۔ یہ بھی کیسی جہالت ہے کہ میدان جنگ کی صفوں سے اُن کے گھر دس بیس گز کے فاصلے پر تھے اور دشمن اُن کے گھروں، باغوں اور کھیتوں کو اجاڑنے کے لیے سامنے آ گیا ہے اور اُنہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا ہے ایسے حالات میں گلی کو چھوڑ کر مکانوں میں داخل ہو جانا بچت کا ذریعہ تو نہیں ہو سکتا۔ جان بچانے کے لیے ایسی مہمل تدابیر کرنا مردوں کا حصہ نہیں۔

کربلا کے معرکہ کارزار میں بیماری اور نقاہت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے حضرت سیّد زین العابدین علیہ السلام اپنے ابا حضور (حضرت امام حسین علیہ السلام) سے کہتے ہیں مجھے ذرا سہارا دے کر کھڑا کر دیں تا کہ میں بھی دشمنوں سے پنجہ آزمائی کروں اور اپنی خاندانی شجاعت کے ساتھ دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑوں۔ حضرت امام زین العابدین نے اپنے پرخلوص جذبات اور ولولے کا اظہار فرمایا۔ حضرت امام عالی مقام علیہ السلام نے اس جذبے پر اپنے لختِ جگر کو داد تحسین دی مگر اُنہیں میدان جہاد میں جا کر لڑنے کی اجازت نہیں دی اس کی اپنی جگہ حکمتیں تھیں میدان کربلا میں دو خوبصورت شہزادے تھے۔ امام قاسم اور امام علی اکبر امام قاسم حضرت امام حسن کے صاحبزادے تھے اور علی اکبر حضرت امام حسین علیہ السلام کے صاحبزادے تھے۔ ان دونوں کی آپس میں بات چیت ہوئی کہ پہلے جنگ میں لڑنے کے لیے کون جائے گا۔

امام علی اکبر کہتے ہیں میں عمر میں بڑا ہوں اس سے پہلے جانے کا حق میرا ہے۔

امام قاسم کہتے ہیں ٹھیک ہے تو عمر کا بڑا ہے لیکن باپ میرا بڑا ہے۔

امام علی اکبر۔ میں اپنے ابا کی موجودگی میں لڑ کر اس بات کا ثبوت فراہم کرنا چاہتا ہوں کہ میں اس وقت خاندان میں سب سے بڑا ہوں اور میں خاندان میں سرخرو ہونا چاہتا ہوں۔ میرا باپ مجھے دعائیں دے کہ میرے بیٹے نے سب سے پہلے قربانی دی ہے۔

امام قاسم۔ اے علی اکبر! تمہارا ابا موجود ہے۔ اس وقت میں اپنے باپ کا ترجمان (Representative) ہوں۔ اس وقت جان کا نذرانہ پیش کرنے میں پہل نہ کروں تو میرے ابا کی روح تڑپے گی۔ اس

لیے یہ میرے قربانی دینے کی باری ہے۔

پتر حسن دا شیر دلیر سیّد بن کے دولہا وچ کربل میدان آیا
قدم چچا حضور تے ڈھے کے تے وقت آخر اے لین فرمان آیا
نعرہ حیدری مار للکار کے تے بابے علی دی شان دکھلان آیا
سیّد کوئی مبارز نہی بچ سکیا وچ میدان جے شیر یزدان آیا

(کلام: قبلہ عالم مفکر اسلام)

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کی یادگاریں کائنات میں قائم رہیں گی۔ یہ بزدلوں کے جملے ہیں کہ گھروں میں چھپ کر پناہ لو، بچ جاؤ گے۔

جس وقت جنگ یمامہ چھڑی تھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ اس وقت کل تیرہ ہزار مجاہدین پر مشتمل قوت (Strength) ہے۔ یہ ساری کی ساری فوج مرتدین (جھوٹے مدعی نبوت مسلیمہ کذاب اور اُس کے ہمراہی) کے خلاف جنگ کرنے کے لیے بھیج رہے ہیں۔ مصلحت یہ ہے کہ انتظار کریں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ منکر مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لڑیں گے۔ یہ جنگ جارحانہ انداز میں دشمن کے سر پر چڑھ کر اُس کے گھر جا کر لڑیں گے۔ پہلی جنگیں بدر، احد، احزاب وغیرہ دشمن کے حملے کے دفاع (Defence) میں لڑی تھیں۔ وہ جنگیں منکرین خدا کے ساتھ تھیں۔ یہ جنگ جارحانہ (Offiensive) ہوگی اور دشمن کو اُس کے صحن میں جا کر کچل کے رکھ دیں گے۔ دنیا دیکھے گی کہ غلامان مصطفی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غیرت ایمانی حمیت دینی زندہ ہے اور زندہ رہے گی۔ یہ اہل حق کے جملے ہیں۔ منافقوں کی یہ باتیں ہیں بس بچو۔

خوئے بدرا بہانہ بسیار

ارشاد باری ہے: {یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَۃٌ}۔

منافق یہ بہانے کر رہے تھے کہ اُن کے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حفاظتی انتظامات نہیں ہیں انسان کی نیت میں برائی ہو تو پھر وہ کئی طرح کی باتیں تراشتا ہے۔ ایمان پر ثابت قدم بہانہ سازی نہیں کرتے اپنی ایمانی غیرت کے پیش نظر کسی طرح کا عذر تک بھی پیش نہیں کرتے اور کسی مصلحت کی پرواہ تک نہیں کرتے۔ بخاری شریف کے متن میں روایت ہے۔ ہجرت مدینہ کے قریب ایام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنی کلب کی ایک خاتون سے شادی کی تھی۔ جب حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ روانہ ہونے کے لیے تیار ہوئے تو حضرت صدیق اکبر کی اہلیہ کہنے لگی حال ہی میں ہماری شادی ہوئی ہے ابھی میرے ہاتھوں کی مہندی بھی میلی نہیں ہوئی اور آپ مجھے چھوڑ کے جا رہے ہیں ۔ میں آپ کو نہیں جانے دوں گی حضرت ابوبکر صدیق نے ایک سانس میں اُنہیں تین طلاقیں دے دیں میرے اور تیرے درمیان یہی تعلق تھا اب تو میری بیوی نہیں رہی۔ تو آزاد ہے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنا بندھن قائم رکھنے کے لیے زندگی کے سارے بندھن توڑ سکتا ہوں۔

اہل حق اس طرح قربانیاں دیتے ہیں۔ اہلِ باطل کو بہانے بنانے کی عادت ہوتی ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے: {وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا۔ وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ۔ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا}۔

منافقین کا یہ حال بیان کیا جا رہا ہے کہ اس وقت تو وہ گھروں کے غیر محفوظ ہونے کا بہانہ کر رہے ہیں لیکن مسلمانوں کے خلاف اُن کے دِلوں میں ایسا حسد و بغض ہے کہ اگر کوئی حملہ آور آ جائیں اور اِن سے کہیں کہ ہمارے ساتھ مل جاؤ اور مسلمانوں کو مل کر ماریں اور ختم کر دیں تو پھر یہ لمحہ بھر بھی دیر نہیں کریں گے اور اُس وقت کوئی بہانہ سازی نہیں کریں گے۔

منافقین اللہ اُس کے رسول سے وعدہ کر چکے تھے کہ مرتے مر جائیں گے۔ لیکن میدان میں پیٹھ نہیں دکھائیں گے۔ لیکن ان کے یہ وعدہ کیا تھا کہ یہ یہ مطالبات پورے کریں گے تو اُس نے جواب دیا Promises are to be broken یہی منافقوں اور بے ایمانوں کی عادت ہے۔

جاناں اپنے قول تے دیئے پہرہ جو منہ توں نکل ہک وار جاوے

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن کی نشانی یہ ہے کہ جب وعدہ کرتا ہے تو اُس وعدے کو پورا کرتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ ایفائے عہد سے متعلق باز پرس ہوگی۔

آج کل پیری مریدی کا بھی کچھ ایسا معاملہ ہے۔ دو مرتبہ جڑتی ہے اور چار مرتبہ ٹوٹتی ہے۔ سمجھا یہ جاتا ہے کہ زبانی بات ہی کی ہے۔ نکاح کرتے وقت کیا کہا جاتا ہے ''قبول کیا'' اتنا کہنے سے نکاح ہو جاتا ہے۔ بیوی کو زندگی کی ساری سہولیات مہیا کرنا اُس کے ذمہ ہیں۔ اور جس کو پیر مان کر اُس کی بیعت کی ہے اور مریدی کو قبول کر لیا ہے۔ یہ قبول کرنا زیادہ سخت ہے۔

حضرت حیدر کرار شیر خدا علیہ السلام سے کہا گیا کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے خلاف

بغاوت کریں۔ پوری قوم آپ کے ساتھ ہے۔ آپ نے فرمایا اگر میں نے حضرت صدیق اکبر کی بیعت نہ کی ہوتی تو پھر میں اس پر غور کرتا۔ چونکہ بیعت کر چکا ہوں اَب مروں یا جیوں میں وعدے پر قائم رہوں گا اور اس سے کبھی نہیں بدلوں گا اگر تم میرا ساتھ چھوڑنا چاہتے ہو چھوڑ دو۔ وعدہ خلافی کرنا یہ مردانگی نہیں ہے۔

منافقوں کی بات کہ بھاگ چلو تا کہ قتل ہونے سے بچ جاؤ۔ موت سے بچنے کا حل بھاگنا نہیں ہے۔ موت ہر جگہ پہنچ جاتی ہے۔ لڑنے والے کے ساتھ ہر کوئی نہیں لڑتا لیکن بھاگنے والے کو کوئی بھی قتل کر سکتا ہے۔ اگر کچھ وقت کے لیے مہلت مل بھی جائے تو یہ جینا عزت کا جینا نہیں بلکہ ذلت ہے۔ پھر آخر موت آ ہی جائے گی۔ {قُل لَّن يَنفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِن فَرَرْتُم مِّنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذاً لَّا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلاً۔ قُلْ مَن ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُم مِّنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءاً أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً}۔

پرانے زمانے میں میدانِ کارزار میں دشمن کے مقابل کھڑے ہو کر رزمیہ پڑھتے تھے جس سے اپنی اور اپنی قوم کی جرات دلیری کا اظہار کرنا ہوتا تھا۔ کوئی قوم دشمن کو پیٹھ دکھا کر بھاگنے لگی تو سالار لشکر نے اُنہیں غیرت دلائی اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ان میں حوصلہ پیدا کرنے کی کوشش اور نظیری نے اُسے شعر کی صورت میں (رزمیہ) یوں کہا۔

آنکہ کشتہ نہ شد ز قبیلہ ما نیست

آج جو میری قوم میں شامل ہونا چاہتا ہے وہ مر کے دکھائے اور جو مر نہیں سکتا وہ میری قوم کا فرد نہیں کہلا سکتا۔

اس مصرعے کی داد علامہ اقبال مرحوم نے دی:

بہ ملک جم نہ دہم آں مصرعہ نظیری را

آنکہ کشتہ نہ شد ز قبیلہ ما نیست

ملک جمشید یعنی پوری سلطنتِ فارس (Persian Empire) مجھے دی جائے تو اُس کے بدلے میں نظیری کا یہ مصرعہ نہیں دوں گا۔ قوم میں ہونے کا یہ معیار ہے کہ قتل ہو کر دکھاؤ

اس میدان محمد بخشا سر دتا پڑ کھڑیا

(حضرت عارف کھڑی رحمۃ اللہ علیہ)

موت اور زندگی اللہ کے قبضہ اور اختیار میں ہے اگر اللہ مارنا چاہے تو کوئی بچا نہیں سکتا اور اگر وہ بچانا چاہے تو کوئی مار نہیں سکتا۔ میاں محمد بخش صاحب عارف کھڑی رحمۃ اللہ علیہ سیف الملوک کی پری کے ساتھ ملاقات کا ذکر کرتے ہیں۔ پری

اُسے ڈراتی ہے۔

جے ہک ذرہ خبر اس گل دی دیو پری کوئی پاؤے
بیڑہ مرا کترے تیرا وانگ کباباں کھاوے

توشہزادہ جواب دیتا ہے:

اس دریا بہاری اندر ڈبیا بیڑا میرا
اتھوں بھی رب رکھیا مینوں تکناسی منہ تیرا

رب تعالیٰ فرماتا ہے: {وَلَا یَجِدُوْنَ لَھُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا}۔

اللہ تعالیٰ کے بغیر تمہارا کوئی مددگار نہیں۔ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اور مِن لُّدنِ اللّٰہ میں فرق ہے۔ جو اللہ والے ہیں وہ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ نہیں ہیں۔ وہ مِن لُّدن اللّٰہ ہیں۔ وہ اللہ کے غیر نہیں ہیں۔ اللہ کی طرف سے ہیں۔ مدد وہی کرے گا جس کو رب توفیق دے گا۔ معبودانِ باطلہ کے پاس توفیق نہیں اُنہیں محروم رکھا گیا ہے۔

آج کا بیان اختتام پذیر ہوا۔

پچیسواں درس قرآن: ۱۴ اپریل ۲۰۰۷ء

ذکر میلاد شریف ۔ نورانیتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عنوان

☆.....آیات قرآنی کی تفسیر کا اہم اصول

☆.....نور سے کون مراد ہے؟

☆.....مَثَلُ نورہٖ میں اضافت کا مطلب

☆.....تمثیل نور کتب سابقہ کی روشنی میں

☆.....کلام کے ساتھ تاکید کا وارد ہونا

☆.....نبوت کا اولیں تعارف۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

☆.....حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک نور ہے

☆.....ذات کا وجود صفت سے پہلے ہے

ذکر میلاد شریف ۔ نورانیتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

{اَللّٰہُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ مَثَلُ نُوۡرِہٖ کَمِشۡکٰوۃٍ فِیۡہَا مِصۡبَاحٌ الۡمِصۡبَاحُ فِیۡ زُجَاجَۃٍ الزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوۡکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوۡقَدُ مِنۡ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیۡتُوۡنَۃٍ لَّا شَرۡقِیَّۃٍ وَّ لَا غَرۡبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیۡتُہَا یُضِیۡٓءُ وَ لَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡہُ نَارٌ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ} (النور:۳۵)

حضرت جل جلالہٗ وعز اسمہ واتم برہانہ ارشاد فرماتے ہیں۔ اللہ زمینوں آسمانوں کا نور ہے۔ اللہ زمینوں آسمانوں کے نور کا خالق ہے۔ اللہ زمینوں آسمانوں کو روشنی بخشنے والا ہے۔ (تین طرح ترجمہ ہے۔ بعد میں اس کی تطبیق بیان کی جاتی ہے) اُس کے نور کی صفت ایسی ہے جیسا ایک قندیل ہو (جھروکا اور پنجابی میں آلہ کہتے ہیں جو دیواروں میں چراغ رکھنے کے لیے بنایا جاتا ہے۔ فی الواقع یہ لغات موکدہ میں سے ہے۔ یہ لغت حبشہ کا لفظ ہے۔ قرآن کے بارے میں فرمایا یہ عربی ہے یہ اغلبیت کی بنیاد پر کہا ہے۔ اکثر زبان عربی ہے لیکن کئی الفاظ غیر عربی کے بھی استعمال ہوئے ہیں۔ مِنۡ سِجِّیۡلٍ یہ بھی غیر عربی

ہے یہ لفظ اصل میں سنگِ گل ہے۔

جس کے اندر ایک چراغ ہے (یہ تشبیہ مرکب بالمرکب ہے)

اور وہ چراغ کسی شیشے کے اندر ہو۔ اور شیشہ ایسا ہو جیسا ایک موتی نما ستارہ ہوتا ہے۔ (سورج نما یا چاند نما نہیں کہا کیونکہ ان کو گرہن لگتا ہے۔ ستارے کو گرہن نہیں لگتا اس لیے ستارہ نما کہا۔ وہ موتی نما ستارے کی طرح چمک دھمک رہا ہے)

اور اس کے اندر جو تیل استعمال کیا جائے وہ ایک مبارک درخت کا تیل ہے جس کا نام زیتون ہے۔ نہ وہ مشرق میں اُگا ہو اور نہ مغرب میں۔ بہت قریب ہے (More likely) وہ روشنی دے اگرچہ اسے آگ نہ بھی چھوئے وہ نور بالائے نور ہے۔ روشنی ہی روشنی ہے۔ اللہ اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے راہنمائی فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

جھروکا ہو اُس کے اندر شیشہ ہو۔ شیشے کے اندر چراغ ہو۔ شیشہ موتی کی طرح چمک دے رہا ہو۔ گرد و غبار کا کوئی تصور تک نہ ہو۔ اُس کے اندر تیل زیتون کے مبارک درخت سے روشن کیا جائے۔ عام زیتون نہیں بلکہ برکت والے زیتون کا تیل استعمال کیا جائے۔ درخت کی اہلیت (Qualfication) یہ ہو کہ نہ وہ شرقی ہو اور نہ غربی ہو۔ اگر مشرق میں اُگا ہو تو صبح کی دھوپ تو اُسے ملے گی لیکن شام کو نہیں ملے گی۔ اور روشنی سے استفادے کا پورا موقع اُسے نہیں ملے گا۔ اس لیے اُس تیل کے اندر پوری خوبیاں نہیں ہوں گی۔ وہ غربی بھی نہیں اگر مغربی ہو تو اُس کا تیل صبح کی روشنی سے محروم ہوتا ہے۔

یہ چراغ کا نقشہ بتلایا گیا ہے۔ اُس کی صفائی اور اس کے اندر تیل کی بزرگی کا ذکر کیا گیا۔ یہ سورۂ نور کی آیت نمبر ۳۵ ہے جس کا ترجمہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

آیات قرآنی کی تفسیر کا اہم اصول

فن تفسیر کے مصنفات میں سے ہے کہ تفسیر پہلے وقت میں گزر چکی ہو یا آج گزر رہی ہے یا آنے والے وقت میں پائی جائے گی۔ تفسیر کے سلسلے میں جو بات کی ہے وہ کسی بھی زمانے میں نہ پائی جائے تو وہ تفسیر نہیں کہلائے گی۔ تفسیر کے لیے کسی جگہ اطلاق (Application) شرط ہے۔ حروف مقطعات اور متشابہات کی تفسیر نہیں کی جاتی۔ اگر تفسیر کریں تو تین زمانوں (ماضی حال اور مستقبل) میں سے کوئی وقت اُس کے اطلاق کا ہونا چاہیے۔

جس آیت کا ترجمہ پیش کیا گیا اُس میں نور کا ذکر ہوا اُس کی تمثیل بیان ہوئی غور کرنا ہوگا یہ تفسیر کب گزری ہے۔ کیا اس وقت گزر رہی ہے یا آئندہ کبھی گزرنے کا امکان ہے۔ یہ مسلمہ بات ہے اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

نور سے کون مراد ہے؟

اہلِ علم کی تحقیقات ہیں کہ نور کا لفظ دراصل ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے استعمال نہیں ہوتا۔ نور کی تعریف یہ ہے: اَلنُّوْرِ فِی الْاَصْلِ کَیْفِیَّۃٌ فَآئِزَۃٌ تُدْرِکُہَا الْبَصَارَۃُ اَوَّلْ وَتُدْرِکُ بِبَصِیْرَتِہٖ سَآئِرُ الْمُبْصِرَاتِ۔ (تفسیر بیضاوی)

نور اصل میں اُس کیفیت کا نام ہے جو کسی کے ذریعے سے برآمد ہو جس کا سبب (Source) کوئی اور ہو۔ کسی کے ذریعے سے معرض وجود میں آئے۔ اُس کے لیے مخلوق ہونا ضروری ہے۔ اس کو پہلے آنکھیں پاتی ہیں۔ قوت باصرہ پہلے اُس روشنی کا ادراک کرتی ہے۔ اُس کے ذریعے نظر آنے والی (Visible) چیزیں قوت باصرہ دیکھتی ہے۔ وہ کیفیت فائزہ کا نام ہے جو قائم بذات نہیں۔

اللہ کی ذات قائم بذات ہے۔ وہ خود سے خود ہے کسی کے وسیلے سے معرض وجود میں نہیں آیا۔

نور کا ترجمہ کرتے وقت یہ ثابت کرنا ہوگا کہ نور وہ ہے جو کسی کے ذریعے سے وجود میں آیا ہو۔ اس لیے لفظ نور اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے نہیں استعمال ہوتا نور کا لفظ اپنے اصل معنیٰ میں حضور پرنور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات پر صادق آتا ہے۔

الفاظ جب مرتب (Legislate) کئے گئے اور وضع (Frame) کئے گئے تو جو پہلے معنیٰ ہیں وہ اصلی ہیں۔ بعد جو معنیٰ لیے جاتے ہیں وہ مجازی معنیٰ (Metaphorical Meanings) ہیں۔ جیسا کوئی کہے میرا چاند آیا۔ میرا چاند گیا۔ حالانکہ چاند کو آنے جانے کی عادت نہیں۔ میں نے ایک شیر گھوڑے پر سوار جاتے دیکھا جو دوستوں سے باتیں کر رہا تھا اب ظاہر ہے ایک جنگل کا درندہ (شیر) نہ گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور نہ باتیں کرتا ہے۔ لیکن چاند اور شیر سے آدمی ہی مراد ہیں اور معنیٰ مجازی میں اُنہیں چاند یا شیر کہا گیا ہے۔

لفظ نور اپنے حقیقی معنیٰ میں اصل اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر صادق آتا ہے۔

وضع واضع میں تری صورت ہے معنیٰ نور کا
یوں مجازاً چاہیں جس کو کہہ دیں کلمہ نور کا

(اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ)

مثل نورہٖ میں اضافت کا مطلب

مَثَلُ نُوْرِہٖ میں اضافت ہے (اللہ کے نور کی مثال) اضافت اُس وقت تسلیم ہوتی ہے جب دو الگ الگ مانے

جائیں۔خود کے لیے اضافت نہیں ہوتی ہے۔نورہٖ حالت اضافی (Possesive Case) ہے۔اس کے لیے علیحدگی (Dividy) شرط ہے۔میں کا میں نہیں ہوتا۔میرا بیٹا، میرا ابا، میرا امیاں وغیرہ کہا جاتا ہے خود کو اپنی طرف مضاف نہیں کیا جاسکتا۔معلوم ہوا اللہ کی ذات اور ہے نور اور ہے ورنہ نورہٖ کی اضافت کبھی نہ ہوتی۔

اس اضافت کے مدنظر علامہ بیضاوی نے بیان کیا۔

اَللّٰہُ مُنَوِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔اَللّٰہُ خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

نور مصدر ہے منور اسم فاعل ہے۔مصدر کہہ کے منور کہنا معنیٰ مجازی ہے۔

نور کا خالق کہہ کر نور مراد لینا یہ بھی معنیٰ مجازی ہے۔

تمثیلِ نور کتب سابقہ کی روشنی میں

قرآن مجید کی تفسیر میں حضرت مولائے کائنات حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم کے بعد حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی دسترس تسلیم ہوتی ہے اور آپ کو ترجمان القرآن مانا جاتا ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا (کعب احبار تابعی ہیں جو علمائے یہود سے مسلمان ہوئے تھے گزشتہ کتابوں تورات، انجیل کے عالم تھے اسرائیلی روایات اُن کے علم میں تھیں) کہ قرآن مجید میں نور کی جو تمثیل بیان ہوئی ہے تمہارے ہاں اُس کا کیا معنیٰ ہے کعب احبار نے جواب دیا کہ بالکل یہ تورات میں مثال بیان ہوتی ہے اور ہمارے بزرگ بتاتے تھے کہ یہ مثال اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔یہ اصل میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق وضاحت کی ہے۔

کَمِشْکٰوۃٍ صَدْرُہٗ' الزُّجَاجَۃُ قَلْبُہٗ' وَالْمِصْبَاحُ فِیْھَا نَبَوَۃٌ یَکَادُ نُوْرُ مُحَمَّدً صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم۔

سابقہ اُمتوں میں یہ ذکر کیا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ اس مثال کا مفہوم یہ ہے مشکوٰۃ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سینہ بے کینہ مبارک ہے زجاجہ سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلب ہے اور اُس کے اندر جو نور پروردگار نے رکھا ہے وہ نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے جسے مصباح فرمایا ہے (تفسیر مظہری) اس لیے معنیٰ یہ بنے یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیئُ کہ قریب ہے حقیقت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قدر واضح ہو جائے کہ بغیر دعویٰ نبوت کے آپ کو نبی مان لیا جائے چالیس سال کی عمر شریف کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا۔

اس نور کا ذکر تورات اور انجیل میں ہوا اسے قرآن مجید نے سورۃ المائدہ میں بیان فرمایا ہے۔

{اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰۃَ فِیْھَا ھُدًی وَّ نُوْرٌ}۔ (المائدہ:۴۴)

{وَ اٰتَیْنٰہُ الْاِنْجِیْلَ فِیْہِ ھُدًی وَّ نُوْرٌ}۔ (المائدہ:۴۶)

سورۂ مائدہ کا نزول مدینہ طیبہ میں ہوا مدینہ طیبہ میں یہود کے تین قبائل (بنی قینقاع بنی نضیر اور بنی قریظہ) مشرکین کے دو قبیلے (اوس اور خزرج) اور پھر مسلمان آباد تھے۔ اوس و خزرج مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے سوا اور کوئی قوم وہاں آباد نہیں تھی۔ لہٰذا قرآن مجید کے مخاطب یہی پانچ طبقے ہو سکتے ہیں۔

اسی سورۂ (المائدہ) میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کے عنوان سے ذکر ہوتا ہے:

{یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تَخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَ یَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ اِ۔ قَدْ جَآءَکُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ}۔ (المائدہ:۱۵)

یہاں پہلے وجوہ الخطاب سے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا نہیں فرمایا۔ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰب (او کتاب والو) فرمایا۔ جب استاد کہتا ہے میرے شاگردو! سنو۔ باپ کہے میرے بیٹو! میری نصیحت غور سے سنو۔ جن سے متعلق بات ہے وہی مخاطب ہیں اور وہی دائرہ گفتگو ہوتے ہیں۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کہا جاتا ہے تو قرآن مجید کا دائرہ گفتگو مسلمان ہوتے ہیں اور جب اہل الکتاب فرمایا ہے تو موضوع سخن کتاب والوں سے ہے۔ جو اپنے وقت کے اعلیٰ تعلیم یافتہ (Highly Qualified) کہلاتے تھے۔ مگر نور کے منکر تھے۔ قاعدہ یہ ہے کہ دلیل منکر کو چاہیے ہوتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت حیدر کرار، عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور سارے مومن مخاطب نہیں کیونکہ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کے منکر نہیں ہیں۔ اس لیے اُنہیں کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔

اہل کتاب کو خطاب کر کے فرمایا ہمارا رسول آ گیا ہے۔ بہت ساری باتیں جو تم کتاب سے چھپاتے تھے یہ رسول بتاتا ہے اور بہت ساروں کو معاف کرتا ہے۔ نہ بتانے کی وجہ یہ نہیں کہ جانتا نہیں۔ جانتا ہے لیکن درگزر فرماتا ہے۔

پھر فرمایا اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آ گیا ہے۔ درمیان میں ''و'' نہیں آئی۔ یہ کہا جاتا ہے بے کم و کاست (To be more Precised) ایک ہی مطلب ہونا (Opinion Clause) اس صورت میں درمیان میں ''و'' نہیں آتی۔ اس آیت میں جو رسول مراد ہے وہی نور مراد ہے۔ اگر رسول اور ہوتا۔ نور اور ہوتا تو پھر بیچ میں ''و'' آتی۔ اور پھر فرمایا وَ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ۔ یہ اُس کی دلیل کہ اُس کے ساتھ کتاب بھی ہے۔

یہ ہمارے عقائد کا ضابطہ (Ruling) ہے۔ ھُوَ اِنْسَانٌ بَعَثَ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنَ الْخَلْقِ لِتَبْلِیْغِ الْاَحْکَامِ الشَّرِیْعَۃِ

مَعَہٗ کِتَابُ الْمُفْتِدٌ اَوْ شَرِیْعَتُہٗ فِی جَدِّدَہ۔ رسول وہ ہوتا ہے جو صورت بشری اختیار کر کے آتا ہے۔ مخلوق کی طرف آ کر اللہ کا پیغام سناتا ہے اُس کے ساتھ کتاب ہوتی ہے یا اُس کی نئی شریعت ہوتی ہے۔ پیچھے دو چیزوں کا ذکر ہے جس وقت پہلے جملے (Clause) اور دوسرے جملے کا مفہوم ایک ہو تو وہاں دو جملوں کے درمیان ''و'' (اور And) نہیں آتی۔ یہ علم بلاغت میں وصل اور فصل کی بحث (Chapter) ہے۔ بعض حضرات بڑے زور و شور سے کلام کرتے ہیں۔ بڑی باتیں بناتے ہیں لیکن اگر اُن سے پوچھا جائے کہ واؤ (و) لگانے اور ہٹانے کے قاعدے (Prinicples) کتنے ہیں۔ کہاں لگنی چاہیے اور کہاں نہیں لگنی چاہیے تو شاذ و نادر ہی کوئی صحیح بتا سکے۔

کلام کے ساتھ تاکید کا وارد ہونا

اس آیت مبارکہ میں دو جگہ قد (کلمہ تاکید) آیا ہے۔ {قَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلُنَا} دوسری جگہ {قَدْ جَآءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ}۔ فن بلاغت کا موضوع ہے کہ حالِ مخاطب کو دیکھ کر کلام کو وارد کرنا۔ مخاطب کے تین حال ہو سکتے ہیں۔

۱) وہ خالی الذہن ہو ۲) متردد ہو ۳) منکر ہو۔

خالی الذہن ہو تو بغیر تاکید کے کلام وارد کیا جاتا ہے۔ صرف تردد ہو تو ایک تاکید ہوتی ہے اور جب منکر ہو تو دو تاکیدیں آتی ہیں۔ یہود و نصاریٰ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کے بارے میں متردد تھے اور آپ کے نور کے منکر تھے اس لیے اُن کے انکار کے سبب دو تاکیدیں (قد) لگائیں۔ اس سے معلوم ہوا حضور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کے سب سے پہلے منکر یہود و نصاریٰ ہیں۔ جو کلمہ پڑھتا ہے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ رکھتا ہے اُس سے یہ سوال ہے یہودیوں اور نصرانیوں کا ورثہ تمہیں کیسے مل گیا ہے؟

نبوت کا اولیں تعارف ۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ارشاد باری ہے: {یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ}۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعویٰ نبوت نہ بھی کریں پھر بھی پہچانے جائیں کہ آپ نبی ہیں۔ یہ تفسیر کس وقت منطبق ہوتی ہے۔ اس میں وقت کی شرط (Time Clause) دی ہوئی ہے جو بتلاتی ہے کہ چالیس سال کی عمر مبارک میں اعلانِ نبوت سے پہلے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا جائے کہ یہ واقعی اللہ کا نبی اور رسول ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا میلاد پاک نبوت کی پہلی دلیل ہے کہ میلاد شریف کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعویٰ نبوت کے بغیر پہچان لیا گیا اور نبی تسلیم کر لیا گیا۔

میلاد کا معنیٰ مِفْعَالٌ کے وزن پر ولادت کے مادے سے مِفْعَالٌ کے وزن کا مصدر ہے۔ اس کے معنیٰ پیدا ہونا

یا جنم دینا ہیں یہ فعل لازم یا متعدی ہے۔ مسلمانوں کی بولی میں اس کا مدعا یہ ہے کہ وہ سارے واقعات وحالات جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت سیّدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے نکاح سے پہلے آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کو پیش آئے اور اس کے ساتھ آپ کے اَبا کی پیشانیوں میں آپ کے نور کا چمکنا۔ یہ سب میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ضمن میں آیا کرتے ہیں۔ میلاد شریف نبوت ورسالت کا تمہیدی مقدمہ (Introduction) ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد ماجد کے چہرہ مبارک پر نور مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جگمگاتا تھا۔ اور جو عورت سامنے آتی وہ حضرت عبداللہ کے ساتھ شادی کی تمنا کا اظہار کرتی تھی۔ کیونکہ اُن کے چہرے پر جس کا نور چمک رہا ہے اُن کی کائنات میں آمد کی ایک دھوم مچی ہوئی ہے۔

چودہ طبق نقارے تے چوٹ لگ گئی
دھماں پے گئیاں مدنی سلطان دیاں
ٹُٹ گئے مان جہاں دے سہنیاں دے
سن کے خوبیاں شاہ خوباں دیاں
اُس نوں ویکھ کے وانگ کباب جلیاں
تکن والیاں ماہ کنعان دیاں

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مضمون چھیڑا ہے یہ علمائے دیوبند کے اساتذہ میں سے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے شاگرد تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے استاد بھائی ہیں۔ ''تفسیر مظہری'' کے نام سے انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ تعلیمات کے مشہور بزرگ مرزا مظہر جانِ جاناں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ خاندان نقشبندیہ کے لوگ مرزا مظہر جانِ جاناں کو مجدد کہتے ہیں۔ بہت نیک اور صالح شخص تھے۔ تفسیر مظہری کے حوالہ سے پہلے کعب احبار تابعی رضی اللہ عنہ کے تمثیل نور کے ضمن میں تاثرات بیان کیے جا چکے ہیں۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابھی خود نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور پروردگار نے بطور نبی ابھی آپ کو مبعوث بھی نہیں کیا۔ والد گرامی کا وصال ہو چکا ہے۔ پورا ماحول نبوت کے معنیٰ سے آشنا ہی نہیں اُس وقت یہ باتیں چھڑنے لگیں۔

یہ وہ باتیں ہیں جن میں بہت سارے اسرار ہیں۔

لکھ میم دے اولے آ بیٹھوں تینوں عاشق لوگ پہچان گئے
لکھ وار کہو آ قا اَنَا بَشَرٌ پر تینوں جانن والے جان گئے

حضرت سیّدہ کہتی ہیں میرے بطن میں سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام جلوہ فرما ہوئے اُس وقت عالم خواب میں دیکھا میرے بطن سے نور برآمد ہوا ہے سرزمین شام میں واقع بُصرہ کے محلات مجھے دکھائی دینے لگے۔

یہ روشنی حبشہ، ایران، مصر، یمن اور دنیا کے کسی حصے میں نہیں پڑی صرف شہر بصرہ پر پڑی اور وہاں کے محلات نظر آئے۔ دراصل سلطنت روم (Roman Empire) کا مرکز شام تھا اور یہ عیسائی (Cristian) تھے۔ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اُن کا تعلق یہود سے تھا۔ اور دونوں کی کتابوں (تورات اور انجیل) میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بطور نور کے بیان ہوا تھا۔ جیسا کہ پہلے تفصیل بیان کی گئی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ پاک نور ہے

قرآن مجید کی آیت جس میں حضور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نور فرمایا ہے:

{قَدْ جَآءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ} وہ آپ کی ذات والا صفات مراد ہے۔ اُسے محض سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصف یا صفت قرار دینا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے حدیث پاک بیان ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کی روشنی میں شہر بصری کے محلات نظر آنے لگے وہ یقیناً نور حسی ہے۔ اب کسی کا کہنا کہ یہ مجازاً نور کہا ہے اور اس سے مراد نور معنوی ہے۔ بلا دلیل ہے محض جہالت کا ثبوت ہے۔

حضرت قبلہ عالم مفکر اسلام شاہ صاحب دامت برکاتہم العالی یہاں ارشاد فرماتے ہیں ''آج سے پچاس برس پہلے اس موضوع پر ایک بدعقیدہ شخص سے میری گفتگو ہوئی تھی۔ میں بہت کم عمر آدمی تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف میں سے ایک صفت نور ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بشر ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس کتاب میں لکھا ہے اور وہ کتاب معتبر ہونی چاہیے۔ وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔ اُن کی اطلاع میں کوئی ایسی کتاب نہیں تھی۔ میں نے اُنہیں کہا میں موقع دیتا ہوں کہ آپ کسی وقت وہ کتاب پیش کر دیں جو سابقہ مسلمانوں میں کسی معتبر شخصیت کی لکھی ہوئی ہو اور متفقہ ہو۔ وہ یہ بتائے کہ نبی پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بشر ہے اور صفت نور ہے اور مجازاً نور کہا گیا ہے۔''

حضرت قبلہ عالم مفکر اسلام دامت برکاتہم القدسیہ آگے ارشاد فرماتے ہیں ''ہم یہ کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات نور ہے صفت بشر ہے اُس شخص نے پوچھا کیا آپ کسی کتاب کا نام لے سکتے ہیں۔ میں نے جواب دیا

کہ ہاں میں کتابیں پیش کرسکتا ہوں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ جس وقت کوئی چیز بنتی ہے پہلے اُس کی ذات بنتی ہے یا صفت بنتی ہے۔ اتفاق سے اس جگہ ایک راجہ صاحب موجود تھے۔ اُن کی موچھوں پر لگا ہوا تیل چمک رہا تھا۔ میں نے سوال کیا کہ اِن کی موچھوں پر جو تیل چمک رہا ہے یہ ان کی صفت ہے۔ پہلے راجہ صاحب بنے یا پہلے ان کی موچھوں پر تیل کی چمک بنی ہے۔''

ذات کا وجود صفت سے پہلے ہے

اگر سب سے پہلے بشر بنا تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بشر ہے اور اگر پہلے نور بنا ہے تو پھر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک نور ہے۔ مشہور حدیث ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کُنتُ نبیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الروح و الجسد۔ (سنن ترمذی)۔ (میں اس وقت نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام کا جسد عنصری بھی نہیں بنا تھا)۔

جو سب سے پہلا بشر ہے وہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی بننے کے بعد تخلیق ہوا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ پہلے صفت پیدا ہوا اور ذات بعد میں وجود میں آئے۔ حقیقت بالکل واضح ہے کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشریت کی ابتداء سے پہلے تھے اور پہلے آپ نور تھے جیسا احادیث مبارکہ سے ثابت ہے:

(اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ)

(یَاجَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ قَبْلَ الْاَشْیَآءِ)) کتاب مسند امام عبدالرزاق)۔

جو صفت کا وجود ہے خارج میں موخر ہوتا ہے۔ نور مصطفی پہلے بنا لہٰذا ذات نور ہے۔

کعب اخبار رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق پہلی کتابوں میں سرکار دوعالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت باسعادت کے تذکرے میں یہ بات بیان ہوئی ہے۔

(مَوْلِدُہٗ فِیْ مَکَّۃَ وَ مُھَاجِرُہٗ فِی الْمَدِیْنَۃِ وَ مُلْکُہٗ بِالشَّامِ)۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: (وَ خِلَافَتُہٗ فِی الْمَدِیْنَۃِ)۔

حضور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادیت شریف مکہ میں ہوگی ہجرت مدینہ طیبہ میں ہوگی اور خلافت کا نظام بھی اُن کا مدینہ طیبہ میں قائم ہوگا۔ جب خلافت سے اسلام کو محروم کر دیا جائے گا تو ملوکیت شروع ہو جائے گی تو اُس وقت اس کا مرکز شام ہوگا اس لیے حضرت سیّدہ آمنہ نے نور سے شام کو روشن ہوتے دیکھا۔ یہ روشنی وہاں اس لیے پڑی کہ ملوکیت کے باوجود وہاں اسلامی دباؤ قائم رہے گا۔ شام میں نور کی روشنی پڑنے کی ایک اور وجہ یہ تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج شریف کا سفر کعبہ مبارکہ سے شروع ہوتا ہے اور براستہ بیت المقدس آگے بلندیوں کی طرف پرواز شروع ہوتی

ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ(Indication) پہلے دیا کہ زیارت کے لیے سارے نبی حاضر ہیں کہ حبیب کبریا کی آمد ہے۔ انتظار کرو۔

کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وعدہ کیا تھا پیار کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

قیامت میں قیامت کا میزان بھی وہیں قائم ہوگا۔ یہاں قیامت کی عدالت انصاف لگے گی اس لیے یہاں نور مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی پڑی گزشتہ سارے انبیاء ومرسلین علیہم السلام کا پوری دنیا پر قبضہ تھا۔ پہلے سے قابض (Previous Possessy) کا قبضہ (Possession) فسخ (Vacate) نہ کیا جائے تو نئے مالک کا قبضہ رکا ہوا (With Hold) تسلیم ہوتا ہے۔ یہ غاصبانہ قبضہ مانا جائے گا۔مثال کے طور پر آپ نے کسی کو زمین کاشت کرنے کے لیے دی ہوئی ہے۔اس نے فصل کاشت کیا ہوا ہے اُس وقت تک اس کا قبضہ موجود ہے۔اگر آپ کھیت کے مالک ہونے کی حیثیت سے کھیت میں داخل ہوں تو آپ پر قانوناً مداخلت بے جا کا مقدمہ قانون کی شق ۴۲۷ کے تحت ہوسکتا ہے۔سارے نبی جو روئے زمین پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائم مقام (On Behalf) قابض تھے اُن کو وہاں اکٹھا کیا جہاں قیامت کی عدالت انصاف قائم ہونے والی ہے۔بیت المقدس میں سارے نبیوں نے حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں اللہ اکبر کہہ کر قبضہ چھوڑنے کا اعلان کر دیا۔اس کا اظہار سارے نبیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا امام تسلیم کر کے کیا۔

مسلمانوں کو یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ امام (پیشوا) کا کیا مرتبہ ہے۔ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ نماز میں اقتداء کرتے ہوئے کہو پیچھے اس امام کے اور بعد میں اُسی کو سب وشتم کا نشانہ بناؤ۔اللہ کی بارگاہ میں یہ بات درست نہیں ہے۔ جسے امام مانتے ہو اُس کا احترام کرو۔

اصول تفسیر میں یہ بات آتی ہے کہ قرآن مجید کی آیات مختلف مقامات پر نازل ہوتی رہیں جہاں جہاں صاحب قرآن سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلوہ فرما ہوتے رہے۔وہاں قرآن کا نزول ہوتا رہا۔اس طرح کچھ آیات بحری ہیں کشتی پر سفر کرتے ہوئے نازل ہوئیں۔کچھ بری ہیں جو زمین پر نازل ہوئیں۔اسی طرح بعض سماوی ہیں جو آسمان پر نازل ہوئیں۔ لیکن ایک آیت کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ فضاء میں نازل ہوئی۔جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری فضاء میں پرواز کی طرف مائل ہوئی تو تمام انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم آداب میزبانی (Protocol) پیش کرتے ہیں۔تو رب

تعالیٰ اپنے محبوب سے فرماتا ہے کہ پہلے قبضہ خالی کرایا ہے اب ایک بات نبیوں سے آپ پوچھیں:

{وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً یُّعْبَدُوْنَ}۔(الزخرف:۴۵)

یہ سب رسول سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے قابلِ استفسار (Questionable) ہیں۔

معراج کی بات اس وقت ہمارے موضوع کا حصہ نہیں صرف یہ ذکر کرنا مقصد ہے کہ وہاں روشنی پڑی تھی۔ میلاد پاک کی روشنی اس سارے واقعے کی بنیاد ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کا تعارف (Introduction) تھا۔ انبیاء علیہم السلام جن کے مزارات وہاں تھے وہ سب حاضر ہوئے اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سلامی مجرا پیش کیا۔

امام قسطلانی علیہ الرحمۃ کی ''المواهب اللدنیه'' اور اس کی شرح ''زرقانی'' میں میلاد شریف سے متعلق کئی واقعات بیان ہوئے ہیں جن سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت متحقق ہوتی ہے۔

ابوجہل کہتا ہے میں کعبے میں گیا تو دیکھا سارے بت گرے ہوئے ہیں۔ پچاس پچاس من کے بت جنہیں عام آدمی مل کر ہلا تک نہیں سکتے وہ گرے کس طرح ہیں۔ جب یہ دیکھا کہ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مولد شریف کے رخ پر منہ کے بل گرے پڑے ہیں تو میری سمجھ میں آنے لگا یہ اُسی کے لیے گرے ہیں۔ بتوں کا گرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اعلان نبوت تھا۔

ترمذی شریف کے متن میں حدیث ہے کہ پتھروں کو نبی کے سوا کسی کے آگے سجدہ کرنے کی عادت نہیں۔ ترمذی شریف میں ایک پورا باب ہے جس کا نام ہے ''باب ماجاء فی میلاد النبی''۔ یہ میلاد کے عنوان کے تحت ذکر ہو رہا ہے۔ معلوم ہوا شروع سے ہی میلاد کا لفظ استعمال ہوتا رہا ہے اور محدثین اس کا ذکر کرتے رہے ہیں۔

صاحب ترمذی نے اس کے ساتھ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کا باب شروع کیا ہے جس کا مَاجَآءَ فِیْ بَدَءِ نُبُوَّہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

عن ابی موسی الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: خرج ابو طالب الی الشام و خرج معہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی اشیاخ من قریش، فلما اشرفوا علی الراھب ھبط فحلوا رحالھم، فخرج الیھم الراھب، وکانوا قبل ذلک یمرون بہ فلا یخرج الیھم ولا یلتفت قال: فھم یحلون رحالھم فجعل یحللھم الراھب حتی جاء فاخذ بید رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: ھذا سید العالمین، ھذا رسول اللہ رب العالمین، یبعثہ

الله رحمة للعالمين، فقال له اشياخ من قريش: ما علمک؟ فقال: انکم حين اشرفتم من العقبة لم يبق حجر و لا شجر الا خر ساجدا، و لا يسجدان الا لنبی، و انی اعرفه بخاتم النبوة اسفل من غضروف کتفه مثل التفاحة، ثم رجع فصنع لهم طعاما، فلما اتاهم به فکان هو فی رعية الابل فقال: ارسلوا اليه فاقبل و عليه غمامة تظله، فلما دنا من القوم وجدهم قد سبقوه الی فی الشجرة، فلما جلس مال فی الشجرة عليه فقال: انظروا الی فی الشجرة مال عليه، قال: فبينما هو قائم عليهم و هو ينا شدهم ان لا يذهبوا به الی الروم، فان الروم ان رو عرفوا بالصفة فيقتلونه، فالتفت فاذا بسبعة قد اقبلوا من الروم فاستقبلهم فقال: ما جاء بکم؟ قالوا: جئنا ان هذا النبی خارج فی هذا الشهر، فلم يبق طريق الا بعث اليه بالناس و انا قد اخبرنا خبره بعثنا الی طريقک هذا، فقال: هل خلفکم احد هو خير منکم قالوا: انما اخبرنا خبره بطريقک هذا، قال: افرايتم امرا اراد الله ان يقضيه، هل يستطيع احد من الناس رده؟ قالوا: لا، قال: فبايعوه و اقاموا معه قال: انشدکم بالله ايکم وليه؟ قالوا: ابو طالب، فلم يزل يناشده حتی رده ابو طالب)۔ (جامع ترمذی باب ماجاء فی ابدء النبوة: ۲/۲۰۲)

(حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شام کی طرف ایک تجارتی قافلے کے ساتھ گئے اس قافلے میں جناب ابوطالب (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا اور حضرت حیدر کرار کرم اللہ وجہہ الکریم کے اباجی) تھے اور قریش کے سردار تھے۔ ایک راہب کے پاس پہنچے (عیسائیوں کے صوفی، وہ مذہبی پیشوا جن کا علوم ظاہریہ اور باطنیہ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے) وہ راہب اس قافلے کو دیکھ کر فوراً نیچے اُتر آیا۔ اس سے پیشتر بھی قافلے والے اُس راہب کے پاس سے گزرتے رہتے تھے لیکن وہ اُن کے پاس نہیں آیا کرتا تھا اور نہ ہی کوئی توجہ کیا کرتا تھا۔ یہ اس مرتبہ اُنہیں دیکھ کر اپنی عبادت گاہ سے نیچے اُتر آیا۔ راوی کہتے ہیں مسافر اپنے کجاوے کھول رہے تھے۔ وہ راہب اُن کجاووں کے درمیان پھرنے لگا۔ اِدھر اُدھر سب کو غور سے دیکھتا رہا اور آخر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکڑ لیا۔

(فَقَالَ هٰذَا سَيِّدُ الْعٰلَمِيْنَ۔ هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ يَبْعَثُهُ اللّٰهُ تَعَالٰی رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ)

کل کائنات کا یہ بادشاہ ہے۔ یہ اللہ کا رسول ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے کل جہاں کے لیے رحمت بنا کر کھڑا کرے گا۔

اس وقت سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر دس سال سے بھی کم تھی۔ حضرت ابوطالب پیار کی وجہ سے ساتھ لے گئے تھے یہ سوچ کر کہ میری جدائی کو بہت محسوس کریں گے اور دوسرے باہر کے حالات اور لوگوں سے میل جول کا پتہ لگے گا یہ سن کر قریشی سردار بڑے حیران ہوئے کہ ہم قوم میں بڑی حیثیت کے مالک ہیں اس راہب نے ہمارے بارے میں کوئی رائے

(Opinion) نہیں دی اُنہیں حسد محسوس ہوا۔ اُنہوں نے راہب سے پوچھا تمہیں یہ کیسے علم ہوا کہ اس کا یہ مرتبہ ہے۔

راہب نے جواب دیا۔ فِیْکُمْ اَشْرَفُ مْ لَا حَجَرٌ وَ لَا شَجَرٌ اِلاَّ خَرَّ سَاجِدًا لَا یَسْجُدَانِ اِلاَّ لِلنَّبِیِّ۔ (ترمذی جلد دوم صفحہ ۲۲۵) جس وقت تم گھاٹی سے آگے گزر رہے تھے اس وقت میں نے دیکھا کوئی درخت نہیں تھا اور کوئی پتھر نہیں تھا جس نے اسے سجدہ نہ کیا ہو۔ یہ درخت اور پتھر سوائے نبی کے کسی کو سجدہ نہیں کیا کرتے۔

ثابت ہوا کہ پتھر نبی کو سجدہ کرتے ہیں اور بت پتھر ہی ہوتے ہیں اس لیے ساری دنیا کے بت میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موقعہ پر سجدے میں گر گئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد شریف نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو منوالیا۔

حضور کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ میں جس چیز سے متاثر ہوا ہوں وہ بچپنے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گہوارے میں پڑا ہوا ہونے کی بات ہے آپ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ مجھے پہلی دعوت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد پاک نے دی ہے۔

{یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْئُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ} کی تفسیر میں یہ بیان ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ سچے دین پر فرمائے۔ (آمین)

وَمَا عَلَیْنَا اِلاَّ الْبَلَاغُ الْمُبِیْنَ

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ